محاسبۂ قادیانیت

جسٹس (ر) حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

جلد ۲۳

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب : محاسبہ قادیانیت جلد تئیس (۲۳)

مصنف : حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۴۵۶

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : ستمبر۲۰۲۲ء

ناشر : عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان

Ph: 061-4783486

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجمالی فہرست رسائل مشمولہ......محاسبہ قادیانیت جلد۲۳

☆......	عرض مرتب	حضرت مولانا اللہ وسایا	۴
۱......	عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام (مطالعہ قادیانیت جلد نمبر۳)	حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ	۵
۲......	براہ راست قادیانیت پر غور کرنے کا آسان راستہ	〃 〃 〃	۳۰۷
۳......	نصرت الاسلام (روئیداد مناظرہ مال روڈ لاہور ستمبر۱۹۶۲ء)	〃 〃 〃	۳۷۵
۴......	تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء سے متعلق دس سوالات کے جوابات	〃 〃 〃	۴۳۱
۵......	قادیانیوں کی نئی نسلوں اور نوجوانوں کے نام ایک درد بھرا پیغام واپسی	〃 〃 〃	۴۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ سید الرسل و خاتم الانبیاء. امابعد!

مخدوم العلماء حضرت مولانا علاّمہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی محاسبہ قادیانیت جلد۲۱ میں:

۱...... ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم نبوت''(مطالعہ قادیانیت جلد نمبر۱)

۲...... ''قادیانیوں کی شرعی وقانونی حیثیت''

اور محاسبہ قادیانیت جلد۲۲ میں:

۳...... ''عقیدہ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام''
(مطالعہ قادیانیت جلد نمبر۲)

۴...... ''مقام عیسیٰ ابن مریم''

شائع کرچکے ہیں اور اب محاسبہ قادیانیت جلد۲۳ میں:

۵...... ''عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام''
(مطالعہ قادیانیت جلد نمبر۳)

۶...... ''براہ راست قادیانیت پر غور کرنے کا آسان راستہ''

۷...... ''نصرت الاسلام''(روئیداد مناظرہ مال روڈ لاہور ستمبر۱۹۶۲ء)

۸...... ''تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء سے متعلق دس سوالات کے جوابات''

۹...... ''قادیانیوں کی نئی نسلوں اور نوجوانوں کے نام دردبھرا پیغام واپسی، اپنے موجودہ سربراہ کے بیان پر گہری نظر کریں''

یادرہے کہ ۶، ۷، ۸، ۹ یہ کتب ورسائل مطالعہ قادیانیت میں شامل نہ تھے۔ ہم نے ان کو محاسبہ قادیانیت کی اس جلد۲۳ کا حصہ بنایا ہے تاکہ مخدوم ومحترم حضرت ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ کتب ورسائل محاسبہ کے سیریز کا حصہ ہوکر محفوظ ہوجانے کے ساتھ امت بھی اس سے استفادہ کرسکے۔ یوں اس جلد تک حضرت مرحوم کی نو کتب ورسائل کے شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوگئی۔ **الحمد والشکر للہ تعالیٰ!**

محتاج دعاء: (فقیر) اللہ وسایا، ملتان

۱۵/محرم الحرام ۱۴۴۴ھ، ۱۴/اگست ۲۰۲۲ء

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

عقیدۃ الاعلام

فی الفرق بین الکفر والاسلام

مطالعہ قادیانیت جلد سوم

جسٹس (ر) حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود

هو الذى خلقكم فمنكم كافر ومنكم مومن ۔ پارہ۲۸۔ التغابن

عقیدۃ الأعلام

فی الفرق بین الکفر والاسلام

مطالعہ قادیانیت جلد سوم

قرآن و حدیث ، رشد راشدین ، ائمہ اربعہ اور تاریخ اُمت کی روشنی میں کفر و اسلام کے حقیقی فاصلوں پر اکابر علماء اسلام کی چودہ سو سالہ شہادت

تالیف:
محقق العصر جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

شائع کردہ: محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی لاہور

JAMIA ISLAMIA : Stock port Road, Manchester, M 13 OLF

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

مقدمہ			۱۳
کفرواسلام کی فاصلوں کی دنیوی اہمیت	۲۰	کفرواسلام کے فاصلے ناپنے میں علماء کی سبقت	۲۱
پاکستان میں پہلی تحریک ختم نبوت	۲۳	لفظاً ایمان اور کفر کے مختلف پیرائے	۲۴
حقیقت ومجاز کے فاصلے بھی معنی بدل دیتے ہیں	۲۴	حقیقت ومجاز شرعی تخاطب میں بھی چلتے ہیں	۲۵
جمہوریت کے عرفی معنی	۲۶	جمہوریت کے عرفی معنی میں مجاز کی ایک راہ	۲۶
حقیقت شرعی اور حقیقت لغوی میں اختلاف کی ایک اور مثال	۲۶	انسانوں کی مختلف قسمیں	۳۰
عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والسلام			۳۳
ایمان کی شرعی حقیقت کیا ہے؟	۳۳	(۱)شہادۃ القرآن علی حقیقت الایمان	۳۴
(۲)آپ اللہ سے جو احکام لائے آپ کی رسالت کے اقرار میں ان سب کو ماننا ضروری ہے	۳۵	(۳)زبان سے آپ کی ساری تعلیمات کو حق تسلیم کرنا	۳۶
(۴)حضورﷺ کے ہر فیصلے پر دل وجان سے راضی رہنا ایمان کا تقاضا ہے	۳۶	(۵)ملت ابراہیمی کی پیروی میں ہر دوسرے دین سے علیحدگی اور برأت	۳۷
شہادت الحدیث علی حقیقت الدین الحنیف	۳۸	ایمان ایک حقیقت بسیطہ ہے	۴۱
کون سی تعلیمات ہیں جنہیں مانے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا؟	۴۳	رسالت محمدی کی تصدیق جملہ اہل اکتاب پر بھی لازم ہے	۴۷
ایمان گو ایک حقیقت بسیطہ ہے مگر اس کے اجزاء بھی ہیں	۵۱		
وہ تواتر کیا ہے جس سے مسائل یقینی بنتے ہیں			۵۳
کیا پہلے کی مستفیض خبروں کی بھی پڑتال کی ضرورت ہے؟	۵۶	تواتر کی مختلف قسمیں اور اس کی عملی پہچان	۶۱
تواتر اسناد	۶۳	ایک سوال اور اس کا جواب	۶۴
تواتر طبقہ	۶۵	تواتر تعامل (اسے تواتر توارث بھی کہتے ہیں)	۶۷

تواتر قدر مشترک	۷۲		
شهادة الراشدين على حقيقة الدين المتين			۷۵
(۱)حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایمان کی شرعی حقیقت	۷۵	کیا ایمان کمی اور زیادتی برداشت کرتا ہے؟	۷۶
ایمان پر مباحث کب سے اٹھنے لگے	۷۶	فتنہ انکار زکوٰۃ میں پہلے اٹھے اختلافات	۷۸
فتنہ انکار زکوٰۃ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابتدائی مؤقف	۸۱	تتمہ بحث مانعین زکوٰۃ	۸۷
ایک سوال اور اس کا جواب	۸۹	خلافت صدیقی میں منکرین زکوٰۃ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا کوئی اختلاف نہ رہا تھا	۹۰
(۲)حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت	۹۲	(۳)امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت	۹۵
سلطنت اسلامی کے لئے امام کا وجود ناگزیر ہے	۹۷	(۴)حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت	۹۹
سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فیصلہ	۱۰۳	عبداللہ بن نواحہ پر مرتد کی سزا جاری کی گئی	۱۰۴
سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ	۱۰۵	سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فیصلہ	۱۰۷
اب دوسری صدی میں چلئے	۱۰۸	شیعہ کے ہاں بھی ایمان کی شرعی حقیقت یہی تسلیم کی گئی ہے	۱۲۷
قرآن پاک میں ایمان کا لفظ مختلف موارد میں			۱۲۹
لفظ ایمان مختلف موارد میں	۱۲۹	(۱)ایمان کی شرعی حقیقت	۱۳۰
مومن اور مسلم ایک معنی میں	۱۳۰	حقیقت اور مجاز کے مختلف استعمالات	۱۳۳
(۲)ایمان کی ایک تکمیلی شان بھی ہے	۱۳۴		
ایمان اپنی ذات میں کوئی کمی بیشی قبول نہیں کرتا			۱۳۷
ایمان کی تکمیلی شان میں اترے اعمال	۱۳۸	روزے میں ایمان ڈھلے اس پر نجات موعود ہے	۱۳۹
مسلمان کے جنازے میں شرکت ایمان سے ہوتی ہے	۱۴۰	حیاء بھی ایمان کا ہی ایک حصہ ہے	۱۴۰
بھائی کی پسند کو دیکھنا ایمان کی ہی ایک تکمیل ہے	۱۴۰	۳......لفظ ایمان اپنے لغوی معنی میں	۱۴۲

ایمان کے لغوی معنی کی ایک اور مثال	۱۴۲	۴......ایمان کا اعتبار محض علامات سے	۱۴۳
ایک قادیانی مغالطہ	۱۴۳	علامات اسلام مسلمان کی صرف ایک عرفی پہچان ہے	۱۴۴
قادیانیوں اور مسلمانوں کے اختلافات اصولی ہیں فروعی نہیں	۱۴۵	تخاطب عرفی کا صرف ایک وقت تک اعتبار ہے یہ کوئی حقیقت دائمہ نہیں	۱۴۶
مؤمنین کی مختلف قسمیں			۱۴۷
حالت اکراہ میں زبانی اقرار ضروری نہیں	۱۴۹		
کیا ایمان میں صرف تصدیق قلبی کافی ہے؟			۱۵۰
کسی غیر مسلم کے مسلمان ہونے کے لئے ارادہ تبدیل ملّت ضروری ہے	۱۵۳		
اہل قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں، قادیانی اہل قبلہ میں سے نہیں			۱۵۶
ضروریات دین کے کسی منکر یا مؤوّل کو کلمہ گو نہ کہا جائے	۱۶۳		
نصوص شریعت اپنے ظواہر پر رکھی جائیں، انہیں اپنے ظواہر سے ہٹانا الحاد وزندقہ ہے			۱۶۵
قانون اسلامی کا اصل الاصول	۱۷۴		
عقیدہ تسلسل امت			۱۷۵
۱......قرآن کریم کی پہلی شہادت	۱۷۵	۲......قرآن کریم کی دوسری شہادت	۱۷۶
۳......قرآن کریم کی تیسری شہادت	۱۷۷	۴......قرآن کریم کی چوتھی شہادت	۱۷۷
۵......حضور ﷺ کے ساتھ کے لوگ کن صفات کی امت بتلائے گئے	۱۷۸	۶......حضور ﷺ کے ذمہ جس طرح قرآن پہنچانے کی ذمہ داری تھی، آپ ﷺ کے ذمہ ایک پاک دل امت بنانا بھی رہا	۱۷۹
۷......حضور ﷺ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنی تزکیہ یافتہ امت کی اطاعت بھی شامل کی	۱۷۹	۸......حضور ﷺ مقام دعوت میں بھی کبھی اکیلے نہ رہے، بہترین امت ہمیشہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہی	۱۸۰
۹......دین مکمل ہونے پر اللہ نے دین کا چارج ان اگلے لوگوں (صحابہ) کو دے دیا	۱۸۰	۱۰......ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو جانشینان رسالت ہونے کا وعدہ دیا گیا	۱۸۱

ا......قرآن کریم میں پہلے صحابہؓ کو کس طرح معیار بتایا گیا؟	۱۸۲	ا......ایمان انہی کا لائق قبول ہوگا جو پہلے ایمان لانے والوں کے ساتھ ایک سلسلہ میں رہیں	۱۸۳
وہ اوّلین امت کون تھے، جن کو بعد کے مدعیان اسلام کے لئے نمونہ بتلایا گیا؟	۱۸۴	۲......ان پہلے مسلمانوں کی راہ قرآن پاک میں سبیل المؤمنین ٹھہرائی گئی	۱۸۴
حدیث کی تسلسل امت کی قوی شہادتیں	۱۸۴	۲......حضورﷺ نے ان دو کو اپنی قومی زندگی میں اپنے ساتھ مسلسل رکھا	۱۸۶
۳......آپ نے ان کا نام لے کر انہیں اس امت کے پیشواء بتلایا	۱۸۶	۴......خلافت کے عنوان کے بغیر قومی ذمہ داریوں کو آگے چلانے میں آپﷺ نے ایک سائلہ کی اس طرح رہنمائی کی	۱۸۷
۵......حضورﷺ نے صرف حضرت ابوبکر وعمرؓ سے نہیں پورے خلفائے راشدین سے ایک پورا تسلسل قائم رکھا	۱۸۷	۶......صرف خلفائے راشدین ہی نہیں آپ نے اپنے پورے صحابہؓ کو اپنی لائن پر چلنے والا بتایا	۱۸۸
۷......آنحضرتﷺ کی ایک فرقہ ناجیہ کی پیش گوئی	۱۸۹	صحابہ کرامؓ نے پھر کس طرح اس تسلسل امت کو قائم رکھا	۱۹۰
(۱)حضرت ابوبکرؓ کا کردار	۱۹۰	حضرت عمرؓ کی تسلسل امت پر ایک شہادت	۱۹۰
(۲)حضرت عمرؓ تسلسل امت میں حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں چلے	۱۹۰	(۳)حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تسلسل امت پر اصرار	۱۹۱
(۴)حضرت عثمانؓ کا تسلسل امت کو قائم رکھنے کا اقرار	۱۹۱	(۵)حضرت علی المرتضیٰؓ کا تمام سابقہ شرائط خلافت سے اتفاق	۱۹۲
حضرت علی المرتضیٰؓ خلافت میں پہلے خلفاء کے تسلسل میں	۱۹۲	صحابہ کرامؓ کو بھی اپنی یہ پیشواء حیثیت معلوم تھی	۱۹۳
صحابہؓ حدیث رسول کے باوجود عمل حضرت ابوبکر وعمرؓ کو ساتھ رکھتے تھے	۱۹۴	امام بخاری اور امام مسلم کا مؤقف	۲۰۴
امام ابوداؤد اور امام ترمذی کا مؤقف	۲۰۴		

عقیدہ تضلیل امت			۲۰۹
عقیدہ تضلیل امت کی پہلی کڑی	۲۱۲	اس امت کے قاطبۃً گمراہ نہ ہونے کا آسمانی فیصلہ	۲۱۴
صحابہؓ کے اجماع پر عصمت کا سایہ کارفرما ہوتا ہے	۲۱۸		
خوارج کی تاریخ کا ایک سیاہ ورق			۲۱۹
مسٹر غلام احمد پرویز کا عقیدہ تضلیل امت	۲۲۳	امت کے اعمال شاعرانہ سوچ میں نہیں اتارے جاسکتے	۲۲۳
عقیدۂ نسخ ملت			۲۲۶
قادیانیوں کا پہلے اسلام کے مردہ ہونے کا دعویٰ	۲۲۷	اس امت کا امتداد قیامت تک	۲۳۳
حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی پر کیا حیثیت ہوگی، کیا وہ اپنی علیحدہ ملت قائم کریں گے؟	۲۳۸	نزول عیسیٰ بن مریم سے حضورﷺ کی امت نہیں ٹوٹتی	۲۳۹
قادیانیوں کا نسخ ملت کا جرم	۲۴۳	پہلے قادیانی مسلمانوں سے نکلے یا مسلمانوں نے انہیں امت سے باہر کیا ہے؟	۲۴۳
کفر کی حقیقت شرعی اور اس کے مختلف پیرائے			۲۴۵
ایک ضروری نوٹ	۲۴۷	کافروں کی مختلف اقسام	۲۴۸
کفر کے مختلف پیرائے	۲۵۱	۱......دہریہ	۲۵۱
۲......مشرکین	۲۵۲	۳......صائبین اجرام فلکی کے پرستار، ستارہ پرست	۲۵۲
۴......مجوس، آتش پرست	۲۵۳	۵......ملحدین	۲۵۵
۶......زنادقہ	۲۵۷	۷......مرتدین	۲۵۸
۸......منافقین	۲۶۰	۹......بہائی	۲۶۳
۱۰......قادیانی	۲۶۴		
کیا کفر کے لئے ارادہ تبدیل ملت ضروری ہے؟			۲۶۷
قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی کی تاریخ داستان			۲۶۹
۱......یہ ایک نیا فرقہ قائم ہوا...... یا یہ ایک نئی امت کا آغاز تھا	۲۶۹	۲......علیحدگی کی دوسری اینٹ نئے فرقے کے نام سے	۲۷۳

۳……قادیانیوں کے پچھلے اسلام سے نکلنے کی تیسری اینٹ	۲۷۴	۴……مرزا غلام احمد کی امت سے علیحدگی کی چوتھی اینٹ	۲۷۵
۵…… مرزا قادیانی کی بوکاٹا……امت سے علیحدگی کی پانچویں اینٹ	۲۷۵	۶……قادیانیوں کی مسلمانوں سے مکمل علیحدگی کی چھٹی اینٹ	۲۷۷
قادیانیوں کے متفق علیہ وجوہ کفر	۲۷۹	۱……مرزا غلام احمد قادیانی کا پہلا کفر	۲۷۹
دوسرے مسلمان کو کافر کہنے سے، کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے	۲۸۱	مرزا قادیانی نے خود اپنی جماعت کو مسلمانوں سے الگ کیا	۲۸۳
۲……چودہ سو سال سے چلے آنے والے عقیدہ ختم نبوت میں ترمیم	۲۸۴	۳……حضورﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کا عقیدہ قطعیات اسلام میں سے ہے	۲۸۵
مرزا کا حضورﷺ کے نام پر قبضہ کرنا	۲۸۷	حضورﷺ سے براہ راست افضل ہونے کی بڑ	۲۸۷
حضورﷺ کے تشخص کو ختم کرنے کا کفر	۲۸۸	مرزا کی حضرت عیسیٰ کے بارے میں بدگوئی	۲۸۹
قادیانیوں کا ایک عذر لنگ جو دو قدم بھی آگے نہ چل سکا	۲۹۱	قادیانیوں کا دوسرا عذر لنگ	۲۹۲
اس بدزبانی کا نشانہ واقعی حضرت عیسیٰ تھے نہ کوئی فرضی شخصیت	۲۹۲	اب دیکھئے بات کس طرح کھلتی ہے	۲۹۳
مرزا کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر استہزائی چٹکلے	۲۹۵	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی چڑھنے کا عقیدہ	۲۹۶
قادیانیوں کا حضرت عیسیٰ کی سولی پر کھینچے جانے کا عقیدہ	۲۹۷		
اسلام میں جہاں تکفیر نہیں کی جاسکتی			۳۰۱
۱……جہاں لزوم اور التزام میں فرق ہو لزوم ہو اور التزام نہ ہو	۳۰۱	۲……جہاں کسی حکم کفر میں فریقین کے محکوم علیہ جدا جدا ہوں	۳۰۲
۳……کسی حکم عام میں اس خاص کو نہ لایا جائے جس پر بداہۃً وہ بات نہ لائی جاسکے	۳۰۳	۴……جب کسی بات کے متعدد محمل ہوں تو اسے کسی اچھے محمل پر محمول کیا جائے	۳۰۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی. اما بعد!

اسلام شریعت محمدی کے جلو میں چودہ سو سال سے ایک تسلسل سے چلا آ رہا ہے کہیں کسی کمی بیشی اور ترمیم کی ضرورت نہیں پڑی لیکن مختلف ادوار تاریخ میں مسلمانوں کی صفوں سے کچھ ایسے لوگ اور گروہ بھی اٹھتے رہے جنہوں نے پرانے اسلام میں کچھ تبدیلیاں کیں اور ایسے گروہ بھی اٹھے جنہوں نے اپنی ان تحریفات کی اساس پر نئے نئے فرقے ترتیب دیئے وہ علماء حق جو پرانے اسلام سے عہد وفا باندھے ہوئے تھے ہر دور میں اس پرانے اسلام کے گرد وفا کا پہرہ دیتے رہے اور ان کی محنتوں کا ثمرہ آج بھی اپنے پورے تسلسل کے ساتھ اس امت میں موجود ہے کسی کے بہ طریق بغاوت پرانے اسلام سے نکل جانے سے اصل اسلامی تعلیمات مجروح نہیں ہوتیں ان کی بقا سے ان تحریفات کا پورا جواب ملتا ہے۔

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی　　　اک اہل عشق ہیں کہ جہاں تھے وہیں رہے

آج مسلمان دنیا میں ایک بڑی قوم ہیں اسلام میں تحریف کی راہیں چلنے والے کسی مرحلے میں ایک مختصر سی اقلیت سے آگے نہیں بڑھے اور یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مسلمان اپنی عملی زندگی میں گو کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوگئے ہوں وہ اپنے دینی معتقدات میں آج بھی اسی اسلام پر ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے حضور ﷺ سے وراثت میں پایا تھا اور آگے امت کو دیا تھا۔ دین کی ہر نئی دعوت ان کے ہاں اسلام کے خلاف ایک بغاوت سمجھی جاتی رہی۔ صراط مستقیم وہی ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلتے آئے ہیں اور اسلام کی صحیح شکل وصورت بھی وہی ہے جو اگلوں کو ان پہلوں سے ملی ہو۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح ہم حضور خاتم النّبیین ﷺ کی امت ہونے کے ناطے صراط مستقیم پر ہیں: (۱) **مغضوب علیھم** اور (۲) ضالّین اور ملحدین سے بچنے کی بھی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ ملحدین بھی ضالین کا ہی ایک حصہ ہیں۔ سورت فاتحہ میں جس طرح صراط مستقیم پر چلنے والے ''مغضوب علیہم'' اور ''ضالین'' سے دور رکھے گئے ہیں۔

اسی طرح ہمیں سورۃ ’’حٰم سجدہ‘‘ کی آیت نمبر۴۰ میں ملحدین کی بھی پوری خبر دی گئی ہے اور دین میں الحاد کی راہ اختیار کرنے والوں کا انجام بھی جہنم بتایا گیا ہے۔ سو’’مغضوب علیہم‘‘ اور ’’ضالین‘‘ کے ساتھ ساتھ ہمیں ملحدین سے بچنے کی بھی اشد ضرورت ہے۔

قرآن پاک نے خبر دی ہے کہ دائرہ اسلام سے کچھ لوگ الحاد کی راہ سے بھی نکلیں گے اور یہ بھی حقیقت میں ضالّین کا ایک طبقہ ہے۔ الحاد کیا ہے؟ اسلام کو اس مفہوم سے نکال کر جو صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے مسلسل چلا آرہا ہے ایک دوسرے معنی دیئے جائیں جس سے روح اسلام بالکل مسخ ہوکر رہ جائے یہ وہ راہ نہیں جو پہلی صف اسلام تک مسلسل جائے یہ ایک ٹیڑھی راہ ہے ٹیڑھی راہ پر چلنے والوں کو ملحدین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ وعدہ پورے اسلام کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ امت محمدیہ کو یہ وعدہ بھی دیا گیا ہے کہ دائرہ اسلام میں الحاد کی راہ اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ پر اور اللہ والوں پر مخفی نہ رہیں گے۔ ان کا کفر ظاہر ہوکر رہے گا۔ ایسے اسباب پیدا ہوں گے کہ یہ چھپے نہ رہ سکیں گے۔

’’انّ الذین یلحدون فی اٰیاتنا لا یخفون علینا افمن یلقٰی فی النار خیر ام من یأتی اٰمنا یوم القیامة اعملوا ما شئتم ان اللہ بما تعملون بصیر‘‘

(حم السجدہ:۴۰)

(ترجمہ) بے شک وہ لوگ جو ہماری آیتوں میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں وہ ہم سے چھپے نہیں رہتے بھلا وہ شخص جو آگ میں ڈالا جائے بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے (ایمان سے پیش ہو) کئے جاؤ جو تم چاہتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین کو اور علماء اعلام کو اس طرف متوجہ کردیا کہ وہ ان نئی نئی تحریکوں کے خلاف پرانے اسلام کے گرد وفا کا پہرہ دیتے رہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک بھی ان ٹیڑھی راہ چلنے والوں (معتزلہ، خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ، کرامیہ وغیرہا) کے ساتھ نہیں گیا۔ سب صحابہ رضی اللہ عنہم ایک ہی عقیدہ پر رہے۔ یہ اس لئے بھی ضرور تھا کہ فرقہ ناجیہ کے بارے میں پیغمبر کی بات ’’ما انا علیہ واصحابی‘‘ کی عملاً پوری تصدیق ہو، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک بھی کسی باطل

عقیدے پر چلا جاتا تو یہ ہدایت نبوی بالکل بے معنی ہو جاتی۔ اس ارشاد نبوت نے بتا دیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم دین میں ہمیشہ ایک ہی راہ پر رہیں گے اور اس پر نجات موعود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان ملحدین کے بارے میں اشارہ دے دیا ہے کہ یہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ اس سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ مسلمان کسی الحاد میں جائیں تو وہ مسلمان نہ رہیں گے ناری ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ مسلمان جس طرح کفر عناد سے ہر طور بچتے چلے آ رہے ہیں۔ وہ کفر الحاد سے بھی اس طرح بچیں۔ کفر کفر ہے وہ عناد کی راہ سے آئے یا الحاد کی راہ سے۔ اہل کفر کھلے دشمن کے طور پر اسلام پر حملہ کریں یا صف اسلام میں گھس کر وہ قرآن کریم کی آیات کا کوئی اور مطلب بیان کریں۔ قرآن کریم کے وہ معنی جو صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم نے سمجھے ان سے ہٹ کر وہ کوئی نیا اسلام ترتیب دیں تو وہ کبھی حق پر نہ سمجھے جاسکیں گے مسلمانوں کو اہل عناد سے اور اہل الحاد دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش من انداز قدت را مے شناسم

مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ضروریات دین اسلام کو ہر راہ الحاد سے بچائیں اور جس طرح یہ ملحدین اور ان کی کارروائیاں اللہ رب العزت پر اور صراط مستقیم پر چلنے والوں پر مخفی نہیں رہتیں عامۂ مسلمین کو بھی بتایا جائے کہ ملحدین کس طرح اپنے الحاد سے صف اسلام سے نکلتے ہیں۔

اہل حروراء (خوارج) کلمہ پڑھتے تھے اور نماز بھی۔ اپنے اعمال کو وہ بہت اونچا درجہ دیتے تھے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کو وہ کافر سمجھتے تھے مگر قرآن کریم میں غلط راہ چلنے کے باعث ان کے اعمال بے وزن کر دیئے گئے اور انہیں ان لوگوں کے ساتھ شمار کیا گیا جو کھلے بندوں آیات الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ اہل الحاد اور اہل عناد اسلام کی لائن عبور کرنے کے بعد بس ایک ہی صف میں آ کھڑے ہوتے ہیں جو خاسرین کی ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے: ’’قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً الذين ضلّ سعيهم فی الحيوٰة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا اولٰئك الذين كفروا بآيات ربهم ولقائه فحبطت اعمالهم فلانقيم لهم يوم القيامة وزنا‘‘ (الکہف:۱۰۳تا۱۰۵)

(ترجمہ) آپ کہہ دیں کیا بتائیں ہم تم کو کن کا کیا ہوا ضائع گیا؟ وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی یہیں اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت خوبصورت اعمال بجا لا رہے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب کی آیات سے اور ان کے ملنے سے سو برباد گیا ان کا کیا ہوا۔ ہم قیامت کے دن ان کا کوئی تول قائم نہ ہونے دیں گے۔ (ان کے اعمال میں کوئی وزن نہ آئے گا اور وہ یہیں رہ جائیں گے)

یہاں ''**کفروا بایٰات ربھم**'' اور ''**یلحدون فی ایٰاتنا**'' ایک ہی بات کی دو تعبیریں ہیں۔ اس پہلو سے الحاد اور عناد ایک درجے ہی میں آجاتے ہیں اور الحاد بھی پورا کفر ٹھہرتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سورۃ کہف کی ان آیات کو اہل کتاب پر منطبق کرتے ہیں۔ مگر حضرت علیؓ ''**ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالاً**'' میں فرقہ خوارج کو بھی لائے ہیں جو ظاہراً ان آیات کو آیات الٰہیہ مانتے تھے۔ مگر کفر والحاد کی راہ سے ان کی تکذیب کرتے تھے۔

علامہ شہاب الدین القسطلانی (۹۲۳ھ) لکھتے ہیں: ''**عند الحاکم من وجہ آخر عن ابی الطفیل قال قال علیؓ منھم اصحاب اھل النھروان وذٰلک قبل ان یخرجوا واصلہ عند عبدالرزاق بلفظ قام ابن الکواء الیٰ علیؓ فقال ما الاخسرین اعمالاً قال ویلک منھم اھل حروریا**''

(ارشاد الساری ج۷ ص۲۳۰ شاملہ)

معلوم ہوا کہ جس طرح دین اسلام کے کسی حصے کا انکار کفر ہے اسی طرح ضروریات دین اسلام میں سے کسی کو اس کے متوارث اور مسلسل معنی سے نکالنا اور اس میں کوئی نئے معنی لانا بھی کفر ہے اور انجام کے لحاظ سے عناد اور الحاد دونوں راہیں ایک ہوجاتی ہیں آگ میں جانے کا حکم دونوں پر ایک سا لگ رہا ہے۔

اس حقیقت کو جان لینے سے ان لوگوں کی زبانیں بند ہوجاتی ہیں جو کہتے ہیں کہ فری میسن (Freemason) کی ان باطنی تحریکوں سے کوئی تعرض نہ کرو ان کو اپنا کام کرنے دو اور تم اپنی بات صرف مثبت پیرائے میں رکھو کسی پر نکیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہر شخص جو کہتا ہے کہ تم اسے اپنی جگہ رکھو، جب اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کہ یہ اہل الحاد خفا میں رہیں چھپے رہیں اور چاہتے ہیں کہ سب کو ان کا پتہ چل جائے تو اب جو اس عمل نکیر سے کسی کو منع کرے کیا اس پر اللہ کا غضب نہ بھڑ کے گا؟ کسی فتنے سے بچنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ اسے مخفی نہ رہنے دیا جائے۔ اس الحاد کو جتنا ممکن ہو نمایاں کیا جائے اور اس تسلسل سے اس پر بچو بچو کی صدائیں لگیں کہ ہم محسوس کرنے لگیں کہ اب یہ الحاد کی آگ ہماری صفوں کو نہ چھو سکے گی۔
ضرورت اس امر کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی صراط مستقیم پر چلی آنے والی امت کو ان الحادی تحریکوں سے پورے عزم اور پوری بصیرت سے بچایا جائے جو لوگ ان مذاہب باطلہ کے تار و پود کھولیں حضور ﷺ نے انہیں بشارت دی ہے کہ ان کو اس پر وہی اجر ملے گا جو پہلی صف اسلام کو اپنی دعوت اسلام پر ملا تھا۔ اسلام میں جس طرح دعوت کی ضرورت ہے اسی طرح اس کی صیانت کی بھی سخت ضرورت ہے امت پر فرض ہے کہ اسے ہر حملہ الحاد سے بچایا جائے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’**سیکون فی آخرہ ہذہ الامۃ قوم لہم مثل اجر اوّلہم یأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر ویقاتلون اہل الفتنن**‘‘

(دلائل النبوۃ للامام البیہقی باب ما جاء فی الاخبار عن ملک بنی العباس ج۶ ص۵۱۳ شاملہ)

(ترجمہ) اس امت کے آخری دور میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں پہلے لوگوں کے برابر نیکیوں کا اجر ملے گا۔ ان کی یہ تین صفات ہوں گی (۱) وہ اسلام کی جانی پہچانی چیزوں کو آگے پھیلائیں گے (۲) اسلام میں نہ جانی گئی چیزوں سے لوگوں کو منع کریں گے اور (۳) دین میں فتنہ پیدا کرنے والوں (مذاہب باطلہ لانے والوں) کا مقابلہ کریں گے۔

انہیں اجر تو ان پہلے لوگوں کے برابر ملے گا لیکن ان کا درجہ انہیں نہ مل سکے گا۔ کیونکہ کوئی غیر صحابی کسی عمل سے بھی صحابی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا محدثین نے اس حدیث میں وارد لفظ اہل الفتن کی اس طرح تفصیل کی ہے۔

’’**ای من البغاۃ والخوارج والروافض وسائر اہل البدع. رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ**‘‘

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱۱ص۶۹،۴ رقم الحدیث ۶۲۸۹ باب ثواب ہذہ الامۃ الفصل الثالث)

اس سے مراد دین سے بغاوت کرنے والوں خوارج اور روافض جملہ اہل بدعت کا مقابلہ ہے۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ جولوگ کھلے طور پر اسلام کے خلاف ہیں وہ مسلمانوں کے لئے اہل عناد ہیں اور جو ظاہراً اسلام کے دائرہ میں رہتے ہیں۔ لیکن دین کی بعض ضروری باتوں کا انکار کرتے ہیں اور قرآن میں ان کی دی گئی وضاحت کا کھلے طور پر انکار کرتے ہیں، وہ اہل الحاد ہیں۔

اور قرآن پاک میں خبر دی گئی ہے کہ اس امت میں ملحدین اٹھیں گے اور وہ ہم پر مخفی نہ رہیں گے اور دعویٰ اسلام کے باوجود وہ آگ میں گریں گے اور آخرت میں ان کے لئے نجات نہیں ہے جب تک کہ وہ اپنے الحاد سے توبہ نہ کریں اور وہ قرآن حدیث کو اسی طرح نہ سمجھیں جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین نے انہیں سمجھا اور مانا تھا۔ ضروریات دین میں سے کسی کو وہ ان کے صحیح معنی ومراد سے نہ ہٹاتے ہوں۔

قرآن کریم میں جن اہل الحاد کی خبر دی گئی ہے وہ سب ایک ہی نوع کے ہوں گے یا وہ مختلف الانواع ہوں گے؟ ایسا نہیں، الحاد ایک جنس ہے اور اس کے کئی پیرائے اور عنوانات قائم ہوئے اور یہ سب اعمال ایک جنس کی مختلف انواع ہیں پھر ان کا وقت بھی ایک نہیں یہ تحریکیں مختلف ادوار میں مختلف عنوانوں سے اٹھتی رہی ہیں اور ہر زمانے میں اہل حق علماء ان کے ردوابطال میں سامنے آئے ہیں اور وہ اللہ کے ہاں احقاق حق اور ابطال باطل کا بڑا اجر پاگئے۔ ناری ہونے کے اعتبار سے اہل عناد اور اہل الحاد سب ایک حکم میں ہیں۔ ’’الکفر ملۃ واحدۃ‘‘ اہل کفر وہ کسی قسم کے بھی ہوں سب ایک ملت ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک جگہ چھ جماعتوں کا ذکر کیا ہے، ان میں ایک اہل اسلام ہیں اور پانچ دوسرے مذاہب کے پیرو اور پھر ان پانچوں کو ایک قرار دیا ہے اور پھر کل اہل مذاہب صرف دو عنوانوں میں لائے گئے ہیں۔

قرآن کریم کہتا ہے: ’’انّ الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصٰبئین والنصاریٰ والمجوس والذین اشرکوا ان اللہ یفصل بینھم یوم القیامۃ ان اللہ علیٰ کل شئ شھید‘‘ (الحج:۱۷)

(ترجمہ) بے شک (۱) جولوگ ایمان والے ہیں اور (۲) جو یہودی ہیں اور (۳) جو صابئین ہیں اور (۴) جو عیسائی ہیں اور (۵) جو آتش پرست ہیں اور (۶) جو مشرک ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کریں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر خبردار ہے۔

آگے ایک آیت کے بعد فرمایا کہ یہ دو فریق ہیں اہل اسلام ایک فریق اور دوسرے پانچ فریق ایک دوسرا فریق ہیں۔ فرمایا: ’’ھٰذان خصمٰن اختصموا فی ربھم‘‘ (ترجمہ) یہ دو مقابل فریق ہیں جو اپنے رب کے بارے میں آپس میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔

وہ چھ دو کیسے ہوگئے؟ ایک فریق اہل اسلام میں اور دوسرے پانچوں ایک فریق بتائے گئے اس سے پتہ چلا ’’الکفر ملۃ واحدۃ‘‘ کافروں کی جملہ قسمیں ایک ہی جنس کی مختلف انواع ہیں۔ یہ پانچوں جس طرح باوجود اپنے باہمی اختلافات کے ایک ہوئے تو کفار اہل عناد اور کفار اہل الحاد بھی انجام میں سب ایک حکم میں شمار ہوں گے۔

بنی نوع انسان دینی پہلو سے دو ہی قسم کے ہیں ان میں کوئی تیسری درمیانی راہ نہیں ہے۔ انسان دو طرح کے ہی ہیں مومن اور کافر ان میں کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔

قرآن کریم کہتا ہے: ’’ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن‘‘ (التغابن:۲)
(ترجمہ) وہ اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ سو تم میں کافر ہیں اور مومن ہیں۔

بنی نوع انسان میں کفر اور اسلام کے علاوہ کوئی تیسری صف نہیں ہے کوئی ایسے لوگ نہ ہوں گے جو ۹۰؍فیصد مسلمان ہوں اور ۱۰؍فیصد کافر یا بالعکس۔ اسلام یہ فیصد کی تقسیم گوارا نہیں کرتا۔ کوئی شخص بھی ہو یا وہ مسلمان ہوگا یا کافر۔ اصولاً انسانوں کی یہ دو ہی قسمیں ہیں۔ کفر و اسلام کے درمیان ہمارے ہاں کوئی واسطہ نہیں ہے اسلام ہوگا تو پورا ہوگا اور نہ ہوگا تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ ایک اصولی بات کا انکار ہو تو باقی ۹۹؍فیصد کا اقرار بھی ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں رہتا۔ ضروریات دین میں سے ایک کا انکار اور سب کا انکار برابر ہیں اور دونوں ایک ہی درجہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اثبات ایمان کے لئے جملہ شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے لیکن نفی ایمان کے لئے کسی ایک جزو ایمان کا فوت ہونا ہی کافی ہے۔

پھر مسلمانوں کی دو ہی قسمیں ہیں: (۱) نیک مسلمان اور (۲) گناہ گار مسلمان۔ یہ دونوں عمل میں مختلف ہیں مگر بنیادی ایمان میں دونوں ایک سے ہیں اور کافروں کی لاتعداد قسمیں ہیں جیسے دہریہ، مشرک، اجرام فلکی کے پرستار، آتش پرست، اہل کتاب یہود ونصاریٰ، صائبین، ملحد، زندیق، مرتد وغیرہا یہ سب باعتبار انجام ایک ہیں۔

قرآن کریم میں ان تمام کفار پر وہ کسی بھی قسم کے ہوں کھلا رد موجود ہے اوران پر عقل ونقل کی روشنی میں بہت نقد وجرح پائی جاتی ہے علم مخاصمہ علوم قرآنی کا پہلا موضوع ہے اوراس میں کفر کے ان مختلف مکاتب فکر پر کافی بحث کی گئی ہے جولوگ کفروایمان کے مباحث کو ناپسند کرتے ہیں۔ وہ اصلاً قرآن کریم کو ہی دل سے قبول نہیں کر پائے اوراگر وہ قرآن پاک کو دل سے آسمانی کتاب مانتے ہیں تو پھراس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ تعلیمات قرآن سے ۹۹/ فیصد بے خبر ہیں۔

ہمارے نوجوانوں کا وہ طبقہ جسے دنیوی علوم کے انہاک یا مغرب کی ساحرانہ دلکشی نے دینی علوم کی طالب علمی کا بہت کم موقعہ دیا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب وہ اپنے تعلیم یافتہ ہونے کے غلط گمان میں کسی مستند عالم دین کی رہنمائی کے بغیر اپنی اسلامی پیاس بجھانے کے لئے کسی اسلامی دارالمطالعہ میں آتے ہیں تو وہ ایمان اورکفر کے ان بنیادی الفاظ کو مختلف پیرایوں میں دیکھ کر اوران کے موضوع کو سمجھے بغیران سے مختلف نتائج نکالنے لگتے ہیں اور بسا اوقات وہ اپنے ذہن کو سلجھانے کی بجائے کئی اور نئے اختلافات اپنے ذہن میں لے آتے ہیں۔ یہ وہ پس منظر ہے جس کی وجہ سے بیشتر جدید تعلیم رکھنے والے کبھی کسی یقین پر کھڑے نظر نہیں آتے۔ عام کہتے سنے جاتے ہیں۔ پتہ نہیں لگتا کون صحیح ہے اورکون غلط۔

کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

کفرواسلام کی فاصلوں کی دنیوی اہمیت

کفرواسلام کا صرف آخرت سے ہی تعلق نہیں دنیا میں بھی کئی ایسے مراحل زندگی ہیں جن میں اس فاصلے کو سامنے لانا پڑتا ہے۔ علوم قرآن کا ایک حصہ علم احکام ہے۔ شریعت محمدی میں کچھ ایسے احکام بھی ہیں جن کی وجہ سے معاشرے میں کفرواسلام کے فاصلے سب کو معلوم ہونے ضروری ہیں۔ مثلاً:

۱...... شریعت محمدی میں نکاح میں خاوند اور بیوی دونوں کا ہم مذہب ہونا ضروری ہے۔ البتہ بعض حالات میں مسلمانوں کی بیوی کتابیہ بھی ہوسکتی ہے۔

۲...... اسلامی ذبیحہ میں ذابح کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ کافر کا ذبیحہ مسلمان کے لئے حلال نہیں۔

۳...... مسلمان کافر کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے اور مسلمان کی نماز جنازہ وہ نیک ہو یا گناہ گار، مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔

۴...... نکاح کے لئے دو مسلمان گواہ ہونے ضروری ہیں۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو ان کا مسلمان ہونا معلوم ہو۔

۵...... صدقہ جاریہ اور ایصال ثواب مسلمانوں کے لئے ہی کیا جاسکتا ہے۔ کافر آخرت میں کوئی بیرونی امداد نہیں پاسکتے۔

۶...... زکوٰۃ کا مصرف اسلامی برادری کے غریب ہیں۔ دوسرے کئی صدقات غیر مسلموں کو بھی دیئے جاسکتے ہیں اور مسلمانوں کو انسانی ہمدردی کے طور پر کبھی اس طرف بھی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم صدقات واجبہ پہلے اپنے لوگوں کے لئے ہیں۔

اس صورت عمل میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ان دینی ضروریات کے لئے کفر واسلام کے فاصلوں کو پہچانیں۔ بصورت دیگر وہ اپنے بڑے علماء پر پورا اعتماد کریں جس کو وہ کافر بتلائیں اس سے وہ اسی کے مطابق معاملہ کریں اور وہ جس کو مسلمان بتلائیں ان سے معاشرت اسی کے مطابق کی جائے۔

تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مسلمان کسی معاشرے میں کفر اور اسلام کے فاصلوں کو جانے بغیر اپنے کئی دنیوی احکام بجا نہیں لاسکتے۔

کفر واسلام کے فاصلے ناپنے میں علماء کی سبقت

تاریخ اسلام میں کسی فرد یا جماعت کے کفر واسلام کے فیصلے ہمیشہ علماء کے ہی سپرد رہے ہیں۔ حکومتیں بھی انہیں کا احترام کرتی ہیں۔ لیکن جب کوئی غیر اسلامی حکومت خود کسی ملک کے اسلامی امور میں دخل دے اور کوشش کرے کہ ان میں اسلامی امور پر مزید اختلافات پیدا ہوں تو بسا اوقات ایسے حالات میں کسی ایسے موضوع پر علماء کے فتوے کو احترام نہیں دیا جاتا۔ حکومت نواز مسلمان ہر ایسے کسی موضوع پر پھر علماء کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور مسلمانوں میں مزید اختلافات پیدا کر کے انہیں ہر ایسی دعوت میں شامل ہونے کا موقع دیا جاتا ہے جو صورت حال اور خراب کردے۔

یہی صورت حال ہندوستان میں انگریزی دور میں قادیانیوں کے سلسلہ میں پیدا ہوئی، جب مرزا غلام احمد قادیانی کے اپنے بیانات اور دعاوی میں مدوجزر کے باعث اکابر علماء، قادیانیوں کو گمراہ قرار دینے کے باوجود ان کے خلاف فتویٰ کفر دینے میں احتیاط کرتے رہے لیکن جب قادیانی نظریات اور عقائد یقینی درجے میں ایمان کی حدود عبور کر گئے اور وہ کفر کی دلدل میں پوری طرح گھرے ملے تو پھر اکابر علماء اسلام نے ان پر قطعی درجے میں حکم کفر صادر فرمایا اور انگریزی عملداری کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ وہ ان سے نکاح اور ذبیحہ اور رضاع اور نماز وغیرہ میں کوئی علاقہ نہ رکھیں اور پھر یہاں تک نوبت پہنچی کہ جن مسلم خواتین کے خاوند قادیانی ہوگئے تھے، انہوں نے عدالتی سطح پر اپنے نکاح فسخ کرائے اور کوئی مسلم خاتون کسی قادیانی کے رشتہ نکاح میں رہنے کے لئے تیار نہ پائی گئی۔

وہ مسلمان جو انگریز حکومت کے قریب رہے اور وہ خود علم دین نہ رکھتے تھے وہ علماء اسلام کے ان فتوؤں کی سخت مخالفت کرتے رہے اور یہ پراپیگنڈہ عام ہوتا رہا کہ جب قادیانی لوگ کلمہ بھی پڑھتے ہیں، رمضان میں روزے بھی رکھتے ہیں تو وہ کافر کیسے ہوگئے؟ انہیں مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ سمجھنا چاہئے گو وہ کتنے گمراہ کیوں نہ ہوں۔ علماء حق انگریز نواز حلقے کی ان باتوں سے قطعاً متاثر نہ ہوئے اور انہوں نے کفر و اسلام کے ان فروق پر کتابیں لکھیں۔ اوّلین کتاب کشمیر کے ایک جلیل القدر عالم مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی امرتسری (۱۳۲۰ھ) نے ’’احسن التقریر فی احکام التکفیر‘‘ عربی میں لکھی۔ دوسری کتاب اس سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ’’اکفار الملحدین فی انکار شیٔ من ضروریات الدین‘‘ لکھی۔ یہ کتاب بھی عربی میں لکھی گئی۔ اس کتاب نے عرب دنیا کو بھی ہندوستان کے اس پیش آمدہ فتنے سے پوری طرح آگاہ کردیا اور جس طرح تمام علماء ہند قادیانیوں کی تکفیر پر متفق تھے۔ اسی طرح عرب ممالک بھی قاطبۃً اس ایک نظریہ پر رہے کہ قادیانی بعض ضروریات دین میں تاویل باطل کے مرتکب ہیں اور اس پر وہ صف اسلام سے کلیۃً نکل چکے ہیں ایمان اور کفر اپنے وجود میں کوئی تقسیم قبول نہیں کرتے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص ۹۰ ؍ فیصد مسلمان ہو اور ۱۰ ؍ فیصد کافر۔ کچھ کفر بھی آجائے تو وہ اسلام سے پورے طور پر نکلا شمار ہوگا۔

امام المناظرین حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر اردو میں ’’تحقیق الکفر والایمان‘‘ لکھی اور شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر کہ: ’’مسلمان کون ہے اور کافر کون‘‘ ایک نہایت محققانہ رسالہ قلمبند کیا۔ پھر شیخ الادب والفقہ مفتی اعظم دیوبند مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ’’وصول الافکار الی اصول الاکفار‘‘ لکھی۔ راقم الحروف خالد محمود نے اس موضوع پر ’’ایمان اور کفر کا معیار‘‘ تالیف کی جسے ماہنامہ دارالعلوم دیوبند نے اپنی ۱۹۵۳ء کی اشاعتوں میں قسط وار شائع کیا۔ اس کی ساتویں قسط کفر انکار اور کفر الحاد سے شروع ہوتی ہے اور پھر یہ سلسلہ بہت دور تک چلا گیا۔ اردو میں اس موضوع پر یہ چار کتابیں مسئلہ قادیانیت کو سمجھنے میں اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ نصف صدی پہلے کی دستاویزات ہیں اور اب جب کہ اکیسویں صدی کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس موضوع کو پھر سے عوام کے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ گو مسلمان اس موضوع پر پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کے غیرمسلم ہونے کی جنگ جیت چکے ہیں۔ تاہم بطور مسئلہ ایمان وکفر کے فاصلوں کو ناپنے کی ضرورت جہاں بھی مسلمان ہوں ہمیشہ محسوس کی جاتی رہے گی۔

پاکستان میں پہلی تحریک ختم نبوت

پاکستان بنتے وقت مسلم لیگ کے سیاستدان اس پر مصر رہے کہ قادیانی گمراہ تو ہیں لیکن انہیں صف اسلام سے نہ نکالنا چاہئے۔ وہ اتنی بات بھی نہ سمجھنے پائے کہ کوئی کسی کو اسلام سے نہیں نکالتا جو لوگ خود ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کر گئے وہ خود ہی اسلام سے نکل گئے ہیں۔ کسی نے انہیں دھکا دے کر اسلام سے نہیں نکالا اور نہ اس طرح کوئی کسی کو صف اسلام سے نکال سکتا ہے۔ پاکستان میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مسلم لیگ اور مجلس عمل میں اس موضوع پر ایک بڑا معرکہ لگا تھا۔ مسلم لیگ کی حکومت اپنے مؤقف پر ڈٹی رہی تاہم وفاقی حکومت میں بہت ردوبدل ہوئے۔ چوہدری ظفراللہ خاں (قادیانی) پاکستان کی سیاست سے بالکل نکل گئے لیکن جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک طبقہ پھر بھی اس پر مصر رہا کہ کلمہ پڑھنے والے مدعی اسلام کو کسی طرح بھی صف اسلام سے نہیں نکالا جاسکتا۔ جب تک کہ وہ خود اسلام سے نکلنے کا قصد نہ کرے۔ تاہم حق یہ ہے کہ اس قصد پر قرآن کریم سے ہمیں کوئی دلیل

نہیں ملتی کہ جب تک کوئی قصد نہ کرے اسے اسلام سے نکلا نہ کہا جائے۔

لفظاً ایمان اور کفر کے مختلف پیرائے

یہ صحیح ہے کہ ایمان اور کفر کے الفاظ قرآن کریم اور حدیث میں مختلف پیرایوں میں وارد ملتے ہیں۔ کہیں یہ الفاظ اپنے حقیقی شرعی معنی میں وارد ہیں، کہیں ایمان کا لفظ ایمان والے اعمال پر بھی وارد ملتا ہے۔ کہیں ایمان کی علامات میں ہم ان الفاظ کو موجود پاتے ہیں تو ان مختلف استعمالات کو جانے بغیر ان الفاظ میں اپنے خودساختہ معنی پیدا کرنا ہرگز کوئی علمی خدمت نہیں ہے۔

جدید تعلیم یافتہ نوجوان ان الفاظ کے مختلف پیرایوں (کفرواسلام کے مختلف اطلاقات) کو سمجھے بغیر کبھی اسلام کے یقین محکم پر کھڑے نہ ہوسکیں گے ایسے لوگ کفرواسلام کے ان مباحث میں تذبذب کی خاردار وادیوں میں گھرے ملیں گے۔ سو یہ کوئی ایسا موضوع نہیں کہ اسے یکسر نظرانداز کردیا جائے اور ان سے یہ کہہ کر فراغت لے لی جائے کہ تم ان باتوں میں نہ پڑو یہ باتیں صرف علماء کے سمجھنے کی ہیں۔

اس صورت حال میں ہم نے ضروری سمجھا کہ اپنی بساط کی حد تک کفرواسلام کے حقیقی فاصلوں کو زیادہ سے زیادہ عوام کے سامنے اجاگر کریں۔

قادیانیوں کا کفر معلوم کرنے سے پہلے حقیقت ایمان کو سمجھنا چاہئے اسے سمجھے بغیر کفر کو بھی سمجھا نہ جاسکے گا بیشتر چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔ ایک لفظ جب مختلف اعتبارات سے مختلف معنی میں استعمال ہو تو ان کے باہمی فروق اور ان کے اختلاف تخاطب کو جانے بغیر اسے کسی فیصلہ کن منظر میں نہیں لایا جاسکتا۔

حقیقت ومجاز کے فاصلے بھی معنی بدل دیتے ہیں

یہ حقیقت ہے کہ الفاظ کے اصل معنی وہی ہوتے ہیں جن کے لئے انہیں وضع کیا گیا ہو لیکن ان کے عام استعمال سے کبھی توسیع اور مجاز کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے پھر کبھی وہی الفاظ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بھی استعمال ہونے لگتے ہیں جن کے لئے ان کی وضع نہیں ہوئی تاہم ان کے حقیقی معنوں اور مجازی مفہوم میں کسی مناسبت کا ہونا ضروری ہے تاکہ الفاظ کے صحیح اور غلط استعمال میں امتیاز کیا جاسکے۔ حقیقت اور مجاز کا یہ تقابل ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں اصل وتوسع اور حقیقت ومجاز کی یہ معرکہ آرائی نہ ہو۔

پھر جس طرح الفاظ کی یہ وضع بلحاظ لغت ہوتی ہے کبھی بلحاظ شرع بھی ہوتی ہے اور جس طرح لغوی حقیقت ومجاز قائم ہوتے ہیں۔ شرعی حقیقت ومجاز کی راہیں بھی قائم ہوجاتی ہیں۔ جیسے شیر کا لفظ جب جنگل کے ایک خاص درندے کے لئے بولا جائے تو وہ حقیقت ہوگا اور جب یہ لفظ کسی بہادر شخص پر شجاعت کی مناسبت سے آئے تو یہ اس لفظ کا مجازی استعمال ہوگا اور حقیقت ومجاز کا یہ تقابل بلحاظ لغت ہوگا۔ پھر شرع میں بھی ایسی حقیقت ومجاز کی راہیں قائم ملتی ہیں۔

حقیقت ومجاز شرعی تخاطب میں بھی چلتے ہیں

لفظ نماز شریعت میں ایک مخصوص بدنی اور لسانی عبادت کے لئے ہے۔ جب یہ اس مفہوم میں بولا جائے یہ اس کی شرعی حقیقت ہوگی لیکن جب یہ اس نماز کی حالت پر بولا جائے جب نمازی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے تو اسے اس میں نماز کا ہی ثواب مل رہا ہے تو یہ نماز کی ایک ایسی حالت ہے کہ اس میں دوسروں سے کلام بھی کر سکتا ہے اور اس کی یہ نماز نہیں ٹوٹتی۔ سو اس کی اس حالت کو نماز کہنا ایک مجاز شرعی ہوگا۔ نماز کی حقیقت شرعیہ وہی ہے جسے نماز کے نام سے سب خواص وعوام جانتے ہیں۔ حدیث میں اس درمیانی حالت کے لئے بھی نماز کا لفظ وارد ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''من صلّی وجلس ینتظر الصلٰوۃ لم یزل فی صلٰوتہ حتی تاتیہ الصلٰوۃ التی تلاقیھا'' (رواہ النسائی ج۱ ص۱۶۱ کتاب الجمعۃ، ذکر الساعۃ التی یستجاب فیھا الدعاء یوم الجمعۃ، طبع ایچ.ایم سعید کمپنی)

(ترجمہ) جو ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا وہ نماز کی حالت میں ہے یہاں تک کہ اسے وہ دوسری نماز آلے۔

یہاں لفظ صلٰوۃ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ شریعت میں اس کی وضع اس معنی کے لئے نہیں ہوئی۔ اب اس کا یہ استعمال ایک مجازی شرعی سمجھا جائے گا جس طرح لغوی تخاطب میں حقیقت ومجاز کے دو سلسلے قائم ہوتے ہیں۔ شرعی تخاطب میں بھی حقیقت ومجاز کے دو سلسلے سامنے آگئے۔ اسی طرح تخاطب عرفی میں بھی حقیقت ومجاز کے دو سلسلے موجود ملتے ہیں۔ تخاطب کے ان ظروف پر اور حقیقت ومجاز کے ان مختلف استعمالات پر عبور کسی کسی کو ملتا ہے۔ یہ ہر کسی کا نصیب نہیں اس کے نہ جاننے سے کئی لوگ صحیح معنی مراد سے بھٹک جاتے ہیں۔

جمہوریت کے عرفی معنی

جمہوریت کسے کہتے ہیں ڈاکٹر علامہ اقبال نے اس کا یہ عرفی معنی بیان کیا ہے:
جمہوریت وہ طرز حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
بندوں کے گننے اور تولنے میں جو حقیقی فرق ہے اسے نظرانداز کر کے بندوں کے صرف گننے کو ہی کافی سمجھا جائے تو اس کا یہ تقاضا ہے کہ بندے خدا کے حکم کے خلاف بھی کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں اور اسی معنی میں اس مشہور جملے کو لیا جاتا ہے (کہ طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں) یہ بے شک کفر ہے کہ عوام اللہ کے حکم کے خلاف بھی کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ نہ چاہئے اسلام بتاتا ہے کہ طاقت کا چشمہ اللہ رب العزت ہیں اور وہی ''مالک یوم الدین'' ہے اس دنیا میں جمہوریت کے یہی عرفی معنی ہیں۔ مسلمانان پاکستان نے ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں ۱۹۷۳ء میں ایک اور راہ نکالی ہم اسے جمہوریت کے عرفی معنی کا ایک مجاز کہہ سکتے ہیں۔

جمہوریت کے عرفی معنی میں مجاز کی ایک راہ

مسائل پیش افتادہ میں جو رائے دی جائے اس میں کوئی قید لگا دی جائے تو یہ اس طرف ایک مجاز کی راہ ہوگی۔ جس طرح ۱۹۷۳ء کے آئین میں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دینے کے لئے یہ قید لگادی گئی کہ اس جمہوریہ میں کوئی رائے قرآن وسنت کے خلاف نہ دی جاسکے گی۔ نہ اسے کسی درجہ میں قانون مانا جاسکے گا۔

اس سے پاکستان میں اس کفر کو ہمیشہ کے لئے روک دیا گیا کہ اسمبلی میں عوام جو چاہیں رائے دے سکیں گے اور ان کی ان آراء کو شمار میں لایا جائے گا اس سے مغربی جمہوریت کے پر کٹ گئے اور جو سلطنت اسلام کے نام پر قائم کی گئی تھی اب اس میں کفر کبھی جمہوریت کی راہ سے داخل نہ ہو پائے گا اسے یوں سمجھئے کہ جمہوریت کے عرفی معنی میں یہ ایک اور راہ نکلی اگر ہم اسے جمہوریت کی حقیقت عرفی سے اس کے مجاز عرفی میں جانے کی راہ کہیں تو یہ بے جا نہ ہوگا۔

حقیقت شرعی اور حقیقت لغوی میں اختلاف کی ایک اور مثال

عربی میں نساء کا لفظ بالغ عورتوں کے لئے آتا ہے بچیوں کے لئے یہ لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔ یہ اس لفظ کی لغوی حقیقت ہے مگر یہ شرعی حقیقت نہیں اسلام کے قانون وراثت

میں ہے کہ اگر وارث اولاد میں کسی کا کوئی بیٹا نہ ہو اور دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انہیں باپ کے ترکہ سے صرف دوثلث ملے گا یہاں لڑکیوں کے لئے وہ نابالغ بھی کیوں نہ ہوں نساء کا لفظ وارد ہے۔ سوحقیقت شرعی میں نساء کا لفظ بالغ عورتوں سے خاص نہ رہا۔

قرآن کریم میں ہے: ’’فان کنّ نساء فوق اثنتین فلھنّ ثلثا ما ترک‘‘ (النساء:۱۱)

(ترجمہ) پھر اگر وارث اولاد میں دو سے زیادہ عورتیں ہوں تو انہیں باپ کے ترکہ سے دوثلث ملے گا۔ (یہاں لفظ نساء نابالغ بچیوں کو بھی شامل ہے)

اس حقیقت شرعی کو نہ سمجھنے کے باعث کچھ جدید ذہنوں نے یہ مسئلہ بنالیا کہ قرآن کریم نے چونکہ محل نکاح عورتوں (النساء) کو ٹھہرایا ہے۔ اس لئے شرعاً نابالغہ محل نکاح نہیں ہوسکتی۔

قرآن کریم میں ہے: ’’فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنٰی وثلٰث ورباع‘‘ (النساء:۳)

(ترجمہ) تم ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند لگیں، دودو، تین تین اور چار چار۔

ان کا کہنا یہ ہے عورت لفظ نساء سے محل نکاح بتائی گئی ہے اور عورت بالغہ کو ہی کہتے ہیں سونابالغہ محل نکاح نہ رہی۔

نساء کا یہ معنی ایک لغوی حقیقت تو ہوسکتا ہے لیکن آیت وراثت کی روشنی میں اسے ایک شرعی حقیقت نہیں کہا جاسکتا۔ سو اس سے ان لوگوں کا وہ استدلال ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم کے کئی ایسے احکام ہیں جو بچیوں اور بڑی عورتوں کو عام ہیں اور ان میں لفظ نساء وارد ہے۔ پس اسلام کی شرعی اصطلاح میں لفظ نساء کو بالغ عورتوں سے خاص نہیں سمجھا جائے گا۔

یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اس دنیا میں حقیقت تک پہنچنے میں جو لوگ الفاظ کی معرکہ آرائی میں درک نہیں رکھتے انہیں کوئی بھی طالع آزما الفاظ کا مغالطہ دے کر اپنی صف میں کھینچ سکتا ہے۔ تحریکات باطلہ کا کوئی اپنا علمی سرمایہ نہیں ہوتا۔ یہ ان کے چند مغالطے ہیں جن پر ان کے عوام وخواص نے کچھ مشق کی ہوتی ہے۔

پھر جب الفاظ اصطلاحات کی صورت اختیار کرلیں تو پھر کسی دوسرے تخاطب میں اسے عام لغوی معنی میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

مثلاً نبی کا لفظ اپنی لغوی ادا میں ہر خبر دینے والے کے لئے استعمال ہوسکتا تھا مگر جب تخاطب شرعی میں یہ لفظ ایک خاص اصطلاح بن گیا تو اب اسے تخاطب لغوی میں بالکل استعمال نہیں کیا جاسکے گا جب کوئی لفظ کسی اصطلاحی معنی میں خاص ہوگیا تو اس کا پہلا خاص مفہوم جو واضع کے پیش نظر تھا۔ اب اسے عام الفاظ میں راہ نہ دی جاسکے گی۔ یہ وہ نازک مقام ہے کہ قسمت آزمانے والوں کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ جو جی چاہے کہہ دیں کہ اب میدان ہموار ہو چکا ہے۔

اس صورت حال میں تجاوز پسند اذہان حالات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس خاص اصطلاح میں پنہاں اصول کو ایک ناقابل شناخت کارڈ بنا کر اس پر اپنی ضرورت کے مطابق نیا لیبل لگا دیتے ہیں۔ قادیانیوں کا تصور نبوت کچھ ایسے ہی حالات کی پیداوار ہے۔

مرزا غلام احمد نے نبوت کے لئے ایک نیا مفہوم تجویز کیا اور جو اصطلاح پہلے سے اہل اسلام میں چلی آرہی تھی۔ اس کے خلاف اس نے نبوت کی ایک تیسری قسم تجویز کی جس کے پیچھے کتاب وسنت میں پہلے سے کوئی دلالت نہ تھی۔ ایک نئی اصطلاح تجویز کرنے سے اس نے اپنے لئے وہ راہ ہموار کی جس میں وہ آسانی سے کئی کھیل کھیلتا رہا اور اس کے پیرو بھی اس کے آخر وقت وفات تک یہ سمجھ نہ پائے کہ وہ نبی تھا یا نہیں، یہاں تک کہ اس پر اس کی پہلی خلافت (حکیم نورالدین کی جانشینی) کا پورا دور گزر گیا اور اس وقت تک ان کے دونوں فریق ایک تھے نبی کے تخاطب شرعی کو نہ سمجھنے کے باعث یہ سب لوگ اس بحر ظلمات میں غوطے لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ پاکستان کی قومی اسمبلی کے سامنے یہ سب (دونوں فریق) یکسر ایک غیر مسلم جدید فرقے کے طور پر سامنے آئے۔ یہ اس لحاظ سے خوش قسمت رہے کہ انہیں ایک غیر مسلم اقلیت ہونے کی رعایت مل گئی۔

قادیانیوں نے نبوت ورسالت، اخبار غیبیہ، رفع ونزول، کشف والہام، بروز وکمون کے علمی مباحث میں یہی علمی کھیل کھیلا ہے اور عوام میں وہ اس طرح ان الفاظ سے کھیلتے ہیں کہ سننے والوں کو کوئی بات کسی کنارے پر پہنچنے نہیں دیتی۔

ان حالات میں ہم نے ضروری سمجھا کہ کتاب وسنت کی روشنی میں پہلے ہم ایمان پر بحث کریں۔ (۱) ایمان کے مختلف تخاطب (۲) ایمان کی شرعی حقیقت (۳) ایمان کی کمی بیشی کا مسئلہ (۴) ایمان اور اعمال میں نسبت (۵) ایمان بالمغیبات سے مراد (۶) ارکان ایمان

(۷)ایمان اور اسلام کی نسبت (۸)ایمان کی علامات (۹)اہل قبلہ کی اصطلاح (۱۰)ایمان میں نزاع لفظی کی مختلف صورتیں۔

ایمان کے ان مختلف پیرایوں کو سمجھنے سے ایمان کے متعلق کئی اٹھنے والے اختلافات حل ہوجاتے ہیں۔ ہاں! شرائط، ایمان میں داخل نہیں۔ یہ کسی انسان کے ایمان سے مکلّف کئے جانے کی وجوہ ہیں۔ان کے باعث انسان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ نبوت ورسالت پر ایمان لائے۔

خاتمۃ المحققین علامہ ابن عابدین الشامی (۱۲۵۸ھ) نے ایک بحث میں نماز کے مختلف پہلوؤں کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

وہ چیز جو کسی شے سے متعلق ہو اور وہ اس کی حقیقت میں داخل ہے تو وہ رکن کہلائے گی اور حقیقت سے خارج ہونے کی صورت میں اگر وہ اس شے میں صرف مؤثر ہے تو اسے علت کہیں گے اور اگر مؤثر نہ ہو اور وہ صرف اس تک پہنچانے والی ہو تو اسے سبب کہیں گے اور اس صورت میں کہ وہ اس تک پہنچانے والی نہیں بلکہ اس کا اس پر صرف مدار ہے اسے شرط کہیں گے اور بایں صورت وہ نہ سبب ہو نہ شرط ہو ہم اسے علامت کہیں گے۔

نماز کی ایک حقیقت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عبادت ہے۔اس کی ماہیت میں رکوع وسجود داخل ہیں۔ یہ اس کے ارکان ہیں۔ وقت اس کا ایک سبب ہے اور وضو یا تیمّم اس کی ایک شرط ہے۔اذان نہ اس کی ماہیت میں داخل ہے نہ علت ہے اور نہ سبب اور نہ ہی شرط یہ نماز کے لئے صرف بمنزلہ علامت کے ہے۔ (ملخصاً لمافی ردالمحتار ج۱ص۳۷۲مصر)

اسی طرح ایمان کی ایک حقیقت ہے۔ پھر اس کی ایک شرعی حیثیت ہے جس پر شریعت کے احکام مرتب ہوتے ہیں، اس کی ایک ماہیت ہے اور یہ ایک شے بسیط ہے۔ بایں ہمہ اس کے کچھ ارکان ہیں، اس کی کچھ علتیں ہیں، کچھ اس کے اسباب ہیں، کچھ شرطیں بھی ہیں اور اس کی کچھ علامات بھی ہیں اور پیچھے ہم اس کے کچھ پہلو ذکر کرآئے ہیں۔ان میں سب سے اہم ایمان کی شرعی حقیقت ہے اور اس پر کفر واسلام کے شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں۔

ایمان کے مباحث کے ساتھ ہی کفر کی حقیقت اور اس کی مختلف اقسام بھی آپ کے سامنے واضح ہوجائیں گی۔ مسلمانوں میں کتنی الحاد کی صفیں پہلے بچھ چکیں اور کتنی اور بچھتی جارہی ہیں۔تاریخ اسلام کے لئے یہ کوئی معمولی سانحات نہیں۔ان میں سب سے پہلے یہ جاننا ضروری

ہے کہ اسلام کیا ہے اور کفر کیا ہے۔ یہ دونوں مضمون ساتھ ساتھ چلیں گے اور ان دو متوازی راہوں کو جانے بغیر یہ بات قطعی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ مسلمان کون ہے اور کافر کون؟

انسانوں کی مختلف قسمیں

اس دنیا میں انسانوں کی بس دو ہی قسمیں ہیں۔ مومن اور کافر اور باقی علمی مباحث ان دو کے ہی باہمی فاصلے ہیں۔ قرآن کریم نے دینی اعتبار سے انسانوں کے دو درجے ہی بتلائے ہیں:’’ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن‘‘ (التغابن:۲)

(ترجمہ) اس نے تمہیں پیدا کیا اور تم میں دو ہی لوگ ہیں (۱) کافر (۲) مومن۔

پھر کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) کھلے کافر اور (۲) ملحد کافر۔

پھر کھلے کافر بھی دو قسم کے ہیں: (۱) کافر اصلی اور (۲) مسلمانوں سے نکل کر کفر میں جانے والے مرتد...... پھر کافر اصلی بھی کئی طرح کے ہیں۔

(۱) جو پہلے سے کسی آسمانی دین کو نہیں مانتے (۲) اور جو کسی پہلے کے دین سماوی کے ماننے والے ہیں انہیں اہل کتاب کہتے ہیں۔

پھر جو کسی آسمانی دین کو نہیں مانتے ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ جیسے دہریہ، ستارہ پرست، بت پرست، آتش پرست اور شیطان پرست وغیرہ پھر جو اندر سے کافر ہو اور ظاہری طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہے اسے منافق کہتے ہیں اور پھر جو اسلام کو دل سے مانے ہوئے ہو اور اس پر عمل کرنے میں چور ہو تو باوجود مسلمان ہونے کے اس پر بھی منافق کا لفظ کہیں ملتا ہے۔ یہ منافق گناہ گار مسلمان ہے اور پر کفر کے احکام نہیں لگتے۔ ہاں منافق اعتقادی بے شک کافروں کی ایک قسم ہے۔

کفر کی ان سب قسموں میں سب سے خطرناک کفر الحاد ہے۔ مسلمانوں کو زیادہ خطرہ انہیں سے ہے۔ ان ملحدوں کو زندیق بھی کہتے ہیں، کفر کے ان مختلف پیرایوں کو سمجھے بغیر کسی کے کافر ہونے کو پوری طرح سمجھا نہیں جاسکتا۔

ہم یہاں ان شاءاللہ کفر وایمان کے ان مختلف مباحث پر عبارتاً یا اشارۃً کچھ بحث ضرور کریں گے۔ قادیانیوں کے پاکستان کی قومی اسمبلی میں غیرمسلم قرار دیئے جانے سے پہلے اس موضوع پر ہمارے کچھ مضامین ہندوپاک کے مختلف رسائل وجرائد میں چھپتے رہے ہیں۔ بالخصوص ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۵۴ء میں متعدد اقساط میں شائع ہوئے تھے۔

ہم ان شاء اللہ العزیز انہیں بھی کسی نہ کسی پیرائے میں اپنی اس نئی تالیف میں جگہ دیں گے۔ ہم اس سلسلہ میں کی گئی ان تمام تاریخی علمی محنتوں کو بھی ہدیہ تحسین پیش کرتے ہیں جن سے علماء اسلام نے پون صدی کے طویل تاریک دور میں برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے ایمان کے گرد پوری خیرخواہی سے پہرہ دیا ان پر تاریخ اسلام کے تمام بڑے بڑے علماء گو وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہوں، متفق رہے ہیں اور اسی مناسبت سے ہم نے اس کتاب کا نام ''**عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام**'' رکھا ہے۔

نامناسب ہوگا اگر ہم یہاں شمالی پنجاب کے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مشہور سجادہ نشین جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی ان خدمات کا ذکر نہ کریں جو آپ نے فتنہ قادیانیت کے خلاف سرانجام دیں۔ آپ نے گو مسئلہ کفر واسلام پر کوئی مستقل کتاب نہ لکھی۔ تاہم آپ نے قادیانیوں کے کفر پر دیگر علماء امت کا پورا ساتھ دیا اور یہ بھی آپ کی خاص علمی تحقیق رہی کہ آپ نے مسلمانوں کے کسی طبقہ کی تکفیر نہ کی نہ کبھی شدت پسندوں کا ساتھ دیا۔

کفر واسلام کے متعلقہ مباحث میں آپ کسی مقام اشتباہ میں نہ تھے۔ مولانا فضل رسول بدایونی (۱۳۲۱ھ) نے جب شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کفر کے فتوے دیئے تو آپ نے کھل کر ان فتوؤں کی مخالفت کی۔ آپ (۱) مولانا اسماعیل شہید اور ان کے معتقدین اور (۲) مولانا فضل حق خیرآبادی اور ان کے معتقدین کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے: ''راقم سطور دونوں کو ماجور (اللہ سے اجر پانے والے) ومثاب (اللہ سے ثواب پانے والے) جانتا ہے۔'' (فتاویٰ مہریہ ص۱۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفر واسلام کے متعلقہ مسائل میں آپ کسی مقام شک میں نہ تھے۔ اب آپ کا قادیانیوں کے بارے میں قطعی کفر کا فتویٰ صرف اس وجہ سے رہا کہ قادیانی بعض ضروریات دین کے انکار کی وجہ سے دائرہ اسلام میں جگہ پانے کے اہل نہیں رہے ہیں۔

ہمیں اس وقت کسی کے کفر سے بحث نہیں۔ ہم اپنے قارئین کے سامنے عدلیہ کی وہ میزان رکھنا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے کسی کے مسلمان یا کافر ہونے کا فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ کون اس کی زد میں آتا ہے اور کون نہیں۔ ہم اپنے قارئین کے سامنے پہلے قرآن کی ہی وہ میزان رکھتے جو تاریخ کے ہر دور میں حق وباطل میں قول فیصل رہا ہے۔

''**انه لقول فصل. وما هو بالهزل**'' (الطارق:۱۳،۱۴)

’’اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان‘‘ (الرحمٰن:۹)

بعض جہلاء یہ سمجھتے ہیں کہ علماء کفرواسلام کے فاصلے محض اپنی پسند اور ناپسند سے قائم کرتے ہیں یہ غلط ہے۔ قرآن وحدیث نے جہاں بہت سے مسائل تفصیلی طور پر بتائے ہیں، وہاں کفرواسلام کے مختلف پہلو بھی ان میں پوری تفصیل سے موجود ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض شدت پسند اپنے دنیوی مقاصد کے پیش نظر اس میں شرارت پسند رہے لیکن علماء اعلام نے کفرواسلام کے فاصلے بتلانے میں ہمیشہ پوری احتیاط سے کام لیا ہے۔ ہم اپنی اس تالیف میں ان تمام اکابر کے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہمیں ان فاصلوں میں اب کسی اندھیرے میں نہیں رکھا۔ پھر بھی اگر کسی مقام پر مؤلف سے کوئی فروگزاشت ہوگئی ہو تو راقم الحروف اس نشان دہی پر دل کی گہرائیوں سے شکرگزار ہوگا۔ تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

کہ ہوتی ہے خطاء اکثر بشر سے خصوصاً مجھ سے ناداں بے ہنر سے

یہاں ہمارا زیادہ رخ اسلام اور کفر کی تحقیق کی طرف رہا ہے۔ قادیانیوں کا کفر وہ مرزاغلام احمد کے قادیانی پیرو ہوں یا لاہوری بھی ساتھ ساتھ کھلتا رہا ہے۔ قادیانیوں کی شرعی اور قانونی حیثیت ایک دوسرا مستقل موضوع ہے۔ ۲۶؍اپریل ۱۹۸۴ء کو قادیانیوں کے دونوں گروہوں نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں ایک اپیل دائر کی تھی۔ راقم الحروف نے وفاقی شرعی عدالت کی مدد کے لئے اس پر ایک مفصل بیان عدالت میں جمع کرایا تھا۔ خیال تھا کہ اسے بھی اس کتاب میں ایک جزو کے طور پر شامل کیا جائے لیکن عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان نے ۲۰۰۶ء میں اسے فتاویٰ ختم نبوت کی تیسری جلد میں ایک مستقل جزو کے طور پر شائع کردیا ہے۔ یہ مضمون بڑی تقطیع کے پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔ سو اب ضرورت نہیں رہی کہ اسے اس کتاب میں شامل کیا جائے۔ راقم الحروف اس عظیم خدمت پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کا تہ دل سے ممنون ہے اس کے مطالعہ کے لئے فتاویٰ ختم نبوت کی مراجعت (ج۳ص۵۱) سے کیجئے۔

ہم اس پر اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں اور عقیدہ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام کا آغاز کرتے ہیں۔ اس کی پہلی بحث ایمان کی شرعی حقیقت پر ہے اور یہی مباحث ایمان میں سب سے اہم مبحث ہے۔ اﷲتعالیٰ آسانی سے اس منزل کو طے کرنے کی توفیق دے۔

اکتوبر۲۰۱۰ء مؤلف عفا اﷲ عنہ حال مقیم مانچسٹر (یوکے)

عقیدۃ الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام

۱...... ایمان کی شرعی حقیقت کیا ہے؟

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد!

امتیں پیغمبروں کے نام سے بنتی ہیں اور کسی دین سے وابستہ لوگ اپنے پیغمبروں کے نام سے ہی پہچانے جاتے ہیں ان دنوں دین موسیٰ علیہ السلام پر ہونے کے مدعی یہودی کہلاتے ہیں اور دین عیسیٰ بن مریم علیہ السلام سے انتساب رکھنے والوں کو عیسائی کہا جاتا ہے اور دین محمدی سے نسبت رکھنے والوں کو مسلمان کہتے ہیں۔ سو مسلمان وہ قوم ہے جو محمد عربی ﷺ کو اس عہد کا رسول اور آپ کو اس دور کے لئے اللہ کا بھیجا ہوا مانتی ہے۔ حضور ﷺ کی رسالت اس پورے دائرہ اسلام کا مرکز ہے جس کے گرد جملہ تعلیمات اسلام کا دائرہ کھنچتا ہے۔

ایمان صرف آپ کے رسول ہونے کا یقین کرنا نہیں۔ اس کے لئے اظہار اور تسلیم بھی لازم ہے۔ یعنی ایمان صرف آپ کو رسول جاننے کا نام نہیں ہے یہ آپ کو رسول ماننے کا نام ہے۔ حضور ﷺ کو اللہ کا رسول جاننے والے کتنے تھے جنہوں نے ضد کی راہ سے آپ کو رسول تسلیم نہ کیا بلکہ جھٹلایا۔ حالانکہ وہ حضور ﷺ کو اس طرح جانتے تھے جیسے کوئی اپنے بیٹوں کو جانے۔ **’’یعرفونہ کما یعرفون ابنائہم‘‘** (البقرہ:۱۴۶)

’’وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم ظلماً وعلوا فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین‘‘ (النمل:۱۴)

(ترجمہ) اور انہوں نے اس کا انکار کیا اور اس کا وہ یقین کر چکے تھے اپنے جی میں (پس یہ انکار کیوں کر کیا) بے انصافی اور غرور سے۔ سو دیکھ لے کیا انجام ہوا خرابی کرنے والوں کا۔

سو ایمان صرف آپ کو پیغمبر جاننے اور یقین کرنے کا نام نہیں۔ (۱) آپ کو اس عہد کا پیغمبر ماننا (۲) آپ اللہ سے جو احکام لے کر آئے ان سب کو آپ کے بھروسہ پر سچا ماننا (۳) زبان سے آپ کی تمام تعلیمات کو حق تسلیم کرنے کا اقرار (۴) اور اس نبی کے لائے دین پر اور اس کے ہر فیصلہ پر دل وجان سے راضی ہونا اور (۵) اس وقت آپ کے دین کے

سوا جتنے بھی دین ہیں ان سب سے برأت اور لاتعلقی کا اظہار۔ یہ سب اس تصدیق رسالت کے تقاضے ہیں اور قرآن کریم میں ان پانچوں مضمونوں پر کھلی شہادت موجود ہے۔

(۱) شہادۃ القرآن علی حقیقت الایمان

۱...... حضور ﷺ اپنے عہد کے صرف پہلے دور کے لئے ہی رسول نہ تھے۔ آپ قیامت تک کے لئے کل بنی نوع انسان کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔

جس طرح آپ ﷺ اس پہلے دور کے لئے رسول تھے۔ آپ ﷺ اس دور آخر کے لوگوں کے لئے بھی برابر کے رسول ہیں اور اللہ کے تمام بندوں پر اس کی حجت ہیں۔ امیّین کے لئے بھی اور آخرین کے لئے بھی۔ سو قیامت تک آپ ہی سب انسانوں کے لئے اللہ کی رسالت کے حامل ہیں۔

’’ھوالذی بعث فی الامّیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکّیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین وآخرین منھم لمّا یلحقوا بھم. وھو العزیز الحکیم‘‘ (الجمعہ:۲،۳)

(ترجمہ) وہی ہے جس نے بھیجا امیین میں ایک رسول انہی میں سے اور بھیجا اسے آخرین میں بھی (دوسرے لوگوں کے لئے) جو ابھی ان سے نہیں ملے اور وہ ہے زبردست حکمت والا۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس آخری دور کے لوگوں کے لئے بھی اور عرب سے باہر دور دور کی تمام آبادیوں کے لئے بھی آپ ہی ایک پیغمبر ہیں جو پہلے امیین کے لئے بھیجے گئے تھے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

فارس، روم، چین اور ہندوستان وغیرہ کی قومیں جو بعد امیّین کے دین اور اسلامی برادری میں شامل ہوکر ان ہی میں سے ہوگئیں۔ سو یہ ماننا ضروری ہے کہ اب اس دور اور ان دیار کے لئے بس وہی ایک رسول ہیں جنہوں نے پہلے امیّین میں خدا کے نام کی آواز لگائی تھی۔ اس زمانے کو ایک نیا دور سمجھنا اور اس کے لئے کسی دوسرے رسول کی بعثت کی طلب یا حضور ﷺ کا ہی کسی دوسرے روپ میں بروز چاہنا اس عقیدے سے انحراف ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ اس عہد آخر کے لئے بھی اس طرح رسول ہیں جس طرح آپ پہلے امیّین کے لئے رسول تھے۔

ہم پہلے رسولوں کو صرف رسول مانتے ہیں اور حضور ﷺ کو اس عہد کا رسول سمجھتے جو آپ کی امیّین میں بعثت سے شروع ہوکر اور وہاں سے لے کر قیامت تک پھیلا ہوا ہے۔ آپ ہی اس عہد کے رسول ہیں اور قیامت تک آپ کو جو لوگ رسول مانیں گے۔ آپ کی اسی امت میں جمع ہوتے جائیں گے جو آپ کی امیین کی بعثت سے چلی تھی۔ آپ کے اس عہد کا رسول ہونے کو قیامت تک بقائے امت لازم ہے۔ اب حضور ﷺ کی رسالت پر اٹھنے والی امت میں کوئی اور نئی امت نہ بنے گی۔ نہ حضور ﷺ کی امت آئندہ تاریخ کے کسی موڑ پر کٹے گی کہ آئندہ اس سے کسی اور امت کا آغاز ہو جائے۔ اس امت سے اگر کوئی جماعت اس طرح کٹے کہ وہ اصولوں میں بھی ان سے یکسر جدا ہو جائے تو وہ لوگ ایک نئے دین پر سمجھے جائیں گے۔ وہ پہلی ایک شریعت پر نہ سمجھے جائیں گے نئی جماعت بندی ایک نئی شریعت میں آنا ہے۔

(۲) آپ اللہ سے جو احکام لائے آپ کی رسالت کے اقرار میں ان سب کو ماننا ضروری ہے

یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم بعض امور کو مانیں اور بعض کو نہیں۔

’’افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض. فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الّا خزی فی الحیوٰۃ الدنیا. ویوم القیامۃ یردّون الیٰ اشدّ العذاب. وما اللہ بغافل عمّا تعملون‘‘ (البقرہ:۸۵)

(ترجمہ) کیا تم بعض حصہ کتاب پر ایمان لانا چاہتے ہو اور بعض حصے کو تم نہیں مانتے سو کوئی بدلہ نہیں اس کا جو تم میں ایسا کرے گا مگر رسوائی دنیا کی زندگی کی اور قیامت کے دن وہ پہنچائے جائیں گے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

اس سے پتہ چلا کہ اسلام میں ایمانیات میں کوئی تقسیم نہیں کہ اس کی کچھ باتیں مانی جائیں اور کچھ نہ مانی جائیں۔ یہ دین مانا جائے گا تو سارا اور ماننے سے کوئی ایک بات بھی رہ جائے تو اسے پورے دین کا انکار شمار کیا جائے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص ۹۰/فیصد مسلمان ہو اور ۱۰/فیصد کافر۔ اعمال میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ مگر ایمانیات میں کسی چیز کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۳) زبان سے آپ کی ساری تعلیمات کو حق تسلیم کرنا

اسلامی سوسائٹی دنیا میں بھی ان بعض امور دین سے انکار کرنے والوں سے علیحدگی کا معاملہ کرے جو اس طرح ایمانیات میں تفریق کریں۔ بعض باتوں کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اور آخرت میں بھی ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں ڈالے جائیں گے۔

’’انّ الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرّقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض. ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً. اولٰئک ھم الکافرون حقاً واعتدنا للکافرین عذابا مھینا‘‘

(النساء:۱۵۰،۱۵۱)

(ترجمہ) بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈالیں بایں طور کہ وہ کہیں کہ وہ بعض امور پر ایمان لائے اور بعض دوسرے امور پر ایمان نہیں لائے اور چاہتے ہیں کہ نکالیں ایک درمیانی راہ (کہ کچھ حصہ مانا جائے اور کچھ نہ) ایسے لوگ ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ذلت کا عذاب۔

یہ وہی عذاب ہے جسے البقرہ کی آیت ۸۵ میں ’’اشدّ العذاب‘‘ کہا گیا ہے۔ یہ وہ عذاب نہیں جو گناہ گاروں کو ملتا ہے۔ یہ وہ عذاب ہے جو سزائے کفر ہے۔ وہ کفر سارے دین کے انکار سے ہو یا بعض حصہ دین کے انکار سے۔ دین اسلام میں بعض کا انکار اور کل کا انکار برابر ہے وہ انکار عناد کی راہ سے ہو یا الحاد کی راہ سے دونوں حقیقت میں ایک ہیں۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش   من انداز قدت را مے شناسم

(۴) حضور ﷺ کے ہر فیصلے پر دل وجان سے راضی رہنا ایمان کا تقاضا ہے

’’فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجاً ممّا قضیت ویسلّموا تسلیماً‘‘ (النساء:۶۵)

(ترجمہ) سو قسم ہے تیرے رب کی وہ ایمان لانے والے نہ ہوں گے، یہاں تک کہ تجھ کو ہی حکم جانیں اپنے ہر اختلاف میں۔ پھر نہ پائیں اپنے جی میں کوئی تنگی تیرے فیصلے سے اور اپنی پوری سپرداری کریں (اس پر)

’’ماشجر بینھم‘‘ (ان میں جو اختلاف بھی اٹھے) عام ہے۔ عقائد میں ہو یا افکار میں، نظام اعمال میں ہو یا اظہار آداب میں، کسی بات میں بھی وہ پیغمبر خدا سے جدا کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کر سکتے اور اس راہ کو چھوڑنے والے کبھی اس منزل پر نہ پہنچ سکیں گے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ماننے والوں کے لئے بنا رکھی ہے:

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اسلام میں ضروریات دین میں سے کسی میں بھی چھوٹ نہیں کہ اسے نہ ماننے سے بھی کوئی خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکے۔ یہ حکم بڑی تاکید سے دیا گیا ہے کہ پیغمبر کی کسی بات سے تمہیں اختلاف کا کوئی حق نہیں۔ تاکید وہیں ہوتی ہے جہاں کسی دوسرے احتمال کی گنجائش نہ ہو۔ یہاں ہر فیصلہ نبوی کو واجب التسلیم منوانے کے لئے ’’فلا وربک‘‘ کی تاکید لائی گئی ہے۔ حضور ﷺ کا کوئی حکم اور فیصلہ وہ دینی امور میں سے ہو یا دنیوی امور میں سے، دنیا سے تعلق رکھتا ہو یا آخرت سے، عام اعمال سے متعلق ہو یا اخلاق سے، اسے ماننا ضروری ہے۔ ہر شخص سمجھ لے کہ حضور ﷺ کی ہر بات کو تسلیم کرنا ہی ایمان ہے اور کفر کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ کے کسی ایک حکم کا یا سب احکام کا انکار کیا جائے۔ آپ کا ایک حکم نہ ماننے والا بھی ایسا ہی کافر ہے جیسے کوئی توحید ورسالت کا انکار کرنے والا۔ عناد یا الحاد انکار کی دو صورتیں ہیں اور انجام کار دونوں ایک ہیں۔

(۵) ملت ابراہیمی کی پیروی میں ہر دوسرے دین سے علیحدگی اور برأت

قرآن کریم میں ہے: ’’قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ اذ قالوا لقومھم انا برءٓؤ منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابداً حتی تؤمنوا باللہ وحدہ‘‘ (الممتحنہ:۴)

(ترجمہ) بے شک تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے ابراہیم اور اس کے صحابہ میں۔ جب انہوں نے کہا اپنی قوم کو کہ ہم الگ ہیں تم سے اور ان سے جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم منکر ہوئے تم سے اور کھل گئی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لئے۔ یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔ (صرف اسی کی راہ لو)

خدا تک پہنچنے کی صرف ایک راہ ہی ہے وہ ایک رسی ہے جو دوسری طرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ’’واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرّقوا ‘‘اس کے سالار پوری کائنات میں حضورﷺ خاتم النّبیین محمد عربی ہیں۔ اب ان سارے پہلے ادیان کو حق نہیں کہا جاسکتا یہ اپنے اپنے وقت میں حق تھے لیکن اس وقت آخرت کی نجات کے لئے رسالت محمدی پر ایمان لانا اور آپ جو دین اللہ سے لے کر آئے (وہ قرآن کی متلو، صورت ہو یا سنت کی غیر متلو، صورت) اسلام میں ان سب امور کو ماننا ضروری ہے۔

۲…… شہادت الحدیث علی حقیقت الدین الحنیف

۱…… حضرت براء بن عازبؓ کو حضور اکرمﷺ نے ایمان بالرسل کے ساتھ ایمان بالقرآن کی بھی مستقل طور پر تعلیم دی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایمان بالرسل کافی نہیں ایمان بالرسل کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو صرف سچا رسول سمجھا جائے بلکہ آپ جو کچھ اللہ کی طرف سے لے کر آئے اس میں اس علم کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ آپ حق نبی ہیں اور آپ کا لایا ہوا سارا دین حق ہے۔ آپﷺ نے حضرت براءؓ کو یہ دعا سکھلائی اور فرمایا کہ یہ دین فطرت ہے: ’’قل اٰمنت بکتاب الذی انزلت وبنبیّک الذی ارسلت فان مت مت علی الفطرۃ‘‘

(صحیح بخاری ج۲ ص۹۳۴ کتاب الدعوات باب مایقوم اذا نام، رقم الحدیث ۵۸۳۸)

(ترجمہ) تو کہہ اے اللہ میں تیری کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری اور تیرے اس رسول پر ایمان لایا جسے تو نے ہماری طرف بھیجا…… پھر جب تو وفات پائے تو تو دین فطرت پر مرا۔

اس سے پتہ چلا مسلمان ہونے کے لئے صرف کلمہ گو ہونا کافی نہیں بلکہ تصدیق رسالت کے ساتھ ایمان بالقرآن بھی ضروری ہے۔ اسے کیسے مسلمان مانا جاسکتا ہے جو قرآن کو نہ مانے یا اس میں تحریف کا قائل ہو۔

۲…… حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرتﷺ نے فرمایا: ’’امرت ان اقاتل النّاس حتی یشھدوا ان لا الہ الّا اللہ ویؤمنوا بی وبما جئت بہ‘‘ (صحیح مسلم ج۱ ص۳۷ باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لاالٰہ الا اللہ، صحیح ابن حبان ج۱ ص۱۰۰)

(ترجمہ) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے نبرد آزما رہوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جو دین میں خدا کی طرف سے دے کر بھیجا گیا ہوں اسے حق تسلیم کریں۔

اس سے بھی یہی پتہ چلا کہ حضور ﷺ کی جملہ تعلیمات کو ماننے بغیر اقرار رسالت بے معنی رہتا ہے۔

۳...... بنی سعد کے ضمام بن ثعلبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پوچھا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کل بنی نوع انسان کی طرف بھیجا ہے؟

''أ اللہ ارسلک الی الناس کلّھم'' آپ نے فرمایا: ہاں! اور پھر آپ نے اسے نماز، روزے اور زکوٰۃ کی تعلیم دی اس نے پھر ان لفظوں میں آپ کے سامنے اسلام قبول کیا: ''فقال الرجل اٰمنت بما جئت بہ وانا رسول من ورائی من قومی'' (صحیح بخاری ج۱ ص۱۵ باب ما جاء فی العلم قل رب زدنی علماً)

(ترجمہ) میں اس پر ایمان لایا جو آپ اللہ سے لے کر آئے اور میں اپنی قوم کے لئے جو میرے پیچھے ہیں آپ کے اس دین کا پیغام رساں ہوں (میں ان کے سامنے یہ بات رکھوں گا)

''ما جئت بہ'' عام ہے جو وحی متلو ہو جسے قرآن کہتے ہیں یا وحی غیر متلو جسے حدیث کہتے ہیں سب کو شامل ہے اور سنت کی اصل بھی دراصل قرآن ہی ہے اور بقوم امّ المؤمنین آپ کی ساری زندگی قرآن ہی تھی۔ حضور ﷺ کی سنت قرآن کی عملی تفسیر ہی ہے۔

۴...... ''عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ ان مثلی ومثل ما بعثنی اللہ عزوجل بہ، کمثل رجل اتی قومہ فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینی وانی انا النذیر العریان فالنجاء فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مھلتھم وکذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبحتم الجیش فاھلکم واجتاحھم فذلک مثل من اطاعنی واتبع ما جئت بہ ومثل من عصانی وکذب ما جئت بہ من الحق'' (صحیح مسلم ج۲ ص۲۴۸ باب شفقتہ ﷺ علیٰ امتہ)

(ترجمہ) میری اور اللہ نے مجھے جو دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور اس نے کہا اے میری قوم میں نے ایک حملہ آور لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں تمہیں اس سے ڈرانے والا ہوں۔ سو تم بچ نکلو اس سے۔ سو کچھ

لوگوں نے اس کی بات مان لی اوران لوگوں میں سے ایک گروہ نے اس کی تکذیب کی اور وہ اپنی جگہ میں رہے۔ ان پر اس لشکر نے حملہ کردیا اور انہیں ہلاک کردیا۔ یہ مثال ہے ان کی جنہوں نے مجھے مانا اور جو بات میں خدا کی طرف سے لے کر آیا اسے مانا اور مثال ان کی جنہوں نے مجھے نہیں مانا اور جو بات میں خدا سے لے کر آیا اسے نہ مانا۔

یہاں ''ماجئت به'' کے بار بار الفاظ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اصل ایمان صرف آپ ﷺ کو اللہ کا رسول ماننا نہیں۔ اس کے ساتھ آپ کی جملہ تعلیمات کی تصدیق بھی ضروری ہے۔

اس حدیث میں بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ حضور ﷺ جو تعلیمات اللہ سے لے کر آئے ہیں۔ ان سب کی تصدیق ایمان ہے اور آپ کی تعلیمات میں سے کسی ایک کا انکار بھی ہو تو یہ آپ کے لائے ہوئے پورے دین کی تکذیب ہے اور یہ کفر ہے۔ تصدیق ''بما جئت به'' کے الفاظ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ اصل ایمان آپ کو صرف رسول ماننا نہیں اس کے ساتھ آپ کی جملہ تعلیمات کی تصدیق بھی ضروری ہے اور اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، وہ حضور ﷺ کے لائے دین کی تکذیب کے سوا کچھ نہیں۔ وہ کسی ایک بات کی تکذیب ہو یا چند کی، یا کل کی، تکذیب کسی بات کی ہو۔ یہ ایمان کے موجبہ کلیہ کا سلب ہی ہے۔

۵...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنے ایمان کی اس طرح گواہی دی۔

''یا نبی اللہ اٰمنا بک وبما جئت به'' (جامع ترمذی ج۲ ص۳۶ باب ماجاء ان القلوب بین اصبعی الرحمن مع عارضۃ الاحوذی لابن العربی المالکی ج۸ ص۳۰۷)

(ترجمہ) اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر ایمان لائے اور ہر اس چیز پر ایمان لائے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ سو ایمان کی شرعی حقیقت یہی ہے کہ حضور ﷺ کو آپ کی جملہ تعلیمات میں حق مانا جائے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین پر زیادہ گراں حضور ﷺ کی تصدیق رسالت نہ تھی۔ وہ اپنے آپ کو حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کا متحمل نہ کرنا چاہتے تھے۔ ''ماجئت به'' کو اپنے لئے زیادہ گراں سمجھتے تھے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ابوجہل بھی حضور اکرم ﷺ کی رسالت کو اپنے لئے زیادہ بوجھ نہ سمجھتا تھا وہ آپ ﷺ کی تعلیمات قدسیہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہ تھا

وہ آپ ﷺ کے ’’بما جاء به‘‘ کا منکر تھا۔ اسی ضد نے اسے دائرہ اسلام میں نہ آنے دیا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ’’ان اباجهل قال للنبی ﷺ انا لا نكذبك ولكن نكذب بما جئت به‘‘ (جامع ترمذی ج۲ نمبر۱۳۲ اباب ومن سورۃ الانعام)

پھر قرآن کریم نے بھی ابوجہل کے دل کی اس بات کی تصدیق کی ہے اور اسے آپ کی تصدیق رسالت کے باوجود بایں وجہ کہ وہ آپ کے ’’ماجئت به‘‘ کے آگے انقیاد کے لئے تیار نہ تھا اسے کافر جاحد ہی قرار دیا اور اس کی کچھ رعایت نہ کی۔

’’قد نعلم انه ليحزنك الذي يقولون فانهم لا يكذبونك ولكن الظالمين بآيات الله يجحدون‘‘ (الانعام:۳۳)

(ترجمہ) ہم جانتے ہیں کہ آپ کو غم میں ڈالتی ہیں ان کی باتیں وہ تجھے نہیں جھٹلاتے یہ ظالم آپ کی لائی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا ان کافروں کے لئے آپ کی رسالت کو ماننا اس قدر گراں نہ تھا جتنی انہیں آپ کے لائے ہوئے دین کی تصدیق بوجھل تھی اور آپ کے دین کی تصدیق ان کے لئے صرف اس لئے مشکل تھی کہ اس میں آپ کے کل دین کو ماننا پڑتا تھا، ان کافروں کو کسی ایک بات میں بھی آپ سے اختلاف کرنے کا حق نہ رہتا تھا۔ آپ ﷺ جس سے بھی اپنی رسالت کی تصدیق چاہتے اس سے اپنے لائے کل دین کی تصدیق کراتے تھے کسی کے لئے ایسے قبول اسلام کا تصور نہ تھا کہ آپ ﷺ کی کچھ باتوں کو مانے اور کچھ کو نہ مانے۔

ایمان ایک حقیقت بسیطہ ہے

قرآن وحدیث کی روشنی میں ایمان ایک حقیقت بسیطہ ہے جو ہوگا تو پورا ہوگا اور نہ ہوگا تو وہ بالکل نہ ہوگا۔ ایمان لانے میں ایمانیات میں تقسیم کو کوئی دخل نہیں۔ وہ کمزور اور قوی تو ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کے جوہری معنی میں اس میں زیادتی اور کمی کو کوئی راہ نہیں ملتی۔ ایمان اور اعمال میں تغائر ہے اور یہاں ایمان کا ایک جوہری معنی مراد ہے۔ ایمان میں اعمال کو داخل سمجھیں تو وہ ایمان کا ایک اور اعتبار ہوگا۔ اسی اعتبار سے قرآن میں ایک جگہ نماز کو بھی ایمان کہا گیا ہے: ’’وما كان الله ليضيع ايمانكم‘‘ (البقرہ:۱۴۳)

اس پہلو سے ایمان کمی اور زیادتی قبول کرتا ہے۔ لیکن حقیقت ایمان ایک حقیقت بسیطہ ہے۔ اس پہلو سے اس میں کسی کمی بیشی کو راہ نہیں ملتی۔ اس میں کمی بیشی کی کوئی گنجائش نہیں کہ بعض کا اقرار ہو اور بعض کا کوئی انکار کرے۔ سو جانئے کہ ایمان جب کفر کے مقابلے میں آئے تو اس سے اس کے جوہری معنی مراد ہوتے ہیں۔ جنت اور جہنم کے آخری فیصلے اسی ایمان اور کفر پر مرتب ہوں گے۔ گناہ گار مومن کبھی جہنم میں ہمیشہ کے لئے نہ رہے گا۔ ہمیشہ کے لئے جہنم صرف کافروں کا ہی انجام ہے۔

قرآن پاک کی ان پانچ آیات اور پانچ احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ایمان بالرسالت کے ساتھ آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو ماننا بھی ضروری ہے اس کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا ایمان کی شرعی حقیقت یہی ہے کہ آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو حق کہا اور مانا جائے قرآن کریم آپ ﷺ کے لائے پورے دین کو حق کہتا ہے اور ہر مکلّف انسان کو اس پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ ہم اس پر بھی قرآن پاک کی کھلی شہادت پیش کرتے ہیں۔ قرآن پاک اس کے مخالف ہر مؤقف کو کفر قرار دیتا ہے۔

’’یا ایھا الناس قد جاء کم الرسول بالحق من ربکم فاٰمنوا خیراً لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السمٰوٰت والارض. وکان اللہ علیماً حکیماً‘‘ (النساء:۱۷۰)

(ترجمہ) اے لوگو! تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے یہ پیغمبر سچی تعلیمات لے کر آچکا ہے۔ تم اس پر ایمان لاؤ یہ تمہارے لئے بھلا ہے اور اگر تم نے کفر کیا تو اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں۔ سب اس کا ہے اور وہ ذات اقدس علیم وحکیم ہے۔

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ ایمان بالرسالت کا مطلب یہی ہے کہ آپ ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں اس سب پر ایمان لائے اس کے بغیر صرف آپ ﷺ کو پیغمبر ماننا کافی نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو ماننا بھی ضروری ہے۔ ان تمام امور پر ایمان لانا ہی ایمان کی شرعی تعبیر ہے۔ صرف کلمہ پڑھ لینے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ان تمام امور پر ایمان نہ لائے۔ جو حضور ﷺ اپنے دین میں اللہ سے لے کر آئے ہیں۔ پیغمبر پر ایمان لانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ مؤمنین حضور ﷺ کو اپنے ہر معاملہ میں ایک قوت حاکمہ مانیں اور آپ کے جملہ فیصلوں میں سے کسی ایک بات کے تسلیم کرنے میں بھی اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔

قرآن پاک کی یہ آیت پہلے آپ پڑھ آئے ہیں: ''فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکّموک فیما شجر بینهم ثمّ لایجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت ویسلّموا تسلیما'' (النساء:۶۵)

(ترجمہ) قرآن پاک کی ان آیات نے فیصلہ دیا ہے کہ پیغمبر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو بھی برحق تسلیم کیا جائے۔

کون سی تعلیمات ہیں جنہیں مانے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا؟

آپ ﷺ کی تعلیمات یہاں وہ تعلیمات مراد ہیں جو آپ ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر منقول ہوں۔ اخبار احاد کا گو احکام میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کے انکار سے انکار رسالت لازم نہیں آتا۔ قرآن پاک جس طرح حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ پر اترے نور پر بھی برابر ایمان لانے کے لئے پکارتا ہے۔

اس پر بھی ہم قرآن کریم کی شہادت پیش کرتے ہیں: ''فاٰمنوا بالله ورسوله والنّور الذی انزلنا. والله بما تعملون خبیر'' (التغابن:۸)

(ترجمہ) بس ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اس پر اتارا اور اللہ کو تمہارے عملوں کی سب خبر ہے۔

سورۃ الاعراف میں اس نور کی اس طرح تفصیل دی گئی ہے: ''واتبعوا النّور الذی انزل معه اولٰئک هم المفلحون'' (الاعراف:۱۵۷)

(ترجمہ) اور انہوں نے پیروی کی اس نور کی جو آپ کے ساتھ اتارا گیا، وہی ہیں فلاح پانے والے۔

یہاں ''انزل علیه'' نہیں کہا گیا۔ ''انزل معه'' فرمایا گیا ہے۔ یہ وہ نور ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ اتارا گیا۔ یہ وہ روشنی ہے جو آپ ﷺ پر وحی غیر متلو، کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ صرف وحی متلو مراد ہوتی تو اسے ''انزل علیه'' کی تعبیر ملتی۔

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر تخصیص بعد التعمیم کے طور پر قرآن کریم کو نور کے ساتھ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے: ''قد جاء کم من الله نور و کتٰب مبین'' (المائدہ:۱۵)

(ترجمہ) بے شک آئی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک کتاب مبین۔

کتاب روشنی میں ہی پڑھی جاسکتی ہے۔ جان لو کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ ایک روشنی بھی تمہارے پاس آچکی ہے جس میں تم اس کتاب کو بخوبی پڑھ اور سمجھ سکتے ہو۔ اس روشنی سے مراد وہ وحی غیر متلو ہے جو آپ ﷺ پر اتری۔ اسی نے سنت کی صورت میں ظہور پایا ہے۔

اس روشنی سے مراد حضور اکرم ﷺ کی وہ کامل استعداد ہے۔ جو کمالات خداوندی سے استفادہ کرنے اور کتاب اللہ کی عملی صورت قائم کرنے کے لئے آپ ﷺ کی ذات میں ودیعت کی گئی تھی۔ آج وہ روشنی جو کتاب اللہ کے وسیع اور تفصیلی میدان میں پیاسوں کو سیراب کرتی ہے اور قرآن کی راہ عمل متعین کرتی ہے سنن کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ روشنی آپ ﷺ کو ذخیرہ احادیث میں ملے گی۔

سورۃ تغابن کی مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ایمان کے شرعی معنی یہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی جملہ تعلیمات کو صدق دل سے سچا یقین کیا جائے اور زبان سے اسے حق تسلیم کیا جائے۔ صرف اقرار توحید ورسالت سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ کوئی حضور ﷺ کے ہر فیصلے کو دل سے قبول نہ کرے۔

''وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا'' (الحشر:۷)

(ترجمہ) جو چیز بھی یہ رسول تمہیں دیں تم اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکیں اس سے تم رک جاؤ۔

اس آیت کے دوسرے حصے سے پتہ چلا کہ پہلے حصے میں لفظ ''اتاکم'' سے مراد وہ احکام ہیں جو آپ ﷺ نے دیئے اور امت کے لئے ان سب کا قبول کرنا لازم ٹھہرایا۔ یہ صرف مال غنیمت میں اپنا حصہ لینے کے لئے نہیں۔ حضور ﷺ کے پورے دین کو دل وجان سے قبول کرنا ہے۔ ہاں! اس میں احتیاط کی جائے کہ حضور ﷺ کی وہ تعلیمات جن کا صدق دل سے قبول کرنا لازم ٹھہرا، وہ وہی ہیں جو قطع ویقین سے ہم تک پہنچی ہوں۔

اخبار احاد میں جو اختلاف ہوتا ہے۔ وہ حضور ﷺ سے اختلاف نہیں۔ وہ اس بات کے ثابت ہونے میں ہوتا ہے کہ یہ بات واقعی حضور ﷺ سے آئی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اختلاف صرف پیمانہ ثبوت میں ہے۔ موضوع بیان میں نہیں ہے اور نہ یہ کسی امتی کی مجال ہے کہ وہ پیغمبر سے کسی بات میں اختلاف کرے۔

حضور ﷺ کی بعثت کے وقت جتنے بھی انسانی گروہ موجود تھے۔ آپ ﷺ کی رسالت سب کے ذمہ واجب الانقیاد ٹھہری جو بھی آپ ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی کسی بات سے عمداً در پے انکار رہو وہ آخرت میں جنت کی ہوا تک نہ پاسکے گا۔

’’افمن کان علیٰ بیّنة من ربه ویتلوه شاهد منه ومن قبله کتاب موسٰی اماماً ورحمة اولٰئک یؤمنون به ومن یکفر به من الاحزاب فالنّار موعده‘‘ (ہود:۱۷)

(ترجمہ) بھلا ایک شخص جو ہو اپنے رب کی طرف سے ایک صاف رستے پر اور اس کے ساتھ ساتھ رہے ایک گواہ بھی رب کی طرف سے اور اس سے پہلے اس کی گواہ تھی موسیٰ کی کتاب، راستہ بتلاتی اور رحمت پھیلاتی، یہی لوگ ہیں جو ایمان لائے قرآن پر اور دوسرے گروہ جو منکر ہوئے اس سے۔ سو دوزخ ہے ان کا ٹھکانہ۔ تم اس میں کسی شک میں نہ پڑنا بے شک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اس پیغمبر کے اقرار رسالت کے ساتھ اس صاف رستے کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے جو آپ ﷺ اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے۔ ایمان صرف ایمان بالرسالت کا نام نہیں آپ کے بتائے پورے رستے کو ماننا اور تسلیم کرنا بھی ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ اس کے بغیر ایمان قائم نہیں ہوتا۔

ساتھ ہی یہ بھی بتلایا گیا کہ اور جو دوسرے فرقے ہیں وہ بھی اس کے پابند ہیں کہ اسے مانیں اور جو اسے نہ مانے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

شیخ الاسلام ان ادیان کے بارے میں لکھتے ہیں: یعنی یہود ونصاریٰ بت پرست مجوس عرب وعجم یورپ وایشیا کسی فرقہ وجماعت اور ملک وملت سے تعلق رکھتا ہو۔ جب تک قرآن کو نہ مانے گا۔ اس کی نجات نہیں ہوسکتی۔

اس میں کھلے طور پر واضح ہے کہ اسلام میں نظریہ وحدت ادیان کی کوئی گنجائش نہیں۔ صفحہ کائنات کا ہر ہر فرد اور گروہ حضور ﷺ کے اقرار رسالت کے ساتھ اس کا بھی پابند ہے کہ آپ کی لائی ہوئی پوری تعلیمات کو بھی دل سے قبول کرے۔ سب عالمی مذاہب اس بات کے پابند ٹھہرائے گئے کہ حضور ﷺ کی رسالت اور آپ کے لائے ہوئے پورے دین کو حق جانیں اور اسے کھلے طور پر حق مانیں۔ اس کے بارے میں دل میں کوئی تنگی نہ رکھیں۔

یہاں الاحزاب سے مراد یہاں کے دوسرے سب ادیان ہیں ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں میں سوچتا رہا اس کی تصدیق کتاب اللہ میں کہاں مل سکے گی یہاں تک میں نے اسے اس آیت میں پالیا۔

’’ومن یکفر به من الاحزاب فالنّار موعده‘‘ (ہود:۱۷)

’’الاحزاب الملل کلها‘‘ (المستدرک للحاکم ج۲ص۲۷۲، ہود بسم اللہ......الخ!)

(ترجمہ) اور تمام احزاب میں سے جو بھی حضورﷺ کے لائے دین کو نہ مانے آخرت میں اس کے لئے آگ ہے، احزاب سے یہاں کل ملتیں مراد ہیں۔

امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۸ھ) جو عقائد میں پورے عالم اسلام کے مسلم امام ہیں اوران کا عقیدہ طحاویہ مصر، سعودی عرب اور دیوبند (انڈیا) میں ایک سا پڑھایا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ’’ودین الله فی الارض وفی السماء واحد وهو دین الاسلام قال الله تعالٰی ان الدین عندالله الاسلام وقال رضیت لکم الاسلام دینا. فهذا دیننا واعتقادنا ظاهراً وباطناً ونحن براء الی الله من کل من خالف‘‘

(متن الطحاویہ ص۸۶ باب ذکر بیان عقیدہ السنۃ والجماعۃ)

(ترجمہ) اور اللہ کا دین زمین میں اور آسمان میں ایک ہی ہے اور وہ دین اسلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے بے شک دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔ یہ ہے ہمارا دین اور اعتقاد ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اور اس کے خلاف ہم ہر دوسرے دین سے اللہ کے ہاں اظہار لاتعلقی کرتے ہیں۔

یہ ہر دوسرے دین سے ملت ابراہیمی کے بے زاری ہے جس کا اظہار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے کھلے طور پر اس طرح کیا تھا: ’’قد کانت لکم اسوة حسنة فی ابراهیم والذین معه اذ قالوا لقومهم انا برءٰؤ منکم ومما تعبدون من دون الله کفرنا بکم وبدأ بیننا وبینکم العداوة والبغضاء ابداً حتی تؤمنوا بالله وحده‘‘ (الممتحنہ:۴)

(ترجمہ) تم کو چال چلنی چاہئے اچھی، ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی جب کہا انہوں نے اپنی قوم کو ہم الگ ہیں تم سے اور ان سے جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سواء، ہم منکر

ہیں (اس سے جس پر تم ہو) اور کھل گئی ہم میں اور تم میں اس پر مخالفت یہاں تک کہ تم ایک خدا پر ایمان لے آؤ۔

یعنی جس طرح تم اللہ سے منکر ہوئے اور اس کے احکام کی پروانہیں کرتے۔ ہم تمہارے طریقہ سے منکر ہیں اور تمہاری پروانہیں کرتے۔ دین اسلام کے سوا ہم ہر دوسرے دین کا انکار کرتے ہیں۔

یہ ایک دین کی آواز جو امام طحاوی نے چوتھی صدی میں لگائی اسے پانچویں صدی میں حافظ ابن حزم ظاہری (۴۵۷ھ) سے سنئے۔

''لاالٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ وکل ماجاء بہ حق وکل دین سواہ باطل'' (المحلی مسئلہ نمبر ۴۹ ج۱ ص ۱۰۴ مسئلہ عجز لجھلہ عن معرفتہ)

ہر دین کو برحق کہنے کی آواز سب سے پہلے ہندوستان میں مسٹر مہاتما گاندھی نے اٹھائی تھی اور پورے عالم اسلام میں اس کی مخالفت کی گئی تھی اور اب تک سب مسلمان اسی عقیدے پر چلے آرہے ہیں کہ رسالت محمدی کی تصدیق اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو تسلیم کئے بغیر کسی کو جنت کی ہوا تک نہ لگ سکے گی۔

رسالت محمدی کی تصدیق جملہ اہل اکتاب پر بھی لازم ہے

حضور اکرم ﷺ کی تصدیق رسالت کل بنی نوع انسان کے لئے فرض ہے۔ یہ صرف عربوں اور بنواسماعیل کے لئے نہیں بنواسرائیل بھی اب اس رسالت کو تسلیم کرنے کے مکلّف ہیں۔ آپ کل اولاد آدم کے لئے رسول بھیجے گئے ہیں۔ یہ درست نہیں کہ آپ ﷺ صرف عربوں کے لئے بطور رسول بھیجے گئے ہیں۔ جیسا کہ بعض علماء یہود سمجھتے تھے کہ کل اہل کتاب آپ ﷺ کی امت دعوت نہیں۔ حق یہ ہے کہ جو کوئی یہودی یا نصرانی آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتا، اسے آخرت میں نجات نہ ملے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: **''والذی نفس محمد ﷺ بیدہ لا یسمع بی احد من ھذا الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الّا کان من اصحاب النار''**

(صحیح مسلم ج۱ ص۸۶ باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا)

(ترجمہ) قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اس وقت کے لوگوں میں کوئی یہودی اور کوئی عیسائی ایسا نہیں کہ اسے میری دعوت پہنچی اور پھر وہ مر گیا اور وہ اس پر ایمان نہ لایا تھا جو میں (خدا کی طرف سے) دے کر بھیجا گیا ہوں۔ مگر یہ کہ وہ آخرت میں نجات نہ پا سکے گا۔ اس حدیث میں اہل کتاب کے دونوں گروہوں کا نام لے کر یہ کہا گیا ہے کہ۔ سو ان کے لئے بھی آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا لازم ٹھہرا۔ ہر ملت اپنے اپنے دین پر رہے یہ بات حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نہ چل سکے گی۔

حضور ﷺ پر سب کو ایمان لانا ضروری ہے اس کے بغیر آخرت میں کوئی ابن آدم فلاح نہ پا سکے گا۔ اس حدیث میں اس نظریہ کی واضح الفاظ میں تردید کر دی گئی کہ ہر مذہب کے پیرو اگر اپنے اپنے مذہب پر چلیں تو وہ آخرت میں بخشے جائیں گے۔ کل کائنات کے لئے ایک ہی دین ہے۔ اولاد آدم مختلف دینوں میں بٹی رہے۔ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ کا دین ایک ہی ہے۔ ’’ان الدین عنداللہ الاسلام‘‘ ظرف مقدم ہو تو حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اس آیت سے یہی معلوم ہوا کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کی سب تعلیمات پر ایمان نہیں لاتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ قادیانی جب حضور ﷺ کی بعض وہ تعلیمات جو قطعی طور پر آپ ﷺ سے منقول ہیں، نہیں مانتے تو وہ کسی طرح مسلمان قرار نہیں دیئے جا سکتے ہیں۔ یہ کہنا کہ وہ آپ ﷺ کی بعض باتوں کو مانتے بھی تو ہیں۔ ہرگز درست نہیں۔ ایمان ایک موجبہ کلیہ ہے سو آپ ﷺ کی سب باتوں کا ماننا ضروری ہے۔ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزیہ آتی ہے۔ حضور ﷺ کی کسی بات کا انکار جو آپ ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہوا، اس سے آپ ﷺ کی تصدیق کا موجبہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر موجبہ کلیہ کے نقض کے لئے سالبہ کلیہ کی تلاش جہالت ہے۔ کسی ایک سلب جزئی سے بھی موجبہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایمان لانے میں تو جمیع باتوں کو ماننے کی قید ہے۔ لیکن کفر میں جانے کے لئے آپ ﷺ کی سب باتوں کا انکار ضروری نہیں۔ صرف ایک قطعی بات کا انکار بھی انسان کو کفر میں داخل کر دیتا ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں صرف یہود ونصاریٰ کا ذکر دوسرے عام کافروں پر اس الزام کو مزید کڑا کرنے کے لئے کہ جب ان دونوں کا حال باوجود اہل کتاب ہونے کے یہ ہے تو جو لوگ اہل کتاب بھی نہیں ان کا انجام کیسے ایسا نہ ہوگا کہ وہ آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو تسلیم کئے بغیر آخرت میں کبھی فلاح نہ پا سکیں۔

کسی شخص نے حضورﷺ کی مدتوں تصدیق رسالت نہ کی لیکن اس حالت پر وہ مرا نہیں مرنے سے کچھ پہلے وہ اس سچائی پر آ گیا وہ ان شاء اللہ خدا کی بادشاہی میں داخل ہوگیا۔ حدیث میں ’’ثم یموت ‘‘ کے الفاظ بتارہے ہیں کہ انسان کو صرف کفر جہنمی نہیں بناتا یہ کفر پر موت ہے جو انسان کو آخرت میں فلاں پانے سے روک دیتی ہے۔ قالہ العثمانیؒ۔

صرف تصدیق رسالت میں بھی نجات نہیں جب تک اپنی پہلی ملت کو نہ چھوڑے اور کھلم کھلا اس سے نہ نکلے جو اسرائیلی آپ کو صرف عرب کے لئے پیغمبر مانتے تھے وہ آپ کی تصدیق رسالت تو کرتے تھے لیکن آپ کی ملت میں داخل نہ ہوتے تھے۔ وہ کسی پیرائے میں بھی مسلمان نہ سمجھے گئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نجات اخروی کے لئے آپﷺ کی تصدیق رسالت کافی نہیں بلکہ اپنی پہلی ملت سے علیحدگی اور آپﷺ کی امت میں شمولیت بھی ضروری ہے۔

امام ابوجعفر الطحاوی نے اس کی تصریح کی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے اپنے پہلے دین سے علیحدگی اور اس کا انکار ضروری ہے۔ امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۸) لکھتے ہیں: ’’انّ الیھود قد کانوا اقرّوا بنبوۃ رسول اللہﷺ مع توحید ھم للہ فلم یقاتلھم رسول اللہﷺ حتی یقروا بجمیع ما یقر بہ المسلمون فدلّ ذالک انھم لم یکونوا بذالک القول مسلمین وثبت ان الاسلام لا یکون الّا بالمعانی التی تدل علی الدخول فی الاسلام وترک سائر الملل‘‘

(معانی الآثار ج۲ ص۱۲۳ باب ما یکون الرجل بہ مسلما)

(ترجمہ) یہودی ایسے بھی تھے جو حضور اکرمﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے اور وہ عقیدہ توحید پر بھی تھے۔ حضورﷺ نے ان سے جنگ نہ کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ توحید ورسالت کے اس اقرار کے باوجود مسلمان نہ سمجھے گئے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام (صرف اس ظاہری اقرار کا نام نہیں) یہ ان مرادات کو پورا کئے بغیر قائم نہیں ہوتا۔ جو کسی کے اسلام میں داخل ہونے کا پتہ دیتی ہیں اور یہ اپنی پہلی ملتوں کو چھوڑے بغیر نہیں ہوسکتا۔

امام طحاوی نے حضورﷺ کی ملت میں داخل ہونے اور اپنی ملتوں کو چھوڑنے پر اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے: ’’عن انس بن مالک ان رسول اللہﷺ قال

امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لااله الا الله وان محمد رسول الله فاذا شهدوا ان لا اله الاالله وانّ محمدا رسول الله وصلوا صلاتنا واستقبلوا قبلتنا واکلوا ذبیحتنا حرمت علینا دماؤهم واموالهم الا بحقّها لهم ما للمسلمین وعلیهم ما علیهم'' (ایضاً)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ توحید ورسالت کی گواہی نہ دے دیں۔ جب وہ توحید ورسالت کا اقرار کرلیں (تو اتنی بات کافی نہیں) وہ نمازوں میں ہمارے ساتھ شامل ہوں۔ ہماری طرح کعبہ کی طرف قبلہ رخ ہوں اور ہمارا ذبیحہ اپنے لئے حلال جانیں۔ اس صورت میں ہم ان کی جانوں اوران کے اموال کا احترام کریں گے۔ ان کو ہم پر وہ حق حاصل ہوگا جو دوسرے مسلمانوں کے لئے ہے۔

اس کے بعد امام طحاوی لکھتے ہیں: ''قال ابوجعفر فدلّ ما ذکر فی هٰذا الحدیث علی المعنی الذی یحرم به دماء الکفار ویصیرون به مسلمین لان ذالک هو ترک ملل الکفر کلّها وجحدها...... فلا یکون الکافر مسلما محکوماً له وعلیه بحکم الاسلام حتی یشهد ان لا اله الا الله وانّ محمدرسول الله ویجحد کل دین سوی الاسلام'' (طحاوی شریف ایضاً)

(ترجمہ) ابوجعفر کہتے ہیں کہ اس حدیث میں وہ بات جس سے کافروں کے خون اوران کے اموال لائق احترام ہوجائیں۔ وہ یہی ہے کہ وہ سب اپنی پہلی ملتوں سے کنارہ کش ہوں اوران کا انکار کردیں۔ سو کوئی کافر مسلمان نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے لئے مسلمانوں کے سے حقوق ہیں۔ جب تک کہ وہ توحید ورسالت کی شہادت نہ دے اور سوائے اسلام کے باقی سب ملتوں کا انکار نہ کردے۔ جو کہے کہ میں مسلمان ہوں مگر دوسرے ادیان بھی اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ وہ کسی صورت میں دائرہ اسلام میں سمجھا نہ جاسکے گا اور نہ اسے قانون کی نظر میں دوسرے مسلمانوں کے سے حقوق دیئے جاسکیں گے۔

امام طحاوی اس ساری بحث کے بعد لکھتے ہیں: ''ثبت بذالک ان کل من لم یتخل بما سوی الاسلام لم یعلم بذالک دخوله فی الاسلام هٰذا قول ابی حنیفة وابی یوسف و محمد رحمۃ اللہ علیہم'' (ایضاً)

(ترجمہ) اس سے ثابت ہوا کوئی شخص جب تک اسلام کے سوا ہر دوسری ملت سے علیحدگی نہ کر پائے اس کا اسلام میں داخل ہونا بے سود ہوگا۔ یہی فیصلہ (دین کے بڑے بڑے اماموں) امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے، صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ لیکن امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس پر کوئی باب نہیں باندھا کہ کوئی شخص کیسے مسلمان ہوتا ہے۔ انہوں نے ایمان اور اسلام پر تو باب باندھے ہیں لیکن ’’باب مایکون الرجل به مسلما‘‘ آپ کو طحاوی شریف کے سوا کہیں نہ ملے گا۔ امام طحاوی اسے کتاب الایمان میں نہیں کتاب السیر میں لائے ہیں۔ یہ وہ ابواب ہیں جو قانون کا دائرہ کھینچتے ہیں اور سلطنتیں ان پر چلتی ہیں۔ دوسرے محدثین میں سے کسی نے اسے اس تفصیل سے نہیں لکھا کہ کوئی شخص کسی طرح قانونی طور پر دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

’’فجزاه الله عنّا وعن سائر المسلمين احسن الجزاء‘‘

قادیانیوں کے مسلمان نہ ہونے کے لئے یہی جاننا کافی ہے کہ وہ تمام مسلمانوں سے جدا ایک دوسری ملت ہیں ان کا اقرار توحید ورسالت اور کلمہ پڑھنا انہیں دائرہ اسلام میں نہیں رکھ سکتا۔ جب تک وہ اپنی علیحدہ جماعت توڑ کر ملت اسلامی میں نہ آجائیں اور ان کا اسلام میں آنا حضور ﷺ کی امت کے طور پر ہو کسی دوسرے کی امت کے طور پر نہ ہو۔ وہ اپنے نئے عقیدے کی بنیاد پر پہلے ہی اسلام سے نکل چکے۔

ایمان گو ایک حقیقت بسیطہ ہے مگر اس کے اجزاء بھی ہیں

جس طرح اقرار توحید ورسالت ایمان کے دو اہم جزو ہیں یا ’’اشهدان لا اله الا الله‘‘ اور ’’اشهد ان محمداً عبده ورسوله‘‘ ایمان کی دو بڑی شہادتیں ہیں۔ اسی طرح اس کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا کہ وہ حضور ﷺ کی امت میں داخل ہو اور اپنی پہلی جماعت سے علیحدگی ڈھونڈے جو شخص اپنی کسی پہلی ملت کو نہ چھوڑے یا اسلام میں آکر مسلمان سے جدا کوئی نئی ملت بنائے۔ مردم شماری کے سرکاری کاغذات میں بھی اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ ظاہر کرے اور اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ رکھے تو اسے کسی طرح مسلمان نہیں سمجھا جاسکے گا۔ آپ کی امت میں ہو کر رہنا اور اپنی علیحدہ دینی جماعت بندی نہ

کرنا یہ تیسرا جزو ایمان ہے جسے حضور ﷺ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا: ’’من صلّٰی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم‘‘

(بخاری ج۱ ص۵۶ باب فضل استقبال القبلہ)

یہاں صرف یہ تین چیزیں ہی مراد نہیں۔ یہ بطور مثال ہیں۔ اصولی بات حضور ﷺ کی امت میں سے ہونا اور مسلمانوں کی جماعت بن کر رہنا ہے۔ اپنی کوئی علیحدہ ملت نہ بنانا ہے۔

مرزاغلام احمد کی بیعت کر کے قادیانی اپنی علیحدہ جماعت بندی سے اپنا وہ حق ضائع کر لیتے ہیں جو مرزاغلام احمد کی بیعت سے پہلے انہیں بطور اسلام حاصل تھا۔ آنحضرت ﷺ کی جملہ تعلیمات پر مسائل کلامیہ میں اعتقاد اور مسائل فقہیہ میں تسلیم یہ بھی ایمان کے اجزاء ہیں اور جب تک ایمان میں یہ تینوں حقیقتیں اور یہ تینوں تصدیقات جمع نہ ہوں ہم کسی شخص کو مسلمان نہیں سمجھ سکتے۔ اس کے اور اسلام کے باقی اجزاء اسے کچھ فائدہ نہ دے سکیں گے۔

سو باوجودیکہ ایمان ایک بسیط چیز ہے۔ اس کے ان اہم پہلوؤں سے انکار نہیں ہوسکتا جو کسی ایمان لانے والے کو ایک ملت بناتے ہیں۔ مثلاً:

۱...... اقرار توحید باری تعالیٰ کہ اس کی ذات اور صفات اور اس کے افعال میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

۲...... اقرار رسالت محمدی برائے جمیع بنی نوع انسان وہ کہیں کے بھی رہنے والے ہوں۔

۳...... حضور ﷺ جو تعلیمات لے کر آئے ان سب پر صدق دل سے ایمان لانا۔

۴...... ملت اسلامی میں پورے تسلسل سے رہنا اور ان سے اصولوں پر کبھی جدا نہ ہونا۔

۵...... مردم شماری کے سرکاری کاغذات میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا۔

ایمان کے ان مباحث میں حضور ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ ہم بار بار لکھتے آئے ہیں کہ وہ قطعی اور یقینی طور پر حضور ﷺ سے ثابت ہوں۔

اخبار احاد سے آپ ﷺ کی جو باتیں ملیں ان میں سے کسی کا انکار اس کے ثبوت سے انکار شمار پاتا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کی تعلیم سے انکار کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس مسئلے کی بھی کچھ وضاحت کر دیں کہ وہ تواتر کیا ہے جس سے علم یقینی بنتا ہے۔

وہ تواتر کیا ہے جس سے مسائل یقینی بنتے ہیں

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امّا بعد!

تواتر کسی چیز کے ثبوت میں پختگی کا نام ہے۔ اس سے مسائل شریعت ایمان بنتے ہیں اور اس کے بغیر انہیں قطعیت حاصل نہیں ہوتی۔ اخبار احاد سے وہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ جس سے کسی کے کفر واسلام کے فیصلے کئے جاسکیں۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ دین میں اصولی ضابطے ایسے پختہ ثبوت پر مبنی ہونے چاہیں کہ پھر ان میں کوئی شک راہ نہ پاسکے۔ یہ صحیح ہے کہ علم یقین جس طرح دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، کسی دوسرے کے بتانے سے نہیں ہوسکتا۔ تاہم اس سے بھی انکار نہیں کہ اگر کوئی خبر کسی ایسے طریقے سے منقول ہو کہ اس میں غلط بیانی عادۃً ناممکن نظر آئے اور اس میں عادۃً جھوٹ کا کوئی احتمال باقی نہ رہے تو وہ خبر باوجود شنیدہ ہونے کے کچھ دیدہ کے درجہ کے قریب آلگتی ہے۔ پھر دیکھنے سے بھی علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح کی خبریں باوجود شنیدہ ہونے کے دیدہ کے درجہ میں لائق قبول ہوں گی۔ جس طرح دیکھنے سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح اس خبر کو بھی دیکھنے کے آئینہ میں اتارا جاسکے گا۔

قرآن کریم سے بھی ایسی قطع خبروں کو دیکھے جانے کے درجے میں ہونے کا کھلا ثبوت ملتا ہے۔ ’’الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل‘‘ (الفیل:۱)

(ترجمہ) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ اس وقت ان کے سامنے موجود نہ تھے۔ لیکن یہ خبر کہ اللہ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ مکہ میں اس قدر شہرت میں تھی کہ اس کے یقینی ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ آپ ﷺ نے اسے دیکھا ہے۔ علم ویقین کو رؤیت بصری کے درجہ میں لینے کی یہ واضح مثال بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔

۱...... ’’الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن‘‘ (الانعام:۶)

(ترجمہ) کیا یہ لوگ دیکھ نہیں پائے کہ ہم نے کتنی امتیں ہلاک کیں۔

۲...... ’’الم تر کیف فعل ربک بعاد. ارم ذات العماد‘‘ (الفجر:۶،۷)

(ترجمہ) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا؟ وہ جو ارم تھے بڑے ستونوں والے۔

پھر حضورﷺ کی ہی یہ بات نہیں آپ کو علم قطعی تو وحی سے بھی حاصل ہو جاتا تھا لیکن اور کسی کو اس بناء پر قطعیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ بجز شہرت خبر اور استفاضہ عام کے اور اس کی بھی ایک مثال آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

’’الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن‘‘ (الانعام:۶)

ان کے اس قطعی علم کا مدار سوائے شہرت عام اور استفاضہ عام کے کوئی اور نہ تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ تواتر سے منقول ہونے والے امور قطعی اور یقینی علم کا فائدہ دیتے ہیں۔ بس تواتر اور قطع ویقین ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں ہیں۔

حضرت یزید بن رومان نے حضرت عمرؓ کا دور نہیں دیکھا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھنا ایسا متواتر اور مستفیض عمل تھا کہ وہ اس پر کسی سند کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ وہ برسر عام کہتے تھے اور کسی نے ان کا انکار نہ کیا۔

’’کان النّاس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة‘‘ (مؤطا امام مالک باب فی قیام رمضان ج۱ ص۱۱۵ شاملہ)

کسی کو سوال کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی کہ یزید بن رومان نے جب وہ دور نہیں پایا تھا تو وہ یقین سے کیسے کہہ رہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا ہوتا تھا۔

لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ امام مالک جیسے جلیل القدر فقیہ اور محدث نے یزید بن رومان کی اس خبر پر پورا اعتماد کیا ہے اور اسے اپنے مؤطا میں جگہ دی ہے۔ مجتہد کا کسی حدیث کو پیش کرنا اصول کے مطابق اس کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے۔

آنحضرتﷺ نے سواء بن حارث نامی ایک بدو سے مرتجز گھوڑا خریدا لیکن دام آپ کے پاس نہ تھے۔ آپﷺ مالک سے اجازت لے کر گھر رقم لینے گئے۔ اس دوران کسی دوسرے خریدار نے زیادہ قیمت دے کر مرتجز گھوڑے کو خرید لیا۔ اس خریدار کو علم نہ تھا کہ حضورﷺ اسے خرید چکے ہیں۔ حضورﷺ آئے تو آپﷺ نے اس بیچنے والے کو کہا کیا میں اسے خرید نہیں چکا؟ میرا سودا تو ہوگیا تھا اس نے کہا۔ نہیں بخدا میں نے اسے نہیں بیچا

ہے۔حضورﷺ نے کہا میں اسے خرید چکا ہوں۔اس نے کہا اس پر گواہی لائیں۔

حضرت خزیمہ بن ثابتؓ نے کہا:’’انا اشهد انک قد بایعته‘‘

(سنن ابی داؤد ج۲ ص۵۰۸ باب اذا علم الحاکم صدق الشاهد)

(ترجمہ) میں گواہی دیتا ہوں کہ تونے اسے بیچ دیا تھا۔

نبوت کا اعتدال دیکھئے حضورﷺ نے فوراً حضرت خزیمہؓ سے کہا کہ تو اس وقت موجود نہ تھا جب میں نے اس سے یہ گھوڑا خریدا تھا تو کسی طرح گواہی دے رہا ہے؟

حضرت خزیمہ نے کہا:’’بتصدیقک یا رسول اللهﷺ‘‘ (ایضاً)

(ترجمہ) یا رسول اللہﷺ آپ کو ہر بات میں سچا ماننے کے باعث میں یہ گواہی دے رہا ہوں۔

یعنی جب آپﷺ کی تصدیق کو ہی ہم نے اپنا ایمان بنایا ہے۔تو بے شک ہم آپﷺ کی ہر ہر بات کی تصدیق کرتے ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ آپﷺ کو پیغمبر مانتے ہوئے صرف آپﷺ کی تصدیق رسالت نہ کرتے تھے بلکہ آپﷺ کی جملہ تعلیمات کو وہ سچ اور برحق مانتے تھے۔حضورﷺ بھی حضرت خزیمہؓ کے اس جواب سے اتنے خوش ہوئے کہ آپﷺ نے آئندہ کے لئے حضرت خزیمہؓ کی ایک شہادت کو دو شہادتوں کے قائم مقام قرار دیا۔

حضورﷺ کے اس ارشاد نے آئندہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں ایک بڑے اہم دینی معاملے میں ایک عجیب تاثیر دکھائی۔جب قرآن یکجاء جمع کیا جارہا تھا اور حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد یہ خدمت قرآن تھی اور آپؓ ہی حضور اکرمﷺ کے عہد میں سب سے بڑے کاتب وحی تھے۔حضرت زیدؓ ایک ایک آیت پر صحابہ کرامؓ کی دو دو شہادتیں لیتے اور پھر اسے مصحف میں لکھتے تھے لیکن سورۃ توبہ کی آخری آیت کا ایک ہی گواہ تھا۔جس نے یہ آیت حضورﷺ سے براہ راست سنی ہو اور وہ حضرت خزیمہؓ تھے۔اب سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ حضرت خزیمہؓ کی اس ایک شہادت کو حسب ارشاد نبوت دو شہادتوں کے قائم مقام سمجھا جائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ کسی قطعی اور یقینی ذریعہ سے کسی بات کا علم ہو جائے تو اس شنیدہ کو بھی دیدہ کے درجے میں لایا جاتا ہے۔یہاں تک کہ اس پر شہادت بھی دی جاسکتی تھی۔

پہلے دور میں حدیث کی جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سند متصل کی ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی۔ روایات کے قطعی اور مستفیض ہونے کے باعث سند نہ بھی ہوتو اسے روایت کرنے والے کی شخصیت اور شہرت پر قبولیت دے دی جاتی تھی۔ مؤطا امام مالک، کتاب الآ ثار امام ابو یوسف، کتاب الآ ثار امام محمد، المصنّف لعبدالرزاق اور المصنّف لابن ابی شیبہ میں زیادہ اعتماد ہی چلتا رہا۔ مؤطا امام مالک کو جو مؤطا تسلیم کیا گیا تو اس لئے کہ اس کی جملہ روایات قطع نظر اتصال اسناد کے اپنی جگہ مشہور اور مستفیض تسلیم کی گئی ہیں۔

تصدیق پیغمبر کا یہ معنی نہیں کہ صرف آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دعوے رسالت میں سچا جانا جائے۔ بلکہ تصدیق پیغمبر یہ ہے کہ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی ہر اس بات میں حق گردانا جائے جو آپ ﷺ خدا سے لے کر آئے۔ وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو۔ امتی آپ ﷺ کی ہر بات پر تسلیم خم کرتا رہے۔

کیا پہلے کی مستفیض خبروں کی بھی پڑتال کی ضرورت ہے؟

جب اس دور میں ان پرسندوں کی ضرورت نہ سمجھی گئی تو اب ان پرسندوں کا اتصال کہاں سے ملے گا؟ اگر کہیں مل بھی جائے تو اسے ایک ضابطہ نہیں بنایا جاسکتا۔ کسی مسئلے پر اجماع ہونے کے بعد اس کے مأخذ کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور کسی کی یہ طلب باقی نہیں رہتی کہ اب بھی اس کی متصل سند کہیں سے ملے۔

خلاصہ بیان یہ کہ قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہونے والے امور باوجود شنیدہ ہونے کے دیدہ میں شمار ہونے کا حق رکھتے ہیں۔

اسلامی فقہ میں یہ بتلایا گیا ہے: ’’انما یجوز للشاھد ان یشھد بالاشتھار وذالک بالتواتر او باخبار من یثق بہ‘‘

(ھدایہ ج۳ ص ۲۶ کتاب الشھادۃ فصل ما یتحملہ الشاھد علی ضربین)

(ترجمہ) گواہ کے لئے جائز ہے کہ وہ عام شہرت کی بناء پر کسی بات کی گواہی دے دے اور یہ اس بات کے متواتر ہونے کی وجہ سے ہوگا یا کسی ثقہ شخص کے خبر دینے کی بناء پر۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ’’چوں مجتہدین بر مسئلہ اجماع کردند مأخذ را فراموش مے سازند وداعیہ نقل ماخذ فاتر مے گردد بجہت کفایت اجماع

ازاں۔ لہٰذا در اکثر مسائل اجماعیہ ماخذ آنہا چناں کہ مے باید شائد منقول نیست“

(قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین ص۲۴۰ طبع مجتبائی دہلی)

(ترجمہ) جب مجتہدین کسی مسئلہ پر اکھٹے ہو جاتے ہیں تو اس کی دلیل کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور مأخذ کے نقل کرنے کی ضرورت کمزور پڑ جاتی ہے۔ کیونکہ اجماع کے ہوتے ہوئے اب اس کی ضرورت نہ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اجماعی مسائل میں ان کے مأخذ جیسا کہ ہوسکتا ہے اور چاہیں ان کی نقل نہیں ملتی۔

مؤطا امام مالک اور کتاب الآثار امام محمد رحمۃ اللہ علیہ میں کسی جگہ سند کا متصل نہ ہونا مسئلے کو کمزور نہیں کرتا۔ کیونکہ دونوں مجتہد ہیں۔ اس وقت کے اجماعی مسائل میں اب نئے سرے سے ان کے مأخذ کی تلاش کرنا کوئی بڑی دینی خدمت نہیں سمجھی جاسکتی۔ ان مسائل پر بحث وکرید انسان کو یہاں تک جری کر دیتی ہے کہ پھر وہ ضروریات دین میں بھی کانٹوں کی باڑ میں گھر جاتے ہیں۔ جب سے امت میں وہ گروہ پیدا ہوئے جو پہلے مجتہدین کے خلاف اٹھے۔ ان کے اٹھتے ہی حضور ﷺ کی امت یقین سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے۔

امت مرحوم ہے صدیوں سے محروم الیقین

حضرت شاہ ولی اللہ یہ بھی کہتے ہیں: ”کل حدیث اجمع السلف علی قبوله او تواترت اهلية رواته فلا حاجة الٰی البحث عن عدالة رواته وما عدا ذالک یبحث عن عدالة“ (عقد الجید فی احکام الاجتہاد ص۳۴ فصل فی العامی شاملہ)

(ترجمہ) ہر وہ حدیث جس کو سلف بالاتفاق قبول کر چکے یا اس کے روایت کرنے والوں کی اہلیت روایت تواتر سے چلی آئی ہے تو اب اس کے راویوں کے ضعف وعدالت سے بحث نہ کی جائے گی۔ ہاں! جو ان کے سوا ہوں گے ان کے اسماء الرجال سے بحث کی جاسکے گی۔

امام شافعی جو ضرورت اسناد کے پہلے بڑے وکیل سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اصولاً اس اصول سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہیں۔

محدث سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں: ”ولهٰذا قال الشافعی فی حدیث لا وصية لوارث انه لا یثبته اهل الحدیث ولٰکن العامة تلقته بالقبول وعملوا به“ (فتح المغیث ص۱۲۰ اباب تنبیہات)

(ترجمہ) اسی جہت سے (کہ اس پر پہلے سے اتفاق چلا آ رہا ہے) امام شافعی حدیث: ’’**لا وصیة لوراث**‘‘ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اسے محدثین اسناداً صحیح قرار نہیں دیتے۔ لیکن عامہ امت اسے قبول کئے ہوئے ہے اور اس پر عمل بھی چلا آ رہا ہے۔

اس درجہ کی روایت کو جو سند متواتر نہ ہو احاد درجے کی ہو مگر جب اس پر اپنے وقت میں بالاتفاق عمل رہا اور اس عمل کو کسی نے مجروح نہ کیا تو اب اسے متواتر کے درجے میں لیا جائے گا۔ گو یہ تواتر اسناد نہ ہوگا۔

یہ تواتر عمل بھی اپنی جگہ علم یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ پہلے لوگ کسی روایت پر اجماع نہ کرتے تھے جب تک وہ ان کے ہاں صحت کو نہ پہنچے۔

چھٹی صدی کے علامہ محمود بن عمر الزمخشری (۵۳۸ھ) حدیث: ’’**لا وصیة لوارث**‘‘ پر لکھتے ہیں: ’’**ویتلقی الامة ایّاه بالقبول حتی لحق بالتواتر وان کان من الاحاد لانهم لا یتلقون بالقبول الا الثبت الذی صحت روایة**‘‘ (تفسیر زمخشری البقرہ:۱۸۴)

(ترجمہ) امت نے اس حدیث کو بالاتفاق قبول کیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ باوجود خبر واحد ہونے کے متواتر سے ملحق ہے۔ کیونکہ پہلے لوگ تلقی بالقبول اسی روایت کو دیتے رہے ہیں جو درجہ صحت تک پہنچی ہو (گو وہ سند متصل ہمیں معلوم نہ ہو)

اس سے پتہ چلا کہ متواتر بھی دو طرح کا ہے۔ ایک روایت کی رو سے اور دوسرا امت کے عمل کی رو سے۔ کسی عمل کا پوری قوت اتفاق سے ظہور پانا لوگوں کو اس کے مأخذ کی تلاش سے مستغنی کر دیتا ہے۔

ضروریات دین میں اصل بات کسی امر کا یقینی ہونا ہے۔ وہ یقین اسناد سے حاصل ہو یا عام ظہور عمل سے۔ علم کے اس درجہ کو فقہاء ہی پہچان سکتے ہیں۔ محدثین کو صرف روایت سے غرض ہوتی ہے۔ اس سے نہیں کہ کثرت روایت سے کس طرح قوت بنتی ہے۔ اسے فقہاء ہی پہچانتے ہیں سو تواتر اسناد بھی اصل موضوع محدثین کا نہیں فقہاء کا ہے۔ محدثین میں امام ترمذی کس شہرت کے مالک ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ آپ بھی امام مجتہد امام شافعی کی اس بات سے اختلاف نہیں کرتے کہ فقہاء ہی حدیث کو بہتر سمجھتے ہیں۔

’’**وکذالک قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث**‘‘

(جامع ترمذی ج۱ ص۳۰۲ باب ما جاء فی غسل المیت)

قاضی محبّ اللہ بہاری (۱۱۱۸ھ) لکھتے ہیں: ’’ان التواتر لیس من مباحث الاسناد‘‘ (مسلم الثبوت ج۲ ص۱۴۵)

تاہم اس میں شک نہیں کہ محدثین بھی اس درجہ علم کا پورا اعتراف کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ’’والمتواتر لا یبحث عن رجاله بل یجب العمل به من غیر بحث‘‘

(نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص۴۲ باب تعریف علم الاسناد شاملہ)

متواتر روایت کے راویوں سے بحث نہیں کی جاتی اس پر عمل کرنا واجب ٹھہرتا ہے۔ متواتر کو علم یقینی کا درجہ حاصل ہے۔ وہ متواتر اسنادی ہو یا تواتر توارث عمل۔

امام ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں: ’’ومما یصحح الحدیث ایضاً عمل العلماء علی وفقه‘‘ (فتح القدیر ج۳ ص۴۹۳ فصل ویقع طلاق کل زوج اذا کان عاقلاً شاملہ)

(ترجمہ) ان امور میں سے جو حدیث کو صحیح ٹھہراتے ہیں علماء کا اس کے موافق عمل کرنا بھی ہے۔

امام سیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: ’’قال بعضهم یحکم الحدیث بالصحة اذا تلقاه الناس بالقبول وان لم یکن له اسناد صحیح‘‘

(تدریب الراوی ج۱ ص۶۶ باب حد الصحیح شامله)

(ترجمہ) کئی علماء کہتے ہیں کہ جب کسی حدیث کو علماء قبول کرلیں تو اسے صحیح ٹھہرایا جائے گا گو اس کے لئے کوئی سند صحیح موجود نہ ہو۔

گیارہویں صدی کے محدث کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) بھی لکھتے ہیں:

’’والمتواتر لا یسئل عن احوال رجاله‘‘ (شرح نخبۃ الفکر للقاری باب التواتر)

اندازہ کیجئے علماء اعلام نے اس یقین کو پانے کے لئے کہ یہ واقعی حضور اکرم ﷺ کی تعلیم ہے کس قدر محنت کی ہے۔ عام لوگوں میں یہ یقین کیسے قائم ہوتا ہے کہ یہ بات واقعی حضور اکرم ﷺ کی قطعی اور یقینی تعلیمات میں سے ہے؟ عوام علم اسناد کو نہیں جانتے اور نہ ان کی مختلف ادوار کی کڑیوں کو آپس میں ملا سکتے ہیں۔ یہ صرف تواتر عمل ہے۔ جو ہر چھوٹے بڑے کی آنکھیں کھولے ہوئے ہے اور کیا علماء اور کیا عوام عمل میں اس حقیقت سے کہیں آنکھیں بند نہیں کرسکتے۔

عقیدہ ختم نبوت ابھی تواتر اسناد میں نہ آیا تھا کہ پوری امت نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس پر تواتر عمل کو دیکھا ایک مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروؤں کو ختم نبوت کے انکار سے غیر مسلم قرار دیا گیا۔ ان کے خلاف اقدام جہاد کیا گیا اور ایک نہیں سب چھوٹے بڑے مدعیان نبوت واصل جہنم کئے گئے۔ انہیں اقلیت ہونے کا تحفظ بھی نہ دیا گیا۔

ایمان کی حقیقت یہی ٹھہری کہ حضور اکرم ﷺ کی وہ تمام تعلیمات جو قطع ویقین سے ملیں۔ ان سب کو موجبہ کلیہ کے طور پر قبول کرنا ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کا انکار سلب جزئی ہے جو موجبہ کلیہ کو توڑ دیتا ہے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک رکن کا انکار کرنے والے بھی مورد کفر ہیں یہ عمل کسی کو وصف اسلام میں نہیں رہنے دیتا اور یہ امر بھی طے شدہ ہے کہ ضروریات دین میں کوئی تاویل قبول نہیں کی جاتی۔

تواتر عمل کی علمی قوت سلف میں بلاکسی نکیر کے تسلیم کی گئی ہے۔

امام عطا بن ابی رباح (۱۱۷ھ) امام قاسم (۱۰۱ھ) امام سالم (۱۰۷ھ) (رحمۃ اللہ علیہم) امت کے عمل کو علم کا ایک بڑا درجہ دیتے تھے۔ ان کے ہاں امت میں کسی عمل کا بالاتفاق چلا آنا اسناد سے زیادہ وزن رکھتا تھا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’قال عطاء الاجماع اقوی من الاسناد‘‘

(مرقات ج۱ ص۴۹ حدیث انما الاعمال)

’’قال القاسم والسالم عمل به المسلمون وقال مالک شهرة الحديث بالمدينة تغني عن صحة سنده‘‘

(سنن دارقطنی ج۴ ص۲۷ طبع بیروت باب الخلع والطلاق)

امام مالک نے فرمایا حدیث کا درجہ شہرت میں آنا مجھے اس کی سند کی صحت سے مستغنی کر دیتا ہے۔

حدیث مشہور کی شہرت امام جصاص رازی (۳۷۰ھ) کے ہاں بھی متواتر کے برابر تسلیم کی گئی ہے۔

’’قال الجصاص انه احد قسمی المتواتر فیفید علم الیقین‘‘

(نورالانوار ص۱۸۱ طبع رحمانیہ)

(ترجمہ) امام جصاص رازی کہتے ہیں کہ یہ بھی متواتر کی ایک قسم ہے اور اس سے یقین حاصل ہوتا ہے۔

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے پہلے دور کا عمل امت میں ایک بڑے درجے کی قوی دلیل سمجھا جاتا تھا اور حضور ﷺ کی کسی بات کو جس راہ سے بھی وہ قطع یقین پائے اس کے تسلیم کرنے میں علماء اعلام نے کسی نرمی اور رعایت کو جگہ نہیں دی۔ ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ حضور ﷺ کی جملہ تعلیمات کے آگے بلاکسی تاویل کے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔

علماء اعلام نے اسلام کے اس تواتر پر خواہ وہ جس راہ سے بھی ملے بہت بحثیں کی ہیں۔ اس سے ان کی غرض یہی رہی ہے کہ جس طرح بھی ہو سکے وہ حضور ﷺ کی تعلیمات پر قطع یقین حاصل کرلیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حضور ﷺ کی کسی بات کا انکار کر دیں اور ہمیں معلوم نہ ہو کہ اسے تو تواتر اور یقین کا درجہ حاصل ہو رہا ہے۔ (معاذ اللہ)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تواتر کی کچھ اور اقسام بھی یہاں بیان کر دیں اور واضح کریں کہ تعلیمات اسلام میں قطع ویقین کس کس طرح پیدا ہوتا ہے۔

تواتر کی مختلف قسمیں اور اس کی عملی پہچان

علم میں قطعیت کن راہوں سے قائم ہوتی ہے۔ چار راہوں سے:

۱...... تواتر اسناد ۲...... تواتر طبقہ

۳...... تواتر عمل ۴...... تواتر قدر مشترک

یہ کسی یقینی خبر تک پہنچنے کی چار مختلف راہیں ہیں۔ علماء کے مختلف طبقوں نے انہیں اپنے اپنے ہاں خوب نکھارا ہے۔ محدثین نے تواتر اسناد کو اور فقہاء نے تواتر طبقہ کو اپنے ہاں قرار واقعی جگہ دی ہے۔ قرآن مجید وہی وحی الٰہی ہے جو حضور اکرم ﷺ پر اتری۔ یہ بات امت میں اس قطعی درجہ عمل میں ہے کہ اب تک اس پر کسی سند کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ قرآن کریم متواتر طبقاتی ہے جو امت تک پورے علم ویقین سے اور ایک پورے تسلسل سے پہنچا ہے۔ سورۃ فاتحہ اس کی پہلی سورت ہے۔ اگر اس پر آپ کو متصل مرفوع متواتر اسانید نہ بھی ملیں تو کسی کو قرآن میں شک کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

تواتر تعامل کو تواتر توارث بھی کہتے ہیں۔ علماء اعلام نے ازروئے علم وبصیرت تواترعمل کو تواتر اسناد کے ساتھ برابر کی جگہ دی ہے۔

کشف الاسرار میں ہے: ’’**التواتر نوعان (۱) متواتر من حیث الروایة (۲) ومتواتر من حیث ظهور العمل به من غیر نکیر**‘‘

اس دوسری قسم پر یہ دلیل دی گئی ہے: ’’**فان ظهوره یغنی الناس من روایته**‘‘ (کشف الاسرار شرح اصول بزدوی ج۳ ص۷۸۱ باب نسخ الکتاب بالکتاب شاملہ)

(ترجمہ) تواتر دوطرح کا ہے (۱) ایک وہ جو باعتبار سند متواتر ہو اور (۲) دوسرا وہ جس کا کسی عمل کے عام ہونے سے پتہ چلے۔

اس کا عام ظہور لوگوں کو اس کی روایت سے مستغنی کردیتا ہے۔

سوتواتر دوطرح کے ہیں ایک روایت کی رو سے اور دوسرا عمل کی رو سے کہ اس پر کوئی نکیر وارد نہ ہوئی ہو۔

تواتر قدر مشترک کا ذکر شرح مواقف میں بھی ملتا ہے۔

’’**فی شرح المواقف الاحادیث الصحیحة الدالة علی عذاب القبر اکثر من ان تحصی بحیث تواترالقدر المشترک وان کان کل واحد منهما من قبیل الاحاد**‘‘

(نجاح القاری شرح صحیح البخاری ج اص ۷۳۲ کتاب الجنائز باب المیت یسمع خفق النعال)

(ترجمہ) وہ احادیث صحیحہ جو عذاب قبر کا پتہ دیتی ہیں وہ تواتر قدر مشترک کے پیرایہ میں بے شمار ہیں اگرچہ ان میں ہر ایک خبر واحد ہے۔

تواترعمل میں اسناد کی تلاش نہیں کی جاتی۔ یہ وہ اجماعی حقیقتیں ہیں کہ ان میں بقول حضرت شاہ ولی اللہ داعیہ نقل ماخذ پیدا نہ ہونا چاہئے۔ متاخرین میں تواتر کو حضرت علامہ انورشاہ کشمیری نے خوب نکھارا ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی فتح الملہم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: ’’**اوّل من ربع القسمة وسمی کل قسم باسمه فیها نعلم خاتم المحدثین فی هٰذا العصر الشیخ العلامة الانور**‘‘ (فتح الملہم ج اص ۱۹ طبع بیروت)

(ترجمہ) سب سے پہلے جیسا کہ ہم نے جانا تواتر کو علامہ انور شاہ نے چار میں تقسیم کیا ہے اور ہر ایک کا نام رکھا ہے۔

تواتر کی یہ چار قسمیں کون سی ہیں۔ ہم ان کے عنوان اوپر لکھ آئے ہیں یہاں ہم ان کی کچھ وضاحت کئے دیتے ہیں۔

۱...... تواتر اسناد

اسے تواتر محدثین بھی کہتے ہیں۔ اگر کوئی روایت آنحضرت ﷺ سے آخری نچلے راویوں تک اس طرح پہنچی ہو کہ ہر زمانہ میں اسے اس قدر لوگوں نے روایت کیا کہ ان کا کسی کذب وافتراء پر اتفاق کر لینا عادۃً محال اور ناممکن نظر آئے اور اس کا منتہی ایک امر محسوس ہو اسے تواتر اسناد کہتے ہیں۔ اسے تواتر محدثین بھی کہا جاتا ہے۔

بہت کم احادیث ہیں جو اپنے ثبوت میں متواتر الاسناد ہوں۔ تاہم چند متواتر احادیث ہم یہاں آپ کے سامنے رکھے دیتے ہیں۔

۱...... ''من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار''

(شرح نخبۃ الفکر ص۱۱ حاشیہ، باب تعریف علم الاسناد موضوعات کبیر ص۸)

(ترجمہ) جس نے جان بوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

۲...... حدیث ''لا نبی بعدی'' آپ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔

حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) نے اس کے تواتر پر ان لفظوں میں شہادت دی ہے۔

''قد صرح عن رسول الله ﷺ بنقل الكواف التی نقلت نبوته واعلامه وكتابه انه اخبر انه لا نبی بعده''

(فصل فی الملل والاهواء والنحل ج۱ ص۷۷ باب الكلام علی من قال ان فی البهائم رسلاً)

حافظ ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) بھی اس حدیث پر لکھتے ہیں: ''وبذالک وردت الاحادیث المتواترة عن رسول الله ﷺ من احادیث جماعة من الصحابة رضی اللہ عنہم'' (تفسیر ابن کثیر ج۸ ص۸۹، الاحزاب:۴۰)

۳...... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مقدمہ فتح الملہم میں تواتر اسناد کی بحث میں لکھتے ہیں:

’’وکذا احادیث ختم النبوۃ قد جمعها بعض الفضلاء فبلغت ازید من مائة وتسعین منها نحو ثلاثین من الصحاح الست‘‘(مقدمہ فتح الملہم ج۱ ص۷، طبع بیروت)

یہ حدیث کتب صحاح میں صرف ختم نبوت کے باب میں روایت نہیں ہوئی۔ مختلف ابواب میں اور مختلف موضوعات میں حدیث:’’لا نبی بعدی‘‘ کا ذکر آیا ہے اور ایسے قوی تواتر سے یہ حدیث امت تک پہنچی ہے کہ اب اس کا انکار حضور ﷺ کی پوری نبوت کے انکار کے ہم معنی سمجھا جائے گا۔ کتب صحاح میں ان حوالہ جات کو خصوصیت سے دیکھیں۔ کیا اب بھی ختم نبوت میں کسی شک اور تردد کو راہ دی جاسکتی ہے؟

’’صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ج۱ ص۴۹۰، کتاب المغازی باب غزوۃ تبوک ج۲ ص۶۳۳، کتاب المناقب ج۱ ص۵۰۱، کتاب التعبیر ج۳ ص۱۰۳۵، صحیح مسلم کتاب الامارۃ ج۲ ص۱۲۶، کتاب الفضائل ج۲ ص۲۷۸، جامع ترمذی ابواب الفتن ج۲ ص۱۱۲، ابواب الرویٔا ج۲، ابواب المناقب ج۲ ص۵۴۵‘‘

جس طرح یہ حدیث:’’لا نبی بعدی‘‘ اپنے لفظوں میں متواتر ہے اس کے معنی بھی باوجود مختلف سیاق وسباق میں روایت ہونے کے ایک ہی سامنے آتے ہیں۔ یہ اپنے ثبوت میں بھی پوری طرح قطعی ہے اور اپنی دلالت میں بھی پوری طرح واضح اور قطعی ہے سو کسی مسلمان سے نہیں ہوسکتا کہ اب وہ ختم نبوت کے اس مفہوم سے اختلاف کرے جو اب تک امت میں بطور عقیدہ مسلّم چلا آرہا ہے۔ مرزا غلام احمد اس متفقہ مفہوم کے انکار سے صف اسلام کے باہر جا کھڑا ہوا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اتنی قطعی الروایت اور قطعی الدلالت حدیث کے ہوتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کو کس طرح جرأت ہوئی کہ وہ اسلام کے اس قطعی عقیدہ سے باہر نکلے اور اپنے لئے دعویٰ نبوت کرے؟

الجواب: مرزا غلام قادیانی نے حدیث کے بارے میں اپنا یہ عقیدہ بنالیا تھا کہ مجھے

کسی حدیث کونہیں ماننا اور نہ اپنے سے پہلے کے کسی مفسر کی تفسیر کو کوئی وزن دینا ہے۔ مرزا غلام احمد کا یہ نظریہ حدیث اس کی ان عبارات میں دیکھیں:

۱...... ’’اور جو شخص حکم ہوکر آیا ہے اس کو اختیار ہے کہ حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کردے۔‘‘

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص۱۰، خزائن ج۱۷ ص۵۱، اربعین نمبر۳ حاشیہ ص۱۵، خزائن ج۱۷ ص۴۰۱)

۲...... ’’ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔‘‘

(اعجاز احمدی ص۳۰، خزائن ج۱۹ ص۱۴۰)

آیئے اب تواتر کی دوسری قسم میں چلیں:

۲......تواتر طبقہ

اس تواتر میں وہ امور آتے ہیں جنہیں ہر طبقہ اپنے سے پہلے طبقے سے بلا اسناد اخذ کرے اور اس طرح اخذ کرے کہ ان پر کبھی سند کی ضرورت ذہن میں نہ کھٹکے یہ تواتر طبقہ ایسا یقینی ہے کہ اب اس پر سند کا طلب کیا جانا ہی غیر معقول نظر آتا ہے۔

قرآن مجید کا حضور اکرم ﷺ کی پیش کردہ کتاب ہونا حضور ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک مشرق ومغرب میں شائع وذائع ہے اور کبھی اس پر سند کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں ہر طبقہ درس وتلاوت میں اور حفظ وقرأت میں اسے آئندہ طبقے تک منتقل کرتا چلا آیا ہے۔ یہ الٰہی کتاب ہر طبقے کے ایک جم غفیر سے اگلے طبقے کے جم غفیر تک تواتر سے پہنچی ہے اور یہ بات بھی پورے تواتر سے ہم تک پہنچی ہے کہ یہ ہر غلطی اور تحریف سے محفوظ ہے اور اس میں کسی غلطی کو راہ دینے والا کبھی صف اسلام میں نہیں رہ سکتا۔

قاریوں کی اسناد خاص اس اسناد کے لئے ہوتی ہیں جس میں وہ تلاوت کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی سندیں بھی جن بزرگوں نے یاد کر رکھی ہیں وہ بطور تبرک ہیں بطور ضرورت نہیں تواتر طبقہ فلاں عن فلاں کی اسناد کا محتاج نہیں ہوتا۔ سند کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں کسی شک اور تردد کی گنجائش ہو اور قرآن ’’ذالک الکتاب لاریب فیہ‘‘ کی شان رکھتا ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا آخری نبی ہونا کسی دور میں بھی کسی اسناد کا محتاج نہیں رہا۔ اس امت کے سب سے بڑے فقیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک فرما گئے کہ جو شخص حضور ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت سے بایں خیال کہ وہ اس کے صدق وکذب کو معلوم کرنا چاہتا ہے دلیل طلب کرے تو وہ کافر ہے۔ اسے یہ احتمال ہی کیوں پیدا ہوا کہ یہ مدعی سچا بھی ہوسکتا ہے۔ حضور ﷺ سے خاتم النّبیین کے معنی ''**لانبی بعدی**'' تواتر سے منقول ہیں۔ یہ تواتر طبقہ کی رو سے بھی ہرگز کسی اسناد کا محتاج نہیں رہا۔ گو حدیث: ''لانبی بعدی'' تواتر اسناد سے بھی اپنی جگہ قطعی الثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں حضور ﷺ کی ختم نبوت کو کسی ایک باب میں روایت نہیں کیا۔ وہ اسے علم دین کے مختلف ابواب میں مختلف عنوانوں سے روایت کرتے آئے ہیں۔

اسی طرح حدیث: ''**لانبی بعدی**'' گو ان الفاظ سے اسناداً بھی متواتر ہے مگر یہ مضمون کئی احادیث میں کئی دوسرے الفاظ میں بھی آیا ہے۔ یہ مضمون انقطاع نبوت، انقطاع رسالت، انقطاع وحی، فقد وحی، آخری وحی، حضور ﷺ کی رسالت کا قیامت سے متصل ہونا اور اس امت کا آخری امت ہونا کئی کئی عنوانوں سے احادیث میں وارد ہے اور کئی کئی عنوانات سے کئی کئی مقامات میں کتب حدیث میں ملتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حدیث اپنے معنی ومفہوم میں ختم نبوت زمانی پر قطعی الدلالت ہے اور اس کا بس ایک ہی حاصل ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی کو کسی قسم کی کوئی نبوت نہ ملے گی۔ اس عقیدے کے پس منظر میں گو اس کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں۔ پر حاصل ان کا یہی ہے کہ اب آپ ﷺ کے بعد کسی درجے کا کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔ اس حدیث کو کوئی نئے معنی پہنانا اور اس کے پہلے سے چلے آنے والے معنی کا انکار کرنا یہ اس حدیث کے قطعی الدلالت ہونے کا انکار ہوگا۔ تواتر طبقہ سے یہ حدیث اپنے اسلامی مفہوم میں قطعی الدلالت چلی آرہی ہے۔

ہم یہاں صرف تواتر طبقہ کی حقیقت واضح کررہے ہیں۔ بتلانا صرف یہ ہے کہ تواتر اسناد میں کوئی حدیث صرف قطعی الثبوت ہوتی ہے۔ مگر تواتر طبقہ میں حدیث اپنے معنی پر بھی قطعی الدلالت ٹھہرتی ہے۔ یہ تواتر فقہاء ہے اور ظاہر ہے کہ فقہاء معنی حدیث کو محدثین کی نسبت بہتر سمجھتے ہیں۔

(جامع ترمذی ج۱ ص۱۱۸) میں ہے: ’’وکذالک قال الفقهاء وهم اعلم بمعانی الحدیث‘‘ (جامع ترمذی ج۱ ص۱۱۸ باب ماجاء فی غسل المیت)

اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی سے خیر کا ارادہ کریں کہ وہ معنی حدیث میں کسی غلطی میں نہ پڑے تو اسے فقیہ بنادیتے ہیں۔ حدیث میں ہے: ’’من یرد اللّٰہ به خیراً یفقه فی الدین‘‘

اب تواتر کی تیسری قسم لیجئے:

۳...... تواتر تعامل (اسے تواتر توارث بھی کہتے ہیں)

اس تواتر کا میدان زیادہ میدان عمل ہے۔ لیکن ضمناً اس سے بھی کئی علمی نظریات کشید کئے جاسکتے ہیں۔

مثلاً احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس امت میں صحابہؓ کے بعد مجتہدین کی پیروی کی جائے جو مسئلہ صراحۃً کتاب وسنت میں نہ ملے گا اس کا حکم اجتہاد سے معلوم کیا جائے۔ اسلام کی علمی تاریخ اسی طرح چلی ہے کہ صحابہؓ کے بعد مجتہدین کرام اس امت کے علمی پیشوا ٹھہرے جو اس درجے کے عالم نہ ہوں وہ ان مجتہدین کی تقلید کریں۔ کچھ مجتہدین وہ بھی گزرے ہیں جن کی تقلید کچھ عرصہ تک ہوتی رہی ہے۔ جیسے امام اوزاعی (۱۵۷ھ) اور امام سفیان ثوری (۱۶۱ھ) وغیرہما مگر چار اماموں کی پیروی اب تک جاری ہے یہاں تک کہ ہر صدی کے مجددین بھی دین کے عمل میں انہی راہوں کو اختیار کرتے گزرتے ہیں بارہویں صدی کے مجدد امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) اس پر پوری امت کا اجماع ہی نقل کرتے ہیں۔

’’هٰذه المذاهب الاربعة المدوّنة المحررة فقد اجمعت الامة او من یعتد به منها علی جواز تقلیدها الی یومنا هٰذا‘‘

(حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۲۳ باب الفرق بین اہل الحدیث واصحاب الرائ)

(ترجمہ) یہ چار مذاہب جو مدون ہوچکے اور لکھے جاچکے پوری امت یا وہ لوگ جن کی بات شمار میں لی جاسکتی ہے ان کی تقلید کے جواز پر آج تک متفق ہیں۔

اب جب کہ اس دین میں امت کے عمل کی بناء قیامت تک انہی راہوں سے رہے تو اس بات میں اب کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہ رہے گی کہ اس امت میں کسی غیرتشریعی نبی کے اٹھنے کا بھی کوئی جواز ہو۔ اگر ایسا ہونا ہوتا تو پھر حضور ﷺ کی شریعت میں مجتہدین کرام اور ان

کے مقلدین قیامت تک پہنچتے نظر نہ آتے کہیں تو یہ مسئلہ بیان ہوا ہوتا کہ کسی نئے غیرتشریعی نبی کے آنے پر اسلام کے ماخذ علم کا یہ خاکہ بدل جائے گا اور چوتھا ماخذ علم قیاس نہ رہے گا۔ اس کی جگہ کوئی غیرتشریعی نبوت ابھرے گی اور اب کسی مجتہد کی نہیں اس نئے نبی کی پیروی جاری ہوگی۔

پھر اس امت میں مطلق اجتہاد بھی باقی نہ سمجھا گیا۔ آئندہ اٹھنے والے نئے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پیدا ہوگی تو اسے پہلے دور کے اجتہاد کی روشنی میں دریافت کیا جائے گا اور امت اپنے عملوں میں اس پر چلے گی۔ اس امت میں مادر پدر آزاد اجتہاد کے لئے نہ کوئی پہلے جواز تھا نہ اب ہے۔ یہ صورت حال بتا رہی ہے کہ اس امت میں کبھی کسی غیرتشریعی نبوت کا تصور تک نہیں پایا گیا۔

نئے مدعیان نبوت بھی اس صورت حال سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے اپنے دعویٰ نبوت سے پہلے ترک تقلید کی راہ اختیار کی پھر کہیں آگے جاکر نبوت کا دعویٰ کیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے غلام احمد قادیانی کے انجام کو دیکھتے ہوئے اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ ۱۸۸۸ء کے چوتھے شمارہ میں یہ تاریخی بیان دیا۔

’’پچیس سال کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر میں اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔‘‘

ہم اس وقت یہاں تاریخ ترک تقلید پر گفتگو نہیں کر رہے یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ اسلام کا عقیدہ ختم نبوت تاریخ کے ہر دور میں تسلسل فقہ سے بھی پوری طرح واضح رہا ہے۔ امت میں اس تسلسل سے مجتہدین کی پیروی بتلا رہی ہے کہ یہاں کسی غیرتشریعی نبی کا کبھی کوئی تصور نہیں رہا کسی کو نبوت ملنا ہر دور میں ہر پہلو سے محال مانا گیا ہے۔

اب امت کے اعمال تواتر تعامل سے چلے آرہے ہیں کسی غلط بات کا اس تسلسل سے امت میں چلنا ہر ایک کے لئے ناقابل یقین ہے۔ پانچ نمازوں کی مسجدوں میں جماعت سے پابندی آپ کو کسی ایک حدیث میں نہ ملے گی۔ ہاں! مختلف احادیث سے اس کے توارث عمل کا پتہ ملے گا۔ حضور ﷺ کے زمانہ سے لے کر اب تک مسجدوں میں یہ عمل تواتر سے چلا آرہا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں نئے نئے مدعیان نبوت اٹھتے رہے اور ہر دور میں مسلمانوں نے شہادت حق کے فریضہ میں انہیں زندیق و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ اسلامی سلطنت میں انہیں بغیر طلب دلیل ہی جہنم بھیج دیا جاتا رہا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب سے دلیل طلب کئے بغیر اسے کیفر کردار تک پہنچایا۔ اس پر کتنے لوگ ایمان لاچکے تھے۔ اس وقت دنیا کی آبادی کتنی کم تھی یہ کسی سے مخفی نہ ہوگا۔ تاہم یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں ہوگی کہ اس دور میں ان کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔

مرزاغلام احمد مسیلمہ کذاب پر ایمان لانے والوں کے بارے میں لکھتا ہے: ’’چھ سات ہفتہ کے اندر ہی ایک لاکھ سے زیادہ لوگ اس پر ایمان لے آئے۔‘‘

(ازالہ اوہام ص۲۸۳، خزائن ج۳ ص۲۴۴)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی کامیابی اور مطلق تکثیر سواد یا سرعت اشاعت ہرگز کسی سچائی کی دلیل نہیں بن سکتی۔

علامہ حلی اثناعشری (۶۷۶ھ) کی یہ بات درست نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بنی حنیفہ کو اس لئے مرتد قرار دیا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہ ایک بڑا جھوٹ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۴ھ) لکھتے ہیں: ’’فهذا من اظهر الكذب وابينه فانه انما قاتل بني حنيفة لكونهم اٰمنوا بمسيلمة الكذاب واعتقدوا نبوته‘‘

(منہاج السنۃ ج۲ ص۲۳۱ باب کلام الرافضی علی خالد بن ولید)

(ترجمہ) یہ (عدم ادائیگی زکوٰۃ کے باعث قتال) کھلا جھوٹ اور واضح غلط بیانی ہے۔ آپ نے بنی حنیفہ سے جنگ اس لئے کی تھی کہ وہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے اور اس کو نبی مانتے تھے۔

یہ ان کا ختم نبوت کا کھلا انکار تھا۔ اب مسلم سربراہ اس پر کیسے خاموش رہ سکتے تھے۔

مرزاغلام احمد کے بھی دو پیرو افغانستان میں اسی جرم میں مارے گئے تھے۔ قادیانی کہتے ہیں مرزاغلام احمد کو پہلے ہی الہام ہوگیا تھا۔ ’’شاتان تذبحان‘‘ کہ دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ عمل ذبح شریعت میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ سو افغانستان والوں کا یہ عمل ذبح بھی کسی طرح گناہ نہیں سمجھا جاسکتا؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر افغانستان کے اس عمل ذبح تک پوری امت اس اعتقاد پر متفق رہی ہے کہ ختم نبوت کے منکر کو اسلام کے چودہ سو سال میں کہیں کوئی رعایت نہیں دی گئی۔

علامہ آلوسی (۱۲۹۱ھ) لکھتے ہیں: ''وکونه ﷺ خاتم النّبیین ممانطق به الکتاب صدعت به السنة واجمعت علیه الامة فیکفر مدعی خلافه ویقتل ان اصرّ'' (روح المعانی ج۷ص۵۶، احزاب:۴۰)

اور حضور ﷺ کا خاتم النّبیین ہونا ایسی بات ہے کہ کتاب وسنت اس پر حرف ناطق ہیں اور پوری امت کا اس پر اجماع ہو چکا۔ اب جو اس کے خلاف دعویٰ نبوت کرے گا وہ کافر ٹھہرایا جائے گا اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو اس پر مرتد کی حد لگائی جائے گی۔

خاتم المحدثین علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تواتر تعامل تواتر طبقہ کے قریب ہے۔ آپ نے اس کے بیان میں نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنے اور نہ کرنے دونوں کو اس امت کا توارث عمل بتایا ہے۔ کیونکہ ان دونوں پر قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر (وہ تین زمانے جن کے خیر پر ہونے کی حضور ﷺ نے خود بشارت دی ہے) میں اس قدر لوگوں کا عمل رہا ہے کہ ان کا کسی عمل میں خلاف اصل پر جمع ہو جانا محال ہے۔ عقل سلیم اسے باور نہیں کر سکتی کہ ان قرون ثلاثہ میں اتنے لوگ ایک خلاف اصل پر جمع ہو جائیں یہ وہی کہہ سکے گا جس کو دین میں فقہ سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''وهذا التواتر قریب من التواتر الثانی ومثال هذا تواتر العمل برفع الیدین عندالرکوع وترکه فانه عمل به غیرواحد من القرون الثلاثة'' (العرف الشذی ص۳۴ باب ماجاء فی فضل الطهور)

(ترجمہ) یہ تواتر تعامل تواتر طبقہ کے قریب ہے۔ اس کی مثال رکوع میں جاتے رفع یدین کرنے اور نہ کرنے کے دونوں عمل ہیں پہلے تین زمانوں میں ان دونوں پر کئی لوگوں کا عمل رہا ہے اور حدیث کی کتابوں میں ان دونوں پر باب باندھے ہیں۔ سنن نسائی میں رکوع کے رفع یدین کے بعد یہ باب بندھا ہے ''ترک ذالک'' یہ باب رفع الدین عندالرکوع کے ترک کرنے کا ہے۔

یہ تواتر عمل کی بحث ہے اور امام سفیان الثوری (۱۶۱ھ) جیسے محدث رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے تھے۔

حضرت معاذ بن جبل (۱۷ھ) کی اجتہاد فی القضاء والی روایت کو حضرت مغیرہ بن

شعبہؓ کے بھتیجے حارث بن عمرو نے حضرت معاذ کے اتنے شاگردوں سے سنا کہ اب وہ اس پر کسی اسناد کی ضرورت نہیں سمجھتے اور روایت کو اس طرح پیش کرتے ہیں۔

’’عن اناس من اھل حمص من اصحاب معاذ بن جبل‘‘

(سنن ابی داؤد ج۲ص۱۴۹ باب اجتہاد الرائی فی القضاء)

اس سے پتہ چلا کہ امت میں جو حدیث عملاً قبولیت پا چکی وہ تواتر عمل کی راہ سے محتاج سند نہیں رہتی۔ کمزور علم کے لوگ جب اس بات کو سمجھ نہیں پاتے تو اس حدیث کی سند پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔

اسی طرح بیس رکعت تراویح کا مسئلہ ہے حضور اکرم ﷺ نے تین رات مسجد میں تراویح کی نماز باجماعت ادا فرمائی تھی۔ آپ کا تین راتوں کا یہ عمل کسی قوی سند سے رکعات کا پتہ نہیں دیتا لیکن اس پر کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرامؓ کا بیس رکعت تراویح پر تواتر عمل موجود پایا گیا ہے۔

امام ترمذی لکھتے ہیں:’’واکثر اھل العلم علی ما روی عن عمرو علی وغیرھما من اصحاب النبی عشرین رکعۃ‘‘ (جامع ترمذی ج۱ص۹۹ باب ماجاء فی قیام شہر رمضان)

(ترجمہ) اور اکثر اہل علم جیسا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے روایت چلی آرہی ہے بیس رکعات تراویح ہی پڑھتے تھے۔

حضرت امام شافعیؒ اپنے وقت میں تمام اہل مکہ کا عمل بیس رکعت تراویح ہی بتلاتے ہیں اس سے زیادہ توارث عمل کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟ یہ نہ سمجھا جائے کہ مولانا انور شاہ صاحب نے تواتر کی یہ قسمیں خود بنائی ہیں۔ ایسا نہیں یہ آپ کا استقراء ہے۔ لیکن تواتر عمل کو ہم پہلی کتابوں میں بھی موجود پاتے ہیں۔ آپ کشف الاسرار کے حوالے سے یہ بحث پڑھ آئے ہیں۔

’’المتواتر نوعان (۱)متواتر من حیث الروایۃ (۲)ومتواتر من حیث ظھور العمل بہ من غیر نکیر‘‘

(کشف الاسرار شرح اصول بزودی ج۳ص۷۸۱ باب نسخ الکتاب بالکتاب شاملہ)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی یہ شہادت بھی آپ پہلے دیکھ چکے ہیں:’’دراکثر مسائل اجماعیہ ماخذ آنہا چناں کہ باید وشاید منقول نیست‘‘

(قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۲۴۰ طبع مجتبائی دہلی)

سو یقین کیجئے کہ حضور اکرم ﷺ پر ختم نبوت عبارۃً اور صراحۃً اسناداً اور دلالۃً اجماعاً اور تواراثاً اس طرح ثابت ہے کہ اب اس میں کسی شخص کو اس کے ثبوت اور معنی میں کسی تردد اور شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

اب تواتر کی چوتھی قسم پر بھی ایک نظر کر لیجئے۔ یہ وہ قطعی ذرائع ہیں کہ حضور ﷺ کی کوئی بات جو قطعی اور یقینی راہوں سے ہم تک پہنچے ان سب پر ہمارا ایمان اسی طرح ہونا چاہئے۔ جس طرح ہم ایمان بالرسالۃ پر یقین رکھتے ہیں۔

۴......تواتر قدر مشترک

ایک شخص کہتا ہے۔ زید نے ایک دفعہ سو دینار فقراء میں تقسیم کئے ایک اور شخص نے بتلایا کہ اس نے ایک دفعہ پچاس من گندم ایک یتیم خانہ میں بھیجی تھی۔ ایک تیسرا آدمی کہتا ہے کہ اس نے فلاں جگہ تین سرائیں بنوا کر وقف عام کی تھیں اور اس طرح اس کے بارے میں اور کئی روایات بھی ملیں۔ اب ان روایتوں میں سے اپنی جگہ کوئی بھی خبر متواتر نہیں ہے۔ لیکن ان مختلف اخبار احاد میں یہ قدر مشترک ضرور ہے کہ وہ ایک سخی آدمی ہے اور اللہ کی راہ میں کثرت سے خرچ کرنے والا ہے۔ اس شخص کا سخی ہونا ہمیں اس قدر مشترک سے ملا ہے جو ان تمام اخبار احاد میں علیحدہ علیحدہ لپٹی تھی۔ یہ ہر ایک جزئی میں بطور قدر مشترک موجود ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ تواتر قدر مشترک سے بھی قطعی اور یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے معجزات شریفہ گو کتنی ہی روایات اور جزئیات میں ملیں۔ لیکن ایک مشترک بات ان سب میں ملے گی۔ وہ کیا؟ خرق عادت کہ وہ عادت زمانہ جس پر کہ اس دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ ٹوٹ جائے معجزہ میں یہ عادت عامہ سے خرق عادت (عادت کا ٹوٹنا) ہے مثلاً آگ کی عادت عامہ کیا ہے؟ یہ کہ وہ جلائے اور اگر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلائے تو یہ کیا ہے؟ خرق عادت۔ پانی سطح ہموار رکھتا ہے یہ کیا ہے؟ عادت زمانہ۔ اب اگر پانی اپنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل کو چلنے کی جگہ دے اور دونوں طرف پانی کی دیواریں کھڑی ہوں تو یہ کیا ہوگا؟ خرق عادت۔ جس طرح عادت عامہ اللہ رب العزت کی تخلیق سے ہے۔ اسی طرح یہ خرق عادت بھی اسی کے حکم سے ہے، جب بھی ہو۔

خرق عادت اہل سنت کے عقائد میں سے ہے۔ یہ معجزات کو حق تسلیم کرنا ہے بیشتر

معجزات اخبار احاد میں ملتے ہیں۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے وہ خبر واحد نہ ہوتی تھی۔ تاہم ان مختلف روایات اور جزئیات میں خرق عادت کی قدر مشترک ضرور موجود ملتی رہی خرق عادت اس عادت زمانہ کا ٹوٹنا ہے جس پر کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ علامہ ابن حاجب (۶۴۶ھ) کی مشہور کتاب ''منتهی الوصول ولامل فی علمی الاصول والجدل'' اس موضوع کی اہم کتاب ہے۔ اس میں آپ لکھتے ہیں: ''قال الشيخ بابن الحاجب فی کتاب "منتهی الوصول والامل فی علمی الاصول والجدل" اذا اختلف اخبار المخبرين فی التواتر فی الوقائع واشتملت علی معنی کلی مشترک بجهة التضمن اوالالتزام حصل العلم به'' (توجیہ النظر الی اصول الاثر ج۱ ص۱۳۵)

(ترجمہ) جب خبر دینے والوں کے بیانات کئی وقائع کے ہوں لیکن وہ ضمناً یا التزاماً ایک قدر مشترک کا پتہ دیں تو اس قدر مشترک سے بھی علم (قطعی اور یقینی درجے میں) حاصل ہوجاتا ہے۔

یہ تواتر کی چار قسمیں ہم نے قارئین کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ہم حدیث کی رو سے ایمان شرعی کی حقیقت آپ کے سامنے لا رہے ہیں۔ اس میں ہم بیان کر رہے ہیں کہ جس طرح حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح ہر اس بات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جو حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے لے کر آئے۔ وہ وحی متلو بھی ہے اور وحی غیر متلو بھی...... وحی غیر متلو میں زیادہ اخبار احاد ہیں جو یقین اور تواتر سے حضور ﷺ تک نہیں پہنچتیں۔ سو اگر کوئی محدث دوسرے کی پیش کردہ کوئی خبر واحد نہ مانے تو یہ حضور ﷺ کی بات کا انکار نہ ہوگا۔ اس روایت کے ثبوت کا انکار ہوگا۔ حضور ﷺ کی کسی بات کا انکار تبھی ایمان سے لاباہر کرتا ہے کہ وہ بات قطعی اور یقینی درجے میں حضور ﷺ سے ثابت ہو اور اس کا انکار اس بات میں تصدیق رسالت کے خلاف دوسرا فیصلہ دے۔

حضرت شاہ صاحب نے تواتر کے جو چار پیرائے بیان فرمائے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''حکم الثلاثة الاوّل تکفیر جاحده واماالرابع فان کان ضروریاً فکذالک وان کان نظریاً فلا''

(العرف الشذی ص۳۴ باب ماجاء فی فضل الطہور)

(ترجمہ) تواتر کی پہلی تین قسموں کا حکم شرعی یہ ہے کہ ان کا انکار کفر قرار پائے۔ لیکن

تواتر قدر مشترک میں حکم یہ ہے کہ اگر وہ مسئلہ ضروری (بدیہی) ہے تو یہ پہلی تین اقسام کے ساتھ اسی حکم میں ہے اور اگر نظری ہے جس کے کئی پہلو نکلتے ہوں تو اس کے منکر کو کافر نہ کہا جائے گا۔

کیفیت عذاب قبر، کیفیت حشر اجساد، کیفیت حیات شہداء اور کیفیت حیات انبیاء سب نظری مسائل ہیں۔ گو یہ نصوص سے ثابت ہیں۔ لیکن یہ عالم شہادت میں احساس میں نہیں آتے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ مسائل نصوص میں وارد ہیں اور نص کا کھلے بندوں انکار کفر ہے۔ اگر کوئی اس کے حقائق باطنہ کو نہ پاسکے تو ان نصوص کا کھلے بندوں انکار بھی نہ کرے تاہم ان مسائل کے قابل تاویل ہونے کی وجہ سے ان کی کسی ایک کیفیت کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ ہاں! اگر کوئی ان مسائل میں کسی کیفیت کا نہیں اصل کا ہی منکر ہے تو پھر اس کے کفر میں شبہ نہیں کہ اب وہ مسئلہ نظری نہیں رہا۔ اس کا عنواناً تسلیم کرنا ضروری تھا۔ اب ان میں سے کسی کا بھی انکار نصوص کا ہی انکار شمار ہوگا۔

(نوٹ) تواتر تعامل کے اگر دو متبادل عمل ملیں اور ان پر عمل علی سبیل الالتباس ہو تو کیا ان میں سے کسی ایک پر عمل کرنے والا اگر دوسرے عمل کے وجود شرعی سے ہی انکار کرے تو کیا وہ آنحضرت ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہونے والے امور میں سے کسی ایک عمل کا منکر نہ سمجھا جائے گا؟

الجواب: تواتر عمل چوں کہ صرف احکام سے متعلق ہے جن میں بصورت اختلاف عمل احتمال نسخ موجود ہے۔ اس لئے اس پر حکم کفر نہ کیا جاسکے گا۔ ائمہ ایسے کئی مواقع میں توسع یا راجع ومرجوح کی بحث میں چلے گئے ہیں لیکن انہوں نے کسی دوسرے عمل کے عاملین کو حضور ﷺ کی تعلیمات کے کسی عنوان کا منکر قرار نہیں دیا۔

تاہم جہاں تک عقائد کا تعلق ہے ان میں کسی ایسے منکر کو کوئی رعایت نہیں دی جاسکتی۔ ضروریات دین میں کسی دوسری تاویل کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

آمدیم برسر مطلب۔ قرآن کریم اور احادیث سے ہم ایمان کے شرعی معنی آپ کے سامنے لاچکے ہیں۔ اب آیئے صحابہ کرامؓ سے بھی ایمان شرعی کی یہ تفصیل حاصل کریں۔ ان کے ہاں یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ حضور ﷺ کے لائے کل دین پر ایمان ہو اور اس میں کسی چیز کی کمی نہ کی جاسکے۔ مومن کے لئے ناممکن ہے کہ وہ ضروریات دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے۔

شہادۃ الراشدین علی حقیقۃ الدین المتین

الحمد للّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد!

حضور اکرم ﷺ کے خلیفہ بلافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایمان کی شرعی حقیقت کسی طرح کھولی اسے آپ کے دور کے وقائع خلافت میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایمان کی شرعی حقیقت

۱...... مسیلمہ کذاب حضور ﷺ کی رسالت کا قائل تھا اور اس کی مسجد میں توحید باری اور رسالت محمدی کی پانچ وقت شہادت دی جاتی تھی اس نے جب حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کا انکار کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو دین محمدی سے خارج قرار دیا۔

۲...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ لوگ حضور ﷺ کی رسالت کے تو منکر نہ تھے اور نماز کو بھی فرض جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف بھی اعلان جہاد کیا اور ان کے اس انکار کو دین محمدی سے نکلنا بتلایا۔

یہ دونوں واقعات بتلاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت یہی تھی کہ حضور ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ حضور ﷺ کے کل دین کو ضروری طور پر مانا جائے۔ جو وہ اللہ رب العزت سے لے کر آئے ہیں وہ وحی متلو ہو یا غیر متلو۔ اسے مانا جائے تو پورا مانا جائے دین کی کسی ایک بات کا انکار بھی ہو تو وہ کل دین کا انکار ہی سمجھا جائے۔ دین اپنے اندر کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ ایمان ایک شئی بسیط ہے اس میں تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص نوے فیصد مسلمان ہو اور دس فیصد کافر ہو ضروریات دین گو متعدد ہیں لیکن وہ سب دائرہ ایمان میں اس طرح جمع ہیں کہ ایمان ایک حقیقت بسیط بن گیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار اور سب کا انکار ایمان کی بساطت توڑنے میں سب ایک سے ہیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے کچھ لوگوں نے بعض حصہ دین کا انکار کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے اس انکار کو ان کے پورے دین کا انکار بتلایا اور اسے اپنے لئے موت وحیات کا مسئلہ بنالیا۔ آپ نے پورے جلال خلافت سے فرمایا: ’’قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص وانا حی‘‘ (مشکوٰۃ ص۵۵۶ باب مناقب ابی بکر فصل ثانی)

(ترجمہ) کیا دین میں کسی کمی کو راہ دی جائے اور میں پھر بھی زندہ رہوں گا؟

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ان دونوں کے اس مؤقف کو ان کا کوئی سیاسی اختلاف نہیں سمجھتے تھے۔ اسے ایک دین کا اختلاف سمجھتے تھے۔ ورنہ کوئی اگر کسی حکمران سے بغاوت کرے تو اسے دینی اختلاف کیسے کہا جاسکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پوری امت کو متنبہ فرمایا کہ عقیدہ ختم نبوت کے منکر اور زکوٰۃ کے حق المال ہونے کے منکر دونوں گروہ دین میں کمی کررہے ہیں۔ آپ نے ان دونوں باتوں کو دین فرمایا اور ان کے منکرین کو کافر ٹھہرایا۔ ارشاد فرمایا: ’’اینقص الدین وانا حیٌّ‘‘ کیا دین میں کوئی کمی روا رکھی جاسکے گی اور میں زندہ رہوں گا؟

کیا ایمان کمی اور زیادتی برداشت کرتا ہے؟

قرآن کریم میں جہاں اعمال کو داخل ایمان فرمایا گیا ہے، وہاں تو ایمان کمی اور زیادتی قبول کرسکتا ہے۔ کیونکہ اعمال میں کمی بیشی ایک فطری امر ہے اور جہاں اسے صرف ایک اعتقاد کے پہلو سے پیش کیا گیا ہے اور اعمال اس پر بہ پیرایہ عطف لائے گئے ہیں تو اس مفہوم میں اس میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی۔ پہلے دور کے لوگوں کے لئے اگر یہ ضروری تھا کہ ان کا حضور ﷺ کے لائے پورے دین پر ایمان ہو تو آج بھی کوئی شخص اس کے بعض حصوں کا انکار کر کے داخل دائرہ اسلام نہیں رہ سکتا۔ قرآن کریم میں اعمال پر بھی لفظ ایمان بولا گیا ہے۔ یہ ایمان کا ایک دوسرا استعمال ہے۔ ’’وما کان اللہ لیضیع ایمانکم‘‘ (البقرہ:۱۴۳)

(ترجمہ) یہ نہیں کہ اللہ تمہاری نمازیں ضائع کردے۔

رہی ایمان کی حقیقت تو اس میں قوت وضعف کے طور پر تو کمی بیشی ہوسکتی ہے، لیکن اسلام کے مومن بہ امور میں کسی کمی بیشی کو راہ نہیں دی جاسکتی۔ صحابہؓ کا ایمان اور اس دنیا کے آخری وقت کے مسلمانوں کا ایمان اپنی کمیّت اور مقداریت میں ایک جیسا ہے۔ گو کیفیت اور قوت میں پوری امت میں سے کوئی صحابہؓ کے ایمان کو نہیں پہنچ سکتا۔

ایمان پر مباحث کب سے اٹھنے لگے

عراق میں بہت سے اعتقادی فتنے اٹھے اور قدریہ وجہمیہ اور خوارج وروافض نے سر اٹھائے اس فضا میں ایمان کی اصل حقیقت بھی زیر بحث آئی۔ ان میں سے سب سے زیادہ

پیش پیش خوارج تھے جو اعمال کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ انہیں تھوڑے سے فرق سے ایمان کے ساتھ ہی جوڑ دیتے۔ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے۔ عقیدہ شفاعت پر ایمان نہ رکھتے کہ اس سے بعض گناہ گاروں کے بخشے جانے کا پہلو نکلتا ہے۔ اس غرض سے انہیں اخبار احاد کا بھی انکار کرنا پڑا۔ معتزلہ نے بھی اسی لئے اخبار احاد سے انکار کیا تھا کہ انہیں خرق عادت معجزات تسلیم نہ کرنے پڑیں نہ عذاب قبر کو تسلیم کرنا پڑے۔

ایسے پر آشوب ماحول میں کسی ایسے مرد آہن کی ضرورت تھی جو کھل کر کہے کہ حقیقت ایمان میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) نے کھل کر اعلان فرمایا کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ سو قرآن کریم نے جہاں بھی ایمان کے زیادہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کمی اور زیادتی سے ایمان کا ضعف اور قوت مراد لیا جائے گا نہ یہ کہ ایمان اپنی ذات میں کوئی کمی اور زیادتی قبول کرتا ہے یا وہاں اعمال ایمان میں داخل سمجھے جارہے ہوں گے۔

جس وقت مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں نے انکار ختم نبوت کیا یا منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ سے انکار کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اعلان جہاد کیا تو اب کوئی اس بات کا قائل نہ رہا تھا کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کے بعد سب کے جملہ شبہات مٹ گئے جنگ یمامہ بالاتفاق مرتدین کے خلاف ایک جنگ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کے منکرین سب مرتد قرار دیئے گئے تھے اور حکومت کو زکوٰۃ ادا کرنے کے منکر بھی دین کے منکر سمجھے گئے وہ زکوٰۃ کو اسلامی نظام میں جگہ نہ دیتے تھے۔ اس طرح وہ اسلام کے اس بڑے تقاضے کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلام میں ایک بڑی کمی کر رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا ان سے قتال کیا جائے گا۔

مانعین زکوٰۃ سے ابتداء میں تو ایک مختصر سا اختلاف ہوا لیکن ختم نبوت کے منکرین سے جنگ کرنے پر ابتداء سے ہی سب صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق تھا۔

مسیلمہ کے ہاں عبداللہ بن النواحہ اذان دیتا تھا اور حجر بن عمیر اقامت کہتا تھا۔

علامہ ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) مسیلمہ کے ذکر میں لکھتے ہیں: ''کان یؤذن للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویشهد فی الاذان ان محمداً رسول الله وکان الذی یؤذن له عبدالله بن النواحه وکان الذی یقیم له حجیر بن عمیر''

(تاریخ طبری ج۳ نمبر۲۴۴ باب ذکر خبر مسیلمۃ الکذاب)

(ترجمہ) اس کے ہاں حضور ﷺ کی اذان دی جاتی تھی اور اس میں حضور ﷺ کی رسالت پر شہادت دی جاتی تھی اور جو شخص اس کے ہاں اذان دیتا وہ عبداللہ بن نواحہ تھا اور جو شخص تکبیر کہتا وہ حجیر بن عمیر تھا۔

یہ عبداللہ بن النواحہ مسیلمہ کے ایلچی کے طور پر حضور ﷺ کی خدمت میں بھی گیا تھا یہ دو آدمیوں کا وفد تھا۔ آپ ﷺ نے ان سے اپنا عقیدہ پوچھا۔ ''ماتقولان انتما'' انہوں نے کہا ''نقول بما قال'' ہم بھی وہی کہتے ہیں جو وہ کہتا ہے۔ آپ نے اس پر فرمایا: ''لولا ان الرسل لاتقتل لضربت اعناقکما'' (سنن ابی داؤد ج۲ ص۲۴ باب فی الرسل رقم الحدیث ۲۳۸۰)

(ترجمہ) اگر یہ دستور نہ ہوتا کہ ایلچیوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں (تمہارے اس کلمہ کفر پر) تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔

اس ارشاد نبوت نے بھی وضاحت کردی کہ کفر میں داخل ہونے کے لئے سارے اسلام کا انکار ضروری نہیں۔ کفر کی ایک بات بھی انسان کو اسلام سے خارج کردیتی ہے اور پھر وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اس ارشاد نبوی ﷺ نے بھی وضاحت کردی کہ کفر میں جانے کے لئے سارے اسلام کا انکار ضروری نہیں۔ بعض حصہ دین کا انکار بھی انسان کو اسلام سے باہر کردیتا ہے۔ ختم نبوت کے انکار سے مسیلمہ کے پیرووں کا حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنا انہیں ہرگز صف اسلام میں رہنے کا حق نہیں دیتا۔

یاد رہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں انکار ختم نبوت کے کفر ہونے پر کوئی اختلاف نہ ہوا تھا۔

فتنہ انکار زکوٰۃ میں پہلے اٹھے اختلافات

فتنہ انکار زکوٰۃ میں پہلے تو کچھ اختلافات ہوئے کہ یہ لوگ باغی ہیں یا مرتد لیکن انکار ختم نبوت کے کفر ہونے میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی اختلاف نہ ہوا تھا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مسیلمہ کذاب کے دعویٰ نبوت پر اسلام کا مؤقف خود حضور اکرم ﷺ کے سامنے ہی طے ہو چکا تھا اور وہ یہ تھا کہ ختم نبوت کا انکار کرنے والے سب مرتد ہیں اور ارتداد کی سزا ان پر جاری کی جانی چاہئے۔

حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے صحابہؓ وتابعین کا ایک عظیم لشکر حضرت خالد بن الولیدؓ کی سرکردگی میں یمامہ کی طرف بڑھا۔ مسیلمہ کذاب کے حامی چالیس ہزار کے قریب تھے مسیلمہ کذاب خود اپنے اٹھائیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مارا گیا۔ ختم نبوت کے اس پہلے جہاد میں بارہ سو کے قریب شہیدان ختم نبوت اللہ کو پیارے ہوئے۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۴ھ) لکھتے ہیں: ''**فلم نعلم احداً انکر قتال اهل الیمامة مسیلمة الکذاب ادعی النبوة وانهم قاتلوه علیٰ ذالک**''

(منہاج السنہ ج۲ص۲۳۰ کلام الرافضی علی خالد بن ولید)

(ترجمہ) ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اہل یمامہ پر چڑھائی کرنے سے انکار کیا ہو اور اس سے بھی کسی کا انکار نہیں ملتا کہ مسیلمہ نے واقعی دعویٰ نبوت کیا تھا...... اور اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں تھا کہ مسلمانوں نے اس پر اس کے اس دعوے کی وجہ سے چڑھائی کی تھی۔

کسی نے صحابہؓ کے اس اجتماعی مؤقف سے اختلاف نہیں کیا۔ ابن مطہر حلی (۶۷۶ھ) لکھتا ہے کہ صحابہؓ نے بنی حنیفہ کو اس لئے مرتد قرار دیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کو زکوٰۃ دینے سے منکر تھے۔ ختم نبوت کے منکروں کو فکری پناہ دینے کی یہ...... کوشش نہایت قابل افسوس اور ایک بڑا تاریخی جھوٹ ہے۔

حافظ ابن تیمیہ اس پر لکھتے ہیں: ''**فهٰذا من اظهر الکذب وابینه فانه انما قاتل بنی حنیفة لکونهم اٰمنوا بمسیلمة الکذاب واعتقدوا نبوته**''

(منہاج السنۃ ج۲ص۲۳۱ باب ایضا)

(ترجمہ) یہ (بنوحنیفہ سے قتال عدم ادائیگی زکوٰۃ پر ہوا) بڑا کھلا اور واضح جھوٹ ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بنوحنیفہ سے اس لئے جنگ کی تھی کہ وہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے اور اسے نبی اعتقاد کئے ہوئے تھے۔

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی خلافت منوانے کے لئے کہیں طاقت کا استعمال نہ کیا انصار کے سعد بن عبادہؓ آپ کی خلافت سے خوش نہ تھے۔ آپ نے اس پر ذرا بھی دباؤ نہ ڈالا۔ ہاں! یہ صحیح ہے کہ اس نے آپ کی کوئی مخالفت بھی نہ کی تھی۔

’’فان الصدیق لم یقاتل احداً علٰی طاعته ولا الزام احداً بمبایعته ولھٰذا لماتخلف عن بیعته سعد لم یکرھه علٰی ذالک‘‘(ج۲ص۲۳۱باب ایضاً)

(ترجمہ) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی پیروی کے لئے کسی سے لڑائی نہ کی اور نہ کسی کو اپنی بیعت کے لئے مجبور کیا۔ اس لئے جب حضرت سعد بن عبادہؓ بیعت سے کنارہ کش رہے۔ آپ نے انہیں بیعت کے لئے مجبور نہ کیا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے بھی آپ کی کوئی مخالفت نہ کی حضرت خالد بن ولیدؓ کی معیّت، میں نمازیں حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں ہی ادا کرتے رہے۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر اپنی کتاب ’’الشیعۃ والسنۃ‘‘ میں لکھتے ہیں: ’’قام وتھیأ للصلوٰۃ وحضر المسجد وقف خلف ابی بکر‘‘ (الشیعۃ والسنۃ ص۴۵ طبع ادارہ ترجمان السنۃ لاہور)

(ترجمہ) آپ کھڑے ہوئے نماز کی تیاری کی مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔

حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز عہد نبوت سے ہی پڑھتے چلے آرہے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایام علالت میں انہی کو امام بنایا تھا۔ سو آپؓ نے بیعت میں اگر کچھ تاخیر بھی کی ہو تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپؓ نماز حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں ہی پڑھتے رہے اور حضرت ابوبکرؓ نے بیعت جلدی کرنے کے لئے انہیں کبھی کچھ نہ کہا تھا۔

صحابہؓ کے اس بالا جماع مؤقف نے یہ بات واضح کی کہ ایمان کل ضروریات دین کو ماننے کا نام ہے۔ اگر کوئی ان میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کردے تو وہ ایمان سے نکل جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد کا دوسرا واقعہ انکار زکوٰۃ کا ہے اس کا تعلق چوں کہ عمل سے ہے۔ اس لئے ابتداء میں حضرت عمرؓ کو کچھ تردد ہوا کہ شاید منکرین زکوٰۃ کا مؤقف زکوٰۃ کے حق مال ہونے کا انکار نہ ہو وہ صرف حب مال کے باعث زکوٰۃ دینے سے انکار کررہے ہوں اس دوسری صورت میں وہ کافر نہ ٹھہرتے تھے اور ان سے کافروں کا سا معاملہ نہ کیا جاسکتا تھا۔

سو اس مسئلہ میں ان حضرات نے بہت تنقیح سے کام لیا اور جب معلوم ہو گیا کہ وہ زکوٰۃ کو حق مال نہیں مانتے اور اس کے بیت المال میں آنے سے ہی منکر ہیں تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے بھی اس لئے جنگ کی کہ حضور ﷺ کی جملہ تعلیمات کو تسلیم کرنا لوازمات ایمان سے ہے کسی ایک کا انکار پورے دین کا انکار قرار پاتا ہے۔ اب ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل کرتے ہیں۔

فتنہ انکار زکوٰۃ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابتدائی موقف

جب کچھ لوگوں نے بیت المال میں زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو یہ بات کھلی نہ تھی کہ وہ فرضیت زکوٰۃ کے منکر ہیں یا زکوٰۃ بیت المال میں دینا نہیں چاہتے اس کے قومی حق المال ہونے کے منکر ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شروع سے ہی یہ بیانات رہے کہ یہ لوگ اپنے اموال میں حق زکوٰۃ سے منکر ہیں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف شروع میں یہ تھا کہ یہ لوگ مؤمن ہیں مرتد نہیں ہیں۔

حافظ جمال الدین الزیلعی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں: ’’**ان عمر لم یتحقق ردتھم یدل علٰی ذالک فی القصۃ ان ابابکر لما استشار فیھم قال لہ عمر یا خلیفۃ رسول اللہ انھم قوم مؤمنون وانما شحوا باموالھم**‘‘

(نصب الرایہ ج۳ ص۵۲۷ باب الجزیہ)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ان کا مرتد ہونا واقع نہ تھا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب اس پر صحابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے خلیفہ رسول! یہ لوگ ایمان رکھتے ہیں بات صرف اتنی ہے کہ وہ اپنے اموال پر حریص ہوئے بیٹھے ہیں اور زکوٰۃ سے انکار کرتے ہیں۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلے خود بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے اس موقف کا اظہار کیا تھا۔ مگر آپ نے تصدیق نہ فرمائی تھی۔ آپ کی ایک یہ تمنا بھی محدثین نے نقل کی ہے۔ آپ نے ایک دفعہ کہا تھا: ’’**عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لان اکون سالت رسول اللہ ﷺ عن ثلٰث احب الیّ من حمر النعم (۱) من الخلیفۃ بعدہ (۲) وعن قوم قالوا نقرّ بالزکوٰۃ فی اموالنا ولا نؤدّیھا الیک**

ایحل قتالهم (۳)وعن الکلاله. هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین‘‘
(مستدرک للحاکم ج۲ص۳۰۳ باب تفسیر سورۃ النساء)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ سے مروی ہے آپ نے کہا کاش میں نے حضور ﷺ سے یہ تین سوال پوچھے ہوتے یہ بات مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھی۔(۱) آپ کے بعد خلیفہ کون بنے؟ (۲) جولوگ کہیں ہم فریضہ زکوٰۃ کا اقرار کرتے ہیں لیکن ہم وہ آپ کو نہ دیں گے کیا ان سے جنگ کی جائے؟ اور (۳) کلالہ کی وراثت۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ پہلے یہی سمجھتے تھے کہ وہ لوگ زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر نہیں اسے حکومت کی ذمہ داری نہیں دے رہے۔ اگر وہ جانتے کہ وہ لوگ اس فریضہ ملّی سے ہی منکر ہیں تو وہ کبھی اس میں تردد کا اظہار نہ کرتے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ پر یہ الزام غلط ہے کہ آپ نے حضور اکرم ﷺ کو اپنے ایام علالت میں خلافت کی وصیت نہ کرنے دی تھی۔ ایسا ہوتا تو آپ اس روایت میں اس پر تمنا کا اظہار نہ کرتے۔

<u>ایک سوال</u>: زکوٰۃ کی سالانہ ادائیگی انفرادی سطح کا ایک عمل ہے یا حکومتی سطح کا؟

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کی سالانہ ادائیگی حکومتی سطح کا ایک عمل ہے اور اسے قومی سطح پر ہی منتظم ہونا چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قرآن کریم پر نظر بہت گہری تھی۔ شاید ہی یہ اور کسی کی ہو قرآن کریم میں ہے: ’’الذین ان مکّناهم فی الارض اقاموا الصلٰوة واٰتوا لزکاة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر ولله عاقبة الامور‘‘ (الحج:۴۱)

(ترجمہ) اگر ہم قدرت دیں ان کو زمین پر تو وہ قائم کریں گے نماز اور دیں گے زکوٰۃ (نظام بیت المال قائم کریں گے) اور حکم کریں گے نیکی کا اور روکیں گے برائی سے اور اللہ کے ہی ہاں اختیار رہے۔ تمام امور کا۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ ان لوگوں کی بات مان لیتے تو آپ کی خلافت اس آیت کے آئینہ میں الٰہی حکومت نہ رہتی اور آپ کا اقتدار اللہ کا دیا اقتدار نہ کہلا سکتا تھا۔ الٰہی حکومت کے ذمہ ہے کہ وہ نظام بیت المال قائم کریں۔ مال داروں سے مال لیا جائے اور وہ غریبوں کو لوٹایا جائے۔

یہ آیت ہے جس نے حکومت کی ذمہ داری میں نماز اور زکوٰۃ دونوں کو جوڑا ہے۔ اب اگر حکومت نظام زکوٰۃ سے دستبردار ہو جائے تو اس نے نظام زکوٰۃ کی نظام نماز سے علیحدگی مان لی اوران دو چیزوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جنہیں خدا نے قرآن کریم میں جوڑا ہے۔

ان مانعین زکوٰۃ نے صرف زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے ان کا دین سے انکار قرار دیا کہ جب اداء زکوٰۃ نہ ہو حکومت ''ان مکّناھم فی الارض'' کے تحت کیسے آسکے گی یہ تو دین کے ایک حصے کا ہی انکار ہے۔ آپ سختی سے اس پر مصر رہے کہ دین میں کسی کمی کو راہ نہیں دی جاسکتی۔

بلاذری (۲۷۹ھ) لکھتا ہے کہ ان لوگوں نے یہی کہا تھا: ''نقیم الصلوٰۃ ولا نؤدی الزکوٰۃ'' (فتوح البلدان ص۱۰۱ باب خبر ردۃ العرب فی خلافۃ ابی بکر)

(ترجمہ) ہم نماز کو (جماعتی سطح پر) قائم کریں گے لیکن زکوٰۃ بیت المال میں نہ دیں گے۔

یہ صرف کچھ لوگ تھے حضورﷺ کی باقی ساری امت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم پر جمع تھی۔ اب اگر ان کو اپنے طور پر زکوٰۃ دینے کی اجازت دے دی جاتے تو یہ امت مسلمہ کی تقسیم تھی اور حضرت ابوبکر نہ چاہتے تھے کہ حضورﷺ کی امت میں کوئی دو عملی راہ پائے۔ آپ نے ان مانعین زکوٰۃ کے بعض اسلام کے انکار کو کل اسلام کے انکار کے مترادف قرار دیا اور اسلام کو پارہ پارہ ہونے سے بچالیا۔

چھٹی صدی کا مؤرخ محمد بن عبدالکریم شہرستانی (۵۷۸ھ) لکھتا ہے: ''قال قوم لا نقاتلھم قتال الکفرۃ وقال قوم بل نقاتلھم حتی قال ابوبکر لو منعونی عقالاً مما اعطوا رسول اللہﷺ لقاتلتھم علیہ ومضٰی بنفسہ الٰی قتالھم ووافقہ الصحابۃ باسرھم'' (الملل والنحل ج۱ ص۱۷، المقدمۃ الرابعۃ)

(ترجمہ) کچھ لوگوں نے کہا ہم ان سے وہ لڑائی نہ کریں گے جو کافروں سے کی جاتی ہے اور دوسروں نے کہا ہم ان سے بھی ایسی جنگ کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا اگر وہ ایک رسی بھی مجھے نہ دیں گے جو وہ حضورﷺ کے زمانہ میں آپ کو دیا کرتے تھے تو میں ان سے جنگ کروں گا اور آپ اس جنگ کے لئے چل پڑے اور پھر سب صحابہؓ نے اس پر آپ کی موافقت کرلی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد کے حامیوں نے اسے قتال کفار ہی سمجھا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسا سمجھنے میں اکیلے نہ تھے۔ اس میں اس امر کی بھی تصریح کی گئی ہے کہ آخر میں سب صحابہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر کے ساتھ ہوگئے تھے اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہا تھا۔ یہ باغیوں سے جہاد اگر مرتدین سے نہ ہوتو بھی یہ ایک اسلامی کارروائی تھی۔ تاہم جنگ یمامہ میں کوئی ایسا اختلاف نہ تھا۔ مسیلمہ کے سارے پیرو (منکرین ختم نبوت) سمجھے گئے مرتدین تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں ابتداء میں اختلاف کیا تھا؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر صرف ان کے اقرار اسلام پر تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر پورے نظام اسلام پر تھی۔ یہ اسلام کی پہلی خلافت تھی۔ اگر اس میں کمزوری کا اظہار ہوجاتا تو خلافت الٰہیہ آئندہ دنیا میں کبھی قائم نہ ہو پاتی۔ جس طرح نماز فرض ہے، جماعتی سطح پر ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کو بھی جماعتی سطح سے الگ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جب کہا تھا کہ میں ہر اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق ڈالے تو ان کے پیش نظر نماز اور زکوٰۃ کی یہ جمع نہ تھی۔ جو آپ ﷺ ''اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ'' میں ہے۔ بلکہ وہ جمع تھی جو اس آیت میں ہے اور اس کی جماعتی صورت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

''الذین ان مکّنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ'' (الحج:۴۱)

اب حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے اس مکالمہ پر بھی نظر کیجئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراف حق کی داد دیجئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے اور عربوں سے کچھ لوگ کافر ہوگئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گزارش کی: ''کیف تقاتل الناس وقد قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فمن قال لاالٰہ الا اللہ فقد عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ''

(صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۲۳، باب قتل من ابیٰ قبول الفرائض)

(ترجمہ) آپ ان لوگوں سے (جو انکار دین نہیں کررہے) کس طرح جنگ کریں گے اور حضور ﷺ فرماگئے کہ جب کوئی کلمہ اسلام کا اقرار کرلے تو اس کا جان ومال محفوظ ہوجاتا ہے۔ ہاں! اسلام کے حق میں اس سے جنگ کی جاسکتی ہے اور پورا حساب تو اللہ کے ہاں ہوگا۔

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: ''**واللہ لاقاتلن من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لومنعونی عناقاً کانوا یؤدونہا الیٰ رسول اللہ لقاتلتہم علیٰ منعہا**'' (ایضاً)

(ترجمہ) میں ان لوگوں سے ضرور لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ میں تفریق ڈالیں (کہ ایک کام تو قومی سطح پر ہو اور دوسرا ذاتی سطح پر۔ آپ نے یہ استدلال بھی کیا کہ تمہاری اس پیش کردہ حدیث میں ''**الّا بحقہ**'' کے الفاظ بھی تو ہیں) اسلام میں زکوٰۃ مال کا حق ہے وہ اگر ایک اونٹی کا بچہ بھی جو وہ حضور ﷺ کے زمانے میں زکوٰۃ میں دیتے تھے۔ روکیں گے تو میں ان سے اس زکوٰۃ روکنے پر لڑائی کروں گا۔

حضرت عمرؓ کا اعتراف حق ملاحظہ کیجئے: ''**فواللہ ما ہو الّا ان رأیت ان قد شرح اللہ صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ الحق**'' (ایضاً)

(ترجمہ) ایسا نہ ہوا مگر یہ کہ میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کو اس قتال مانعین زکوٰۃ پر شرح صدر فرمایا ہے۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ آپ حق پر ہیں۔

اللہ رب العزت جس کا شرح صدر فرمادیں۔ اس سے اسے ایک نور ملتا ہے جس کی روشنی میں وہ چلتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کا یہ استدلال کہ زکوٰۃ حق المال ہے اور حدیث میں ''**الّا بحقہ**'' کا استثناء ہے۔ اس کی رو سے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ قتال بھی اسلام کے ایک حق پر کیا جانا تھا۔ حضرت انسؓ کی ایک روایت میں خود حضور ﷺ سے بھی منقول ہے۔ گو اس وقت (جب حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں یہ گفتگو ہورہی تھی) یہ روایت حضرت ابوبکرؓ کو مستحضر نہ رہی ہو۔ تاہم اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا منشاء کس طرح منشاء نبوت کے مطابق اترتا تھا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: ’’لما توفی رسول اللہ ﷺ ارتدت العرب فقال عمر یا ابابکر کیف تقاتل العرب فقال ابوبکر انما قال رسول اللہ ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لاالٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ‘‘ (سنن نسائی ج۲ص۱۴۳ باب وجوب الجہاد)

(ترجمہ) جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور کئی عرب مرتد ہوگئے تو حضرت عمر(رضی اللہ عنہ) نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو کہا آپ ان عربوں سے کس طرح جنگ کریں گے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ فرما گئے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک کہ وہ اللہ کی وحدانیت کی اور میری رسالت کی گواہی نہ دے دیں۔ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ (بیت المال میں) دیں۔

یہاں مانعین زکوٰۃ کے لئے ارتداد کا لفظ صریح طور پر موجود ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ ارتداد کے لئے ارادہ تبدیلی ملّت ضروری نہیں۔ یہ بات حالات سے معلوم ہوگی کہ اس سے دین میں کمی کی جارہی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی کلمہ پڑھتے ہوئے بھی ختم نبوت کے اسلامی معنی سے کنارہ کش ہو جائے یا اسلام میں زکوٰۃ کی جماعتی حیثیت کا منکر ہو تو وہ ارتداد کی گود میں جاگرا۔ گو یہ بات خود اسے معلوم نہ ہو۔ یہ بات درست نہیں کہ وہ مرتد تبھی قرار دیا جائے گا کہ کھلا انکار رسالت کرے۔

آٹھویں صدی کے جلیل القدر محدث حافظ ابن تیمیہ (۷۲۴ھ) لکھتے ہیں: ’’کما انّ الردۃ تتجرّد عن السب فکذالک قد تتجرّد عن قصد تبدیل الدین وارادۃ التکذیب بالرسالۃ کما تجرد کفر ابلیس عن قصد التکذیب بالربوبیۃ وان کان عدم ھذا القصد لا ینفعہ‘‘

(الصارم المسلول ص۳۶۷ مسئلہ. انہ یقتل ولا یستتاب)

(ترجمہ) جیسا کہ ارتداد کے لئے برا بھلا کہنا ضروری نہیں اسی طرح ارتداد کے لئے تبدیل دین کی نیت بھی ضروری نہیں۔ نہ اس کے لئے تکذیب رسالت کا ارادہ پایا جانا ضروری ہے۔ جیسا کہ ابلیس کا کفر اللہ کی ربوبیت سے انکار نہ تھا۔ اگرچہ اس قصد کا نہ ہونا اسے کوئی فائدہ نہ دے سکے گا۔

تتمہ بحث مانعین زکوٰۃ

اگر کچھ لوگ زکوٰۃ کو فرض قومی کے طور پر نہیں اسے اپنے طور پر ادا کریں۔ اسے اسلام کا ایک قومی حیثیت کا عمل نہ جانیں تو بھی مسلمانوں کو ان سے جہاد کرنے کا پورا حق ہے۔ شعائر اسلام میں سے کسی عمل میں بھی کوئی کمی کی جائے تو مسلمانوں پر ان سے لڑنا بحق اسلام ضروری ہو جاتا ہے۔ ہم اس پر سلف کے دو بڑے اماموں امام مالک (۱۷۹ھ) اور امام محمد (۱۸۹ھ) کے فیصلے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

حضرت امام مالک لکھتے ہیں: ''**الامر عندنا ان کل من منع فریضة من فرائض اللہ تعالیٰ فلم یستطع المسلمون اخذھا کان حقاً علیھم جھادہ**''

(مؤطا امام مالک ج۲ص۳۸۰ باب ماجاء فی اخذ الصدقات شاملہ)

(ترجمہ) ہمارے ہاں فتویٰ یہ ہے کہ ہر شخص جو فرائض الٰہیہ میں سے کسی کو روکے اور مسلمان اسے واپس نہ لے پائیں اس پر ان سے جہاد کرنا حق ٹھہرتا ہے۔

حضرت امام محمد لکھتے ہیں: ''**ان اھل بلد او قریة اذا اجمعوا علی ترک الاذان فان الامام یقاتلھم و کذالک کل شئ من شعائر الاسلام**''

(عمدۃ القاری ج۱ص۱۸۲ باب فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ شاملہ)

(ترجمہ) کسی شہر یا بستی کے لوگ جب اذان نہ دینے پر اکھٹے ہو جائیں تو امام کو حق پہنچتا ہے کہ ان سے جہاد کرے اسی طرح اسلام کے جملہ شرائع میں سے کسی کے چھوڑ دینے پر ان سے لڑنا برحق ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''**استقر الاجماع فی حق من جحد شیئا من الفرائض بشبھة فیطالب بالرجوع فان نصب القتال قوتل واقیمت علیه الحجة فان رجع والّا عومل معاملة الکافر**''

(فتح الباری ج۱۲ص۲۸۰ باب حکم المرتد والمرتدۃ شاملہ)

(ترجمہ) اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی تاویل کی بناء پر فرائض اسلام میں سے کسی کا انکار کرے تو اسے توبہ کی طرف بلایا جائے۔ اگر مقابلہ کرے تو اس سے

جہاد کیا جائے اور اس پر حجت تمام کی جائے (اس کے شبہ کا ازالہ کیا جائے) ترک عمل کی حد تک تو اس پر حکم کفر نہ تھا لیکن جب اس پر حجت تمام کردی گئی۔ اسے پوری طرح سمجھایا گیا اور وہ پھر بھی انکار کرے تو یہ صرف ترک عمل نہیں انکار ضابطۂ اسلام ہوگا۔ سو اس کے ساتھ کافروں کا سا ہی معاملہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان مانعین زکوٰۃ پر فتح پائی تو ان کے اموال اور ان کے قیدی اسی درجہ میں رکھے گئے جو مرتدین کے لئے تھا۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''**وقد اختلف الصحابة فيهم بعد الغلبة عليهم هل تغنم اموالهم وتسبى ذراريهم كالكفار اولا كالبغاة فراى ابوبكر الاوّل وعمل به**'' (فتح الباری ایضاً)

(ترجمہ) ان پر غلبہ پانے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہوا کہ ان کے اموال، غنیمت سمجھے جائیں اور ان کے قیدیوں سے کافروں کا سا معاملہ کیا جائے یا باغیوں کا سا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پہلی تھی کہ (اس نصب قتال پر) یہ لوگ کافر ہو چکے ہیں اور آپ نے ان سے اسی کے مطابق معاملہ کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں آپ نے صحیح بخاری میں اس پر یہ باب باندھا ہے۔

''**باب قتل من ابىٰ قبول الفرائض وما نسبوا الىٰ الرّدة**''

(صحیح بخاری ج۲ص۱۵۲۳)

(ترجمہ) یہ بات ان لوگوں کے قتل وارتداد کی نسبت کے لئے جو اسلامی فرائض کے قبول کرنے سے انکار کردیں۔

حافظ ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں: ''**السلف قد سمّوا مانعى الزكوٰة مرتدين مع كونهم يصومون ويصلّون**''

(مجموع الفتاویٰ ابن تیمیہ ج۲۸ص۵۳۱ باب **ما تقول هؤلاء التتار...... هل يجب قتالهم**)

(ترجمہ) سلف نے مانعین زکوٰۃ کو مرتدین کہا ہے۔ حالانکہ وہ روزے بھی رکھتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔

آپ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ’’والصواب انّ ھٰؤلاء لیسوا من البغاۃ المتاوّلین فانّ ھٰؤلاء لیس لھم تاویل سائغ اصلاً وانما ھم من جنس الخوارج المارقین ومانعی الزکوٰۃ واھل الطائف والحرمیۃ ونحوھم ممن قوتلوا علٰی ما خرجوا من شرائع الاسلام وھٰذا موضع اشتبہ علٰی کثیر من الناس‘‘ (ایضاً ج۲۸ ص۵۴۸ باب التفریق بین القتال اھل البغٰی والمرتدین)

(ترجمہ) صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ باغی نہ تھے جن کو تاویل کا کوئی حق دیا جاسکے۔ کیونکہ ان میں انہیں تاویل کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یہ لوگ ان خارجی لوگوں کی طرح ہوں گے جو دین سے نکل گئے اور یہ زکوٰۃ کا انکار کرنے والے ٹھہرے اور اہل طائف اور حرمیہ جیسے لوگ جن کے ساتھ اسی پر جنگ کی گئی کہ وہ شرائع اسلام سے نکل گئے ہیں اور یہ بات بہت سے لوگوں پر مشتبہ رہی ہے۔

اس سے پہلے آپ یہ بھی لکھ آئے ہیں: ’’انّ المسلم الاصلی اذا ارتد عن بعض شرائعہ کان اسوأ حالاً ممن لم یدخل بعد فی تلک الشرائع مثل مانعی الزکٰوۃ وامثالھم ممن قاتلھم الصدیق‘‘ (فتاویٰ ج۴ ص۲۹۳، ایضاً)

(ترجمہ) بے شک اصلی مسلمان جب بعض شرائع دین سے ہٹ جائے تو وہ اس سے بھی برے حال میں ہوگا جو ان میں ابھی تک داخل نہ ہو پایا تھا۔ جیسے زکوٰۃ کا انکار کرنے والے اور ان جیسے اور لوگ جن سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جنگ کی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

انکار زکوٰۃ پر جو جنگی قیدی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تو اگر انہیں بعد میں معلوم ہوگیا کہ وہ غلطی پر تھے اور انہوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا تو کیا اب ان سے مسلمانوں کا سا معاملہ ہوسکتا ہے؟ کیا حضرات صحابہؓ نے ان گرفتار شدگان کو یہ فائدہ دیا؟

الجواب: مانعین زکوٰۃ پر فتح پانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان مانعین کے لواحقین کو قید کر لیا تھا اور ان کے اموال، غنیمت ٹھہرائے تھے۔ پھر جب وہ شکست کھا گئے تو انہوں نے پھر سے اسلام کی طرف آنے کا اقرار کیا اور اپنی غلطی کو صرف مالی حرص بتلایا تاہم

حضرت ابوبکرؓ نے ان کے اس بیان کو قبول نہ کیا اور انہیں قید میں ہی رکھا۔ ان کے اس بیان کو محدث زیلعی اس طرح نقل کرتے ہیں: ’’واللہ مارجعنا عن الاسلام وانما شحنا بالمال فابیٰ ابوبکر ان یدعھم‘‘ (نصب الرایہ ج۳ ص۴۵۲ باب الجزیہ شاملہ)

(ترجمہ) بخدا ہم نے اسلام سے رجوع نہ کیا تھا سوائے اس کے نہیں کہ ہم مال پر حریص ہوگئے تھے (اس لئے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا) حضرت ابوبکرؓ نے انہیں چھوڑنے سے انکار کردیا۔ (انہیں ان کے اس اسلام پر اعتماد نہ تھا)

وقت کے بدلنے سے کبھی فتویٰ بدل بھی جاتا ہے۔

وہ لوگ کچھ اور دیر قید میں رہے۔ یہاں تک کہ ان میں سچے اسلام کے آثار ظاہر ہوئے۔ اب یہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا دور تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے اموال انہیں واپس لوٹا دیئے اور ان کے قیدیوں کو رہا کردیا۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ’’فلمّا تبیّن لعمر حسن اسلامھم ردّ ذالک الیھم لانہ جائز‘‘

(منہاج السنۃ ج۳ ص۲۳۲ باب قال الرافضی الخلاف السادس فی قتال مانعی الزکاۃ)

(ترجمہ) جب حضرت عمرؓ پر ان کی اسلام پر سچائی کھل گئی تو آپ نے ان کے اموال انہیں واپس کردیئے اور ان کا یہ فیصلہ بالکل درست تھا۔

خلافت صدیقی میں منکرین زکوٰۃ پر صحابہؓ کا کوئی اختلاف نہ رہا تھا

فتنہ انکار زکوٰۃ کے شروع میں تو بے شک حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابوبکرؓ سے کچھ مختلف تھی لیکن بعد میں آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے استدلال سے بالکل مطمئن ہوگئے تھے۔ ان کے خلاف حضرت ابوبکرؓ کی کارروائی اسی وقت معرض عمل میں آئی۔ جب اس پر تمام صحابہؓ آپس میں متفق تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی ان سے کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ کیا تھا۔ فاضل حلی اثنا عشری نے موقع سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس جگہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مابین اختلاف کی ایک لمبی لکیر ترتیب دی ہے۔ علامہ فاضل حلی نے علامہ عبدالکریم شہرستانی کے اس بیان سے استدلال کیا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت

ابوبکرؓ کے فیصلے سے حضرت عمرؓ کا شروع سے اختلاف تھا۔ اگر آپ کا ان سے اختلاف نہ ہوتا تو آپ اپنے دور خلافت میں ان لوگوں کو کبھی رہا نہ کرتے۔ ہم اس کے جواب میں اصول فقہ کا وہی قاعدہ پھر دہراتے ہیں کہ وقت بدلنے سے کبھی فتویٰ بدل بھی جاتا ہے۔

علامہ شہرستانی اسماعیلی عقائد کے بہت قریب تھے۔ ظاہر ہے کہ محض ان کے بیان پر ہم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کسی اختلاف کا اقرار نہیں کر سکتے اور جس چیز کو علامہ شہرستانی نے اپنے بیان کی دلیل بنایا ہے۔ ہم اس کا جواب پیچھے دے آئے ہیں۔ شہرستانی کے مسلک کو معلوم کرنے کے لئے آپ علامہ ابن السمعانی کا یہ بیان سامنے رکھیں جو آپ نے کتاب التحبیر میں لکھا ہے: ’’**وھو متھم بالالحاد والمیل الیھم غال فی التشیع**‘‘ (التحبیر فی المعجم الکبیر ج۲ص۱۶۱ شاملہ)

(ترجمہ) علامہ شہرستانی پر الحاد کا الزام تھا اور وہ اسماعیلی عقائد کی طرف مائل تھے۔ شیعیت میں غلو کرتے تھے۔

ان کے علم سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن صحابہؓ کے بارے میں ان کے بیان سے ہم کسی اختلاف کے قائل نہیں ہو سکتے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ’’**لولا تخلیطه فی الاعتقاد ومیله الیٰ اھل الزیغ والالحاد کان ھو الامام فی الاسلام**‘‘

(لسان المیزان ج۵ص۲۶۳ باب من اسمہ محمد شاملہ)

تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منکرین ختم نبوت کے صف اسلام سے نکلنے پر صحابہؓ میں ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ اس پر ہم بلاکسی شائبہ اختلاف کے اس یقین پر پہنچتے ہیں کہ اسلام ایک حقیقت بسیطہ ہے جو اپنے اندر کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ ہوگا تو پورا ہوگا، نہیں تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ بعض ضروریات دین کے انکار سے کسی فرد یا جماعت کو اس کا کلمہ پڑھنا، اذانیں دینا اور نمازیں پڑھنا، فتویٰ کفر سے نہیں بچا سکتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں تمام صحابہؓ باجماع کہہ چکے کہ بعض اسلام کے انکار سے دوسرے بعض کا اقرار کسی کلمہ گو کو صف اسلام میں نہیں رکھ سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت یہی ہے۔

(۲) حضرت عمر فاروقؓ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت

اب آیئے دیکھیں کہ حضرت عمرؓ بھی اپنے دور میں کسی طرح اس عقیدہ اسلام کے گرد وفا کا پہرہ دیتے رہے اور آپ نے اسلام کی قطعی اور یقینی تعلیمات میں کسی ایک کے انکار کو بھی اسلام کے اندر کا اختلاف تسلیم نہیں کیا۔

شریعت محمدی ﷺ میں استحلال محرم (جو چیز حرام بتلائی گئی اسے حلال قرار دینا) اور تحریم حلال (جو چیز حلال بتلائی گئی تھی اسے حرام قرار دینا) تکمیل دین کے بعد دونوں کفر ہیں۔ اب اگر کوئی کلمہ گو اللہ کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام کہے یا کسی حرام کردہ چیز کو حلال جانے تو اس نے اس ایک بات میں حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین کی تکذیب کردی۔ اسلام جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں ایک شئی بسیط ہے جس میں کوئی تقسیم راہ نہیں پاتی۔ سو یہ ایک بات جس میں حضور ﷺ کے دین کی تکذیب کی جائے یہ پورے دین کی تکذیب شمار ہوگی اور اس کے مرتکبین باوجود کلمہ گو ہونے کے اور نماز، روزے کی پابندی کرنے کے صف اسلام میں جگہ نہ پاسکیں گے۔ اسی طرح قادیانیوں کے کلمہ پڑھنے اور ان کے نمازیں پڑھنے سے ان کے اسلام پر استدلال نہ کیا جاسکے گا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک مرتبہ شام کے کچھ لوگوں نے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، شراب پی۔ ان دنوں شام کے گورنر حضرت یزید (بن سفیان) تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر انہوں نے شراب حرام سمجھتے ہوئے پی ہے تو وہ کوڑوں کی سزا کے مستحق ہیں اور اگر وہ اسے حلال سمجھ کر پیتے رہے تو یہ لوگ اسلام سے نکل گئے، مرتد ہوگئے۔ اس صورت میں ان پر مرتد ہونے کی سزا جاری کی جائے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کی کسی ایک قطعی اور یقینی بات کا انکار بھی انسان کو باوجود کلمہ گو ہونے کے صف اسلام سے باہر کھڑا کرتا ہے۔

حدیث کے جلیل القدر امام، امام طحاوی (۳۲۸ھ) لکھتے ہیں: ”عن علیؓ قال شرب نفر من اهل الشام الخمر وعليهم يومئذ يزيد بن ابى سفيان وقالوا هى حلال وتأوّلوا ”ليس على الذين اٰمنوا وعملوا الصالحات

جناح فیما طعموا“ الایة فکتب فیهم الیٰ عمر رضی اللہ عنہ فکتب عمر رضی اللہ عنہ ان ابعث بهم الیّ قبل ان یفسدوا من قبلک فلمّا قدموا علی عمر رضی اللہ عنہ استشار فیهم الناس فقالوا ”یاامیر المؤمنین نریٰ انهم قد کذبوا علی الله وشرعوا فی دینهم ما لم یأذن به الله فاضرب اعناقهم ”وعلیّ ساکت“ فقال ”ماتقول یا اباالحسن فیهم“ قال ”اری ان تستیبهم فان تابوا ضربتهم ثمانین لشربهم الخمر وان لم یتوبوا ضربت اعناقهم قد کذبوا علی الله وشرعوا فی دینهم مالم یاذن به الله“ فاستتابهم فتابوا فضربهم ثمانین“

(طحاوی ج۲ص۸۹ باب حد الخمر)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شام کے کچھ لوگوں نے شراب پی اور کہا کہ یہ حلال ہے اور اس آیت کی تاویل کی کہ: ”ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں جو وہ کھائیں۔“ ان کا گورنر ان دنوں یزید بن ابی سفیان تھا۔ اس نے ان کا معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ بھیجا۔ آپ نے جواب لکھا کہ اس سے پہلے کہ وہ فساد کریں انہیں میری طرف بھیج دو۔ پس جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے ان کے متعلق مشورہ کیا۔ سب نے کہا اے امیر المؤمنین! ”انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا ہے اور بغیر اذن الٰہی دین میں ایک نئی بات داخل کی ہے۔ پس ان کی گردنیں اڑا دیجئے۔“ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش رہے اس پر آپ نے پوچھا کہ اے ابوالحسن! تمہاری کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ”آپ انہیں توبہ کی طرف بلائیں۔ اگر وہ توبہ کر لیں تو پھر انہیں شراب پینے کے جرم میں اسی (۸۰) اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں اور اگر توبہ نہ کریں تو انہیں حدّ ارتداد میں قتل کر دیا جائے۔“ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں توبہ کی طرف بلایا۔ انہوں نے توبہ کر لی پھر انہیں اسی اسی کوڑے لگائے گئے۔“

شام کے ان لوگوں کا استدلال اس آیت سے تھا: ”**لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ماتقوا واٰمنوا وعملوا الصالحات**“ (المائدہ:۹۳)

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو کچھ وہ پہلے کھا چکے جب کہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔

یہ آیت اس وقت کے بارے میں کہہ رہی ہے جب شراب کی حرمت ابھی قطعی درجے میں نہ آئی تھی۔ جنگ احد میں ایسے فوجی بھی تھے جو اس حالت میں شہید ہوئے کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی۔ شراب حرام ہونے کے بعد جب یہ آیت اتری تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے پوچھا: ’’**فکیف باصحابنا وقد ماتوا وهم يشربون الخمر قبل التحريمها او كيف ببعضنا الذين قتلوا يوم احد شهداء والخمر فى بطونهم**‘‘ (تخریج احادیث وآثار کتاب فی ظلال القرآن سبب نزول الایۃ ۹۳ص ۱۶۰، الشاملہ)

(ترجمہ) ہمارے ان ساتھیوں کا کیا حال ہوگا جو فوت ہوچکے ہیں اور وہ شراب کی حرمت سے پہلے شراب پیتے رہے یا ہمارے ان ساتھیوں کا کیا بنے گا جو احد کے دن شہید ہوئے۔ جب کہ انہوں نے شراب پی ہوئی تھی۔

اس پر یہ آیت اتری جس کا حاصل یہ رہا کہ جس نے کوئی چیز ایسے حال میں کھائی کہ وہ حرام نہ ہوئی تھی تو اس پر اس کا کوئی گناہ نہیں اگر وہ نیک متقی اور مومن ہو۔

دسویں صدی کے مجدد امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’**بيّن فيها ان من طعم الشئى فى الحال التى لم يحرم فيها فلاجناح عليه اذا كان هو من المؤمنين المتقين المصلحين**‘‘ (شرح فقہ اکبر ص۲۰۱ طبع ہند)

(ترجمہ) اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جس نے کوئی چیز اس وقت کھائی جب کہ وہ حرام نہ ٹھہرائی گئی تھی تو اس پر اس کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ جب کہ وہ ایمان لائے ہوئے ہو، اللہ سے ڈرنے والا ہو اور صالحین میں سے ہو۔

قرآن پاک کی وہ آیات جن کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ اپنے ظاہر پر ہیں ان میں اور کتنے اسرار کیوں نہ پائے جائیں لیکن ان کے ظاہر معنی کا انکار کسی طرح نہ کیا جائے۔ اس ظاہر معنی کا انکار حضور ﷺ کے دین کا انکار شمار ہوگا اور اس کا انکار حضور ﷺ کے سارے دین سے انکار سمجھا جائے گا اور اسلام کا یہ کلیہ ہر حال میں قائم رکھا جائے گا۔

شرح مقاصد میں ہے: ’’**لانّ من النصوص ما علم قطعاً من الدين انه علٰى ظاهره فتاويله تكذيب للنبى بخلاف البعض**‘‘

(شرح مقاصد ج۳ ص۴۵۸ طبع دارالکتب بیروت)

(ترجمہ) نصوص میں جن امور کا دین میں سے ہونا قطعی جانا گیا ہے وہ اپنے ظاہر پر رہیں گی۔ ان میں تاویل کرنا نبی کی تکذیب سمجھی جائے گی۔ بخلاف چند دوسری آیات کے جو اپنے ظاہر میں قطعی درجے پر نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ کے دور کا یہ واقعہ ایمانیات میں ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض دین کا انکار (مثلاً استحلال محرم) پورے دین کا انکار سمجھا گیا۔ ایمان شرعی یہ ہے کہ پورے دین پر ایمان ہو۔ ایمان اپنی ذات میں کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ اس میں قوت وضعف بطور صفت آتا ہے۔ اپنی ذات میں ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں۔

آیئے اب ہم آپ کو حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں لے جائیں کہ آپ بھی دین کے کسی ایک قطعی حصے کا انکار کل دین کا ہی انکار قرار دیتے تھے۔

(۳) امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت

’’کنتم خیر امة اخرجت للنّاس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله ولو اٰمن اهل الکتاب لکان خیراً لهم‘‘ (آل عمران:۱۱۰)

(ترجمہ) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے لائے گئے تم حکم کرتے ہو معروفات کا اور دور رکھتے ہو منکرات سے اور تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آئیں تو ان کے لئے بہت بہتر ہو۔

پھر اس امت کو باقی رکھنے کی اس طرح تلقین کی گئی: ’’ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویأمرون وینهون عن المنکر واولٰئک هم المفلحون‘‘ (آل عمران:۱۰۴)

(ترجمہ) اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بلاتی رہے اچھائی کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور روکے برے کاموں سے اور وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

کوئی امت بغیر اپنے صاحب الامر کے ایک امت نہیں کہلا سکتی۔ مسلمانوں نے اپنے ایک امت ہونے کو خلافت کے سائے میں قائم رکھا۔ یہ وہ قومی ضرورت تھی کہ اسے حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی تجہیز وتکفین پر بھی مقدم رکھا گیا۔ اولی الامر کے بغیر کسی امت کا شیرازہ قائم نہیں رہ سکتا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں ان یہودیوں نے جو بظاہر صف اسلام میں آ کھڑے ہوئے تھے، حضرت عثمانؓ سے خلع خلافت کا مطالبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمانؓ اگر اس طرح خلافت سے دستبردار ہو جاتے تو اس سے امت کا شیرازہ اور بکھر جاتا۔ چنانچہ جب آپ کو شہید کر دیا گیا تو امت کا شیرازہ بہت بری طرح بکھرا۔ اسلام میں اولی الامر کی اطاعت اسی لئے فرض قرار دی گئی کہ اس کے بغیر قوم ایک امت نہیں رہتی۔ حضرت عثمانؓ کا وحدت ملت کا عقیدہ اتنا پختہ تھا کہ آپ نے اس کے لئے جان دینی پسند کر لی لیکن اپنے ہاتھوں شیرازۂ امت کو نہیں ٹوٹنے دیا آپ کے حین حیات امت دو ٹکڑوں میں بٹ نہ سکی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بعض شیرازۂ اسلام کا انکار کر کے دوسرے بعض کو بھی باقی نہیں رکھا جا سکتا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت علی مرتضیٰؓ کو اندیشہ تھا کہ کہیں آپ ہی امت کے وہ امام نہ ہوں جس کے قتل پر مسلمانوں کی تلوار بے نیام ہو جائے گی کہ پھر قیامت تک کوئی امت کو ایک نہ رکھ سکے گا۔ آپ نے ایک دفعہ اپنے اس خدشہ کا اظہار خود بھی حضرت عثمانؓ کے سامنے کیا تھا۔

شریف رضی لکھتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اس طرح خطاب فرمایا: ''انّ النّاس ورائی وقد استفسرونی بینک وبینهم وواللہ ما ادری ما اقول لک ما اعرف شیئاً تجهله ولا ادلّک علی امر لا تعرفه انک لتعلم ما نعلم ما سبقناک الیٰ شئ فنخبرک عنه ولا خلونا بشئ فنبلغکه وقد رأیت کما رأینا وسمعت کما سمعنا وصحبت رسول اللہ کما صحبنا...... وانی انشدک اللہ ان تکون امام هذه الامة المقتول فانه کان یقال یقتل فی هٰذه الامة اماماً یفتح علیها القتل والقتال الیٰ یوم القیامة ویلبس امورها علیها''

(نہج البلاغہ ج۲ص۸۵ خطبہ۱۶۳، ومن کلام له لما اجتمع الناس الیه)

(ترجمہ) لوگ میرے پیچھے کھڑے ہیں اور انہوں نے مجھے آپ کے اور اپنے مابین سفیر بنایا ہے اور بخدا میں نہیں جانتا کہ میں آپ کو (ان حالات میں) کیا کہوں۔ میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس سے آپ بے خبر ہوں اور نہ میں آپ کو کوئی ایسی بات بتا سکتا

ہوں جو آپ کے عرفان میں نہ ہو آپ کا علم بے شک اتنا وسیع ہے جتنا ہمارا۔ ہم آپ سے کسی چیز میں سبقت نہیں لے گئے کہ ہم آپ کو اس کی خبر دیں اور نہ ہم حضور ﷺ سے کسی خلوت میں رہے کہ اب ہم آپ کو حضور ﷺ کی وہ بات پہنچائیں۔ آپ نے بے شک وہ کچھ دیکھا جو ہم نے دیکھا اور وہ کچھ سنا جو ہم نے سنا اور آپ نے حضور ﷺ کی اسی طرح صحبت پائی جس طرح ہم نے پائی...... اور میں آپ کو اللہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ کہیں آپ ہی اس امت کے امام مقتول ہوں۔ یہ بات کہی جاتی تھی کہ اس امت کا ایک امام قتل کیا جائے گا کہ اس پر مسلمانوں کے باہمی قتال کا دروازہ کھل جائے گا اور وہ باہمی قتال پھر قیامت تک رہے گا اور امت کے امور امت پر ملتبس رہیں گے۔

سلطنت اسلامی کے لئے امام کا وجود ناگزیر ہے

امام کے بغیر کوئی اسلامی سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہاں تک کہ امام اگر فاسق ہو جائے تو بھی وہ امامت سے معزول نہیں ہوتا۔ کوئی باوقار قوم چھوٹے چھوٹے اختلافات اور انتظامی شکایات سے اپنے امیر نہیں بدلتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے آپ کی گیارہ سالہ امامت لائق تبدیل ٹھہرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطاب میں آپ کو کوئی ایسا مشورہ نہیں دیا بلکہ جب بلوائی ان پر حملہ کے درپے تھے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین کے گھر کا پہرہ دیتے رہے۔ یہ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حکم تھا جو انہیں بلوائیوں سے ٹکر لینے سے روکتا تھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ امام کے حکم کے خلاف نہ جا سکتے تھے۔

تاہم یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسلام کے اس مؤقف سے کہ اسلامی سلطنت کے لئے امام کا وجود ناگریز ہے۔ ذرا بھی نہ سرکے۔ آپ نے حوزہ اسلام کی حفاظت کے لئے جان دینی تو پسند کی لیکن نظام اسلامی میں ذرا بھی کمی نہ آنے دی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بعض لوگوں نے اسلامی سلطنت کو زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے بغیر چلانے کی تحریک کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے دین میں کمی قرار دیا اور اسلام کے اس ضروری حصہ دین کا انکار کرنے والوں کو مرتد ٹھہرایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی خلیفہ بدلنے کی تحریک نظام اسلام کے ایک ضروری حصے کا انکار سمجھی گئی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی خوارج کی بات رد کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ امت میں قیام امام ہرحال میں ضروری ہے گو وہ کسی درجے کا ہو۔

’’انّہ لابد للناس من امیر برّ او فاجر یعمل فی امرتہ المومن ویستمتع فیھا الکافر‘‘ (نہج البلاغہ ج۱ ص۸۷ خطبہ۴۰ من کلام لہ فی الخوارج لماسمع لھم)

(ترجمہ) اس سے چارہ نہیں کہ لوگوں کا کوئی امیر ضرور ہو وہ نیک ہو یا فاجر تاکہ مومن اس کی امارت میں رہ سکے اور کافر بھی اس کی سلطنت میں اپنی ضرورتیں پا سکے۔

اس میں آپ نے یہ بات بھی کھول دی کہ امام فسق سے لائق عزل نہیں ٹھہرتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اس حدیث سے استدلال کیا گیا تھا کہ دین میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی۔

’’امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا انّ لا الٰہ الّا اللہ وانّی رسول اللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکاۃ‘‘ (رواہ النسائی ج۲ ص۱۴۳ باب وجوب الجہاد)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مؤقف کہ سلطنت اسلامی بغیر امام کے نہیں رکھی جاسکتی یہ بھی اسی حدیث سے ماخوذ ہے۔ اس حدیث میں لفظ ’’امرت ان اقاتل النّاس‘‘ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ اس کے لئے سربراہ ضرور ہونا چاہئے جس کی قیادت میں جنگ کی جاسکے تو جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کی رو سے دین میں کسی کمی آنے کو روا نہ رکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی سلطنت اسلامی کے لئے وجود امام کو ناگزیر قرار دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے قتال کے لئے (جو اس حدیث میں مذکور ہے) وجود امام کو ضروری بتلایا ہے۔

’’عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النّبی ﷺ قال انّما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ ویتقی بہ فان امر بتقوی اللہ وعدل کان لہ بذالک اجرو ان یأمر بغیرہ کان علیہ منہ‘‘ (صحیح مسلم ج۲ ص۱۲۶ باب فی الامام اذا امر بتقوی اللہ وعدل)

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا امام وہ ڈھال ہے جس کے پیچھے جنگ لڑی جاسکتی ہے اور اس کے سائے میں خطرات سے بچا جاسکتا ہے۔ اگر وہ اللہ کے تقویٰ اور عدل کا حکم کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اگر وہ تقویٰ اور انصاف سے کام نہ لے تو اس کا اس پر بار ہوگا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ تقویٰ اور عدل اختیار نہ کرے تو اس سے اس کا عزل نہ ہو سکے گا۔ کتب عقائد میں ہے کہ امام کسی فسق کے باعث معزول نہیں ہوتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی لیکن حوزہ اسلام میں کوئی شگاف نہ آنے دیا۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے ان باغیوں کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی تاکہ مسلمانوں میں اس بدگمانی کو راہ نہ ملے کہ آپ نے اپنے تحفظ میں سلطنت کی افواج اسلامی کو استعمال کیا ہے۔ یہ آپ کا ایک اپنا اجتہاد تھا ورنہ آپ اپنی ذات کی حفاظت کے لئے نہ سہی خلافت کی حفاظت کے لئے اسلامی افواج کو استعمال کرنے کا پورا حق رکھتے تھے کیونکہ یہ بلوائی کھلے بندوں دین کی تحریف کے درپے تھے۔

اب آیئے چوتھے خلیفہ راشد سے بھی اس اصول کی تصدیق پائیں۔

(۴) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت

آپ نے بھی مجرمین تحریف سے اعلانیہ جنگ کی اور بتایا کہ دین کی کسی ایک ضروری بات کا انکار کرنے والا صف اسلام میں نہیں رہ سکتا۔

خوارج کلمہ پڑھتے تھے اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اتنے متقی اور پابند شریعت تھے کہ ان کی نماز دیکھ کر لوگ یہ کہتے ہیں کہ شاید ہم اس درجے کے نمازی نہیں ہیں لیکن اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک حصہ دین کا انکار کیا۔ مسلمانوں نے انہیں خارجی کہا کہ یہ ہمارے دین سے نکل گئے ہیں۔ اس وقت بھی کئی لوگوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوتے تھے کہ یہ کلمہ گو لوگ ہیں۔ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیوں نبرد آزما ہو رہے ہیں؟ لیکن اس وقت ایمان کی یہ حقیقت شرعی عام لوگوں کے ذہن میں تھی کہ ایمان کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ ہوگا تو پورا ہوگا ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہ لوگ کلمہ پڑھنے کے باوجود بعض حصہ دین کا انکار کرنے سے صف اسلام سے نکل چکے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی امت کو پہلے سے خبر دے رکھی تھی کہ تم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مطالب قرآن پر اسی طرح جنگ کریں گے جس طرح میں تنزیل قرآن پر کفار سے جنگ لڑتا رہا۔ آپ نے فرمایا: ’’انّ منکم من یقاتل علٰی تاویل القرآن کما قاتلت علٰی تنزیلہ‘‘ (المستدرک للحاکم ج۳ ص۱۰۵ باب ذکر اسلام امیر المؤمنین علیؓ رقم الحدیث:۴۶۲۱)

(ترجمہ) تم میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مرادات قرآن پر اسی طرح قتال کریں گے جس طرح میں تنزیل قرآن پر میدان میں لڑتا رہا۔

آپ کی اس پیش گوئی کا مصداق حضرت علیؓ نکلے۔ جنہوں نے خوارج سے برسرعام جنگ کی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسے اکابر صحابہؓ سب حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ حدیث میں حضورﷺ نے قرآن کے مطالب بگاڑنے والے اس گروہ کو مارقہ (دین سے نکل جانے والے) کے لفظ سے بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ انہیں بدترین خلائق کہتے تھے۔

’’وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الیٰ آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین‘‘

(صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۲۴ باب قتل الخوارج والملحدین)

(ترجمہ) اور حضرت ابن عمرؓ انہیں بدترین خلائق جانتے تھے...... آپ نے کہا یہ لوگ ان آیتوں کو جو کفار کے بارے میں اتریں (گناہگار) مسلمانوں پر منطبق کرتے تھے۔

یہ لوگ بلاشبہ کلمہ گو تھے پابند نماز تھے بایں ہمہ امام بخاریؒ نے ان پر اس طرح کے باب باندھے ہیں اور انہیں ملحدین ٹھہرایا ہے۔

’’باب قتال الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیھم‘‘

’’باب من ترک قتال الخوارج للتألف ولئلا ینفر الناس عنہ‘‘

’’باب قول النبی لن تقوم الساعۃ حتی تقتل فئتان دعواھما واحد‘‘

’’باب ماجاء فی المتاوّلین‘‘

اس سے پتہ چلا کہ بعض حصہ دین کا انکار کرنے والوں کو ان کا کلمہ پڑھنا اور نمازیں پڑھنا ہرگز الحاد کی حد سے بچانہیں سکتا۔ کلمہ پڑھنے کے باوجود ان پر حکم قتال آئے گا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض وہ آیات جو اہل کتاب کے بارے میں اتری تھیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے انہیں خوارج پر بھی منطبق کیا۔

حافظ شہاب الدین ابوالعباس القسطلانی (۹۲۳ھ) محدث عبدالرزاق سے روایت کرتے ہیں: ’’قام ابن الکواء الی علی فقال ما الاخسرین اعمالاً قال ویلک منھم اھل حروراء‘‘ (ارشادالساری ج۷ ص۲۳۰ باب اولٰئک الذین کفروا بآیات ربھم شاملہ)

(ترجمہ) ابن کواء حضرت علیؓ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے آپ سے پوچھا کہ سورۃ الکہف کی آیت ۱۰۳ میں جو ''الاخسرین اعمالا'' مذکور ہیں۔ وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اہل حروراء بھی ان کے حکم میں ہیں۔

حروراء ایک گاؤں ہے کوفہ کے قریب۔ یہاں سے خوارج اٹھے تھے علامہ قسطلانی کہتے ہیں: ''کان ابتداء الخوارج علی علیّ منها'' (ایضاً)

خوارج حضورﷺ کے بعد حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ان کے خلاف اٹھے تھے۔ قرآن اس سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کے خروج کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں ہوسکتا۔ پھر حضرت علیؓ نے کیسے کہہ دیا کہ اس آیت سے مراد یہ بھی ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اس آیت میں حضرت علیؓ کے اس بیان کے خلاف چلے اور کہا کہ اس سے یہود ونصاریٰ مراد ہیں لیکن حضرت علیؓ نے جو کچھ کہا ہے اسے بھی سمجھنے کوشش کرنی چاہئے۔

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: ''والذی یقتضیه التحقیق انها عامة فاما قول علیؓ انهم الحروریة فمعناه ان الآیة تشملهم کما تشمل اهل الکتابین وغیرهم لا انها نزلت فی هٰولاء علی الخصوص بل اعم من ذالک لانها مکیة قبل خطاب اهل الکتاب ووجود الحروریة وانما هی عامة فی کل من دان بدین غیر الاسلام وکل من رأی بعمله او اقام علٰی بدعة فکل من الخاسرین'' (ارشاد الساری ج۷ ص۲۳۰ باب ایضاً)

(ترجمہ) تحقیق تقاضا کرتی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ (کسی ایک فریق پر وارد نہیں) سو حضرت علیؓ کا یہ کہنا کہ اس سے مراد خارجی لوگ ہیں اس کا مطلب یہ ہے یہ آیت ان کو بھی شامل ہے جیسا کہ یہ اہل کتاب کو شامل ہے نہ یہ کہ خاص ان اہل حروراء کے لئے اتری تھی بلکہ یہ ان اہل کتاب کے لئے بھی خاص نہیں (جیسا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں) کیونکہ مکی آیت ہے اور اس وقت اہل کتاب سے خطاب نہ ہوتا تھا اور حروریہ بھی اس وقت وجود میں نہ آئے تھے۔ سو یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہوگی جو اسلام کے سواء کسی دوسرے دین پر چلا اور ہر اس شخص کو جو اپنی رائے سے کسی عمل پر آیا یا کسی بدعت پر عمل پیرا رہا۔ یہ سب لوگ ان خاسرین (الاخسرین اعمالاً) میں داخل ہیں۔

اس تحقیق کے مطابق جس طرح اہل کتاب صائبین اور منافقین اسلام سے باہر ہیں۔ اگر کوئی دائرہ اسلام میں آ کر (کلمہ گو ہو کر) دین اسلام کو کوئی نئی شکل دے تو وہ بھی صف اسلام سے باہر ہو جاتا ہے۔

شان نزول میں ایک یہ اصطلاح بھی یاد رکھئے۔

قرآن پاک کی آیات جس جس موقع پر نازل ہوئیں وہ بے شک ان کا شان نزول ہے۔ لیکن وہ آیات خاص ان مواقع پر بند نہیں کیں۔ کسی دوسرے ایسے مواقع پر بھی وہ منطبق ہوسکتی ہیں۔ مفسرین کئی دفعہ کسی دوسرے موقع پر بھی ان آیات کو اس طرح نقل کرتے ہیں کہ اس موقع پر یہ آیت اتری۔ اس سے ان کی مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس موضوع پر قرآن پاک کی ہدایت یہ بھی ہے۔ اسے کئی دفعہ اس طرح بھی ذکر کر دیا جاتا ہے کہ اس پر یہ آیت اتری۔ اس سے مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس موضوع پر بھی آیت صادق آتی ہے۔ یہ نہیں کہ یہ آیت خاص اس واقعہ پر اتری تھی۔

اس اصول کو یاد رکھنے سے مختلف آیات کے مختلف شان نزول آپس میں متعارض نہیں رہتے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’**والذی یظھر من استقراء کلام الصحابة والتابعین انھم لایستعملون نزلت فی کذالمحض قصة کانت فی زمنه ﷺ وھی سبب نزول الآیة بل ربما یذکرون بعض ما صدقت علیه الأیة مما کان فی زمنه ﷺ او بعده ﷺ ویقولون نزلت فی کذا ولایلزم ھناک انطباق جمیع القیود بل یکفی الطباق اھل الحکم فقط**‘‘ (قول صاحب الفوز الکبیر در تفسیر القاسمی ج۱ ص۲۳ شاملہ)

(ترجمہ) صحابہ کرام اور تابعین عظام کے بیانات کے استقراء کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس آیت کے بارے میں ’’نزلت فی کذا‘‘ کے الفاظ صرف حضور ﷺ کے زمانے کے اس واقعہ کے لئے ہی استعمال نہ کرتے تھے۔ جس میں وہ آیت نازل ہوئی۔ بلکہ بسا اوقات وہ اسے ایسے امور پر ہی کہہ دیتے تھے جن پر وہ آیت صادق آئے وہ امور حضور ﷺ کے عہد کے ہوں یا آپ کے بعد کے۔ وہ کہتے تھے اس میں یہ آیت اتری۔ یہاں اس واقعہ کی جمیع قیود سے مطابقت ضروری نہ سمجھی جاتی تھی۔ اس کا حکم اس پر منطبق ہونا کافی سمجھا جاتا تھا۔

سواس اصول کو سامنے رکھنے سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ یہ آیت ان اہل کتاب کے بارے میں اتری تھی جو اپنے دین کی اصل حقیقت کھو چکے تھے سو یہ کہنا کہ یہ آیت خوارج کے بارے میں نازل ہوئی، اس اصول سے ہے کہ اس آیت کا حکم اہل حروراء پر بھی صادق آرہا ہے۔

اس سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ مؤقف کھل کر سامنے آتا ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والے کلمہ گو بھی اگر کسی حصہ دین کا انکار کریں تو ان کے کلمہ پڑھنے، نماز پڑھنے، قبلہ رو ہونے، روزے رکھنے اور زکوٰۃ دینے سے انہیں صف اسلام میں نہیں رکھا جاسکتا۔ ایمان ہوگا تو پورا ہوگا ورنہ بالکل نہیں ہوگا۔ اسلام اپنے اندر کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔

اس ایک نکتے پر پورا رشد راشدین آپ کے سامنے ہے پوری امت اسلامی اس باب میں خلفائے راشدین کے ساتھ چلی ہے۔ ان کے بعد اور کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ تاہم اس باب میں ہم اپنے قارئین کے سامنے بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی کچھ روایات لاتے ہیں کہ انہوں نے ختم نبوت کے کسی منکر کو اس کے کلمہ اسلام پڑھنے پر صف اسلام میں کوئی جگہ نہیں دی۔ اسلام میں عبادلہ اربعہ کی ایک اپنی عظمت اور علمی صولت ہے۔

۱...... سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

۱...... اس امت میں خلفائے راشدین کے بعد سب سے افضل اور اعلم ہونے کا مقام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا ہے۔ آپ مقام خلافت کے اہل تھے اس کا پتہ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد سے چلتا ہے کہ اگر میں کسی سے مشورہ کئے بغیر کسی کو اپنا خلیفہ بناتا تو انہیں خلافت پر نامزد کرتا۔ حضور اکرم ﷺ کے حین حیات مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آپ کے پاس آئے تھے۔ حضور ﷺ نے ان سے پوچھا تھا کہ تمہارا عقیدہ مسیلمہ کے بارے میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس کے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بین الاقوامی عمل یہ چلا آرہا ہے کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا۔ ایسا نہ ہوتا تم بچ کر نہ جاسکتے تھے۔

’’لولا انّ الرسل لاتقتل لضربت اعناقکما‘‘

(سنن ابی داؤد ج۲ ص۲۴ باب فی الرسل طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

(ترجمہ) اگر یہ ضابطہ نہ ہوتا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔

حضور ﷺ کی وفات کے ایک مدت بعد وہی لوگ جو کلمہ اسلام پڑھتے تھے حضور ﷺ کو اللہ کا سچا پیغمبر مانتے تھے اور مسیلمہ کذاب کو بھی غیر تشریعی نبی سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ لگے۔ آپ نے انہیں صف اسلام میں رہنے کی جگہ نہ دی۔ انہیں ختم نبوت کے انکار سے توبہ کی دعوت دی۔ مؤذن مسیلمہ عبداللہ بن النواحہ کے سوا باقی سب نے اپنے اس عقیدہ کفر سے توبہ کی اور آپ نے اسے منظور فرمایا: ’’**قال جریر والاشعث لعبداللہ بن مسعود فی المرتدین استتبهم وکفّلهم فتابوا وکفّل عشائرهم**‘‘ (صحیح بخاری کتاب الحوالات باب الکفالہ فی القرض ج۱ص۳۰۶)

(ترجمہ) اشعث نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان مرتدین کے بارے میں کہا آپ انہیں بلائیں توبہ کی طرف...... اور پھر ان کی کفالت کریں انہوں نے توبہ کی اور آپ نے ان کے کنبوں کی کفالت فرمائی۔

اس سے پتہ چلا کہ ان دنوں بھی عقیدہ ختم نبوت کے منکرین کو باوجودیکہ وہ کلمہ اسلام پڑھتے تھے حضور ﷺ کی تصدیق رسالت کرتے تھے مرتد سمجھا جاتا تھا۔ انہیں توبہ کی دعوت دی گئی اور عبداللہ بن نواحہ کے سوا سب کو پھر سے مسلمان کیا گیا۔ انہیں صف اسلام میں جگہ دی گئی اور ان کے بال بچوں کی اسلامی بیت المال سے کفالت کی گئی۔

عبداللہ بن نواحہ پر مرتد کی سزا جاری کی گئی

مسیلمہ کے پابند صوم وصلوٰۃ موذن عبداللہ بن نواحہ نے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی عدالت میں توبہ سے انکار کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور ﷺ کی یہ حدیث پیش کی اور فرمایا کہ آج تو قاصد کی حیثیت میں نہیں ہے۔ آپ نے کہا: ’’**سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لولا انک رسول لضربت عنقک فانت الیوم لست برسول**‘‘ (سنن ابی داؤد ج۲ص۲۴ باب فی الرسل)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو یہ کہتے سنا تھا کہ اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تجھے سزائے موت دیتا۔ لیکن آج تو تو قاصد نہیں ہے۔

آپ نے پھر امیر کوفہ قرظہ بن کعب انصاری کو حکم دیا اور وہ مرتد برسر عام قتل کر دیا گیا۔

سنن دارمی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر آپ نے ان مرتدین کی مسجد کے گرانے کا بھی حکم دیا۔ چنانچہ وہ گرادی گئی اور جھوٹی نبوت کی گود میں پلنے والا ارتداد مع اپنے آثار کے صفحہ کائنات سے محو کر دیا گیا۔

بنی حنیفہ کی اس مسجد کی اطلاع حارث بن مضرب نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو دی تھی۔

دوسرے عبداللہ کا بھی ایک فیصلہ دیکھیں۔

۲...... سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فیصلہ

’’وعن ابن عمر وعلی ؓ لا تقبلوا توبة من تکررت ردّته کالزندیق وھو قول مالک واحمد‘‘ (ردالمختار ج۳ ص۳۱۵ باب المرتد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت علیؓ دونوں سے مروی ہے کہ جو شخص بار بار ارتداد میں آئے جیسا کہ زندیق لوگ کرتے ہیں ان کی توبہ لائق قبول نہیں اور یہی فیصلہ امام مالک اور امام احمد کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بدعت فی العقائد کے ان مجرمین سے سلام تک نہ لیتے تھے، وہ بیمار پڑیں تو یہ ان کی عیادت کے لئے نہ جاتے۔ یہ لوگ مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرتے۔ آپ ان کے چند ضروریات دین کے انکار کو کل دین کا انکار ہی ٹھہراتے۔ علامہ ابومنصور بغدادی (۴۲۹ھ) لکھتے ہیں: ’’وتبرّأ منھم المتأخرون من الصحابة کعبداللہ بن عمرو جابر ابن عبداللہ وابی ھریرة وابن عباس وانس بن مالک وعبداللہ بن ابی اوفٰی وعقبة بن عامر الجھنی واقرانھم واوصوا اخلافھم بان لا یسلموا علی القدریة ولا یصلوا علی جنائزھم ولا یعودوا مرضاھم‘‘ (الفرق بین الفرق ج۱ ص۱۵ شاملہ)

متأخرین صحابہؓ جیسے عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ،

حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت عتبہ بن عامرؓ اور ان جیسے دوسرے حضرات نے ان سے پوری لاتعلقی اختیار کی اور اپنی اولادوں کو وصیت کی کہ قدریہ سے سلام تک نہ لینا ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور ان کی بیمار پرسی کے لئے بھی نہ جانا۔

اس میں تیسرے عبداللہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی شہادت بھی آپ کے سامنے آ گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فیصلہ آپ ملاحظہ کر چکے۔ اب اسے قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں بھی سمجھئے۔

قرآن کریم میں بدترین مخلوق کافروں کو کہا گیا ہے: ’’**ولقد ذرأنا لجهنم كثيراً من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها...... اولٰئک کالانعام بل هم اضل اولٰئک هم الغافلون**‘‘ (الاعراف:۱۷۹)

(ترجمہ) بے شک ہم نے بہت سے جنات اور انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں اور آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے ہوں بلکہ ان سے زیادہ بے راہ، وہی لوگ ہیں غفلت میں گھرے ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بدترین خلائق خارجیوں کو کہا، حالانکہ یہ لوگ کلمہ اسلام پڑھتے تھے مگر یہ لوگ قادیانیوں کی طرح قرآن کریم کی بعض آیات کو ان کے محل سے دور کر کے انہیں ایک نئے معنی دیتے تھے۔ صحیح بخاری میں خارجیوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ شہادت آب زر سے لکھنے کے لائق ہے: ’’**انطلقوا الٰی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین**‘‘ (صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۲۴ باب قتل الخوارج والملحدین)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملحدین کو ان کے کلمہ پڑھنے اور نمازیں پڑھنے کے باوجود صف اسلام میں جگہ نہیں دی گئی۔ یہ صف اسلام میں جگہ نہیں پا سکتے۔ قرآن پاک کی رو سے یہ بدترین خلائق جہنم کے لائق ٹھہرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ اصلاً کافروں کے لئے ہی بنائی گئی ہے۔ ’’**اعدت للکافرین**‘‘ گناہ گاروں کا وہاں جانا صرف کچھ وقت کے لئے ہوگا۔ **اعاذنا اللہ عنها!**

۳......سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بعد تیسرے عبداللہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا فیصلہ آپ پہلے ملاحظہ کرآئے ہیں۔اس کی مزید تفصیل بھی دیکھ لیں۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تیسرے عبداللہ کا فیصلہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف جو مؤقف اختیار کیا تھا اس میں آپ کے ترجمان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے،خوارج سے پہلا مناظرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ نے ہی کیا تھا۔علامہ مبرد نے الکامل باب الخوارج میں اس مناظرے کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

سو ایمان کی شرعی حقیقت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی ادنیٰ سے اختلاف کو بھی راہ نہیں ملتی۔ ایمان شرعی نام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات کی تصدیق کا جو پورے قطع ویقین سے آپ سے ہمیں ملیں اوران میں کسی ایک کا انکار بھی ایمان کے اس موجبہ کلیہ کو توڑ دیتا ہے اورکسی حصہ اسلام کا انکار کرنے والا کسی درجہ میں بھی اسلام میں نہیں رہ پاتا۔

۴...... عبادلہ اربعہ میں چوتھے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی سن لیجئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (۶۷ھ) بھی ایمان کی شرعی حقیقت اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ بعض حصہ دین کا کھلے بندوں انکار کرنے والا صف اسلام میں بیٹھنے کا حق نہیں رکھتا۔آپ فرماتے ہیں:’’**من تأسی ببلاد الاعاجم وصنع نیروزھم ومھرجانھم وتشبّہ بھم حتی یموت وھو کذالک حشر معھم یوم القیامۃ**‘‘ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج۲۵ ص۳۳۰ باب من المسلمین مثل طعام النصاریٰ)

(ترجمہ) جو عجمی علاقوں سے مانوس رہے اوران کے نوروز اورمہرجان تہواروں کو منائے اوران سے تشبہ اختیار کرے یہاں تک کہ اسی حالت میں مرے تو وہ قیامت کے دن انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

یہ بات کسی کتابی یا مجوسی کے بارے میں نہیں کہی جارہی اس کلمہ گو کے بارے میں کہی جارہی ہے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔مگر بعض حصۂ اسلام کا وہ اس تسلسل سے انکار کرتا رہا کہ اس کی اسی پر موت ہوگئی۔اس صحابی رسول رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ وہ انہیں کافروں

کے ساتھ اٹھایا جائے گا جن کی حمایت میں وہ زندگی بھر غیرت اسلام سے کھیلتا رہا۔

اسلام کی پہلی صدی کی یہ آٹھ شہادتیں آپ کے سامنے ہیں۔ ان کی روشنی میں اس زمانے میں بھی اگر کوئی مدعی اسلام (جیسے قادیانی) بعض حصۂ اسلام کا انکار کرے تو اسے غیر مسلم قرار دینے میں علماء کرام کسی زیادتی کے مرتکب نہیں ہیں۔ قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے پر علماء امت نے اسی دینی اصول سے استناد کیا ہے۔ کسی کے مسلمان ہونے کے لئے صرف یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ کس کس حصۂ اسلام کا اقرار کرتا ہے یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کیا وہ کسی حصۂ اسلام کا انکار تو نہیں کرتا۔ اگر کسی کا کسی ایک قطعی عقیدۂ اسلام سے بھی انکار ہو تو ظاہر ہے کہ اسے کسی تاویل سے بھی صف اسلام میں نہیں بٹھایا جاسکتا۔ یہ پہلی صدی کی آواز آپ نے مختلف جہات سے سن لی ہے۔

اب دوسری صدی میں چلئے

آیئے اب دوسری صدی میں چلیں ہم یہاں دوسری صدی کے دو جلیل القدر اماموں حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) اور حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) کا فیصلہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

۱...... حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’**قال مالک الامر عندنا ان کل من منع فریضۃ من فرائض اللہ عزوجل فلم یستطع المسلمون اخذھا کان حقا علیھم جھادہ حتی یأخذونھا منہ**‘‘

(مؤطا امام مالک ج۲ ص۳۸۰ باب ما جاء فی اخذ الصدقات والتشدید فیھا)

(ترجمہ) ہمارے ہاں یہ فیصلہ ہے کہ ہر شخص جو اللہ کے فرائض میں سے کسی ایک کو ہی روک لے اور مسلمان اس سے اسے نہ لے سکیں تو مسلمانوں پر اس سے جہاد کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس پر قابو پالیں۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جادوگر اپنے دعویٰ اسلام کے باوجود باطناً اسلام سے نکل جاتا ہے یہاں تک کہ وہ پھر توبہ کے لائق بھی نہیں رہتا۔ وہ توبہ کرے بھی تو یہ لائق قبول نہ سمجھی جائے گی۔ حافظ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: ’’**قال ابومصعب عن مالک فی المسلم اذا تولیٰ عمل السحر قتل ولا یستتاب**

لان المسلم اذا ارتد باطناً لم تعرف توبه، باظهاره الاسلام‘‘

(احکام القرآن ج۱ ص۵۱ باب اختلاف الفقہاء فی حکم الساحر)

(ترجمہ) امام مالک نے کہا اگر کوئی مسلمان جادو کا عمل اختیار کرے تو اس پر سزائے موت کا حکم دیا جائے اور اسے توبہ کرنے کے لئے نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ مسلمان جب چھپے طور پر کفر کے کاموں میں جا لگے تو اس کا اظہار اسلام اس کی توبہ نہ سمجھا جائے گا۔

اگر کسی گاؤں کے لوگ اپنے ہاں ترک اذان کا فیصلہ کرلیں تو ان سے بھی جہاد کرنا ضروری ہو جائے گا اور ان کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا انہیں اسلامی گرفت سے نہ بچا سکے گا۔

۲…… حضرت امام محمد فرماتے ہیں: ’’**انّ اهل بلدة او قرية اذا اجمعوا على ترک الاذان فان الامام يقاتلهم و كذالک كل شئى من شعائر الاسلام**‘‘

(عمدۃ القاری ج۱ ص۱۸۲ باب فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ شاملہ)

(ترجمہ) اگر کسی بستی یا گاؤں کے لوگ سب ترک اذان پر جمع ہو جائیں تو امام کے ذمہ ان سے جہاد کرنا لازم ہوگا۔

اگر یہ لوگ اپنے مؤقف پر اصرار کریں تو پھر ان کے ساتھ کفار کا ہی معاملہ کیا جائے گا اور یہ ان کے صریحاً ترک اسلام کا ایک اعلان ہوگا۔ یہ نہ کہا جا سکے گا کہ یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اس طرح لکھا ہے: ’’**استقر الاجماع فى حق من جحد شيئاً من الفرائض لشبهة فيطالب بالرجوع فان نصب القتال قوتل واقيمت عليه الحجة فان رجع والا عومل معاملة الكفار**‘‘

(فتح الباری ج۱۲ ص۲۴۸ باب حکم المرتد والمرتدہ)

(ترجمہ) اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی تاویل کی بناء پر فرائض اسلام میں سے کسی کا انکار کرے تو اسے توبہ کی طرف بلایا جائے۔ اگر مقابلہ کرے تو اس سے قتال کیا جائے اور اس پر حجت قائم کی جائے۔ اگر وہ حق کی طرف لوٹ آئے تو بہتر ورنہ اس سے وہی معاملہ کیا جائے جو دوسرے کافروں سے کیا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹ھ) کا یہ فیصلہ بھی ملاحظہ کیجئے:

امام محمد حسن عراقی رحمۃ اللہ علیہ اس شخص کو جو عقیدہ رکھے کہ قرآن مخلوق ہے۔ یہ اللہ کی صفت کلام نہیں۔ صف اسلام میں جگہ نہ دیتے تھے وہ بظاہر کلمہ بھی پڑھے اور نماز بھی پڑھے پھر

بھی اسے صف اسلام میں جگہ نہ دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا: ’’لا اصلی خلف من یقول القرآن مخلوق‘‘ (العلو للعلی الغفار ج۱ ص۱۵۲ شاملہ)

آپ یہ بھی لکھتے ہیں: ’’من انکر شیئا من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا الٰہ الا اللّٰہ‘‘ (قول صاحب سیر کبیر امام محمد در اکفار الملحدین ص۳۰)

(ترجمہ) جس نے شرائع اسلام میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کیا تو اس سے اپنا کلمہ گو ہونا خود ضائع کر دیا۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک یہ فیصلہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں: ’’قال احمد بن القاسم بن عطیہ سمعت ابا سلیمان الجوزجانی یقول سمعت محمد بن الحسن یقول واللّٰہ لا اصلی خلف من یقول القرآن مخلوق ولا استفتی الا امرت بالاعادۃ‘‘ (کتاب العلو للعلی الغفار ج۱ ص۱۵۲)

(ترجمہ) احمد بن قاسم نے کہا میں نے ابوسلمان الجوزجانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا بخدا میں اس شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جو کہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ مجھ سے کوئی پوچھے تو میں اسے نماز دہرانے کا ہی فتویٰ دوں گا۔

پہلے دو بڑے اماموں کے فیصلے آپ نے سن لئے۔

امام مالک اور امام محمد کے ان فیصلوں کے بعد حضرت امام شافعی اور امام احمد کے فیصلے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اس سے چاروں اماموں کا اجماع آپ کے سامنے آجائے گا۔

حضرت امام شافعی بدعت فی العقائد کے مجرمین (قدریہ فرقے کے لوگوں) کو باوجود ان کے کلمہ پڑھنے اور نماز پڑھنے کے کافر قرار دیتے ہیں۔ سو کافر صرف وہ نہیں جو ارادۃً اسلام سے نکلے بلکہ وہ بھی ہے جو کسی راہ الحاد سے ضروریات دین میں سے کسی کا منکر قرار دیا جائے۔

’’وحکیٰ ابن المنذر عن الشافعی لا یستتاب القدری واکثر اقوال السلف تکفیرھم وممن قال بہ اللیث وابن عیینۃ وابن لھیعۃ روی عنھم ذالک فیمن قال بخلق القرآن وقال ابن المبارک والاودی وکیع وحفص بن غیاث وابواسحق الفزاری وھشیم وعلی بن عاصم فی آخرین وھو قول اکثر المحدثین والفقھاء والمتکلمین فیھم وفی الخوارج والقدریۃ واھل الاھواء والمضلۃ واصحاب البدع والمتاؤلین وھو قول

احمد بن حنبل‘‘ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج۲ص۵۹۱ شاملہ)

(ترجمہ) حضرت امام شافعی سے منقول ہے کہ قدری عقیدے والوں کو توبہ کا موقعہ نہ دیا جائے گا۔ اکثر سلف صالحین انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔ یہی بات امام لیث نے امام سفیان نے اور ابن لہیعہ نے کہی ہے جس نے بھی خلق قرآن کا عقیدہ اختیار کیا۔ ان حضرات سے اس کے لئے یہی حکم ثابت ہے...... یہی مؤقف اکثر محدثین اور فقہاء اور ان کے متکلمین کا ہے۔ خوارج، قدریہ، اہل اہواء اور اہل بدعت متاولین کے بارے میں سب اسی مؤقف پر ہیں اور یہی امام احمد کا قول ہے۔

اب اگلی صدی میں چلئے ہم اس فیصلے پر تیسری صدی ہجری کی یہ شہادتیں پیش کرتے ہیں:

۱...... حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) نے خلفائے راشدین کے سرکاری فیصلوں کی روشنی میں صحیح بخاری میں اس پر یہ روشن باب باندھے ہیں۔

’’باب قتل من ابیٰ قبول الفرائض وما نسبوا الی الردۃ‘‘

(صحیح بخاری ج۲ص۱۰۲۴)

’’بـاب قتال الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیھم. باب ما جاء فی المتاؤلین‘‘ (ایضاً ص۱۰۲۵)

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خلق افعال عباد میں لکھتے ہیں: ’’مـا ابـالـی صـلـیـت خلف الجھمی والرافضی ام صلیت خلف الیھود والنصرانی ولا یسلم علیھم ولا یعادون ولا یناکحون ولا یشھدون ولا توکل ذبائحھم‘‘

(من فتاویٰ حافظ ابن تیمیہ ج۴ باب اوجہ الرد علی المعارضین)

(ترجمہ) میں کسی جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا کسی یہودی اور عیسائی کے پیچھے نماز پڑھوں میرے ہاں اس میں کوئی فرق نہیں۔ جہمیوں اور رافضیوں پر سلام بھی نہ ڈالیں، نہ ان کی عیادت کریں نہ ان سے نکاح کریں، نہ ان کی کسی کام پر شہادت لی جائے اور نہ ان کے ذبح کئے جانور کھائے جائیں۔

امام ابوداؤد اپنی سنن میں بـاب فی قتل الخورج میں حضور ﷺ کی یہ حدیث لائے ہیں: ’’عـن ابی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ مـن فـارق الجماعۃ شبر فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقه‘‘ (سنن ابی داؤد ج۲ص۶۵۵ باب فی قتل الخوارج)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے فرمایا جو مسلمانوں سے ایک بالشت فاصلے پر بھی جا پڑا اس نے اسلام کا پٹکا اپنی گردن سے اتار پھینکا۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلام کے مجمع علیہ مسائل سے جو ایک بالشت بھی ہٹا وہ پورے اسلام سے ہی نکل گیا۔ ایمان اپنے اندر ذرا سی تقسیم بھی گوارا نہیں کرتا۔ ہوگا تو پورا ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

حضور ﷺ نے ان کے لئے یہاں تک تصریح فرمائی: ''**یمرقون من الاسلام مروق السہم من الرمیۃ**'' اور فرمایا ''**لئن انا ادرکتہم لاقتلنہم قتل عاد**''

(ایضاً ۳۵۶ باب فی قتل الخوارج)

اس میں امام ابوداؤد یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ جس طرح خوارج نے اسلام کے بعض قطعی اور مجمع علیہ مسائل کا انکار کیا اور وہ ان احادیث کی رو سے دائرہ اسلام سے نکل گئے سو جس نے بھی اسلام کے مجمع علیہ مسائل سے ذرا بھی کنارہ کشی کی، جان لیجئے کہ اس نے اپنے کلمہ پڑھنے کو باطل کرلیا ہے اور اسلام کا پٹکا اپنے گلے سے اتار دیا ہے۔

آیئے اب ہم آپ کو چوتھی صدی میں لے چلیں۔ اس میں بھی آپ اہل حق کی یہی صدا سنیں گے کہ ایمان کی شرعی حقیقت ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی کل تعلیمات کو صدق دل سے قبول کیا جائے اور زبان سے اس کی شہادت دی جائے اور ان میں سے کسی کا انکار نہ کیا جائے۔

چوتھی صدی کے جلیل القدر امام حدیث وفقہ امام طحاوی (۳۲۱ھ) اپنی تالیف عقیدہ طحاویہ میں ایمان کی یہ تعریف کرتے ہیں: ''**الایمان ہو اقرار باللسان والتصدیق بالجنان وجمیع ما صح عن رسول اللہ ﷺ من الشرع والبیان کلّہ حق والایمان واحد واہلہ فی اصلہ سواء والتفاصیل بینہم بالنسبۃ والتقی ومخالفۃ الہویٰ وملازمۃ الاولیٰ**'' (العقیدۃ الطحاویہ ص۳۶ طبع کراچی)

(ترجمہ) ایمان زبان سے اقرار کرنے اور دل سے اس کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ شریعت کی ہر وہ چیز جو حضور ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہوئی اسے برحق ماننے کا نام ہے ایمان کی حقیقت ایک ہے اور اس کے ماننے والے اس کی حقیقت میں سب برابر ہیں ان میں فضیلت صرف نسبت تقویٰ خواہشات کی مخالفت اور اولیٰ کو لازم پکڑنے کی جہت سے ہے۔

''ونسمی اهل قبلتنا مسلمین مؤمنین ما داموا بما جاء به النبی ﷺ معترفین وله بکلّ ما قاله واخبر مصدقین'' (ایضاً ص۳۳)

(ترجمہ) اور ہم اپنے قبلہ کی طرف رخ کرنے والوں کا نام مسلم اور مومن رکھتے ہیں جب تک کہ وہ حضور ﷺ کی لائی ہوئی ہر بات کا اعتراف کریں اور حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ کہا یا کیا اس سب کی تصدیق کریں۔

آیئے اب ہم آپ کو اسلام کی پانچویں صدی میں لے چلیں۔ علامہ ابن حزم (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں: ''والیقین لایتفاضل لکن ان دخل فیه شئی من شک او حجد بطل کلّه'' (المحلّی ج۱ ص۶۲ شامله)

(ترجمہ) ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی اگر اس میں کچھ بھی شک واقع ہو یا کچھ کا انکار ہو تو سارے کا سارا دین جاتا رہے گا۔

''لااله الا الله محمد رسول الله کل ما جاء به حق وکل دین سواه باطل'' (ایضاً ص۴۷ شامله)

(ترجمہ) حضور ﷺ جو بات بھی لے کر آئے وہ سب حق ہے اور آپ کے اس دین کے سوا جو بھی ادیان ہیں سب باطل ہیں۔

ایمان کے لئے آپ نے بھی کل تعلیمات رسالت کی تصدیق ضروری قرار دی ہے اور اس کے لئے ''حدیث: یؤمنوا بی وبما جئت به'' کو ماخذ ٹھہرایا ہے۔ (دیکھئے ص۱۱۴)

یہ پانچویں صدی کی صدا بھی آپ نے سن لی کہ ایمان ہوگا تو پورا ہوگا، نہیں تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ کسی بات کا بھی انکار ہو تو یہ آپ ﷺ کے کل دین کا انکار ہی شمار کیا جائے گا۔

ذرا آگے چلئے پانچویں صدی کے نصف آخر میں جس عظیم اسلامی شخصیت نے پوری دنیا کو اپنے علم وفکر سے متاثر کیا انہوں نے بھی ایمان کی یہی تعریف کی کہ وہ صرف ظاہراً کلمہ پڑھنے کا نام نہیں، نہ اس سے مراد فقط تصدیق رسالت ہے۔ بلکہ اس میں آنحضرت ﷺ کی ایک ایک بات جو آپ سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوئی کہ تصدیق ضروری ہے۔ نصوص اسلام کو ان کے اصل معنی ومفہوم سے ہٹانا اور کسی دوسرے معنی پر لانا الحاد وزندقہ ہے جس سے اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ یہ عظیم شخصیت حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) ہیں۔ آپ نے اس پر ایک نہایت مفید کتاب ''التفرقه بین الاسلام

والزندقه‘‘ لکھی ہے۔ آپ اس میں ایمان اور کفر میں یہ حد فاصل بیان کرتے ہیں۔

’’الکفر هو تکذیب الرسول ﷺ فی شئی مما جاء به والایمان هو التصدیق فی جمیع ما جاء به‘‘ (التفرقه بین الاسلام والزندقه ص ۱۳۴)

(ترجمہ) کفر حضور ﷺ کی لائی ہوئی ایک بات کے انکار سے بھی لازم آجاتا ہے (یہ گو آپ کی کل رسالت کا انکار نہیں مگر اس سے تکذیب رسول ضرور واقع ہو جاتی ہے) اور ایمان آپ ﷺ کی ہر اس بات کی (عنواناً اور معناً) تصدیق ہے جو آپ اللہ رب العزت سے لے کر آئے۔

امام بغوی الشافعی (۵۱۱ھ) بھی اس دور کے حدیث وفقہ کے نامور عالم گزرے ہیں۔ آپ نے معالم التنزیل کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر لکھی ہے۔ اس میں مختلف آیات کے تحت آپ نے ایمان کی اسی تعریف کی تصدیق کی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات کو حق ماننا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں ہے: ’’یقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولٰئک هم الکافرون حقاً‘‘ (النساء:۱۵۰،۱۵۱)

(ترجمہ) وہ جو کہتے ہیں ہم بعض حصہ دین کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے وہ چاہتے ہیں کہ ان دونوں میں کوئی تیسری راہ نکالیں ایسے لوگ پورے کافر ہیں۔

امام بغوی ’’اولٰئک هم الکافرون حقّا‘‘ پر لکھتے ہیں: ’’حقق کفرهم لیعلم ان الکفر ببعضهم کالکفر بجمیعهم‘‘ (معالم التنزیل ج۱ ص۴۹۷، النساء:۱۵۵)

(ترجمہ) ان کو پورے کافر کہا ان کا کفر واقع بتلایا تاکہ جانا جائے کہ بعض امور دین کا انکار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ کل دین کا انکار کرنے والا۔

قرآن کریم میں سورۃ محمد میں ہے: ’’والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات واٰمنوا بما نزّل علٰی محمد وهو الحق من ربهم کفّر عنهم سیاٰتهم واصلح بالهم‘‘ (محمد:۲)

(ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور ایمان لائے ہر اس بات پر جو حضور ﷺ پر اتاری گئی اور وہی سچا دین ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی سب برائیاں اتار دیں اور ان کا حال اچھا کر دیا۔

امام بغوی ''اٰمنو بما نزّل علٰی محمد'' پر لکھتے ہیں: ''قال سفیان الثوری یعنی لم یخالفوہ فی شئی'' (معالم التنزیل ج۴ ص۱۷۷، محمد:۱)

(ترجمہ) وہ کسی ایک بات میں بھی حضور ﷺ کے خلاف نہیں چلے۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہے کہ آپ کی کل باتوں کو حق تسلیم کیا جائے۔ ایمان اور اسلام میں مختلف پہلوؤں سے کتنے ہی فرق کیوں نہ کئے جائیں۔ مآل کار بات یہی ہے کہ دین کی ایک ہی حقیقت ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی جملہ باتوں کو جو اجمال سے ملیں اجمالاً اور جو تفصیل سے ملیں انہیں تفصیلاً حق تسلیم کیا جائے۔

امام بغوی کہتے ہیں: ''بل ذالک تفصیل لجملة ھی کلھا واحد وجماعھا الذین ولذلک قال ذالک جبریل اتاکم لیعلّم دینکم''

(تفسیر بغوی ج۱ ص۸۳، البقرہ:۳)

اب اگلی صدی میں چلئے۔ چھٹی صدی کے نصف اوّل سے ہم قاضی عیاض (۵۴۴ھ) اور نصف ثانی سے امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) کی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

قاضی عیاض الشفاء میں لکھتے ہیں: ''ان یقصد الٰی تکذیبه علیه الصلوٰة والسلام فیما قاله او اتٰی به او ینفی نبوته او رسالته او وجوده او یکفر به انتقل بقوله ذالک الٰی دین آخر غیّر ملته ام لا فھذا کافر بالاجماع یجب قتله''

(الشفاء بتعریف المصطفیٰ ج۲ ص۵۱۱ شاملہ)

(ترجمہ) اگر کسی نے حضور اکرم ﷺ کی اس بات میں تکذیب کی جو آپ ﷺ نے کہی یا آپ ﷺ اسے لے کر آئے یا اس نے آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت یا آپ ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کا انکار کیا یا اس نے آپ ﷺ سے اظہار لاتعلقی کیا وہ اپنے اس کلمہ کفر سے دوسرے دین میں جالگا۔ وہ اپنی ملت بدلنے کا اقرار کرے یا نہ وہ بالاجماع کافر ہو چکا۔

وہ اپنی ملت بدلنے کا اقرار نہ کرے اس کی شرح میں حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''بان صار ملحداً زندیقاً او دھریاً او تناسخیاً''

(شرح الشفاء ج۲ ص۴۲۹ شاملہ)

معلوم ہوا کافر وہی نہیں جو کھلم کھلا اپنی ملت بدلے جو ملت نہ بدلے وہ بھی

حضور ﷺ کی لائی ہوئی کسی بات کے انکار سے کافر ہو جائے گا۔ ایسے کافر کو ملحد اور زندیق کہیں گے یا اسے دھریہ اور عقیدہ تناسخ کا قائل کہا جائے گا۔

حافظ ابن حجر بھی فتح الباری میں قاضی عیاض (۵۴۴ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ جو نماز اور زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ اصولاً ان سے انکار کرے وہ اسی طرح ہے جو توحید ورسالت دونوں سے منکر ہوا۔ آپ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث اس پر نص ہے کہ ان لوگوں سے اسی طرح جہاد فرض ہے جیسا کہ کلمہ اسلام سے انکار کرنے والوں سے۔

''قال عیاض حدیث ابن عمر نص فی قتال من لم یصل ولم یزک کمن لم یقر بالشهادتین'' (فتح الباری ج۱۲ص۳۴۴ باب قتل من ابی قبول الفرائض)

(ترجمہ) قاضی عیاض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت اس پر نص ہے کہ جو نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ نہ دے اسی طرح ہے جیسے وہ جو توحید ورسالت کی شہادتیں نہ دے یعنی اس سے اسی طرح جہاد لازم ہے جس طرح دوسرے کافروں سے جو مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلیں۔

چھٹی صدی کے نصف آخر میں امام فخرالدین رازی (۶۰۶ھ) سے بھی اس کی تصدیق حاصل کریں۔ آپ لکھتے ہیں: ''الکفر عدم تصدیق الرسول فی شئی مما علم بالضرورۃ مجیئه به'' (تفسیر کبیر ج۱ص۱۵۹، البقرہ:۶)

آیئے اب آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔ اسلام کی ہر دور میں یہی آواز رہی ہے کہ اسلام ہوگا تو پورا ہوگا۔ یہ نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی مدعی اسلام بعض امور دین کے انکار کے باوجود مسلم تسلیم کیا جائے۔ ایمان کی ایک بسیط حقیقت ہے۔ یہ اپنے اندر کوئی کمی بیشی اور تقسیم قبول نہیں کرتا کہ کوئی شخص اسی فیصد مسلم تسلیم کیا جائے اور اسے بیس فیصد کافر جانا جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

امام محی الدین النووی الشافعی (۶۷۶ھ) صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں: ''واعلم ان مذهب اهل الحق انه لا یکفر احد من اهل القبلة بذنب ولا یکفر اهل الاهواء والبدع وان من جحد ما یعلم من دین الاسلام ضرورۃ حکم بردته وکفره...... وکذا حکم من استحل الزنا والخمر اوالقتل او غیرذالک من المحرمات التی یعلم تحریمها ضرورۃ'' (شرح مسلم ج۱ص۲۶ باب بیان الایمان والاسلام)

(ترجمہ) اور مان لو مذہب اہل حق یہ ہے کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کی جائے اور نہ ہی اہل بدعت (اپنے اعمال بدعت کی وجہ سے) کافر قرار دیئے جائیں۔ ہاں! اگر کوئی دین اسلام کی کسی ایسی بات سے انکار کرے جس کا ضروریات دین میں سے ہونا معلوم ہوچکا تو پھر اس پر اس کے دعویٰ اسلام کے باوجود مرتد اور کافر ہونے کا حکم ہی کیا جائے گا اور اسی طرح اس شخص کو بھی کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا جو زنا یا شراب یا قتل کو اور محرمات سے نکاح کو جائز سمجھے۔ کیونکہ ان کا حرام ہونا (اس دین میں قطعی درجے میں) معلوم ہوچکا۔

سو جو نادان یہ سمجھتے ہیں کہ کلمہ گو کو یا قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھنے والے کو کسی طرح کافر نہ کہا جائے۔ ہرگز درست نہیں دین کی کسی ایک قطعی بات کا انکار بھی اسی طرح پورا کفر ہے جس طرح پورے دین کا انکار کفر ہے۔

اب اگلی صدی میں چلئے اس میں شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۴ھ) حافظ ابن کثیر (۷۷۶ھ) حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) اس صدی کے روشن چراغ مانے گئے ہیں۔ یہ حضرات بھی اسلام کی سابق صدیوں کی طرح ایمان کے اسی معنی ومفہوم پر متفق ہیں۔ جو پہلے سے سات صدیوں کی اجماعی علمی میراث ہے کہ اسلام ایک بسیط شئے ہے اور ایک ناقابل تجزی حقیقت ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’**وقد فهم علماء السلف الصالح** رضی اللہ عنہم **شبهات المخالفين فى الايمان من قبل وعرفوا اصولهم الفاسدة وعلموا انّ الايمان عندهم شئى واحدلا اكثر لايتجزأ اما ان يذهب كلّه واما ان يبقى كلّه**‘‘ (شرح حدیث جبریل للحافظ ابن تیمیہ ص۱۰۰ طبع دار ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ)

(ترجمہ) اور علماء سلف صالحین پہلے بھی ایمان کے باب میں دوسرے فرقوں کے شبہات کو سمجھ گئے تھے اور وہ ان کے اصول فاسدہ سے واقف تھے وہ یہ بات جانے ہوئے تھے کہ ایمان ایک چیز ہے جس کی آگے تقسیم نہیں ہوسکتی۔ یہ جائے گا تو پورا جائے گا اور رہے گا تو پورا رہے گا۔

حدیث وتفسیر کے جلیل القدر امام حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) بھی یہی کہتے ہیں:

’’**من كفر بنبى من الانبياء فقد كفر بسائر الانبياء**‘‘ (تفسیر ابن کثیر، النساء:۱۵۲)

(ترجمہ) جس نے انبیاء میں سے کسی ایک نبی کا بھی انکار کیا اس نے سب نبیوں کا انکار کیا۔

یعنی یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے صرف ایک نبی کا انکار کیا ہے ایک نبی کے انکار سے وہ پورے اسلام سے نکل آیا ہے۔

آنحضرتﷺ اللہ رب العزت سے جو کچھ لے کر آئے ہیں۔ اس پورے دین کو قبول کئے اور آپﷺ کی دین کے نام پر کہی گئی ہر ہر بات کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا۔ آپ ''والذین یؤمنون بما انزل الیک'' کے تحت لکھتے ہیں: ''ای یصدقون بما جئت من اللہ'' (تفسیر ابن کثیر کامل ص۳۹، البقرہ:۴)

(ترجمہ) یعنی وہ ہر اس بات کو سچا مانتے ہیں جو آپﷺ اللہ سے لے کر آئے ہیں۔

آیت: ''فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم'' (النساء:۶۵) کے تحت لکھتے ہیں: ''لا یؤمن احد حتی یحکم الرسول فی جمیع الامور فیما حکم بہ فھو الحق الذی یجب الانقیاد لہ ظاھراً وباطناً''

(ایضاً ص۳۳۹، النساء:۶۵)

(ترجمہ) کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ آپﷺ کو آپﷺ کے جملہ امور میں حکم نہ مانے حق وہی ہے جس کے لئے اس کا ظاہری اور باطنی انقیاد (جھکاؤ) چاہئے۔

''من لم یتحاکم فی مجال النزاع الی الکتاب والسنۃ ولا یرجع الیہما فی ذالک فلیس مؤمنا باللہ ولا بالیوم الآخر'' (ص۳۳۹، النساء:۵۹)

(ترجمہ) جو شخص کسی محل اختلاف میں کتاب وسنت کو حکم نہیں مانتا اور نہ ان کی طرف مراجعت کرتا ہے وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والا نہیں جانا جاسکتا۔

اب آپ خود فرمائیں اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کا کھلے بندوں کا انکار کرنے والا اور اسے اپنے اختراعی معنی پہنانے والا کوئی شخص کسی طرح مسلمان سمجھا جاسکتا ہے۔ دین کے قطعی مسائل کبھی تاویل کی بھینٹ نہیں چڑھائے جاتے۔ اسلام میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں کہ ختم نبوت جیسی ضرورت دین کے معنی اس طرح بدلے جاسکیں۔ نصوص قطعیہ میں کسی تاویل کو راہ نہیں دی جاسکتی۔ مرزا غلام احمد نے بھی ختم نبوت کے یہ نئے معنی کسی پہلے بزرگ سے نہیں لئے۔ بلکہ اس کا مأخذ اس کے اپنے بیان کے مطابق اس کی اپنی آسمانی وحی تھی جس نے

اسے ختم نبوت کے پہلے قطعی معنی پر نہ رہنے دیا۔ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ مرزاغلام احمد نے اپنی وحی سے مجبور ہوکر ختم نبوت کے یہ نئے معنی اختیار کئے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے ایمان کے یہ معنی کن قدماء سے لئے ان میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اوران کے شاگرد امام مجاہد (۱۰۰ھ) سرفہرست ہیں۔

''قال ابن عباس والذین یؤمنون بما انزل الیک...... ای یصدقون بما جئت به من الله'' (تفسیر ابن کثیر ص۳۹، البقرہ:۴)

''قال مجاهد وغیرواحد من السلف ای الیٰ کتاب الله وسنة رسوله وهٰذا امر من الله عزوجل بان کل شئی تنازع الناس فیه من اصول الدین وفروعه ان یرد التنازع فی ذالک الی الکتاب والسنة'' (ایضاً ص۳۲۸، النساء:۵۹)

آیئے! اب نویں صدی میں چلیں اس میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) اور حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) جیسے حفّاظ حدیث اور ائمہ اصول گزرے ہیں، ان سب کے ہاں ایمان کا معنی ہمیشہ سے یہی مسلم رہا کہ اس سے مراد حضوراکرم ﷺ کی جملہ تعلیمات کو دل سے سچا ماننا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا ہے اوران میں سے کسی ایک کا انکار بھی اسے پورے اسلام سے نکال دیتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) حضرت امام مالک کے مؤقف کو جسے ہم پیچھے ائمہ اربعہ کے فیصلوں میں ذکر آئے ہیں۔ اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قال مالک فی المؤطا الامر عندنا فیمن منع فریضة من فرائض الله تعالیٰ فلم یستطع المسلمون اخذها منه کان حقا علیهم جهاده وقال ابن بطال (۴۴۹هجری) مراده اذا اقر بوجوبها لاخلاف فی ذالک''

(فتح الباری ج۱۲ص۳۴۲ باب قتل من ابی قبول الفرائض)

اور پھر عبدالرحمٰن بن یعقوب کی روایت سے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ عموم شریعت پر ایمان لازم ہونے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

''لفظ یعم جمیع الشریعة حیث قال فیها ویؤمنوا بی وبما جئت به فان مقتضی ذالک ان من جحد شیئا مما جاء به ﷺ دعی الیه فامتنع ونصب القتال انه یجب قتاله وقتله اذا اصرّ'' (ایضاً ص۳۴۳ باب ایضاً)

(ترجمہ) یہ لفظ پوری شریعت کو حاوی ہے جب آپ ﷺ نے اس میں کہا کہ وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جو میں خدا سے لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لائیں اس کا مقتضاء یہی ہے کہ جس شخص نے کسی ایک چیز کا بھی انکار کیا جو آپ ﷺ اللہ سے لے کر آئے اور آپ ﷺ نے اس کی طرف دعوت دی وہ اس سے رکا رہا اور مقابلے پر آ گیا تو اس سے قتال لازم ہوگا وہ اس پر اڑا رہے تو اسے قتل کرنے کا حکم ہے۔

حافظ ابن حجر ایمان کی اس حقیقت شرعیہ پر پوری امت کا اجماع اس طرح نقل کرتے ہیں: ’’**واستقر الاجماع علیه فی حق من جحد شئیاً من الفرائض بشبهة فیطالب بالرجوع ......فان رجع والاعومل معاملة الکافر حینئذ**‘‘

(ایضاً ص۳۴۶ باب اذا عرض الذمی وغیرہ)

(ترجمہ) اور اس پر اجماع ہو چکا کہ جو شخص شعائر دینیہ میں سے کسی کا کسی شبہ کی بناء پر انکار کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر وہ حق کی طرف لوٹ آئے تو خیر ہے ورنہ پھر اس سے کافر کا ہی معاملہ کیا جائے گا۔

علامہ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) بھی اس پر علماء کا اجماع نقل کرتے ہیں:

’’**اجمع العلماء علیٰ ان من نصب الحرب فی منع فریضة او منع حقاً یجب علیه لآدمی وجب قتاله فان ابی القتل علیٰ نفسه فدمه هدر واما الصلوٰة فمذهب الجماعة ان من ترکها جاحداً فهو مرتد فیستاب فان تاب والاقتل وکذالک جحد سائر الفرائض**‘‘

(عمدۃ القاری ج۳۲ ص۸۱ باب قتل من ابیٰ قبول الفرائض)

(ترجمہ) تمام علماء اس پر اجماع کر چکے کہ جو شخص دین کی کسی ضروری بات کے انکار پر جنگ اختیار کرے یا اس پر کسی آدمی کا کوئی حق واجب الادا ہو تو اس سے جنگ کرنا ضروری ہوگا پھر بھی وہ نہ جھکے تو اس کا خون مباح ہوگا نماز کے بارے میں بھی ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جو اس کا ڈٹ کر انکار کرے وہ مرتد ہے۔ اسے توبہ کی طرف بلایا جائے توبہ نہ کرے تو اسے قتل کی سزا دی جائے۔ اسی طرح اس کا معاملہ ہے جو کسی بھی ضروری بات کا کھلے طور پر انکار کرے۔

اور آپ پہلے یہ بھی لکھ آئے ہیں: ’’**هو مذهب المحققین والیه ذهب الاشعری واکثر الائمة کالقاضی عبدالجبار والاستاذ ابی اسحاق**

الاسفرائنی والحسین بن فضل وغیرهم انه مجرد التصدیق بالقلب ای تصدیق الرسول علیہ السلام فی کل ما علم مجئیه به بالضرورة تصدیقاً جازماً مطلقاً'' (عمدۃ القاری ج۱ص۱۰۲ باب الایمان وقول النبی ﷺ)

(ترجمہ) محققین کا یہی موقف ہے امام ابوالحسن الاشعری اور دوسرے ائمہ جیسے قاضی عبدالجبار استاد ابواسحق اسفرائنی اور حسین بن فضل اور کئی اور یہی کہتے ہیں کہ ایمان دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے یعنی حضور اکرم ﷺ جو دین اللہ سے لے کر آئے اس کی ایک ایک بات کی دل سے پختہ تصدیق کی جائے۔

حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں: ''الاتفاق علیٰ ان ما کان من اصول الدین وضروریاته یکفر ان خالف فیه'' (مسائرہ ج۲ص۲۱۲)

علامہ کمال بن ابی شریف (۹۰۵ھ) حافظ ابن ہمام سے ایمان کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایمان لانے والا اس طرح ایمان لائے۔

''اٰمنت بالرسول ای بأنه مبعوث من اللّٰه صادق فیما اخبر به واٰمنت بالملائکة ای بانهم عباداللّٰه المکرمون المعصومون واٰمنت بکتب اللّٰه ای بانها منزلة من عنده...... ای قبول القلب واذعانه لم علم بالضرورة انه من دین محمد ﷺ بحیث تعلمه العامه من غیرافتقار الیٰ نظر ولا استدلال کالوحدانیةوالنبوة والبعث والجزاء ووجوب الصلوٰة والزکوٰة وحرمةالخمر ونحوها ویکفی الاجمال فیما یلاحظ اجمالاً...... ویشترط التفصیل فیما یلاحظ تفصیلاً'' (مسامرہ فی شرح مسائرہ ج۲ص۴۷ اطبع المکتبۃ الازہر للتراث)

آگے بھی آپ جگہ جگہ ''یؤمنوا بی وما جئت به'' سے آپ ﷺ کی رسالت اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر ایمان لانا ضروری بتلاتے ہیں۔

اب دسویں صدی میں چلیں حافظ جلال الدین السیوطی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: جو شخص تمام امور دین کو مانتا ہو مگر قیامت سے پہلے نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا منکر ہو گو اس نے کل اسلام کا انکار نہیں کیا۔ لیکن بعض حصہ اسلام کا انکار ضرور کیا ہے۔ امام سیوطی لکھتے ہیں۔ وہ پورا کافر قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے ایک ایسی بات سے انکار کیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے پورے یقین و تواتر سے منقول ہے۔

امام سیوطی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ’’اما نفی نزول عیسٰی بن مریم او نفی النبوۃ و کلاھما کفر‘‘ (الحاوی ج۱ ص۱۴۳ باب الاعلام بحکم عیسٰی علیہ السلام)

(ترجمہ) حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کے دنیا میں دوبارہ آنے کا انکار یا ان کی نبوت کا انکار (گو وہ آپ کے نزول فرمانے پر عملاً نافذ نہ ہو) دونوں کفر ہیں۔

معلوم ہوا اسلام کی متواتر طور سے ثابت ہونے والی ایک بات کا انکار اور کل امور اسلام کا انکار دونوں برابر ہیں۔ ایمان اپنے اندر کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ یہ ایک بسیط حقیقت ہے جس کی تجزی نہیں ہوسکتی۔ ہوگا تو پورا ہوگا اور نہ ہوتو کچھ بھی نہ ہوگا اس قاعدہ سے نزول عیسٰی بن مریم علیہما السلام کے اس معنی سے انکار جو امت آج تک لئے آرہی ہے کفر ہے۔

آیئے! اب ذرا آگے چلیں فخرالمحدثین والمتکلمین امام ملّا علی القاری (۱۰۱۴ھ) ایمان کی شرعی حقیقت اس طرح لکھتے ہیں: ’’انّ الایمان ھو تصدیق النبی ﷺ بالقلب فی جمیع ما علم بالضرورۃ مجئیہ بہ من عنداللہ اجمالاً...... ان الاولٰی ان لو حظ اجمالاً وتفصیلاً ان لو حظ تفصیلاً فانہ یشترط التفصیل فیما لو حظ تفصیلاً حتی لولم یصدق بوجوب الصلٰوۃ وحرمۃ الخمر عندالسوال کان کافراً‘‘ (شرح فقہ اکبر ص۱۰۴ طبع دہلی)

(ترجمہ) ایمان نبی اکرم ﷺ کی ان تمام باتوں میں دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے جو آپ ﷺ اللہ سے لے کر آئے اور ان کا آپ ﷺ کے دین سے ہونا ضروری درجے میں جانا گیا۔ ان پر ایمان مجمل چاہئے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اس دین میں جہاں اجمال ہے۔ وہاں تو ایمان مجمل ہو اور جہاں تفصیل موجود ہے وہاں اس پر ایمان بھی بالتفصیل ہو۔ یہاں تک کہ جو شخص نماز کو فرض نہ جانے اور پوچھنے پر شراب کو حرام نہ کہے وہ کافر سمجھا جائے۔

پھر آگے لکھتے ہیں: ’’ثم المراد من المعلوم ضرورۃ کونہ من الدین بحیث یعلمہ العامۃ من غیر افتقار الٰی النظر والاستدلال کوحدۃ الصانع ووجوب الصلٰوۃ وحرمۃ الخمر ونحوھا وانما قیّد بھا لان منکر الاجتھادیات لایکفر اجماعاً وامّا من یاوّل النصوص الواردۃ فی حشر الاجساد وحدوث العالم وعلم الباری بالجزئیات فانہ یکفر لما علم قطعاً من الدین انھا علٰی ظواھرھا‘‘ (ایضاً)

(ترجمہ) ان امور کا دین میں سے ہونا ضروری طور پر معلوم ہو اس سے مراد یہ ہے کہ عامۃ الناس اسے دین محمدی کی بات سمجھتے ہوں اور اس میں وہ نظر واستدلال کے محتاج نہ ہوں۔ جیسے عقیدہ توحید، نماز کی فرضیت، شراب کی حرمت اور ان جیسی اور دین کی ضروری باتیں، یہ ان کے ضروری درجے میں ہونے کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ اجتہادی امور کا منکر اجماعاً کافر نہیں قرار دیا جاتا۔ ہاں جو قطعی نصوص (ضروریات دین) کا انکار کرے جیسے حشر اجساد، عالم کا حادث ہونا، اللہ کا علم تمام جزئیات کو محیط ہے سو ان جیسے امور کا منکر کافر ٹھہرایا جائے۔ کیونکہ یہ بات دین میں اچھی طرح مانی جاچکی ہے کہ نصوص اپنے ظواہر پر ہیں۔

یہ اسلام کے پہلے ہزار سال کی شہادت آپ کے سامنے آچکی۔ اب آیئے آگے چلیں۔ اس دور کے ابن نجیم (۹۷۰ھ) علامہ شعرانی (۹۷۳ھ) علامہ ابن حجر مکی (۹۷۲ھ) ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) یہ سب جہابذہ اسلام یہی کہتے آئے ہیں۔ اب اسلام کے دوسرے ہزار سال کے مجدد امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۴ھ) سے بھی سنیں کہ ایمان کی شرعی حقیقت بس یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کو ایک ایک بات میں حق اور سچ جانیں اور مانیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: ''نمے دانند کہ مجرد تفوہ بکلمہ شہادت در اسلام کافی نیست تصدیق جمیع ما علم مجیئہ من الدین بالضرور باید''

(مکتوبات شریف ج۱ ص۷۸ ۴طبع ترکی)

(ترجمہ) کیا یہ نہیں جانتے کہ اسلام میں صرف زبان سے کلمہ شہادت کہہ دینا مسلمان ہونے کے لئے کافی نہیں۔ آنحضرت ﷺ جو دین اللہ سے لے کر آئے ہیں۔ ان تمام امور کی ضروری طور پر تصدیق چاہئے۔

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں: ''ایمان عبارت است از تصدیق قلبی آں چہ از دین بطریق ضرورۃ وتواتر بمارسیدہ...... وعلامات ایں تصدیق تبری است از کفر وبیزاری از کافری وآں چہ در کافریست از خصائص ولوازم آں...... وایں جا صادق است...... حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ الصلوٰۃ والسلام قال اللہ تعالیٰ ''قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین اٰمنوا معہ اذ قالوا لقومھم انّا برءٰؤ منکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم''

(مکتوبات شریف ج۱ مکتوب نمبر۲۶۶ ص۴۸۱،۴۸۲)

(ترجمہ) ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے، یہ اس بات کی تصدیق ہے کہ جو دین ہم تک بہ قطع وتواتر پہنچا ہے اسے حق اور سچ مانا جائے۔ اس تصدیق قلبی کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ دل میں کفر سے بیزاری پائی جائے اور کفر کے جملہ خصائص ولوازم سے دوری پائی جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات یہاں صادق آتی ہے۔ جب انہوں نے اور ان کے صحابہ نے اپنی قوم کو صاف کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جن کی تم پوجا کرتے ہو لاتعلق ہیں اور تم سے ہم بالکل علیحدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کہا ہے کہ تمہارے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے کردار میں ایک کامل نمونہ موجود ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کو کہا تھا ہم تم سے اور جن کی تم عبادت کرتے ہو بالکل لاتعلق ہیں۔

اس صدی کے ایک اور بڑے بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۴ھ) گزرے ہیں۔ ان کی تالیف اشعۃ اللمعات، لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، مدارج النبوۃ وغیرہ میں بھی آپ کو ایمان کی یہی تعریف ملے گی کہ ایمان اسی چیز کا نام ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات کو ان کے اسی معنی میں جس میں کہ وہ امت میں تسلیم کی گئیں حق مانے اور جو شخص ضروریات دین میں سے کسی ایک امر کا انکار کرے جس کا دین سے ہونا قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہو چکا تو وہ شخص قطعاً دائرہ ایمان اور زمرہ اہل اسلام سے خارج ہے۔ اس صدی کے مشہور محقق شہاب الدین احمد الخفاجی المصری (۱۰۶۹ھ) بھی لکھتے ہیں: ''**من شک فی حرف مما جاء به النبی ﷺ عن اللہ ای فی شئی مما اوحی به الیه فهو کافر جاحد لشکّه فی الوحی المتواتر والجحد الانکار لمایعلمه عناداً وعتواً**'' (نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض ج۴ص۳۹۳)

حضرت قاضی ابوالبقاء (۱۰۹۴ھ) بھی اسی صدی کے ایک بزرگ نامور عالم تھے۔ آپ لکھتے ہیں: ''**لانزاع فی اکفار منکر شئی من ضروریات الدین**''

(کلیات ابی البقاء ص۳۰۶ فصل فی الکاف)

اسلام کی گیارہ صدیوں میں سے کسی مقتدر ثقہ عالم دین سے اس قاعدہ کلیہ کا انکار نہ ملے گا۔

آیئے! اب ہم آپ کو بارہویں صدی میں لے چلیں۔ بارہویں صدی کے متفق علیہ مجدد حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قطعیات

اسلام کا عنواناً انکار نہ بھی کرے لیکن ان کے اس معنی ومفہوم کا منکر ہو جو امت محمدی ان سے مراد لیتی اور سمجھتی آئی ہے تو وہ اسلام میں زندقہ کا مرتکب ہے اور اسلام سے خارج ہے۔ آپ نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں۔ ایک مثال آپ نے یہ دی ہے کہ کوئی شخص ختم نبوت کے بارہ سو سال کے مسلم معنی ومفہوم کا انکار کرے ختم نبوت کا لفظاً انکار نہ کرے لیکن اسے کوئی دوسرے معنی پہنائے جس میں پہلے امت کے پہلے اجماعی طور پر اختیار کئے گئے معنی کا انکار ہو تو وہ شخص زندیق ہے۔ اسلامی عدالت میں اس کو سزائے موت دی جائے گی۔

آپ لکھتے ہیں: ''**او قال انّ النّبی ﷺ خاتم النبوۃ ولٰکن معنی ھٰذالکلام انه لا یجوز ان یسمی بعدہ احد بالنبی واما معنی النبوۃ...... فھو موجود فی الائمة بعدہ فذالک ھوالزندیق وقد اتفق جماھیر المتاخرین من الحنفیة والشافعیة علی قتل من یجری ھذہ المجریٰ**''

(المسویٰ عربی شرح مؤطاج۲ص۲۹۲،۲۹۳باب حکم الخوارج والقدریة)

(ترجمہ) کوئی کہے کہ نبی ﷺ خاتم النّبیین ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی شخص نبی کے عنوان سے موسوم نہ ہوگا لیکن نبوت کا معنی ومفہوم یہ آپ کے بعد ائمہ کرام میں موجود پایا جائے گا۔ سو ایسا عقیدہ رکھنے والا (گو اپنے آپ کو مسلمان کہے) زندیق ہے اور حنفیہ اور شافعیہ کے جمہور علمائے متأخرین اس پر سزائے موت کا حکم دیتے ہیں۔

اس صدی کے دوسرے علماء شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) شارح مؤطا علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) بھی ایمان کی شرعی حقیقت یہی سمجھتے ہیں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے پورے دین کو حق سمجھنا ضروری ہے اور اس کی کسی ایک بات کا انکار بھی (جو آپ سے قطع وتواتر سے منقول ہو) کفر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے جانشین خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) اس مبتدع کے بارے میں جو قرآن وحدیث کے کوئی ایسے معنی بیان کرے جو قرن اوّل کے خلاف ہوں تو آپ اس کا یہ حکم لکھتے ہیں: ''اگر مخالف ادّلہ قطعیہ است یعنی نصوص متواترہ واجماع قطعی اورا کافر باید شمرد۔'' (فتاویٰ عزیزی ج۱ص۱۵۶طبع ۱۳۱۱ھ)

(ترجمہ) اگر بدعتی ایسی بات کہے جو ادّلہ قطعیہ نصوص متواترہ اور اجماع کے خلاف ہو تو اسے کافر سمجھا جائے۔ (اب وہ صرف بدعتی نہیں)

علامہ ابن عابدین الشامی (۱۲۵۲ھ) بھی اسی صدی کے مشہور فقیہ ہیں آپ لکھتے ہیں: ’’**لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام...... وان کان من اهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات کما فی شرح التحریر**‘‘
(ردالمختار ج۱ ص۳۷۷ باب الامامہ)

علامہ محمود آلوسی ﷫ (۱۲۹۱ھ) بھی اسی صدی کے ہیں انہوں نے بھی (روح المعانی ج۱ ص۱۱۰) میں یہی بات کہی ہے۔ آیئے! اب چودہویں صدی کو بھی ان تیرہ صدیوں سے متصل کریں۔ صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں ہے: ’’**واما فی الشرع هو التصدیق بما علم مجیئی النبی ﷺ به ضرورة تفصیلاً فیما علم تفصیلاً واجمالاً فیما علم اجمالاً وهذا مذهب جمهور المحققین**‘‘ (فتح الملہم ج۱ ص۱۵۲ طبع رشیدیہ کراچی)

(ترجمہ) شریعت میں ایمان سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہر بات کی تصدیق کی جائے جو آپ اللہ سے لے کر آئے ہیں اور وہ بات ضروری طور پر دین سمجھی گئی ہو۔ تفصیلی تصدیق جہاں تفصیل وارد ہوئی اور اجمالی تصدیق جہاں اجمال رکھا گیا۔

حجۃ الاسلام حضرت علامہ انورشاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) فرماتے ہیں: ’’**وان اعترف به ظاهراً او باطناً لکنه یفسر بعض ما ثبت بالدین ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجمعت علیه الامة فهو الزندیق کما اذا اعترف بان القرآن حق ومافیه من ذکر الجنة والنار حق لکن المراد بالجنة الابتهاج الذی یحصل بسبب الملکات المحمودة والمراد بالنار هی الندامة التی یحصل بسبب الملکات المذمومة ولیس فی الخارج جنة ولا نار**‘‘ (فیض الباری ج۱ ص۷۱ حاشیہ طبع مصر)

(ترجمہ) اگر کوئی شخص دین اسلام کا ظاہر و باطن سے کھلا اعتراف بھی کرے لیکن دین کی ان باتوں کو جو اس میں ضروری درجے میں معلوم ہوچکیں۔ ایسی تشریح کرے جو صحابہ ﷡ اور تابعین عظام کی تشریح کے اور امت کے اجماعی مؤقف کے خلاف ہو تو وہ زندیق ہے۔ جیسے کہ وہ کہے قرآن بے شک حق ہے اور اس میں جو جنت اور جہنم کا بیان ہے وہ بھی حق ہے لیکن جنت سے مراد وہ خوشی ہے جو انسان کو اپنے اچھے کاموں سے ہوتی ہے اور

جہنم سے مراد وہ ندامت ہے جو اسے اپنے برے کاموں سے ہوتی ہے۔ انسانوں سے باہر خارجی طور پر جنت اور جہنم کا کوئی وجود نہیں ہے۔

جنت اور جہنم کا جو تصور قرآن کریم سے ملتا ہے یہ تاویلات باطلہ سب اس کے خلاف ہیں۔ سو اس طرح کے اعتقاد سے حضور ﷺ کی رسالت کی تصدیق قلبی اسے کوئی فائدہ نہ دے سے گی۔ وہ ضروریات دین کے اس انکار سے یا ان کے اس مفہوم سے جو پوری امت میں مجمع علیہ چلا آرہا ہے، زندیق ہو چکا اور یہ کافروں کی ایک بہت بری قسم ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں (بغیر کسی عذر اکراہ کے) محض تصدیق قلبی کافی نہیں اس کے ساتھ اقرار لسانی بھی ضروری ہے اور وہ یہی ہے کہ دین اسلام میں جو چیز اجمال سے معلوم ہوئی، اس پر اجمالی ایمان ہو اور چیز تفصیل سے معلوم ہوئی، اس پر تفصیلی ایمان ہو۔ پھر زبان کی کچھ ایسی بے پروائیاں بھی ہیں جن سے دین اسلام کا زبانی اقرار بے معنی ہو جاتا ہے۔ ایمان کی شرعی حقیقت تصدیق قلبی کے ساتھ اقرار باللسان کے بغیر قائم نہیں ہوتی۔

شیعہ کے ہاں بھی ایمان کی شرعی حقیقت یہی تسلیم کی گئی ہے

شیعوں کے مسلمانوں سے کتنے اصولی اختلافات ہیں مگر ایمان شرعی کی حقیقت ان کے ہاں بھی یہی تسلیم کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ جو دین اللہ سے لے کر آئے وہ پورے کا پورا حق ہے۔ ملا محمد باقر مجلسی نے گو اثنا عشریوں کو ہم سے پورا الگ کر رکھا ہے لیکن یہ لوگ جن بارہ اماموں کی نسبت سے امامی کہلاتے ہیں وہ سب ایمان کی حقیقت شرعی وہی بیان کرتے ہیں جو جمہور اہل سنت بیان کرتے آئے ہیں۔ ان بارہ اماموں میں ان کے ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظم ہیں۔ علامہ کلینی (۳۲۸ھ) نے اصولی کافی میں امام موسیٰ کاظم کی ایمان کی شہادت ان کی وصیت سے اس طرح نقل کی ہے۔

’’انہ یشھدان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیہ وان اللہ یبعث من فی القبوروان البعث بعد الموت حق وان الوعد حق وانّ الحساب حق والقضاء حق وان الوقوف بین یدی اللہ حق وان ماجاء بہ محمد ﷺ حق وان ما انزل بروح

الامین حق علیٰ ذالک احیّ وعلیہ اموت وعلیہ ابعث ان شاء اللہ واشہدھم ان ہذہ وصیتی بخطی وقد نسخت وصیۃ جدی امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ووصیۃ محمد بن علی قبل ذالک نسختہا حرفاً بحرف ووصیۃ جعفر بن محمد علیٰ مثل ذالک''

(اصول کافی ج۱ ص۳۱۶ کتاب الحجۃ الصافی باب الاشارۃ والنص علیٰ ابی الحسن، طبع تہران بازار سلطانی)

(ترجمہ) آپ شہادت دیتے ہیں کہ ایک اللہ ہی عبادت کے لائق ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ قیامت آ کر رہے گی اس میں کوئی شک نہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں جو قبروں میں ہیں اس دن اٹھائے گا اور موت کے بعد پھر سے جی اٹھنا حق ہے۔ اعمال کا حساب حق ہے، قضا حق ہے، اللہ کے حضور حاضری حق ہے اور حضور اکرم ﷺ جو دین بھی اللہ سے لے کر آئے اس سب کا ماننا حق ہے۔ روح الامین حضرت جبریل جو وحی بھی لے کر آئے سب برحق ہے۔ میں اس پر زندہ رہوں اور میری اس پر موت آئے اور اسی پر میں اٹھایا جاؤں اور میں ان سب کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ میری تحریری وصیت ہے اور میں نے اپنے جد اعلیٰ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت بھی لکھی اور حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق کی وصیت اس سے پہلے حرف بحرف لکھ دی ہے۔ اس میں یہ الفاظ: ''ان ماجاء بہ محمد ﷺ حق'' وہی ہیں جن پر پوری امت شروع سے متفق چلی آئی ہے اور اسلام میں ایمان کی شرعی حقیقت یہی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم کے عہد تک ان حلقوں میں عقیدہ امامت نے کوئی راہ نہ پائی تھی ورنہ آپ مقام ذکر میں اسے ضرور بیان کرتے۔ مقام ذکر میں عدم ذکر، ذکر عدم سمجھا جاتا ہے۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ بسلسلہ قران یہاں صرف اسی ترتیب کی تصدیق ہے جس سے اسے حضرت روح الامین لائے۔ یہ اس ترتیب کی تصدیق نہیں جس سے اسے حضور اکرم ﷺ نے لکھوایا اور نمازوں میں پڑھا اور حضور ﷺ کے بعد اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک کتابی صورت دی۔

یہ اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ اہل بیت نے قرآن کریم کو اسی ترتیب میں کلام الٰہی مانا ہے جس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک کتاب کی شکل پائی تھی۔

قرآن پاک میں ایمان کا لفظ مختلف موارد میں

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

بعض ملحدین بلا قاعدہ کتاب وسنت اپنے آپ کو مسلمانوں کی صفوں میں بٹھانے کی سعی کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود کفر الحاد سے اس صف کو چھوڑ گئے تھے۔ معلوم نہیں انہیں اس دھوکہ دہی میں کیا مزہ ملتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے نہیں رکتے جو لوگ اپنے نظریات میں مخلص ہوں وہ کبھی مغالطوں کے جال نہیں بنتے۔ مغالطہ سیاسی لوگ دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے سامنے اپنی چند اغراض ہوتی ہیں۔ دین کسی کا غلط بھی ہو تو بھی وہ اس میں مخلص ہوسکتا ہے وہ مغالطے نہیں دیتا۔ قادیانی بلاقواعد اسلام اپنے آپ کو مسلمانوں کی صف میں لانے کی سعی کرتے ہیں اور عام لوگوں کو مغالطہ دینے کے لئے قرآن کریم کی بعض آیات بلا موقعہ ومحل استعمال کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کریم سے لفظ ایمان کے چند مختلف موارد قارئین کرام کے سامنے پیش کریں کہ قرآن کریم میں یہ لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے جاننے سے ان شاءاللہ! اس راہ میں بنائے گئے جملہ جال ایک ایک ہوکر تار تار ہوجائیں گے۔ **وماذالک علی اللہ العزیز!**

لفظ ایمان مختلف موارد میں

قرآن کریم میں لفظ ایمان چار مختلف موارد میں وارد ہوا ہے:

(۱) ایمان کی شرعی حقیقت جس کے ماننے سے کسی انسان کو مسلمان ہونے کے سب حقوق حاصل ہوجاتے ہیں اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کے انکار سے اس سے ایمان کی نفی ہوجاتی ہے۔

(۲) ایمان کی شرعی تکمیلی شان...... اس میں نیک اعمال بھی آجاتے ہیں، ان میں کسی عملی کوتاہی سے مومن دائرہ ایمان سے نہیں نکلتا۔

(۳) لفظ ایمان اپنے لغوی معنی میں جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے والد کو کہا تھا: ’’وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین‘‘ (یوسف:۱۷) یہ صرف ماننے کے معنی میں ہے۔ یہاں اس کی شرعی حقیقت مراد نہیں۔

(۴) ایمان ایک عرفی تخاطب میں جو قبل تبیین سے مشروط ہے۔ اس کے خلاف تبیین ہو پائے تو اس کی نفی ہو جاتی ہے۔ انہیں علامات ایمان بھی کہا جا سکتا ہے۔

(۱) ایمان کی شرعی حقیقت

ان سب موارد میں اہم اس کی شرعی حقیقت ہے اور اس پہلو سے دنیا میں کل انسان دو ہی قسموں میں منقسم ہیں۔

''ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن'' (التغابن:۲)

(ترجمہ) اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا تم میں کافر ہیں اور تم میں مومن ہیں۔

یعنی تیسرا درجہ کوئی نہیں معتزلہ یہاں واسطہ ثابت کرتے ہیں۔ مگر اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ لفظ مسلم کی بھی اپنی کوئی علیحدہ حقیقت نہیں۔ یہ صرف مومن پر ہی بولا جا سکے گا اور اسلام اور ایمان جب بھی علیحدہ علیحدہ بولے جائیں تو اس ایک معنی پر ہی محمول ہوں گے جو ایمان کی شرعی حقیقت ہے۔ ہم اس سے پہلے ایمان کی شرعی حقیقت بڑی تفصیل سے آپ کے سامنے لا چکے ہیں۔

مومن اور مسلم ایک معنی میں

اسلامی حلقوں میں یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت گو ایک تصدیق قلبی ہے لیکن جب اس کا اظہار مطلوب ہو تو اس میں اور لفظ مسلم میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بار بار ''یا ایھا الذین اٰمنوا'' سے خطاب کیا ہے۔ یہاں مسلمانوں کو بار بار ''یا ایھا الذین اٰمنوا'' سے خطاب کرنا بتلانا ہے کہ مومن اور مسلم کی حقیقت ایک ہے۔ قرآن کریم کا خطاب ایسا مہمل نہیں ہو سکتا کہ اس کا مصداق ظاہر میں کوئی موجود نہ ہو۔ یہ اس وقت کے مسلمان ہی تھے جو ''یا ایھا الذین اٰمنوا'' سے مخاطب کئے گئے۔ تخاطب لغوی میں ایمان اور اسلام میں فرق ہو تو ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ایک جگہ کہا گیا ہے: ''قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم'' (حجرات:۱۴) لیکن تخاطب شرعی میں ''یا ایھا الذین اٰمنوا'' سے وہی لوگ مراد ہیں جو اس وقت مسلمان سمجھے گئے تھے۔ یہاں ظاہر اور

باطن میں کوئی فرق نہ رہے گا جو حقیقت باطنی پہلو سے ایمان کہلاتی ہے۔ اسے ہی ظاہری پہلو سے اسلام کہتے ہیں۔ جب یہ دو لفظ علیحدہ علیحدہ استعمال ہوں تو ایک ہی معنی دیتے ہیں۔ مومن اگر مسلم کے سوا کوئی اور طبقہ ہو تو قرآن کریم میں صدہا مقامات پر ''یا ایھا الذین اٰمنوا'' کا خطاب ایک مہمل سی بات ٹھہرتی ہے۔ سو اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں کہ تخاطب شرعی میں ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔

دنیا میں فعل قلبی سے کسی کو مخاطب نہیں کیا جاتا۔ کسی کو مخاطب کیا جائے تو اسے ظاہر میں معیّن کرنا ضروری ٹھہرتا ہے۔ ایمان اور اسلام کی شرعی حقیقت ایک ہے اس پر ہم قرآن پاک کی دو شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

''فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین'' (الذّٰریات:۳۵،۳۶)

(ترجمہ) پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں ایمان والا پھر نہ پایا ہم نے وہاں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا۔

یہاں مومنین اور مسلمین ایک معنی میں لائے گئے ہیں۔

''یمنّون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علیّ اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان ان کنتم صادقین'' (الحجرات:۱۷)

(ترجمہ) تجھ پر احسان ہیں کہ مسلمان ہوئے آپ کہہ دیں مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں راہ دی ایمان کی، اگر سچ کہو۔

یہاں بھی اسلام ایمان کے لئے وارد ہوا ہے اور اس کے لئے لفظ ایمان لایا گیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ) جنہوں نے عراق رہتے ہوئے روافض وخوارج اور قدریہ اور جہمیہ کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ انہوں نے امت مسلمہ کو ان اعتقادی فتنوں سے بچانے کے لئے اس بات کو اپنے اصول میں جگہ دی ہے کہ اسلام اور ایمان اپنی حقیقت شرعیہ میں ایک ہیں۔ ''الایمان والاسلام واحد'' (فقہ اکبر)

آنحضرت ﷺ سے یہ دو روایات اس طرح نقل ہیں۔ ایک میں اسی بات کے لئے لفظ ایمان وارد ہے اور دوسری میں اسی کے لئے لفظ اسلام ہے سو اس بات کے تسلیم

کرنے سے چارہ نہیں کہ:''الایمان والاسلام واحد''

۱...... ''ثلثة من کن فیه وجد بهن حلاوة الایمان من احب المرء لایحبه الا ﷲ عزوجل'' (سنن نسائی ج۲ص۲۳۲باب حلاوۃ الایمان)

۲...... ''ثلثة من کن فیه وجد بهن حلاوة الاسلام''(سنن نسائی ج۲ص۲۳۲طبع کراچی)

اس سے واضح ہے کہ نگاہ نبوت میں ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔حضور ﷺ نے دونوں عنوانوں سے ایک ہی بات کہی ہے۔پہلی حدیث حضرت انس سے قتادہ نے روایت کی ہے اور دوسری حمید نے حضرت انس سے...... امام نسائی نے ان دونوں حدیثوں کو باب حلاوۃ الایمان میں روایت کیا ہے۔اس کے بعد امام نسائی نے حضرت عمرؓ سے حدیث جبریل روایت کی ہے جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے اسلام اور ایمان کے دو علیحدہ علیحدہ سوال کئے اور آپ ﷺ نے بھی دو علیحدہ علیحدہ جواب دیئے۔کیونکہ یہاں یہ دونوں الفاظ ایک ہی موقعہ پر آئے تھے۔اس سے علم عقائد کا یہ ایک اصول کھل کر سامنے آتا ہے کہ ایمان اور اسلام کی حقیقت شرعی ایک ہے۔

حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:''واستدلّ بما ایضاً علی ان الاسلام والایمان واحد وانهما مترادفان وهو قول جماعة من المحدثین وجمهور المعتزلة والمتکلمین''(عمدۃ القاری ج۱ص۱۹۱باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقة)

(ترجمہ)اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ہیں اور ایک دوسرے سے مترادف ہیں۔محدثین جمہور معتزلہ اور متکلمین اسلام سب یہی مؤقف رکھتے ہیں۔

ان دو لفظوں میں ایک اعتباری فرق ہے،وہ یہ کہ جب یہ دو لفظ ایک جگہ استعمال ہوں تو معنی مختلف ہوں گے۔کوئی ایک اپنے لغوی معنی میں یا کسی دوسرے اعتبار میں چلا جائے گا اور جب یہ علیحدہ علیحدہ ہوں تو ایک ہی معنی دیں گے اور ایک ہی حقیقت کے ترجمان ہوں گے۔

ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:''فهکذا اسم الاسلام والایمان اذا افرد احدهما دخل فیه الآخر ودل بانفراده علی ما یدل علیه الآخر بانفراده فاذا قرن بینهما دل احدهما علی بعض ما یدل علیه بانفراده ودخل الآخر علی الباقی وقد صرح بهذا المعنی جماعة من الائمة قال ابوبکر الاسماعیلی

فی رسالتہ الی اہل الجبل...... المؤمنون والمسلمون جمیعاً مفردین ارید باحدھما معنی لم یرد بالآخر فاذا ذکر احدالاسمین علی حدۃ شمل الکل وعمھم'' (جامع العلوم والحکم ج۱ ص۱۰۹ باب الحدیث الثانی بینھما نحن عند رسول اللہ ﷺ)

(ترجمہ) اسی طرح اسلام اور ایمان ہیں جب یہ اکیلے اکیلے آئیں تو یہ ایک معنی دیں گے اور ہر ایک کا مدلول وہ ہی ہوگا جو دوسرے کا ہے اور جب دونوں کو ایک جگہ ذکر کیا جائے تو ہر ایک اس بعض حصے پر دلالت کرے گا جس پر کہ وہ اکیلا دلالت کر رہا تھا اور اس پر علماء کی ایک جماعت متفق ہو چکی ہے۔ ان دو لفظوں کے ایک جگہ وارد ہونے کے استثناء کے ساتھ ایمان اور اسلام کی شرعی حقیقت ایک ہی ہے۔ ایمان کی شرعی حقیقت ہم پیچھے کتاب وسنت رشد راشدین فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ اربعہ کے فیصلوں سے اسلام کے پہلے چودہ سو سال کی اجماعی شہادت سے پیش کر آئے ہیں۔

جس طرح ایمان اور اسلام ایک معنی کے الفاظ ہیں اس طرح کفر اور ایمان بھی دو مقابلے کے لفظ ہیں۔ ایک کا معنی جاننے میں اس کا مقابل بھی پورا سامنے نکھر جاتا ہے۔ ''**لان الاشیاء تعرف باضدادھا**'' ہم یہاں یہ بات تخاطب شرعی میں کر رہے ہیں جس کی پھر اپنی ایک حقیقت ہے۔

حقیقت اور مجاز کے مختلف استعمالات

ایک حقیقت ہے اور ایک اس کا مجاز ہے۔ ہم نے اب تک یہاں تک جو بحث کی ہے وہ ایمان کی حقیقت شرعی سے تھی۔ اب ہم یہاں یہ بھی سمجھانا چاہتے ہیں کہ ایمان کا لفظ کبھی پیرایہ مجازیہ میں اپنی تکمیلی شان میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس شرعی حقیقت کے مقابلہ میں ہم اسے مجاز شرعی سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں جس کی ایک اپنی حقیقت ہے اس کی نفی سے ایمان کی شرعی حقیقت نہیں مٹتی اس فرق کو نہ سمجھنے سے خوارج ایک بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہو گئے اور انہوں نے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر ٹھہرایا اور وہ آیات جو کفار کی حالت بیان کر رہی تھیں۔ انہوں نے وہ مؤمنین پر چسپاں کر دیں۔

باہمی قتل وقتال سے بڑا گناہ اور کون سا ہو سکتا ہے؟ کیا قرآن کریم نے اس آیت میں ان دو لڑنے والوں کو مومن نہیں کہا؟ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ

ایمان سے نہیں نکلتا۔ آخر ان دونوں میں سے کوئی تو غلطی پر ہوگا بایں ہمہ اس آیت میں دونوں مومن قرار دیئے گئے ہیں۔

’’وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما‘‘ (الحجرات:۹)

(ترجمہ) اور اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کرنے لگیں تو تم ان دونوں میں صلح کرادو۔

اب ہم ایمان کے دوسرے مورد کی طرف لوٹتے ہیں۔

(۲) ایمان کی ایک تکمیلی شان بھی ہے

سونے پر سہاگہ سونے کو ہی نکھارتا ہے لیکن سہاگہ خود سونا نہیں ہوجاتا تاہم وہ سونے کے نکھار میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام میں نیک اعمال ایمان کا نکھار بنتے ہیں۔ جب ان پر ایمان کا لفظ آئے تو یہ ایمان کی ایک تکمیلی شان ہے اور یہ ایک مجاز شرعی ہے۔ ورنہ اعمال بذات خود ایمان میں داخل نہ تھے۔ قرآن پاک میں ’’امنوا وعملوا الصالحات‘‘ کئی جگہ وارد ہے اور یہ پیرایہ بیان بتلا رہا ہے کہ اعمال ایمان کی حقیقت شرعیہ میں داخل نہیں ہیں۔ نہ ان کی نفی سے کسی کو ایمان سے خارج کیا جاسکتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان نمازوں کے بارے میں جو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی تھیں۔ فرمایا: ’’وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤف رحیم‘‘ (البقرہ:۱۴۳)

(ترجمہ) اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے ایمان تمہارا بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت شفیق ہے بہت مہربان۔

سو گو اعمال ایمان کی شرعی حقیقت میں داخل نہیں لیکن ایمان کی تکمیل شان انہیں سے نکھرتی ہے۔ ’’من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر......‘‘ میں کفر کا لفظ ایمان کی اسی تکمیلی شان کے مقابل ہے۔ ایمان اپنی ذات میں بڑھتا گھٹتا نہیں۔ لیکن اعمال صالحہ سے وہ بے شک مضبوط ہوتا ہے۔ ضعیف الایمان شخص میں بھی ایمان کی حقیقت شرعی پوری موجود ہوتی ہے۔ ایمانیات میں سے کسی ایک بات کی بھی کمی ہو تو ہم اسے مسلمان نہ کہہ سکیں گے۔ یہ دقیقہ خوارج نہ

سمجھ پائے اور وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو پوری طرح جہنم بھیج آئے کہ اب یہ وہاں سے کبھی نہ نکل سکے گا اور انہوں نے اس پر یہ آیت بھی پڑھ دی: ’’وماھم بخارجین من النار ‘‘ قرآن کریم میں یہ آیت کافروں کے بارے میں ہے کہ وہ کبھی جہنم سے نہ نکل سکیں گے اور مومن کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو وہ کبھی جہنم میں ہمیشہ نہ رہ سکے گا۔ اسلام میں نجات یقینی ہے۔

ایمان کی شرعی حقیقت تو بس یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی لائی جملہ تعلیمات دینیہ کو دل وجان اور زبان سے حق جانے اور مانے لیکن ایمان بس یہیں تک نہیں اس کے آگے بھی کئی مقامات ہیں اور اس اعتبار سے یہ آگے اور بڑھتا جاتا ہے۔ قرآن کریم بتلاتا ہے کہ ایمان اور تقویٰ کے بعد بھی ایمان اور تقویٰ کی کئی منزلیں ہیں۔

’’**لیس علی الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا واٰمنوا وعملوا الصالحات ثم اتقوا واٰمنوا ثم اتقوا واحسنو واللہ یحب المحسنین**‘‘ (المائدہ:۹۳)

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان پر گناہ نہیں۔ اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے جب کہ آئندہ ڈرتے رہے اور ایمان سے رہے اور نیک عمل کرتے گئے پھر ڈرتے رہے اور ایمان سے رہے۔ پھر ڈرتے رہے اور احسان سے رہے اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان پائے ہوؤں کو۔

شیخ الاسلام اس پر لکھتے ہیں: ’’محققین نے لکھا ہے کہ تقویٰ (یعنی مضار دینی سے مجتنب ہونے کے) کئی درجے ہیں اور ایمان اور یقین کے مراتب بھی بلحاظ قوت وضعف متفاوت ہیں۔ تجربہ اور نصوص شرعیہ سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ذکر وفکر عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ میں ترقی کرتا ہے۔ اسی قدر خدا کے خوف اور اس کی عظمت وجلال کے تصور سے قلب معمور اور ایمان ویقین مضبوط ومستحکم ہوتا رہتا ہے۔ مراتب سیر الی اللہ کی اسی ترقی وعروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کے تکرار سے اشارہ فرمایا اور سلوک کے آخری مقام احسان اور اس کے ثمرہ پر بھی تنبیہ فرمادی۔‘‘ (تفسیر عثمانی ص۱۶۳ مطبوعہ تاج کمپنی)

قرآن کریم میں لفظ ایمان کبھی اس کی تکمیلی شان میں بھی وارد ہے اور اس کا ایمان کی شرعی حقیقت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ حدیث میں جب حضور اکرم ﷺ نے مؤمنین سے کہا کہ تم

ہرگز ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک کہ مجھ سے محبت اپنے والد سے اور اپنی اولاد سے اور دوسرے سب لوگوں سے زیادہ نہ کرو تو اس میں بھی ایمان کی اسی تکمیلی شان کا حصول مراد ہے جن لوگوں کو آپ نے یہ فرمایا وہ بے شک حضور ﷺ پر پہلے سے ایمان لائے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے انہی سے کہا تھا: ''**لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین**'' (رواہ البخاری عن انس باب حب الرسول ﷺ من الایمان)

''**لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ**''

(رواہ البخاری عن انس ؓ باب من الایمان ان یحب لأخیہ)

(ترجمہ) تم اس وقت تک (کامل) ایمان والے نہیں ہوسکتے جب تک میں تمہیں اپنے والد سے...... اپنے بیٹے سے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں تم اس وقت تک کامل الایمان نہیں ہوسکتے۔ جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی بات نہ چاہو جو تم اپنے لئے چاہتے ہو۔

سو کتاب وسنت کی روشنی میں ایمان کے دو مرتبے ہیں۔ ایک نفس تصدیق اور زبانی اقرار اور دوسرا جس میں ایمان اپنی پوری تکمیلی شان سے قائم ہوتا ہے ایمان کے بڑھنے اور گھٹنے کا تعلق دوسرے مرتبہ ایمان سے ہے پہلے مرتبہ ایمان میں ایمان کوئی زیادتی اور کمی قبول نہیں کرتا...... ہوگا تو پورا ہوگا ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ سو اس مسئلے میں اختلاف صرف نزاع لفظی ہے۔ جس میں فریقین کا محکوم علیہ دو مختلف مراتب ایمان ہیں۔ **واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!**

امام ابوحنیفہ عراق کے رہنے والے تھے اور وہیں سے خوارج اٹھے تھے۔ انہیں ایمان کی حقیقت سمجھانے کے لئے یہ ضروری تھا کہ کھل کر کہا جائے کہ ایمان اپنی ذات میں کوئی کمی بیشی قبول نہیں کرتا۔ ہاں قوت وضعف کے اعتبار سے بے شک اس میں کمی بیشی آجاتی ہے۔ سو ایمان کے بڑھنے گھٹنے کا اختلاف اہل سنت کے دائرہ میں ایک نزاع لفظی سے آگے نہیں جاتا۔ قرآن کریم کی ان آیات میں ایمان کے بڑھنے سے ایمان کا قوی اور مضبوط ہونا ہی مراد ہے نہ یہ کہ ایمانیات میں بطور کمیت کوئی کمی تھی، جواب اس زیادتی سے پوری ہوئی ہے۔

''**واذا تلیت علیہم اٰیاتہ زادتہم ایماناً**'' (الانفال:۲) میں بھی ایمان کی قوت مراد ہے اس کی مقدار مراد نہیں۔

اب ہم اسے ایک مستقل عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔

ایمان اپنی ذات میں کوئی کمی بیشی قبول نہیں کرتا

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۹ھ) گو مدینہ منورہ میں تھے تاہم وہ امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) کے قریب العہد تھے اور عراق میں گمراہ فرقوں کی آواز حجاز بھی جا پہنچی تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت حضرت امام مالک نے بھی یہ مؤقف اختیار کرلیا تھا کہ ایمان اپنی ذات میں کوئی کمی قبول نہیں کرتا خوارج اعمال کو اس درجہ میں لے آئے تھے کہ یہ ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں اور ان پر عمل نہ کرنے والا ایمان سے نکل جاتا ہے۔ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو صف اسلام میں جگہ نہ دیتے تھے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن بطال (۴۴۹ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں: ''**اما التصدیق باللہ وبرسلہ فلا ینقص ولذلک توقف مالک فی بعض الروایات عنه من القول بالنقصان فیه اذ لا یجوز نقصان التصدیق لانه ان نقص صار شکا وانتقل عن اسم الایمان وقال بعض العلماء انما توقف مالک عن القول بنقصان الایمان خشیة ان یتاوّل علیه موافقة الخوارج الذین یکفرون اهل المعاصی من المؤمنین بالذنوب**''

(شرح صحیح البخاری ج۱ ص۵۷ باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس)

(ترجمہ) اللہ اور اس کے رسولوں کی تصدیق کبھی کم نہیں ہوتی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعض روایات کے مطابق ایمان میں کمی ہونے میں توقف کیا ہے۔ کیونکہ تصدیق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوسکتی۔ اگر ہو تو اسے شک کہیں گے اور ایمان کا لفظ اس سے اٹھ جائے گا اور بعض علماء کہتے ہیں کہ امام مالک نے ایمان میں کمی بیشی کے قول سے اس لئے توقف کیا کہ آپ پر کہیں خوارج کی موافقت کا الزام نہ آئے جو مومن گناہ گاروں کو گناہوں کی وجہ سے مومنین سے نکال دیتے ہیں۔

اور یہ وہی بات ہے جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ایمان کی اس تکمیلی شان کے منکر نہ تھے۔ تاہم وہ اس پر مصر رہے کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور ترک عمل سے اس تصدیق میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور اس اصول کی

وجہ ان کا عراق میں معتزلہ وخوارج سے الحاد کا سامنا تھا۔ اس لئے محققین زیادہ اس طرف گئے ہیں کہ ائمہ اہل سنت میں یہ آپس کا اختلاف ایک لفظی نزاع سے آگے نہیں بڑھتا۔ اہل حجاز جس پہلو سے ایمان میں کمی بیشی کے قائل تھے وہ ایمان کی تکمیلی شان ہے جس میں اعمال صالحہ بھی ایمان میں آ ملتے ہیں۔

ایمان ایک ناقابل تقسیم حقیقت ہے اس کے مختلف اجزاء پر کسی کے مومن اور غیر مومن ہونے کے فیصلے نہیں کیے جاسکتے۔

حافظ ابن تیمیہ (۷۲۴ھ) لکھتے ہیں: ’’**وما ینبغی ان یعرف ان اکثر التنازع بین اهل السنة فی هذه المسئلة هو نزاع لفظی**‘‘

(شرح حدیث جبریل ص۳۷۷ طبع دار ابن الجوزی)

(ترجمہ) اور ان امور میں جو جانے جانے چاہئیں ایک یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اہل سنت کا باہمی اختلاف ایک نزاع لفظی ہے۔

نواب صدیق حسن خان مرحوم (۱۳۰۲ھ) بھی شرح عقائد نفسی کے فارسی ترجمہ بغیۃ الرائد میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک لفظی نزاع ہے۔

اسی طرح ایمان اور اسلام کے مختلف اطلاقات اور امتیازات بھی اسی حکم میں ہیں۔ اہل حق علماء وسلف میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت امام مالک کا ایک قول آپ پڑھ آئے ہیں۔ آپ نے حافظ ابن تیمیہ حنبلی کی بات بھی پڑھ لی۔ سوان ائمہ اہل سنت میں ایمان کی شرعی حیثیت میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ اعمال صالحہ کا ایمان کے تکمیلی پیرائے میں اترنا اس میں بھی اہل حق میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔

ایمان کی تکمیلی شان میں اترے اعمال

اعمال جب ایمان میں ڈھلتے ہیں تو ایمان اس طرح دمکتا ہے جیسا سونا سہاگے سے چمکنے لگتا ہے سونے پر سہاگہ علیحدہ نظر نہیں آتا وہ سونے کے ساتھ مل جاتا ہے۔ یہ وہ مقام عالی ہے جس میں اعمال سراپا ایمان بن جاتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ جنہوں نے حضور ﷺ سے تزکیہ کی دولت پائی تھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی نمازوں کو ایمان کہا ہے۔ یہ ان کے دل کے حال کی ان کے پیدا کرنے والے نے خبر دی ہے۔

''ماکان اللہ لیضیع ایمانکم'' (البقرہ:۱۴۳)
(ترجمہ) یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازوں کو ضائع کردے (وہ ایمان بن چکیں)
یہ اہل علم سے مخفی نہیں کہ آخرت کی نجات ایمان پر مبنی ہے جہاں جنت اعمال پر دیئے جانے کا ذکر ہوگا وہاں وہی اعمال مراد لئے جائیں گے جو ایمان میں ڈھل چکے۔
''وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون'' (الزخرف:۷۲)
(ترجمہ) یہ وہی جنت ہے جو تم نے میراث پائی ان کاموں کے بدلے میں جو تم کرتے رہے۔
''ونودوا ان تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون''(الاعراف:۴۳)
(ترجمہ) اور وہ آواز دیئے جائیں گے کہ یہ جنت تمہیں وراثت میں دی جارہی ہے تمہارے اعمال سے جو تم کرتے رہے۔
سو جن اعمال میں ایمان ڈھلا ہو وہی اعمال اس وراثت کا سبب بنتے ہیں۔ ایمان عمل کی روح ہے۔ اب دیکھئے ایمان کس طرح اعمال میں ڈھلتا ہے۔
ایمان کس طرح صحابہؓ کے اعمال میں ڈھلا ہوا تھا۔ اس پر قرآن پاک کی شہادت ''وماکان اللہ لیضیع ایمانکم'' آپ کے سامنے آچکی ہے۔ یہ ان کی نماز کے ایمان ہونے کی گواہی ہے۔ اس طرح کئی دیگر اعمال بھی ایمان کی قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔ پھر ایسے بھی کئی خوش نصیب ہیں کہ ان کے اعمال پر ایمان کی روشنی اس قدر اترتی ہے جس قدر ان میں عمل کی یہ روح موجود ہو محض عمل کسی کو جنت میں داخل نہ کر سکے گا۔

روزے میں ایمان ڈھلے اس پر نجات موعود ہے

بخاری اور امام نسائی کتاب الایمان میں قیام رمضان کو اسی مناسبت سے لائے ہیں۔
''عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال من قام شھر رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ''
(بخاری ج۱ ص۲۶۹ باب فضل من قام رمضان، سنن نسائی باب ثواب من قام رمضان)
(ترجمہ) جو شخص پورا ماہ رمضان ایمان اور احتساب سے تراویح پڑھے تو اس کے سب پہلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

مسلمان کے جنازے میں شرکت ایمان سے ہوتی ہے

’’عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عنی النبی ﷺ قال من اتبع جنازة مسلم ایمانا واحتساباً وکان معه حتّی یصلی علیها......‘‘

(بخاری ج۱ ص۱۲ باب اتباع الجنائز من الایمان)

(ترجمہ) جو شخص اپنے ایمان اور احتساب سے کسی مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی اسے یہ ثواب ملے گا۔ (الحدیث)

حیاء بھی ایمان کا ہی ایک حصہ ہے

’’عن سالم عن ابیه ان رسول اللہ ﷺ مرّ علی رجل یعظ اخاه فی الحیاء فقال دعه فانّ الحیاء من الایمان‘‘ (مؤطا مالک ص۷۰۵ باب فضل الحیاء)

(ترجمہ) آنحضرت ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو کسی دوسرے مسلمان کو حیاء کی تعلیم دے رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے رہنے دے حیاء خود ایمان کا ایک تقاضا ہے۔

بھائی کی پسند کو دیکھنا ایمان کی ہی ایک تکمیل ہے

’’عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ انّ النبی ﷺ قال لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه‘‘ (سنن نسائی ج۲ ص۲۷۳ باب علامۃ الایمان)

(ترجمہ) اس وقت تک تم میں سے کوئی ایمان (کامل) نہیں پا سکتا جب تک اپنے بھائی کے حصے میں وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔

اس طرح کی کئی روایات ملتی ہیں جن میں بہت سے اعمال صالحہ ایمان کی تکمیلی شان میں اترتے دکھائے گئے ہیں۔ لیکن یہ ایمان کا وہ پیرایہ نہیں جس میں کسی عمل کے نہ ہونے سے اس گناہگار کو ایمان کے دائرہ سے نکالا جاسکے۔ کوئی شخص ایمان کے دائرہ سے صرف اسی وقت نکلتا ہے، جب وہ ایمان کی شرعی حقیقت میں سے کسی چیز کا انکار کرے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس میں کسی کمی اور زیادتی کو راہ نہیں ملتی۔ اس ایمان میں قوت وضعف تو ہوسکتا ہے لیکن ایمانیات کی مقدار میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ ہوگا تو پورا ہوگا ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا، ایمان اپنی شرعی حقیقت کے اعتبار سے اپنے اندر کوئی تقسیم قبول نہیں کرتا۔ ہاں! ایمان کی تکمیلی

شان پانے کے لئے بہت سے اعمال ہیں جو ایمان کو اپنی پوری بہار پر لاتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب یہ کہتے ہیں کہ ایمان بڑھتا گھٹتا نہیں تو یہ صرف اس کی شرعی حقیقت کے پیش نظر کہتے ہیں۔ اس سے خوارج کا رد مقصود ہوتا ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک کوئی عملی کمزوری مومن کو ایمان سے باہر نہیں کرتی۔

آیئے! اب ہم آپ کو ایمان کے ایک ایسے مورد پر لائیں۔ جہاں یہ ایک تقضائے فطرت بن جاتا ہے۔

ایمان جب اپنی تکمیلی شان میں کاملین کے دلوں کی زینت بنتا ہے تو اس وقت اعمال صالحہ بھی اس کے ساتھ شامل ہوتے ہیں۔ اب ایمان کی زینت گویا سہاگے کی سی چمک ہے۔ ایمان کی شرعی حقیقت میں آسمان سے صرف پیار ملتا ہے۔ لیکن جب ایمان دلوں کی زینت بن جائے تو اس وقت کفر وفسق اور ہر داعیہ عصیان سے مومن کو طبعاً نفرت ہو جاتی ہے۔ یہ ایمان مومن کی آخری منزل ہے۔ یہاں شریعت اور طبیعت ایک ہو جاتے ہیں۔ طاعت الٰہی کا جذبہ اس میں اس طرح دل سے ابھرتا ہے۔ جیسے زمین سے پانی کا فوارہ اچھلتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس سے راشدین عام صالحین سے امتیاز پاتے ہیں۔ ان کے دل کی ہر صدا اللہ کی طرف ایک رغبت ہوتی ہے اور محبت الٰہی کا فوارہ اس طرح ان کے دل سے اچھلتا ہے کہ زینت ایمان حقیقت ایمان سے آگے کی ایک منزل نظر آتی ہے۔ قرآن کریم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس مرتبہ ایمان پر ہونے کی اس طرح خبر دی گئی ہے۔

”ولٰکن اللہ حبّب الیکم الایمان وزیّنه فی قلوبکم وکرّہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک ھم الراشدون“ (الحجرات:۷)

(ترجمہ) اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دلوں میں ایمان کی اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دلوں میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی۔ ان صفات کے لوگ راشدین ہیں۔

خلفائے راشدین کو بھی اس لئے راشدین کہتے ہیں کہ ایمان صرف ان کا ایک تقاضائے دین نہیں تھا۔ ان کی طبیعت اور فطرت بن چکا تھا۔ یہ رشد راشدین ہے۔

حقیقت ایمان کے بعد آپ زینت ایمان سے بھی آشنا ہو چکے۔ اب ذرا آگے چلیں ایمان کا لفظ کبھی اپنے لغوی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۳...... لفظ ایمان اپنے لغوی معنی میں

لفظ ایمان کبھی محض اپنے لغوی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ سو اس سے اس کی حقیقت شرعی میں کوئی تشکیک نہ آنی چاہئے۔ اس پہلو سے اس کی ایک پیغمبر سے بھی نفی ملتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے باپ کو یہ بتلانے کے لئے کہ آپ ہماری بات پر یقین نہ کریں گے۔ اس طرح ان سے مومن ہونے کی نفی کی تھی۔

’’وما انت بمؤمن لنا ولو کنّا صادقین‘‘ (یوسف:۱۷)

(ترجمہ) اور آپ ہماری اس بات پر مومن نہ ہوں گے۔ (اسے ماننے والے نہ ہوں گے گو ہم صحیح کہہ رہے ہوں)

قرآن پاک علم کا ایک گہرا چشمہ ہے جس کی لہریں مختلف پیرایوں میں اپنی چمک دے رہی ہیں۔ ان میں کسی کو کوئی لفظی مغالطہ دینا خاص طور پر ان نوجوانوں کو جو قرآن پاک کا کوئی مطالعہ نہیں رکھتے بہت آسان ہوتا ہے۔ قادیانی لوگ جب ہمارے مسلم نوجوانوں کو اس قسم کے مغالطے دیتے ہیں تو وہ نوجوان جو یہ نہیں جانتے کہ لفظ ایمان قرآن پاک میں کئی مختلف موارد میں آیا ہے۔ ان کی باتوں سے اپنے بعض قطعی امور میں بھی شک کرنے لگتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا! ایسے مواقع پر انہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ کہیں یہ لفظ مختلف مقامات سے مختلف معنی تو نہیں دے رہا۔

ایک دفعہ ایک مسلمان طالب علم نے کسی قادیانی کو کہا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو حیات عنصری سے آسمانوں پر زندہ ماننا اگر شرک ہے تو مرزا غلام احمد اپنے اس پہلے عقیدہ میں کیوں اتنے سال تک شرک میں گھرا رہا؟ کیا پیغمبر کسی وقت بھی غیر مومن ہوسکتا ہے؟ تو قادیانی مبلغ کہنے لگا کیا حضرت یعقوب علیہ السلام بھی تو ایک وقت مومن نہ رہے تھے اور اس نے قرآن کریم کی یہ آیت اسے دکھلائی جس میں لفظ مومن ایک شرعی حقیقت کے طور پر نہیں۔ محض ایک لغوی معنی میں وارد تھا۔ کسی کے دین کو بگاڑنے میں قادیانیوں کی اس قسم کی واردات بہت خطرناک ہوتی ہے۔ افسوس کہ وہ مسلم نوجوان اس قادیانی مربی کے سامنے لاجواب ہوگیا۔

ایمان کے لغوی معنی کی ایک اور مثال

قرآن کریم میں ہے:’’فاٰمن لہ لوط وقال انّی مہاجر الیٰ ربی‘‘(العنکبوت:۲۶)

(ترجمہ) حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات مان گئے اور کہا (میں وطن چھوڑتا ہوں) میں چلتا ہوں اپنے رب کی طرف۔

یہاں ایمان اصطلاحی مراد نہیں۔ کیونکہ نبی تو پیدائشی طور پر ایمان پر ہوتا ہے۔اس پر ایک لمحہ بھی کفر وشرک کا نہیں گزرتا۔سو حضرت لوط علیہ السلام کا یہاں ایمان لانا اپنے شرعی معنی میں نہیں اپنے لغوی معنی میں ہے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات مان گئے۔

سو اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قرآن کریم میں لفظ ایمان کے کئی موارد ہیں۔ان مسلمانوں کو جو دینی علم نہیں رکھتے۔قادیانی مربی قرآن کے اس قسم کے الفاظ سے بہت مغالطے دیتے ہیں اور اس دجل میں ان کو بہت مہارت ہوتی ہے۔

آیئے اب ہم آپ کو ایمان کے چوتھے مورد میں لے چلیں جہاں لفظ ایمان فقط ایک علامت کے طور پر وارد ہوا ہے۔ یہاں ہم کسی کو ان علامات سے مسلمان سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن محض ان علامات سے کسی میں ایمان کی شرعی حقیقت کی تصدیق نہیں ملتی۔

۴......ایمان کا اعتبار محض علامات سے

جب ہمیں کسی کی حقیقت معلوم نہ ہو اور ہم اسے اس کی بعض علامات سے مسلمان سمجھ لیں تو ان علامات کا اعتبار صرف اس وقت تک ہوگا جب تک کہ اس کی حقیقت کھل کر سامنے نہیں آجاتی۔ بعض عیسائی اور ہندو بھی کبھی مسلمانوں سے ملتے انہیں السلام علیکم کہہ دیتے ہیں کہ یہ ایک کلمہ دعا ہے جو کوئی انسان بھی کسی دوسرے کے لئے استعمال کرسکتا ہے۔لیکن ہم اس علامت کا اعتبار صرف اس وقت تک کرسکتے ہیں۔ جب تک کسی کے اندر کی حقیقت ہمیں معلوم نہ ہو داڑھی رکھنا مسلمان ہونے کی محض ایک علامت ہے۔لیکن اس علامت سے کسی یہودی یا سکھ کو مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا۔صرف اس لئے کہ اس نے داڑھی رکھی ہوئی ہے۔

ایک قادیانی مغالطہ

قادیانی مربی مسلمانوں کو کبھی یہ مغالطہ بھی دیتے ہیں کہ کیا قرآن میں یہ حکم نہیں کہ جو تمہیں السلام علیکم کہے تم اسے کافر نہ کہو۔ پھر تمہارے علماء ہمیں کافر کیوں کہتے ہیں۔ کیا ہم تمہیں ملتے السلام علیکم نہیں کہتے۔ کیا قرآن پاک میں یہ حکم نہیں ہے؟

’’یا ایھا الذین اٰمنو اذا ضربتم فی سبیل اللہ فتبیّنوا ولاتقولوا لمن

القی الیکم السلام لست مومناً'' (النساء:۹۴)

(ترجمہ) اے ایمان والوں جب تم اللہ کی راہ میں چلو تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو اور جو شخص تم پر سلام ڈالے اسے یہ نہ کہنا کہ تو مؤمن نہیں ہے۔

قرآن کریم میں یہ آیت سفر کی حالت میں کسی سے السلام علیکم سننے کے بارے میں ہے۔ جسے ہم نہ جانتے ہوں۔ یہ نہیں کہ جب اس کے غیر مسلم ہونے کا پتہ مل جائے پھر بھی ہم اس کو مسلمان سمجھتے رہیں۔ علامت کا اعتبار صرف اس وقت تک ہے جب تک اس کی حقیقت نہ کھلے۔

قادیانی ایمان کے ان مختلف موارد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ قادیانیوں کا کفر گو کفر الحاد ہے۔ لیکن یہ بھی کفر کی ہی ایک حقیقت ہے۔ محض کوئی الزام نہیں اس کے ہوتے ہوئے محض بعض علامات سے اپنے آپ کو مسلمان بتلانا اس دھوکہ منڈی کا ایک عمل دجل ہے حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ احادیث میں بھی مسلمانوں کی کئی ایسی علامات ملتی ہیں جو اپنی ظاہری شکل میں کبھی کسی غیر مسلم میں بھی مل جاتی ہیں۔ مگر محض ان سے کسی کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں دیا جاسکتا۔

علامات اسلام مسلمان کی صرف ایک عرفی پہچان ہے

۱...... حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں حضور اکرمﷺ سے پوچھا گیا: ''ای الاسلام خیر'' اسلام کیسا چاہئے؟ آپ نے فرمایا: ''تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت وعلیٰ من لم تعرف'' (صحیح بخاری ج۱ ص۹ باب اطعام الطعام من الاسلام)

(ترجمہ) اپنا دستر خوان وسیع کرو اور ہر ملنے والے پر سلام ڈالو جس کو تم جانتے ہو اور جس کو تم نہیں جانتے۔

کیا کوئی ہندو یا عیسائی اپنا دستر خوان وسیع نہیں رکھ سکتا کہ دوسرے کو کھلانے میں اس کی خوشی ہو اور وہ ہر ملنے والے کو سلام کہتا رہے؟

حدیث کا منشاء یہ نہیں کہ دونوں صفتیں جس میں پائی جائیں اسے تم مسلمان سمجھو۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان میں یہ دو صفتیں ہونی چاہئیں۔

دوسرے کو سلام کہنے کے صرف دو مورد بیان کئے (۱) جسے تم جانتے ہو کہ وہ تمہارا

مسلمان بھائی ہے۔ (۲) یا جسے تم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟ تیسرا فرد اس میں ذکر نہیں کیا گیا۔ (۳) جسے تم جانتے ہو کہ وہ غیر مسلم ہے۔

صرف السلام علیکم کہنا حقیقت اسلام ہوتا تو اس کو بھی اس میں شامل کیا جاتا اور کہا جاتا ''وعلٰی من انکرت علیہ'' کہ جسے تم اپنا نہ سمجھو اسے بھی السلام علیکم کہو۔ لیکن یہ تیسری بات اس حدیث کسی طریق میں نہیں ہے۔

۲...... حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''المسلم من سلم الناس من لسانہ ویدہ'' (سنن نسائی ج۲ ص۲۶۶ باب صفۃ المؤمن)

(ترجمہ) مسلمان وہ ہے کہ لوگ اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے بچے رہیں۔

یعنی وہ شخص کسی مسلمان پر نہ بدزبانی کرے نہ اس پر ہاتھ اٹھائے۔

یہ صفت کیا کسی غیر مسلم میں نہیں پائی جاسکتی کہ وہ کسی مسلمان کے درپے آزار نہ ہو؟ کیا ہم محض ان علامات سے کسی کو مسلمان قرار دیں گے؟ اس حدیث کا دوسرا جزو یہ ہے: ''والمؤمن من امنہ الناس علٰی دمائھم واموالھم'' (ایضاً) مومن وہ ہے جس سے دوسرے لوگ اپنے جان ومال میں خطرے میں نہ ہوں۔ امام نسائی نے ان روایت پر باب باندھا ہے۔ ''صفۃ المؤمن'' اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایمان اور اسلام جس طرح اپنی حقیقت میں ایک ہیں۔ علامات میں بھی ایک جیسے ہیں۔ اس حدیث سے منشاء رسالت یہ ہے کہ مؤمن اور مسلم میں یہ صفات ہونی چاہئیں۔ نہ یہ کہ جس شخص میں تم یہ دو صفتیں پاؤ اسے مسلمان سمجھو یہ مسلمان کی علامات ہیں۔ ایمان کی حقیقت شرعی نہیں ہیں۔

قادیانی مسلمانوں کو مغالطہ دینے کے لئے ان صفات سے اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ محض علامات سے کوئی حقیقت نہیں بنتی۔

قادیانیوں اور مسلمانوں کے اختلافات اصولی ہیں فروعی نہیں

مسلمانوں کے قادیانیوں سے اختلافات حقیقی ہیں محض لفظی نہیں، اصولی ہیں محض فروعی نہیں۔ اپنے آپ کو محض چند علامات سے مسلمانوں کے قریب لانا دھوکہ منڈی کی واردات کے سوا کچھ نہیں۔ ان اختلافات کا درجہ اختلاف معلوم کرنے کے لئے مرزا بشیرالدین محمود کا ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء کا یہ خطبہ کافی ہے۔

مرزا محمود کہتا ہے: ’’حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم ﷺ، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرضیکہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ان سے ہمیں اختلاف ہے۔‘‘ (الفضل قادیان ج۱۹ نمبر۱۳، ص۷ کالم نمبر۱ مورخہ ۳۰؍جولائی ۱۹۳۱ء)

اس خطبہ سے واضح ہے کہ مسلمانوں اور قادیانیوں میں جب ایک ایک چیز میں اختلاف ہے تو ان میں شریعت بھی ایک نہیں ہے اور مرزا غلام احمد کا دعویٰ صرف غیرتشریعی نبوت کا نہ تھا۔ ورنہ اس کا مسلمانوں سے ایک ایک بات میں اختلاف کیسے ہوسکتا تھا۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ قادیانی خود امت مسلمہ سے نکلے ہیں مسلمانوں نے انہیں نہیں نکالا۔ انگریزی دور میں سرکاری سطح کی مردم شماری میں انہوں نے اپنا اندراج مسلمانوں سے الگ کرایا تھا۔ پھر جب ایک ایک بات میں ان کا مسلمانوں سے اختلاف ہوگیا ہے تو پھر وہ زبردستی اپنے آپ کو اس امت میں لانے کے لئے تاویلات کے یہ جال کیوں بنتے ہیں؟ لفظ ایمان قرآن پاک میں کئی موارد میں آیا ہے اور ان میں قادیانی کسی تاویل سے بھی مؤمن یا مسلمان قرار نہیں پاتے۔

تخاطب عرفی کا صرف ایک وقت تک اعتبار ہے یہ کوئی حقیقت دائمہ نہیں

جس طرح پیرایہ تخاطب کبھی لغوی ہوتا ہے کبھی شرعی تو یہ کبھی عرفی بھی ہوتا ہے۔ تخاطب عرفی اگر کسی مذہبی امر میں ہو تو یہ تخاطب شرعی ذیل میں عرف بنے گا یہ ایمان کا صرف ایک ظاہری اعتبار سمجھا جائے گا۔ اگر آپ کسی شخص کو جانتے نہیں تو آپ اس کو اس کے ظاہر سے اپنے ذہن میں اتاریں گے۔ یہ تخاطب عرفی ہر قوم میں ملتا ہے کسی کو نماز پڑھتے دیکھیں گے تو اسے مسلمان ہی سمجھیں گے۔ اس کے آگے سے نہ گزریں گے۔ لیکن اگر بعد میں معلوم ہو کہ وہ قادیانی تھا تو آپ اسے مسلمان نہ کہہ سکیں گے۔ اس پر ہم ایمان کے مختلف موارد کی بحث ختم کرتے ہیں۔

کسی لفظ کو اس کا محل اور مورد جانے بغیر یہ درجہ نہیں دیا جاسکتا کہ اس سے کوئی کسی کے اسلام کا فیصلہ کرے۔ جو مومن ایمان کی حقیقت شرعی سے مشرف ہیں اور وہ حضور ﷺ کے پورے دین کو دل کی پوری گہرائی سے مانتے ہیں ان کی صرف دو ہی قسمیں ہیں ان کی کوئی تیسری قسم نہیں۔

مؤمنین کی مختلف قسمیں

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد!

جس طرح کافروں کی کچھ مختلف قسمیں ہیں۔ اس طرح مومنین کی کئی قسمیں نہیں ہیں۔ کافروں کی مختلف قسمیں آپس میں نوعی اختلاف کی ہیں۔ مومنوں میں کوئی اختلاف نوعی نہیں ہے۔ ایمان کا جوہری مفہوم ان سب میں متحقق ہے۔ ہاں! ان میں مضبوط ایمان والے اور کچھ کمزور ایمان والے ضرور ہیں۔ ان میں نیک اور گناہگار کی بھی تقسیم ہے۔ لیکن یہ تقسیم نوعی نہیں۔ محض درجات کی تقسیم ہے ہم کسی گناہگار مومن سے بھی ایمان کا لفظ چھین نہیں سکتے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''والعاصون من امۃ محمد ﷺ کلّھم مؤمنون حقاً ولیسوا بکافرین''

(الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ تالیف مولیٰ تقی الدین التمیمی الداری المصری ج اوّل ص۱۵۷)

باہمی قتل وقتال سے بڑا گناہ اور کیا ہوسکتا ہے؟ مگر قرآن کریم میں انہیں بھی مومن کہا گیا ہے جو آپس میں قتل وقتال تک پہنچ جائیں۔

''وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما فان بغت احداھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفی الیٰ امر اللہ فان فأت فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا انّ اللہ یحب المقسطین'' (الحجرات:۹)

(ترجمہ) اور اگر دو فریق مومنین کے آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان دونوں میں ملاپ کرادو۔ پھر بھی اگر ان میں سے ایک چڑھا چلا جائے دوسرے پر...... تو تم سب لڑو اس چڑھائی کرنے والے سے یہاں تک کہ پھر آئے اللہ کے حکم پر پھر اگر وہ ادھر لوٹا تو تم ان دونوں میں صلح کرادو برابر کی سطح پر اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت میں صریح طور پر باہمی لڑنے والوں پر مؤمنین کا لفظ اطلاق کیا گیا ہے۔ سوقتال سے کسی سے ایمان سلب نہیں ہوتا گو یہ اپنی جگہ ایک بڑا گناہ ہے یہ خوارج کا عقیدہ ہے کہ انسان گناہ کبیرہ سے ایمان سے نکل جاتا ہے۔

ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔آپ نے فرمایا: ''**والعاصون من امة محمد ﷺ کلّهم مؤمنون حقاً ولیسوا بکافرین ای حقاً انتهی فاشار الامام الاعظم بهٰذا الکلام الٰی ان العصیان لاینافی الایمان کما هو مذهب اهل السنة والجماعة خلافاً للخوارج والمعتزلة فانهما عندهم لایجتمعان**''

(شرح فقہ اکبر ص۱۰۶ طبع مجتبائی دہلی)

(ترجمہ) اور حضور اکرم ﷺ کی امت کے گناہ گار سب مؤمنین ہیں اور وہ قطعاً کافر نہیں ہیں۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات میں اس طرف اشارہ دیا ہے کہ گناہ ایمان کے ہرگز منافی نہیں۔جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے بخلاف خوارج اور معتزلہ کے کہ ان دونوں کے ہاں ایمان کے ساتھ گناہ جمع نہیں ہوسکتا۔

ہاں! صالحین امت کو جو کمال ایمان حاصل ہے وہ گناہ گار مؤمنین کو نہیں تاہم ان کے ایمان میں کسی طرح شک نہیں کیا جاسکتا اور مومنین کو دین میں جو حقوق حاصل ہیں وہ سب ان گناہ گاروں کو بھی ملیں گے۔مومن کے وہ حقوق کیا ہیں انہیں مسائرہ شرح مسامرہ میں دیکھئے: ''**احکام الدنیا من الصلٰوة خلفه والصلٰوة علیه ودفنه فی مقابر المسلمین وغیرذالک کعصمة الدم والمال ونکاح المسلمة ونحوها**''

(المسامرہ ص۳۰۲)

(ترجمہ) اسلام میں مومنین کے لئے دنیا کے احکام یہ ہیں۔(۱) ان کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔(۲) ان کی نماز جنازہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔(۳) وہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاسکے۔(۴) ان کے جان ومال کو

تحفظ دیا جائے گا۔(۵)وہ مسلمان عورت سے نکاح کا حق رکھتے ہیں ان کے لئے اور بھی کئی رعایات ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ مسلمانوں کے نکاح میں بطور گواہ شامل ہوسکیں اور ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ٹھہرے۔

ایمان کی حقیقت شرعیہ اور اس کے مختلف موارد کے بیان کے بعد ہم اس کے کچھ اور مختلف پہلو بھی آپ کے سامنے لاتے ہیں۔ ان میں یہ بات ہمیشہ ذہن میں رہے کہ ایمان شرعی میں باستثناء حالت اکراہ صرف تصدیق قلبی کافی نہیں۔ ایمان سے متعلق اس اہم بات کے بعد ہم ان شاء اللہ کفر کی حقیقت شرعیہ پر بھی کچھ تفصیل سے بات کریں گے۔ گو ایمان کی حقیقت شرعی میں کفر کی حقیقت شرعی بھی آپ ضمناً جان گئے ہوں گے۔

حالت اکراہ میں زبانی اقرار ضروری نہیں

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے معاشرے میں گھر جائے جہاں مسلمانوں سے امن اٹھا ہوا ہو اور وہ اپنے آپ کو ان میں مسلمان ظاہر نہ کرے تو وہ محض تصدیق قلبی سے بھی مومن رہے گا۔ مگر اس کی یہ صورت حال دائمی نہ رہ سکے گی۔ اسلام کسی کو مستضعفین کی حالت اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ایسے مؤمن کو وہ سوسائٹی یا ملک چھوڑ دینا چاہئے اور عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اللہ کی زمین وسیع ہے۔

تاہم حالت اکراہ میں بھی اسے کلمہ کفر زبان پر لانے کی اجازت نہ ہوگی کہ عام فضا میں اقرار بالکفر خود کفر ہے خاص موقع کا حکم اس سے مختلف ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم!

کیا ایمان میں صرف تصدیق قلبی کافی ہے؟

الحمد ﷲ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد!

عرف میں تصدیق صرف ایک قلبی کیفیت یا پہچان کا نام نہیں تصدیق سے مراد تصدیق قلبی کے ساتھ اس کا زبانی اقرار بھی ہے۔ حالت اکراہ میں زبانی اقرار کونظرانداز کیا جاسکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص قلبی تصدیق کے ساتھ باختیار خود زبان سے اقرار نہیں کرتا یا کسی دینی حقیقت کوبطور استخفاف ذکر کرتا ہے یا کوئی ایسی بات کہتا ہے جس سے کسی پیغمبر کی توہین ہوتی ہے تو اس کی تصدیق قلبی کو ایمان شرعی نہ کہا جاسکے گا۔ کیونکہ ایمان تصدیق قلبی اور اس کے اقرار کے مجموعہ کا نام ہے۔ کوئی کلمہ کفر زبان پر لانے سے اس کا اقرار متبدل بہ انکار ہوگیا۔ اب اس کی تصدیق قلبی کونجات آخرت کے لئے ایمان شرعی نہ کہا جاسکے گا۔

جنہوں نے بطور استہزاء کوئی کلمہ کفر کہا اور وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے۔ قرآن کریم نے انہیں صرف غلط بیانی کا مجرم نہیں ٹھہرایا بلکہ کفر کا مجرم قرار دیا ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کوئی مسلمان بطور استہزاء کلمہ کفر کہنے سے بھی ایمان سے نکل جاتا ہے گو دل میں تصدیق پورے طور پر موجود ہو۔ کیونکہ اس نے دعویٰ اسلام کے بعد دین اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں وہ الفاظ کہے جو صرف منکرین کی زبان سے ہی نکل سکتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ’’**ولئن سألتم لیقولن انما کنّا نخوض ونعلب قل أباﷲ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستہزؤن. لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم**‘‘ (التوبہ:۶۵،۶۶)

(ترجمہ) اور اگر آپ ان سے پوچھیں (کہ تم نے یہ بات کیوں کہی) تو وہ کہیں گے ہم تو ویسے ہی بات چیت کررہے تھے اور دل لگی کرتے تھے آپ کہیں کیا اللہ سے اور اس کی آیات سے اور اس کے رسول سے تم استہزاء کررہے تھے؟ اب بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے اپنے دعویٰ ایمان کے بعد...... پھر یہ بھی فرمایا: ’’**ولقد قالوا کلمۃ الکفر وکفروا بعد اسلامھم**‘‘ (التوبہ:۷۴)

(ترجمہ) اور بے شک انہوں نے ایک کلمہ کفر کہا تو وہ ہوگئے کافر مسلمان ہوکر۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ کفر کا ایک کلمہ بھی انہیں اسلام سے نکال دینے کے لئے کافی ہے۔ضروری نہیں کہ وہ کل اسلام کا انکار کریں۔کفر کی صرف ایک بات بھی انہیں اسلام سے نکال دے گی۔

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۴ھ) لکھتے ہیں: ’’ولھٰذا قال اللہ تعالٰی لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم ولم یقل قد کذبتم فی قولکم انما کنا نخوض ونلعب فلم یکذبھم فی ھٰذا العذر...... بل بیّن انھم کفروا بعد ایمانھم بھٰذا الخوض واللعب‘‘ (الصارم المسلول ص۵۱۹)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بہانے نہ بناؤ تم بے شک ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنے اس قول میں کہ ہم بطور دل لگی ایسی باتیں کر رہے تھے۔تم نے جھوٹ بات کہی بلکہ قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد صرف دل لگی میں کہے گئے الفاظ سے بھی کافر ہوگئے اور دین سے نکل چکے۔

سو مان لیجئے کہ مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے خلاف دل لگی میں جو باتیں کہیں یہ ایک وجہ کفر بھی اسے اسلام سے نکالنے کے لئے کافی ہے۔مثلاً:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء ص۲۰، خزائن ج۱۸ ص۲۴۰)

(معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

ہم اس پر علماء اعلام کی یہ چار شہادتیں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

۱...... ’’وصح بالنص ان کل من استھزاء باللہ تعالیٰ او بملک من الملٰئکۃ او بنبی من الانبیاء او بآیۃ من القرآن او بفریضۃ من فرائض الدین فھی کلّھا آیات اللہ تعالیٰ بعد بلوغ الحجۃ الیہ فھو کافر ومن قال نبی بعد النّبی علیہ الصلوٰۃ والسلام او جحد شیئا صح عندہ بان النّبی ﷺ قالہ فھو کافر‘‘

(کتاب الفصل لابن حزم ص۲۵۵ باب الکلام فی تسمیۃ المؤمن باالمسلم والمسلم)

(ترجمہ) یہ بات نص سے درجہ صحت کو پہنچی کہ ہر شخص جو اللہ تعالیٰ سے یا اس کے فرشتوں میں سے کسی فرشتے سے یا کسی نبی سے یا قرآن کریم کی کسی آیت سے یا فرائض دین

میں سے کسی فریضہ سے بعداس کے کہ اسے اس کی دلیل پہنچ چکی کوئی کلمہ استہزاء کہے تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔

۲...... علامہ خفاجی (۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں: ’’انّ الایمان ھو مجموع التصدیق والاقرار فباجرائھا (ای بکلمة الکفر من غیر اکراہ) یتبدل الاقرار بالانکار‘‘ (شرح الشفاء ج۲ص۴۲۷ شاملہ)

(ترجمہ) ایمان تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کے مجموعہ کا نام ہے سو اس کلمہ کفر کو بغیر کسی اکراہ کے زبان پر لانے سے وہ اقرار انکار سے بدل جاتا ہے۔

۳......قاضی ابوالبقاء (۱۰۹۰ھ) بھی لکھتے ہیں: ’’والکفر قد یحصل بالقول...... والقول الموجب للکفر انکار مجمع علیه فیه نص ولا فرق بین ان یصدر عن اعتقاد او عناد او استھزاء‘‘ (کلیات ابی البقاء ج۱ص۷۶۴ شاملہ)

(ترجمہ) اور کفر کبھی قول سے بھی لازم آجاتا ہے (گو دل میں تصدیق موجود ہو) اور جو قول موجب کفر ہے وہ یہ کہ کسی مجمع علیہ (جس پر اجماع ہوچکا) منصوص بات کا انکار ہو اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس سے یہ قول بطور اعتقاد صادر ہوا یا عناداً وہ یہ بات کہے یا یہ بطور استہزاء اس سے صادر ہوا ہو۔

۴...... ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۴ھ) بھی علامہ نووی سے نقل کرتے ہیں: ’’ولو تلفظ بکلمة الکفر طائعا غیر معتقد له یکفر لانه راض بمباشرته وان لم یرض بحکمه‘‘ (شرح فقہ اکبر ص۹۹ طبع مجتبائی دہلی)

(ترجمہ) اگر کسی نے بطیّب خاطر کوئی کلمہ کفر کہا تو گو وہ اس کا عقیدہ نہ پھر بھی وہ اس کلمہ کفر سے کافر ہوجائے گا۔ کیونکہ وہ اس بات کے کئے جانے سے راضی ہوا۔ اگرچہ اس کے حکم سے راضی نہ ہو۔

مولانا احمد رضا خان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کفر کے لئے ارادہ تبدیل ملّت ضروری نہیں۔ استہزاء کلمہ کفر کہنے سے بھی وہ کافر ہوجاتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: ’’مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزاء صراحۃً کفر ہے: ’’قال اللّٰہ تعالٰی قل اباللّٰہ واٰیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم‘‘ (التوبہ:۶۶)

یوں ہی وہ کلمہ ملعونہ داڑھی منڈانے والے داڑھی رکھانے والوں سے بہتر ہیں، صاف سنت متواترہ کی توہین اور کلمہ کفر ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین!‘‘

(فتاویٰ رضویہ باب الحظر ج۲۳ ص۳۶۷ زیر عنوان مجالس ومحافل)

کفر میں جانے کے لئے تو ارادہ تبدیل ملت ضروری نہیں۔ مسلمان اس ارادے کے بغیر بھی جب اسلام کی کسی قطعی بات کا انکار کرے (گو وہ انکار عنادنہ ہو انکار الحاد ہو) تو وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ لیکن مسلمان ہونے کے لئے ارادہ تبدیل ملّت ضروری ہے۔ اپنے پہلے مذہب کو چھوڑنے کی نیت سے بغیر کسی کو صف اسلام میں بٹھایا نہ جاسکے گا۔

کسی غیر مسلم کے مسلمان ہونے کے لئے ارادہ تبدیل ملّت ضروری ہے

اگر کوئی عیسائی حسب بشارات بائبل حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مان لے اور آپ ﷺ پر اتری وحی کو بھی حق مانے لیکن وہ اپنے عیسائی ہونے کے لیبل سے نہ نکلے اسے اقرار شہادتین (توحید ورسالت) کے باوجود مسلمان نہ سمجھا جاسکے گا، اسے ان عقیدوں سے نکلنا ضروری ہوگا۔ جن سے ان دنوں عیسائیت پہچانی جاتی ہے۔ جیسے:

۱...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے سے انکار۔

۲...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بندہ اور رسول ہونے کا اقرار۔

۳...... آخرت کی نجات ایمان کے بعد اعمال پر موقوف ہے کفارہ پر نہیں۔

۴...... حضرت عیسیٰ صلیب پر نہیں چڑھے نہ دشمنوں کے کسی عمل سے قتل نہ ہوئے۔

۵...... موجودہ بائبل میں عام انسانی ہاتھوں سے تحریف ہوگئی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے عیسائیوں سے اسلام کا اقرار ان لفظوں سے تجویز کیا۔ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کا انکار عیسیٰ بن مریم کے الفاظ سے لیا گیا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’من قال اشھدان لاالٰہ الّا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وان عیسٰی عبداللہ وابن امتہ وکلمۃ القاھا الٰی مریم وروح منہ وان الجنۃ حق وانّ النّار حق ادخلہ اللہ من ای ابواب الجنۃ شاء‘‘ (صحیح مسلم ج۱ ص۴۳ باب من لقی اللہ بالایمان)

اسی طرح کسی قادیانی کو داخل دائرہ اسلام نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ قادیانی ملت سے نکلنے کی نیت نہ کرے اور مرزاغلام احمد سے کلی طور پر علیحدگی نہ کرے صرف ختم نبوت کا اقرار گو وہ ختم نبوت کے اسی معنی میں ہو جو مسلمانوں کی چودہ سوسالہ علمی میراث ہے، اسے داخل دائرہ اسلام نہیں سمجھا جاسکتا۔ جب تک کہ وہ مرزاغلام احمد کی کفریات کو جن میں ایک نمایاں وجہ کفر حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی شان میں بدگوئی ہے۔ کفر نہ سمجھے اور قادیانی لائن سے کھلے طور پر جدا نہ ہو۔

امام نووی (۶۷۶ھ) مذکورہ بالا حدیث پر لکھتے ہیں: ''**ھٰذا حدیث عظیم الموقع وھو اجمع او من اجمع الاحادیث المشتملة علی العقائد فانه ﷺ جمع فیه ما یخرج عنه جمیع ملل الکفر علی اختلاف عقائدھم وتباعدھا فاختصر رسول اللہ ﷺ فی ھذہ الاحرف ما یبائن به جمیعھم**''

(شرح نووی علی مسلم ج۱ ص۲۲۷ باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان نوجوان جو جرمنی ایئرپورٹ پر اپنے آپ کو کسی مصلحت سے قادیانی ظاہر کرتے ہیں۔ گو وہ اندر سے اسلامی عقیدہ رکھتے ہوں وہ اس کلمہ کفر سے واقعی کافر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ بات انہوں نے باوجود عقیدہ کفر نہ ہونے کے اپنی مرضی سے کہی۔ اب وہ ایمان شرعی پر نہ رہے۔ کیونکہ ایمان شرعی صرف تصدیق قلبی کا نام نہیں۔ یہ تصدیق قلبی اور اقرار کے مجموع کا نام ہے۔ ہاں! بحالت اکراہ کلمہ کفر کہنے سے وہ کافر نہیں ہوتا اور یہاں وہ یہ کلمہ کفر اپنی مرضی سے کہہ رہا ہے، وہ اپنے اس قول سے صف اسلام سے نکل گیا۔ گو اس کا اعتقاد یہ نہ ہو۔

ایمان کی شرعی حقیقت سمجھنے کے بعد آپ یہ بھی سمجھ لیں کہ شرعاً مؤمنین کی کوئی نوعی تقسیم نہیں ہے۔ البتہ کافروں کی جیسا کہ کفر کی بحث میں ان کی مختلف انواع کا تذکرہ ہوگا۔ بے شک یہ ایک نوعی تقسیم ہے۔ یہاں ہم یہ بات ہدیہ قارئین کرتے ہیں کہ مؤمنین کی کوئی نوعی تقسیم نہیں ہے۔ نیک مسلمان اور گناہگار مسلمان یہ صرف درجات ہیں۔

یہ اسلام کا چودہ سو سال کا اجماعی علمی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کی پوری امت کے ہاں ایمان کی شرعی حقیقت یہی ہے اس کے خلاف ہر عقیدہ قطعیات اسلام سے ایک کھلا تصادم ہے۔ گو اس کا مرتکب اپنے آپ کو مسلمان ہی کیوں ظاہر نہ کرے۔ اسلام کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ جو بدقسمت چاہے اسے ایک نئی تاویل مہیا کرے اور جو حقیقت چودہ سو سال سے پوری امت میں قطعی اور یقینی چلی آ رہی ہے اس کا انکار کردے۔

اس ایمان شرعی کے خلاف کفر شرعی ہے گو ایمان شرعی کی اس مفصل وضاحت کے بعد کفر شرعی ازخود واضح ہو جاتا ہے۔ ''لان الاشیاء تتبین باضدادھا'' تاہم اسے ہم ایک مستقل عنوان سے بھی آپ کے سامنے رکھیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز وھو المستعان وعلیہ التکلان!

یہاں اب ہم آپ کے سامنے ایمان سے متعلق چند دوسرے مباحث لاتے ہیں۔ ایمان کی شرعی حقیقت کے ساتھ ایمان کی لغوی حقیقت ایمان کی عرفی حیثیت اور اس کی کلامی اور فقہی حیثیت کو بھی جاننا چاہئے۔ یہ بات ہمیشہ سامنے رہے کہ جس طرح کافروں کی مختلف انواع ہیں۔ مؤمنین میں کوئی نوعی اختلاف نہیں ہے۔

سوائے اس کے کہ مؤمنین دو ہی قسم کے ہیں (۱) نیک اور (۲) گناہگار۔

آیئے! ایمان کے ان چند مسائل مہمہ پر بھی ایک مختصر نظر کرتے چلیں۔

۱...... اہل قبلہ کی اصطلاح صرف مسلمانوں کے لئے۔

۲...... کفر و ایمان کی بحث میں نصوص شریعت کو اپنے ظواہر پر رکھا جائے۔

۳...... عقیدہ تسلسل امت اسلام کی قطعیات میں سے ہے۔

اہل قبلہ سے کون لوگ مراد ہیں
قادیانی اہل قبلہ میں سے نہیں

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد!

اہل قبلہ سے لفظاً وہ لوگ مراد ہیں جو نماز میں قبلہ اسلام (مسجد حرام مکہ مکرمہ) کی طرف رخ کرتے ہوں لیکن بات صرف یہیں تک نہیں۔ اس سے حقیقۃً وہ لوگ مراد ہیں جو نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوکر قبلہ رخ ہوتے ہوں اور ایک عقیدہ اسلامی پر امت کے ساتھ جمع ہوں...... جو اپنے اصول پر دین پر ایک نہ ہوں۔ وہ آپس میں اہل قبلہ نہیں سمجھے جاسکتے۔ نماز کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا مسلمان کی ایک پہچان ہے۔...... محض قبلہ کی طرف منہ کرنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوجاتا۔

قرآن کریم میں ہے: ’’**لیس البرّ ان تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البرّ من اٰمن باللّٰہ والیوم الآخر**‘‘ (البقرہ:۱۷۷)

(ترجمہ) یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنے چہرے مشرق ومغرب کی طرف رکھو نیکی تو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے سے ہے۔

یعنی ایمان ہو تو نماز میں قبلہ رخ ہونے کا فائدہ اسے مل سکے گا۔ ایمان نہ ہو تو صرف قبلہ رخ ہونا ہرگز کوئی نیکی نہیں ہے۔ قادیانی دھوکہ دیتے ہیں جب وہ نماز میں قبلہ رخ ہوتے ہیں۔ جب وہ ختم نبوت کے اسلامی معنوں پر ایمان نہیں رکھتے تو وہ مسلمانوں سے اہل قبلہ کہلانے کا حق نہیں رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نے بتایا کہ بدوں ایمان کسی خاص جہت کی طرف رخ کرنا ہرگز ایمان نہیں ہے۔ ایمان تبھی ہوگا کہ وہ ایمان پورا ہو جو ایمان کی حقیقت شرعیہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کی پہچان کرواتے استقبال قبلہ کو مزید یہ دو امتیازات بھی دیئے تھے۔ یہیں سے اہل قبلہ ہونے کی بات چلی ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’**من صلّٰی صلٰوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم**‘‘

(رواہ البخاری ج۱ ص۵۷ باب فضل استقبال القبلۃ)

(ترجمہ) جو ہماری نماز میں شریک اور ہمارے ساتھ قبلہ رخ ہوتا ہو اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہو وہ مسلمان ہے۔

صرف اسے مسلمان کے سارے حقوق حاصل ہوں گے۔ یہ نہیں کہ صرف قبلہ رخ ہونا کافی ہو۔ معلوم ہوا صرف استقبال قبلہ سے کوئی مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا جب تک وہ ہمارے ساتھ شریک نماز نہ ہو اور ہمارے ذبیحہ کو اپنے لئے حلال نہ جانے سو ہم اہل قبلہ صرف مسلمانوں کو ہی کہہ سکیں گے اگر کوئی قادیانی ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے لیکن ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے، نہ ہمارے پیچھے نماز جائز سمجھے تو وہ ہرگز اہل قبلہ میں سے نہ سمجھا جائے گا وہ ''من صلّی صلاتنا'' کی ہر شرط پوری نہیں کر پایا جب تک کسی شخص کے بارے میں یہ یقین نہ ہو کہ وہ ہمارے دین پر ہے ہم اسے اہل قبلہ نہیں کہہ سکتے۔ اہل قبلہ ہونا دنیا میں ہماری ایک پہچان ہے۔

قادیانی ہمیں کافر سمجھتے ہیں ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے بلکہ ہماری نماز کو نماز نہیں سمجھتے۔ وہ ہرگز ''من صلّی صلوٰتنا'' کی شرط پوری نہیں کرتے۔ سو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں ہیں۔ انہیں صرف ''واستقبل قبلتنا'' کے عمل میں نہ دیکھا جائے گا۔ حدیث کے الفاظ ''من صلّی صلوٰتنا'' کے سباق میں دیکھا جائے گا۔

مرزا غلام احمد سے پوچھا گیا کیا ہم اپنی نماز کی جماعت دوسرے مسلمانوں کی جماعت ہوتے ہوئے علیحدہ کر سکتے ہیں؟ اس پر مرزا غلام احمد نے کہا: ''اگر ان کی نماز باجماعت عنداللہ کوئی چیز ہوتی تو میں اپنی جماعت کو الگ پڑھنے کا حکم ہی کیوں دیتا۔ ان کی نماز اور جماعت جناب الٰہی کے حضور کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اس لئے تم اپنی نماز الگ پڑھو۔'' (سیرت المہدی حصہ سوم ص۱۳۱، ج اوّل حصہ سوم ص۵۲۷، روایت ۵۲۱ جدید)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قادیانی ہماری نماز میں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ مرزا غلام احمد نے اسی وجہ سے اپنے بیٹے فضل احمد کی نماز جنازہ نہ پڑھی تھی۔ سو مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں قادیانی ہمارے قبلہ شریک نہیں ہیں۔ نہ ہم انہیں اہل قبلہ کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے لئے اہل قبلہ وہی ہیں جو ہمارے شریک نماز ہوں۔

چوہدری ظفراللہ خان قادیانی اسی بناء پر قائداعظم کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوا تھا وہ دوسرے غیر مسلموں کے ساتھ علیحدہ کھڑا تھا۔

سو یہ بات قطعی درجہ میں سمجھ لیجئے کہ اہل قبلہ سے محض نماز میں قبلہ رخ ہونا مراد نہیں یہ مسلمان ہونے کی ایک نشانی ہے۔ اسے ان الفاظ کے لفظی معنی میں نہ لیا جائے گا۔ مسلمانوں کے ہاں یہ ایک اصطلاح ہے اور اس سے پوری طرح صف اسلام میں ہونا مراد ہے۔

۱...... امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۸ھ) عقیدہ طحاویہ میں لکھتے ہیں: ’’**ونسمی اهل قبلتنا مسلمین مؤمنین ماداموا بما جاء به النبی ﷺ معترفین وله بکل ماقاله واخبر مصدقین**‘‘ (العقیدۃ الطحاویہ ص۳۳ طبع کراچی)

(ترجمہ) ہم اپنے اہل قبلہ ساتھیوں کو مسلمان اور مومن کہتے ہیں جب تک وہ حضور اکرم ﷺ کے لائے ہوئے پورے دین پر اقرار کئے رہیں اور آپ کی ہر بات جو آپ نے کہی یا آپ نے اس کی خبر دی وہ اس کی دل وزبان سے تصدیق کریں۔

اور پھر آگے فقہ کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے: ’’**ولا نکفر احداً من اهل القبلة بذنب مالم یستحله**‘‘ (ایضاً ص۳۴)

(ترجمہ) اور اہم اہل قبلہ کے کسی فرد کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے جب تک کہ وہ اس گناہ کے عمل کو حلال نہ سمجھے۔

اگر کوئی کسی مسلمان کو گالی دے تو یہ گناہ ہے وہ اس سے کافر نہیں ہوتا اور اگر وہ اسے گالی دینا حلال سمجھے اور اسے نیکی مانے تو پھر یہ بے شک کفر ہے۔

اس سے بھی واضح ہوا کہ اسلام میں اہل قبلہ ہونا واقعی ایک اصطلاح ہے اور اگر کوئی قبلہ رخ نماز پڑھنے والا اسلام کے کسی قطعی حرام کو حلال کہے تو وہ صف اسلام سے نکل جائے گا اور کافر ٹھہرے گا۔ اہل قبلہ میں شمار نہ ہوگا۔

یہ بات دراصل خوارج کے عقیدہ کی تردید میں کہی گئی ہے جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں کسی مسلمان کی کسی عمل کے باعث تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ ہاں اگر وہ کسی حرام کو حلال سمجھے تو یہ عقیدے کا بگاڑ ہے جس میں وہ آپڑا۔ اس سبب سے اسے کافر سمجھا جائے گا اور یہ کسی گناہ کے باعث اہل قبلہ کی تکفیر نہیں ہے۔ وہ اس صورت میں اہل قبلہ ہونے سے ہی نکل گیا ہے۔

اب ساتویں صدی میں بھی وہی بات سنیں:

۲...... امام محی الدین النووی الشافعی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں: ’’**واعلم ان مذهب اهل**

الحق انه لایکفر احد من اهل القبلة بذنب ولا یکفر اهل الاهواء والبدع وان من جحد ما یعلم من دین الاسلام ضرورة حکم بردته وکفره...... وکذا حکم من استحل الزنا والخمر والقتل اوغیر ذالک من المحرمات التی یعلم تحریمها ضرورة'' (شرح صحیح مسلم ج۱ص۲۶باب بیان الایمان والاسلام والاحسان)

(ترجمہ) اور جان لو مذہب اہل حق یہ ہے کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ پر تکفیر نہ کی جائے اور نہ اہل بدعت اور خواہشات پر چلنے والوں کو (اپنے اعمال بدعت کی وجہ سے) کافر کہا جائے ہاں اگر کوئی دین اسلام کی کسی ایسی بات کا انکار کرے جس کا دین اسلام ہونا ضروری طور پر معلوم ہو چکا تو اسے (اس کے دعویٰ اسلام کے باوجود مرتد اور کافر قرار دیا جائے گا اور اسی طرح اس کا حکم ہے جو زنا، شراب وغیرہ کو حلال جانے اور دیگر محرمات کو حلال ٹھہرائے اسے کافر کہا جائے گا۔

۳...... شیخ عبدالعزیز بن احمد البخاری (۷۳۰ھ) اس بحث میں کہ اگر اہل بدعت اس قدر غلو کریں کہ ان کی تکفیر لازم ٹھہرے تو وہ امت سے نکل جائیں گے۔ گو وہ اپنے زعم میں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھیں اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے رہیں۔

آپ اس پر لکھتے ہیں: ''لان الامة لیست عبارة عن المصلین الی القبلة بل عن المؤمنین وهو کافر وان کان لایدری انه کافر'' (کشف الاسرار ج۳ص۲۳۸باب اہلیۃ الاجماع)

(ترجمہ) امت صرف قبلہ رخ نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں۔ یہ مومنین کا نام ہے اور وہ اپنے اس غلو سے کافر ہو چکا گو اسے پتہ نہ ہو کہ وہ کافر ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کفر کے لئے ارادہ تبدیل ملت ضروری نہیں۔ اگر کوئی اسلام کی کسی قطعی بات کا انکار کر رہا ہے تو وہ باوجود اپنے دعویٰ اسلام کے شرعاً کافر ٹھہرے گا۔

قادیانی ختم نبوت کے پہلے اسلامی معنی کا انکار کرنے سے اسلام سے نکل چکے گو انہوں نے ارادہ تبدیل ملّت نہ کیا ہو۔

ضروریات دین کی اصطلاح اسلام کے پہلے دور میں نہیں ملتی اصطلاحات قائم ہونے میں وقت لگتا ہے۔ پہلے دور میں محدثین اس موضوع کے لئے متواترات دین جو صراحت سے دین اسلام کا پتہ دیں (بلکہ مسلمانوں میں دین انہی سے پہچانا جاتا ہو) کے لئے استعمال کرتے تھے۔ پھر جب متکلمین سامنے آئے تو انہوں نے اس مقصد کے لئے ضروریات دین کی تعبیر اختیار کی۔

چھٹی صدی کے نامور محدث قاضی عیاض (۵۴۴ھ) حبیب بن الربیع سے اسے اس طرح نقل کرتے ہیں:''**قال حبیب بن الربیع لان ادّعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل**'' (الشفاء ج۲ص۲۱۷ باب الاوّل فی بیان ماھو فی حقہ ﷺ)

یہاں لفظ صراح میں یہی مضمون پیش نظر ہے۔ اب اس دور کو دیکھیں جب لفظ ضروریات دین بطور ایک اصطلاح کے عام ہو چکا تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بھی اسے اس طرح تسلیم کرتے ہیں۔

صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے۔ زید نے کہا خدا دو نہیں۔ اس میں یہ تاویل ہو جائے کہ لفظ خدا سے بحذف مضاف حکم خدا مراد ہے۔ ایسی تاویلیں نہ نہار مسموع شفاء شریف میں ہے:''**ادّعاءہ التاویل فی لفظ صراح لایقبل**'' صریح لفظ میں تاویل کا دعویٰ نہیں سنا جاتا۔ (حسام الحرمین ص۳۷)

۴...... علامہ سعد اللہ بن التفتازانی (۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:''**انّ الذین اتفقوا علی ما ھو من ضروریات الاسلام کحدوث العالم وحشر الاجساد وما اشبہ ذالک واختلفوا فی اصول سواھا کمسئلة الصفات وخلق الاعمال وعموم الارادة وقدم الکلام وجواز الرؤیة ونحو ذالک مما لا نزاع ان الحق فیھا واحد ھل یکفر المخالف للحق بذالک الاعتقاد وبالقول بہ ام لا والا فلا نزاع فی کفر اھل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفی الحشر ونفی العلم بالجزئیات ونحو ذالک وکذا بصدور شئی من موجبات الکفر عنہ**'' (شرح مقاصد ج۳ص۴۶۱ فصل فی الاسماء والاحکام طبع دارالکتب بیروت)

(ترجمہ) اہل قبلہ جن کی تکفیر نہ کی جائے یہ وہ ہیں جو تمام ضروریات دین پر جمع ہوں جیسے دنیا کا حادث ہونا آخرت میں انہی اجساد سے اٹھنا اور ایسی ہی دوسری ضروریات دین اور ان کے سوا دوسرے کئی اعتقادی امور ہیں جن میں اختلاف ہے جیسے مسئلہ صفات میں (تفویض وتاویل کے دو مسلک) اعمال کا مخلوق ہونا۔ عموم ارادہ، قدم کلام باری تعالیٰ، رویت باری تعالیٰ وغیرہ جن میں کوئی نزاع نہیں کہ حق اس میں ایک ہی ہے کیا ان امور میں حق کے خلاف رائے رکھنے والے کی تکفیر کی جائے گی یا نہ؟ ورنہ ان قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کی تکفیر میں کوئی اختلاف نہیں جو گو پوری زندگی نیکیوں پر عمل پیرا رہیں۔ اگر وہ عالم کو قدیم ٹھہرائیں،

آخرت میں بدن سے اٹھنے کا انکار کریں اور اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا جاننے والا نہ مانیں اور اس طرح کی کوئی اور کفر کی بات جو ان سے صادر ہو اس سے ان کی تکفیر رد کی نہ جاسکے گی۔

۵...... محقق ابن امیر الحاج (۸۷۹ھ) التحریر لابن الہمام کی شرح میں لکھتے ہیں: ''لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام...... وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علیٰ الطاعات'' (شرح التحریر ج۳ص۳۱۸، ردالمحتار ج۱ص۴۱۴ مطبوعہ رشیدیہ کراچی)

(ترجمہ) اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ اگرچہ وہ قبلہ کی طرف رخ کرنے اور ایک مدت تک نیکوں پر عمل کرنے والا کیوں نہ ہو۔

یہ عقیدے کا مسئلہ ہے اور کسی کو بعض اعتقادات کفر کے ہوتے ہوئے نیک اعمال ایمان کی دولت نہیں دے سکتے بایں ہمہ وہ کافر ہی شمار ہوگا اور اس پر پوری امت متفق چلی آرہی ہے۔ اہل قبلہ ایک اصطلاح ہے اور اس کے لفظی معنی ہرگز مراد نہیں ہیں۔ اب اگلی صدی میں چلیں۔

۶...... دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اعلم ان المراد باھل القبلۃ الذین اتفقوا علی ما ھو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم اللہ تعالیٰ بالکیات والجزئیات وما اشبہ ذالک من المسائل فمن واظب طول عمرہ علی الطاعات والعبادات مع اعتقادہ قدم العالم ونفی الحشر اونفی علمہ سبحانہ بالجزئیات لا یکون من اھل القبلہ وان المراد بعدم تکفیر احد من اھل القبلۃ عند اھل السنۃ انہ لایکفر مالم یوجد شئی من امارات الکفر وعلاماتہ ولم یصدر عنہ شئی من موجباتہ'' (شرح فقہ اکبر ص۱۸۹ طبع مجتبائی دہلی)

(ترجمہ) جان لو کہ اہل قبلہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہوں جیسے جہاں کو حادث سمجھنا، مرنے کے بعد پھر سے اٹھائے جانے کو حق سمجھنا۔ اللہ کا علم تمام کلیات اور جزئیات کو محیط ہے۔ اس پر اور ان جیسے دوسرے اہم مسائل پر یقین رکھنا جو شخص پوری عمر نیکیوں اور عبادات پر لگادے لیکن ان کے ساتھ وہ دنیا کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھے (اسے حادث نہ جانے) قبروں سے اٹھنے کا قائل نہ ہو۔ اللہ کے علم محیط کا انکار کرے۔ وہ ہرگز اہل قبلہ میں سے نہ سمجھا جائے گا۔ اہل قبلہ کی عدم تکفیر سے اہل سنت کی مراد یہ ہے کہ کوئی

شخص اس وقت تک کافر نہ قرار دیا جائے جب تک کہ اس میں کفر کی کوئی وجہ نہ پائی جائے اور اس سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جو کفر مانی گئی ہو۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صرف قبلہ رخ ہونے سے کوئی اہل قبلہ میں سے نہیں سمجھا جاسکتا۔ اہل قبلہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سب ضروریات دین پر ایمان لائے ہوئے ہو۔

۷...... قاضی ابوالبقاء (۱۰۹۴ھ) بھی لکھتے ہیں: ''فلا نکفر اهل القبلة مالم یأت بمالم یوجب الکفر'' (کلیات ص۳۰۵، ۷۶۵ شاملہ)

(ترجمہ) ہم قبلہ کی طرف رخ کرنے والے کو کافر نہیں کہتے۔ جب تک وہ کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے کفر لازم آتا ہے۔

اس سے بھی یہ عیاں ہے کہ کسی عقیدہ کفر کو اختیار کرنے کے بعد اہل قبلہ ہونے کا دعویٰ کرنے والے کو کسی طرح کفر سے نہیں بچایا جاسکتا۔

۸...... شرح عقائد نسفی کی اس عبارت پر: ''من قواعد اهل السنة ان لایکفر احد من اهل القبلة'' مظفر گڑھ (پاکستان) کے تیرہویں صدی کے نصف اوّل کے عالمی شہرت کے عالم دین علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں: ''لایکفر احد من اهل القبلة معناه اللغوی من یصلیٰ الی الکعبة او یعتقدها قبلة وفی اصطلاح المتکلمین من یصدق بضروریات الدین ای الامور التی علم ثبوتها فی الشرع واشتهر فمن انکر شیئا من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم الله سبحانه بالجزئیات وفریضة الصلوٰة والصوم لم یکن من اهل القبلة ولو کان مجاهداً فی الطاعات وکذالک من باشر شیئامن امارات التکذیب کسجود الصنم والاهانة بامر شرعی والاسهتزاء علیه فلیس من اهل القبلة معنی عدم تکفیر اهل القبلة ان لایکفر بارتکاب المعاصی ولا بانکار الامور الخفیه غیر المشهور'' (النبراس ص۳۴۲ مکتبہ امدادیہ ملتان)

(ترجمہ) اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے۔ یہ اہل قبلہ کا لغوی معنی ہے جو کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے یا اسے اپنا قبلہ مانے اور علماء عقائد کی اصطلاح میں اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ساری ضروریات دین کو حق تسلیم کریں یعنی وہ امور جن کا شرع میں قطعی ثبوت پایا گیا اور وہ درجہ شہرت کو پہنچا جیسے عالم کا حادث ہونا۔ اموات کا پھر سے

اکٹھے ہونا (حشر اجساد) اللہ تعالیٰ کا علم جزئیات تک کو محیط جاننا نماز روزہ کی فرضیت کا اقرار اور جو کوئی ان ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے وہ ہرگز اہل قبلہ میں سے نہ رہے گا۔ اگرچہ وہ کتنی ہی نیکیاں کیوں نہ کرتا ہو۔ اس طرح وہ شخص ہے جس میں تکذیب دین کی کچھ علامات باقی ہیں جیسے بتوں کو سجدہ کرنا، کسی امر شرعی کی توہین کرنا یا اس پر استہزا کا اظہار کرنا۔ سو ایسا آدمی اہل قبلہ میں سے نہ رہے گا۔ اہل قبلہ کو کافر نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی کسی گناہ پر تکفیر نہ کی جائے (نہ کہ اس کے کفر کو بھی برداشت کر لیا جائے) اسی طرح دین کے امور خفیہ کے انکار پر بھی کسی کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ (صرف ان امور کے انکار پر حکم کفر جاری کیا جائے گا جو قطعی اور یقینی طور پر دین میں ثابت ہو پائے ہوں)

۹...... استاذنا المحترم شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۳۹۴ھ) کے اس بیان پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں: ''شریعت کی اصطلاح میں اہل ایمان اور اہل قبلہ وہی لوگ ہیں جو تمام متواترات اور ضروریات دین پر ایمان رکھتے ہیں۔ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے ان کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ جیسا کہ معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے انسان دائرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ فقط قبلہ کی طرف نماز پڑھنے سے کوئی اہل ایمان اور اہل قبلہ کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک کہ وہ رسول کریم ﷺ کی (آپ کی سب باتوں میں) تصدیق نہ کرے۔'' (تفسیر معارف القرآن ج اوّل ص۴۹ مطبوعہ المعارف)

ضروریات دین کے کسی منکر یا مؤوّل کو کلمہ گو نہ کہا جائے

کلمہ گو ہر صورت میں خیر خواہی کا استحقاق رکھتا ہے۔ اگر کوئی کلمہ گو ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرے یا اس میں کوئی تاویل کرے تو اسے قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھنے سے کلمہ گو نہ کہا جا سکے گا۔ کلمہ ایک حقیقت ہے جس سے کوئی شخص خدا کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں یہ لفظ ہمیشہ ایک خیر خواہی کا طالب رہا ہے۔ خود مرزا غلام احمد کے ہاں بھی تُرک اس کے مستحق سمجھے گئے تھے۔ انگریزوں نے جب شریف مکہ کو ترکی خلاف کے خلاف تیار کیا تو ظاہر ہے کہ مرزا غلام احمد نے اپنے انگریزی ناطہ سے سلطان کے خلاف کچھ بدگوئی ضرور کی ہوگی بایں ہمہ وہ اپنی صفائی میں ایک جگہ بطور تعجب لکھتا ہے کہ کلمہ گو سے کینہ رکھنے والا اور انہیں چوہڑے اور چمار کہنے والا کس طرح اللہ کی بادشاہی میں داخل ہو سکتا ہے۔

مرزا غلام احمد لکھتا ہے: ''ہم کسی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کلمہ گو سے بھی کینہ نہیں

رکھتے۔ چہ جائے کہ ایسے شخص سے کینہ ہو جس کی ظل حمایت میں کروڑ ہا اہل قبلہ زندگی بسر کرتے ہیں اور جس کی حفاظت کے نیچے خداتعالیٰ نے اپنے مقدس مکانوں (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کو سپرد کر رکھا ہے۔ سلطان کی شخصی حالت اور اس کی ذاتیات کے متعلق نہ ہم نے کبھی کوئی بحث کی اور نہ اب ہے بلکہ اللہ جل شانہ جانتا ہے کہ ہمیں اس موجود سلطان کے بارے میں اس کے باپ دادا کی نسبت زیادہ حسن ظن ہے۔ ہاں! ہم نے گزشتہ اشتہارات میں ترکی گورنمنٹ پر بلحاظ اس کے بعض عظیم الدخل اور خراب اندرون ارکان اور عمائد اور وزراء کے نہ بلحاظ سلطان کی ذاتیات کے ضرور اس خداداد نور اور فراست اور الہام کی تحریک سے جو ہمیں عطاء ہوا ہے۔ چند ایسی باتیں لکھی ہیں جو خود ان کے مفہوم کے خوفناک اثر سے ہمارے دل پر ایک عجیب رقت اور درد طاری ہوتی ہے سو ہماری وہ تحریر جیسا کہ گندے خیال والے سمجھتے ہیں کسی نفسانی جوش پر مبنی نہ تھی بلکہ اس روشنی کے چشمہ سے نکلی تھی جو رحمت الٰہی نے ہمیں بخشا ہے۔ اگر ہمارے تنگ ظرف مخالف بدظنی پر سرنگوں نہ ہوتے تو سلطان کی حقیقی خیرخواہی اس میں نہ تھی کہ وہ چوہڑوں اور چماروں کی طرح گالیوں پر کمر باندھتے۔''

(اشتہار''کیا وہ جو خدا کی طرف سے ہے لوگوں کی بدگوئی اور سخت عداوت سے ضائع ہوسکتا ہے''ملحقہ کتاب البریہ ص۲، خزائن ج۱۳ ص۳۲۶)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد کو سلطان روم کے اہل قبلہ ہونے اور کلمہ گو ہونے سے انکار نہ تھا لیکن، ہم اہل اسلام قادیانیوں کو اہل قبلہ ہونے یا کلمہ گو ہونے کی یہ رعایت نہیں دیتے۔ کیونکہ ہمارے اعتقاد میں قادیانی عقیدہ ختم نبوت میں جو ضروریات دین میں سے ہے، امت مسلمہ کے عقیدہ پر نہیں اور شریعت محمدی کا یہ بنیادی اصول ہے کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے۔ اگر وہ ضروریات دین اسلام میں سے کسی ایک دین کی ضروری بات کا بھی انکار کرے یا اسے اس معنی میں تسلیم نہ کرے، جو امت آج تک اس سے مراد لیتی چلی آتی ہے، تو وہ ہرگز مسلمان تسلیم نہ کیا جائے گا اور اسے کسی طرح صف اسلام میں جگہ نہ دی جاسکے گی۔ یہ وہ وجہ...... ہے جس کے باعث قادیانیوں کو باوجود قبلہ اسلام کو تسلیم کرنے کے صف اسلام میں جگہ نہیں دی جاتی۔

مرزا بشیرالدین محمود تو مکہ سے بھی اس قدر روگرداں رہا کہ سرعام کہتا تھا کہ:''مکہ ومدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے۔'' (حقیقت الرؤیا ص۴۶، انوار العلوم ج۴ ص۱۳۶)

اب آپ ہی سوچیں کہ ان لوگوں کو ہم کس طرح اہل قبلہ میں جگہ دے سکتے ہیں۔

نصوص شریعت اپنے ظواہر پر رکھی جائیں
انہیں اپنے ظواہر سے ہٹانا الحاد وزندقہ ہے

الحمد ﷲ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

آسمانی ہدایت پیغمبروں کے ذریعہ ہی دوسرے انسانوں تک پہنچتی ہے۔ پیغمبر جب انہیں شریعت کی کوئی بات بتلائیں تو وہ اس کے ظاہر سے ہی اسے سمجھیں اور مانیں گے۔ سو اگر دین کی نصوص اپنے ظواہر پر مبنی نہ سمجھی جائیں تو عام لوگوں کا دین کو سمجھنا اور پیغمبروں کا انہیں سمجھانا بیکار ہو جاتا ہے۔ سو یہ بات دین کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہ قرآن وحدیث کی نصوص کو ان کے ظاہر پر رکھا جائے۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی بار بار بتلائی باتوں میں اپنی تاویلیں داخل کرنا زندقہ اور الحاد ہے۔

فرقہ باطنیہ کے لوگ وہ جنگلوں کے باسی ہوں یا قبرستانوں کے ملنگ، ان باطنی راہوں سے کسی خفیہ دین کے داعی بنتے ہیں اور اللہ رب العزت کی ایک بڑی مخلوق کو ان راہوں سے وہ اندھیروں میں دھکیل دیتے ہیں۔ پھر یہ باطنی لوگ ان اندھیروں میں گھر جاتے ہیں تو وہ کسی بڑے سے بڑے عالم کی بات کو بھی نہیں مانتے۔ فقہاء اسلام قرآن کریم اور سنت کی جس بات کو نص کہتے ہیں، تو اس سے ان کا مقصد اسے اپنے ظاہر پر قبول کرنا ہی ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اس لئے ٹیڑھی راہ چلنے کو الحاد کہا گیا ہے۔

’’ان الذین یلحدون فی ایاتنا لا یخفون علینا‘‘ (حم السجدۃ:۴۰)

(ترجمہ) جو لوگ ہماری آیات میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں وہ ہم سے چھپے نہیں رہتے۔

حضور اکرم ﷺ کے دور میں مسیلمہ صف اسلام کا ایک فرد تھا۔ یمامہ میں اس کی ایک اپنی مسجد تھی۔ جس میں پانچ وقت اذان ہوتی تھی۔ عبداللہ بن نواحہ اس کا مؤذن تھا۔ اس کی اذان میں پانچوں وقت اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ کی صداء دی جاتی تھی۔ جب اس نے دعویٰ نبوت کیا تو یہ اسلام کے عقیدہ ختم نبوت سے ایک کھلا ٹکراؤ تھا۔ گو اس کا ظاہراً اسلام سے کوئی انکار نہ تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے یہ نہ پوچھا کہ وہ کس قسم کی نبوت کا مدعی

ہے۔حضوراکرم ﷺ کی شریعت کو مانتا ہے یا وہ تشریعی نبوت کا مدعی ہے۔آپ نے اپنے عمل سے اس اصول کی حمایت کی کہ ضروریات دین میں کسی تاویل کو راہ نہیں دی جائے گی۔آیت: ’’خاتم النّبیین‘‘ اور حدیث: ’’لا نبی بعدی‘‘ کو اپنے ظاہر پر رکھا اور ظلی اور بروزی نبوت کے کسی چوردروازے کو قطعاً اس طرف کھلنے نہ دیا۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے اس فیصلے سے کسی صحابی نے کوئی اختلاف نہ کیا کہ پوری امت اس اجماعی نقطہ پر جمع تھی کہ جن امور سے اس دین کی شناخت ہوتی ہے، انہیں ان کے ظواہر سے کسی دوسری طرف موڑا نہیں جاسکتا اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ صحابہ کرام ؓ جس بات پر اجماع کرلیں تو ان کا یہ اجماع خطاء سے معصوم مانا جائے گا۔ (کما صرّح به النووی فی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸)

’’قلنا انما یقبل ذٰلک لانه یستدل باجماعهم علٰی ناسخ واما انهم ینسخون من تلقاء انفسهم فمعاذ الله لانه اجماع علٰی الخطاء وهم معصومون من ذٰلک‘‘ (شرح النووی باب طلاق الثلاث ج۱۰ص۷۲، شامله)

قادیانیوں کے کفریات میں ایک کفران کا قرآن وحدیث کی نصوص کو ان کے ظاہر سے نکالنے کی کوشش بھی ہے۔مثلاً آیت: ’’خاتم النّبیین‘‘ اور حدیث: ’’لا نبی بعدی‘‘ اپنے ظاہر میں ہر نئے نبی کی بعثت کو روکتی تھیں اور پوری امت نے آج تک ان نصوص کو اپنے ظاہر معنی پر ہی قبول کیا ہوا ہے اور اس کے ظاہر معنی ہی آج تک امت میں متوارث چلے آرہے ہیں۔اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ’’لا نبی بعدی‘‘ کا معنی یہ ہے کہ کوئی نئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا تابع شریعت درجے کے نبی آسکتے ہیں تو اس کا ظاہر حدیث میں یہ تخصیص کرنا اور ختم نبوت کو ایک نئے معنی دینا ہے۔یہ نصوص میں تاویل کی راہ کھولنا ہے اور یہ عمل اسے زندقہ اور الحاد میں لے آئے گا جس کی آگے کوئی حدبندی نہیں ہوتی۔

’’عن محمد بن الحسن الشیبانی (۱۸۹ هجری) قال اتفق الفقهاء کلهم من المشرق الٰی المغرب علٰی الایمان بالقرآن وبالحدیث التی جاء بها الثقات عن رسول الله ﷺ فی صفة الرب من غیر تشبیه ولا تفسیر فمن فسر شیاءً منها وقال بقول جهم فقد خرج عما کان علیه النبی ﷺ واصحابه ؓ وفارق الجماعة لانه وصف الرب بصفة لا شئ‘‘

(فتح الباری ج۱۳ص۴۹۷ باب وکان عرشه علی الماء)

(ترجمہ) تمام فقہاء آفاق اس پر مجتمع ہیں کہ صفات خداوندی میں قرآن وحدیث کی رو سے ایمان یہ ہے کہ اس میں کسی تشبیہ اور تفسیر کو راہ نہ دی جائے۔ انہیں ان کے ظاہر پر تسلیم کیا جائے۔ بایں طور کہ اس سے کسی مخلوق سے مشابہت پیدا نہ ہو۔ جو اس میں کسی تفسیر کی راہ کھولے گا وہ جہنمی ہو جائے گا اور اس دین سے نکل جائے گا جو حضور اکرم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے متوارث چلا آرہا ہے۔

اس سے ان لوگوں کی بھی تردید ہوگئی جو خود امام محمدؒ پر جہمی ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ اب اگلی صدی میں چلئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری کے آخر میں ایک مستقل کتاب ''الرد علی الجھمیہ'' تالیف فرمائی ہے اور جہم بن صفوان کی وزن اعمال میں لائی گئی تاویلات کو قرآن وحدیث کی ظاہر نصوص سے روکا ہے۔

اس کے دوسو سال بعد آپ کی اس بات کو کہ قرآن وحدیث کی نصوص میں سے کسی کو اس کے ظاہر سے نکال کر کوئی دوسرے معنی نہیں دیئے جاسکتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۵۰۵ھ) سے سنیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی نصوص کو ہمیشہ انہی معنی میں لیا جائے گا جو امت ان سے آج تک سمجھتی آئی ہے۔ فہم امت کے خلاف ان میں کسی تاویل اور تخصیص کو راہ نہ دی جائے۔ آپ نے اس میں آیت: ''خاتم النّبیین'' اور حدیث: ''لا نبی بعدی'' کی مثال دی ہے اور انہیں ان کے ظاہر معنی سے نکالنے کی راہ بڑی سختی سے بند کی ہے۔

آپ لکھتے ہیں: ''ان الامة فهمت من هذا اللفظ ومن قرائن احواله انه افهم عدم نبی بعده ابداً وعدم رسول الله بعده ابدا وانه لیس فیه تاویل ولا تخصیص فمنکر هذا لا یکون الا منکر الاجماع''

(الاقتصاد فی علم الاعتقاد ص۱۲۳ مطبوعہ مصر)

(ترجمہ) امت نے ان الفاظ (لفظ: ''خاتم النّبیین'' اور حدیث: ''لا نبی بعدی'') سے یہی سمجھا ہے کہ آپ ﷺ نے ان الفاظ سے یہی بتلایا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کبھی کوئی نبی اور رسول مبعوث نہ ہوگا اور آپ ﷺ نے ان الفاظ میں کسی تاویل اور تخصیص کو راہ نہیں دی۔ اب جو کوئی ان الفاظ میں کوئی تخصیص کرے تو اس کی اس بات کو بے معنی اور لغو بات سمجھا جائے گا اور اس سے حکم تکفیر روکا نہ جاسکے گا۔ کیونکہ وہ اس نص کو اس کے ظاہر سے نکال رہا ہے جس پر پوری امت متفق چلی آرہی ہے کہ ان میں کسی تاویل اور تخصیص کو راہ نہ دی جاسکے گی۔

کسی نص کو اس کے ظاہر سے پھیرنا کوئی معمولی درجے کا گناہ نہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسے حرام بتلاتے ہیں: ''صرف الفاظ الشرع عن ظواھرھا المفھومۃ الی امور باطنۃ لا یسبق منھا الیٰ الافھام فائدۃ کدأب الباطنیۃ فی التاویلات فھذا ایضاً حرام وضررہ عظیم فان الالفاظ اذا صرفت عن مقتضی ظواھرھا بغیر اعتصام فیہ بنقل عن صاحب الشرع ومن غیر ضرورۃ تدعو الیہ من الدلیل العقل اقتضٰی ذٰلک بطلان الثقہ بالالفاظ وسقط بہ منفعۃ کلام اللہ تعالیٰ وکلام رسولہ...... وانما قصد اصحابھا الاغراب لان النفوس مائلۃ الیٰ الغریب ومستلذۃ لہ وبھذا الطریق توسل الباطنیۃ الیٰ ھدم جمیع الشریعۃ بتاویل ظواھرھا وتنزیلھا علیٰ رایھم'' (احیاء العلوم ج۱ ص۴۳ بیان مابدل من الفاظ العلوم)

(ترجمہ) شریعت کے الفاظ کو ان کے ظواہر سے جس طرح کہ وہ پہلے سمجھے جاچکے پھیر کر ان چھپے معنی کی طرف لے جانا کہ ذہنوں میں ان کا کوئی فائدہ باقی نہ رہے۔ جیسا کہ باطنی فرقہ کے لوگوں کی تاویلیں ہوتی ہیں، حرام ہے اور ان کا ضرر ان کے کھلے انکار سے بھی زیادہ ہے۔ کیونکہ الفاظ جب اپنے ظاہر سے صاحب شرع سے بغیر کسی دلیل کے اور ضرورت کے پھیر دیئے جائیں تو اس سے الفاظ پر اعتماد اٹھ جاتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی کوئی منفعت باقی نہیں رہتی۔ ایسے لوگوں کا کام ہی لوگوں کو مغالطوں میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ نفوس انسانی نادر باتوں کی طرف ویسے ہی جھکے ہوتے ہیں اور ان سے لذت پذیر ہوتے ہیں اور اسی راہ سے باطنی لوگ ساری شریعت کو گرانے کی راہیں نکالتے ہیں کہ ظواہر شریعت کو ان کے مطالب سے نکال کر اپنے فاسد خیالات میں اتار دیں۔

اب ذرا آگے چلیئے۔ چھٹی صدی کے جلیل القدر عالم قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ آیت: ''خاتم النّبیین'' اور حدیث: ''لا نبی بعدی'' کو ان کے ظاہر پر رکھنا ضروری ہے۔ نصوص سے وہی معنی مراد لیا جائے گا جو ان کے ظاہر سے سامنے آئے نصوص قطعیہ میں کسی تاویل کو راہ نہیں دی جاسکتی۔

''اجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ وان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلاشک فی کفر ھؤلاء الطوائف کلّھا قطعاً اجماعاً سمعاً'' (الشفاء ص۳۶۲ فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر)

(ترجمہ) پوری امت اس کلام کو اس کے ظاہر معنی میں لینے پر متفق ہو چکی کہ اس کے معنی مراد بغیر تخصیص اور تاویل کے یہی ہیں تو اب جو کوئی انہیں ان کے ظاہر سے ہٹائے تو پھر اس کے یقینی طور پر کافر ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

اب ساتویں صدی میں چلیں شیخ اکبر محی الدین ابن العربی (٦٣٨ھ) جو تاویلات کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں وہ بھی نصوص قطعیہ میں کسی تاویل کو راہ نہیں دیتے جو تاویل کسی نص کے متوارث معنی کو بدلے وہ اسے کفر قرار دیتے ہیں۔ آپ صراحت سے لکھتے ہیں: ''التاویل الفاسد کالکفر'' (فتوحات مکیہ ج٢ ص٦٤٨ باب ٢٨٩ مطبوعہ دار الکتب العربیہ مصر)

(ترجمہ) تاویل فاسد اس نص کے انکار کے برابر ہے۔

یہ انکار کے برابر کیوں ہے؟ یہ اس لئے کہ اس تاویل سے اس کے ظاہر معنی بالکل بدل جاتے ہیں۔ اب آگے چلیں۔

خاتمۃ الحفاظ علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (٩١١ھ) بھی یہی کہتے ہیں: ''قال اهل الاصول التاویل صرف اللفظ عن الظاهر بدلیل فان لم یکن الدلیل فلعب لاتاویل'' (الحاوی للفتاویٰ ج٢ ص٢٠١ باب کتاب الاعلام بحکم عیسیٰ علیہ السلام)

(ترجمہ) علماء اصول نے کہا ہے تاویل کسی لفظ کو اس کے ظاہر سے کسی شبہ سے پھیرنے کا نام ہے۔ اگر بغیر کسی دلیل کے اس میں تاویل کریں تو یہ ایک کھیل شمار ہوگا۔ (جس کا کوئی علمی وزن نہیں ہے)

دسویں صدی کے مشہور عالم علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (٩٧٣ھ) بھی لکھتے ہیں: ''عن الخطابی ان الخطاء فی التاویل موجب الکفر کفرناهم بقولهم''

(الیواقیت والجواہر ج٢ ص١٢٥ مطبوعہ مصر)

(ترجمہ) خطابی سے مروی ہے کہ کسی نص میں ایسی تاویل کرنا جو کفر کا موجب ہو، ہم نے ایسا کرنے والے پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

اب بارھویں صدی ہجری کے مقتدر عالم دین عالمہ عبدالغنی النابلسی رحمۃ اللہ علیہ (١١٤٣ھ) سے سنیں آپ فلاسفہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قرآن کریم میں لفظ ''خاتم النّبیین'' صریح طور پر وارد ہے اور حدیث: ''لا نبی بعدی'' بھی اپنی جگہ نہایت واضح ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی اور نبی کے پیدا ہونے کا کوئی تصور اسلام کے عقیدہ ختم

نبوت سے ایک کھلا تصادم ہے۔ اگر کوئی شخص ختم نبوت کے ظاہر الفاظ کا صریح انکار نہ بھی کرے بلکہ اپنی کسی تاویل سے ان کے ظاہر معنی سے ہٹ جائے تو وہ اس کا منکر ہی سمجھا جائے گا۔ آپ یہاں ان الفاظ کو ان کے ظاہر پر مبنی ہوئے معنی پر پوری امت کا اجماع نقل کرتے ہیں۔ سو نصوص کو ان کے ظاہر پر رکھنا ضروری ہے۔''

آپ لکھتے ہیں: ''**اجمعت الامة علی ابقاء هذا الکلام علی ظاهره وهذا من احدی المسائل المشهورة التی کفرنا بها الفلاسفه**''

(شرح الفرائد للعلامۃ العارف باللہ عبدالغنی النابلسی اکفار الملحدین ص۵۵)

(ترجمہ) اس پر تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے کہ ''خاتم النّبیین'' کی آیت اور حدیث: ''لا نبی بعدی'' کو اس کے ظاہر پر رکھا جائے۔ یہ ان مشہور مسائل میں سے ایک ہے جن کی بناء پر ہم نے فلاسفہ کی تکفیر کی ہے (جو نبوت کو ہمیشہ جاری رکھنے کے مدعی رہے)

شرح عقائد نفسی میں جہاں ان دو باتوں میں تطبیق مشکل بتائی گئی ہے، لکھتے ہیں:

۱...... ''**لا یکفر احد من اهل القبلة**''

۲...... ''**یکفر من قال بخلق القرآن واستحالة الرؤیة او سب الشیخین اولعنهما وامثال ذٰلک**'' (شرح العقائد النسفیہ ص۱۷۰ المکتبۃ المیزان)

پہلے یہ اصول بتلایا گیا کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے اور پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو قرآن کو مخلوق جانے یا آخرت میں رویت باری کو محال مانے اور یا جو حضرت ابوبکر وعمرؓ کو گالی دے (اسے عبادت اور نیکی سمجھتے ہوئے) یا ان کو برا بھلا کہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اب ان دو باتوں میں کس طرح تطبیق دی جا سکے گی؟

اس پر علامہ شمس الدین احمد بن موسیٰ الشہیر بالخیالی رحمۃ اللہ علیہ (۸۷۰ھ) اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''**من قواعد اهل السنة ان لا یکفر معنی هذه القاعدة ان لا یکفر فی المسائل الاجتهادیة اذ لا نزاع فی تکفیر من انکر ضروریات الدین ثم ان هذه القاعدة للشیخ الاشعری وبعض متابعیه واما البعض الآخر فلم یوافقوهم وهم الذین کفروا المعتزلة والشیعة فی بعض المسائل فلا احتیاج الی الجمع لعدم اتحاد القائل**''

(شرح عقائد النسفیہ ص۱۷۰ ادر حاشیہ ماخوذ از اکفار الملحدین ص۹۶ مطبوعہ دہلی)

(ترجمہ)اہل سنت کے قواعد میں جو یہ بات ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے والوں میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ مسائل اجتہادیہ میں کسی کی تکفیر نہ کی جائے۔ کیونکہ ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار کرنے والے کی تکفیر میں ہرگز کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا۔ پھر یہ قاعدہ (عدم تکفیر) بھی تو امام ابوالحسن اشعری اور ان کے بعض پیروؤں کا ہے۔ بعض دوسرے اشعری علماء ان سے اس اطلاق میں موافق نہیں ہیں۔ انہوں نے کھل کر معتزلہ وغیرہ کی تکفیر کی ہے۔ سو اس موضوع پر ان دو باتوں کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دونوں باتیں ایک قائل کی نہیں ہیں۔

سو اگر کوئی شخص کسی نص کا لفظاً انکار نہ کرے لیکن اس میں ایسی تاویل کرے جس سے وہ نص اپنے ظاہر پر نہ رہے تو یہ تاویل باطل اس پر انکار نص سے وارد ہونے والے حکم کفر کو روک نہ سکے گی۔ مولانا علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (۱۰۹۷ھ) حاشیہ خیالی میں لکھتے ہیں:

’’التاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر‘‘ (حاشیہ علی الخیالی ص۱۴۸)

(ترجمہ) ضروریات دین میں تاویل کرنا (ہ انہیں ان کے ظاہر سے پھیر دیا جائے) اس کفر کو روک نہیں سکتا جو ان کے انکار سے کسی پر وارد ہوسکتا ہے۔

دسویں صدی ہجری کے مشہور محدث اور متکلم ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۱۴ھ) بھی نصوص کو ان کے ظواہر پر رکھنے کا حکم کرتے ہیں: ’’ثم المراد من المعلوم ضرورۃ کونہ من الدین بحیث یعلمہ العامۃ من غیر افتقار الی النظر والاستدلال کوحدۃ الصانع ووجوب الصلوٰۃ وحرمۃ الخمر ونحوھا وانما قیدبھا لان منکر الاجتھادیات لا یکفر اجماعاً واما من یأول النصوص الواردۃ فی حشر الاجساد وحدوث العالم وعلم الباری بالجزئیات فانہ یکفر لما علم قطعاً من الدین انھا علی ظواھرھا‘‘ (شرح فقہ اکبر ص۱۰۴ طبع مجتبائی دہلی)

(ترجمہ) ’’ان کا دین میں سے ہونا ضروری طور پر معلوم ہو۔‘‘ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں عام لوگ نظر واستدلال کے بغیر دین میں سے سمجھتے ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نمازوں کی فرضیت اور شراب کی حرمت وغیرہ۔ یہ ضروری طور پر معلوم ہونے کی قید اس لئے ہے کہ اجتہادیات کا منکر کافر نہیں ٹھہرایا جاتا۔ ہاں! نصوص قطعیہ میں ان کے منکر کو (گو وہ تاویل کی راہ سے ان کا منکر ہوا) ضرور کافر کہا جائے گا۔ کیونکہ دین میں یہ چیز قطعاً

جانی جا چکی ہے کہ نصوص اپنے ظواہر پر ہی رہیں گی (ان میں کسی تاویل کو راہ نہ دی جائے گی)
سو جان لیجئے کہ جس طرح نمازوں کی فرضیت اور شراب کی حرمت مسائل قطعیہ میں سے ہیں، عقیدہ ختم نبوت (کہ حضور ﷺ کے بعد اس امت میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا) بھی عقائد قطعیہ یقینیہ میں سے ہے۔ اس کا انکار کرنے والا (گو وہ کسی تاویل سے انکار کر رہا ہو) قطعاً دائرہ اسلام میں نہ رہ سکے گا۔

علاّمہ خفّاجی (۱۰۶۹ھ) صاحب نسیم الریاض بھی لکھتے ہیں: ''**وقال اصبغ بن الفرج (هو) ای من زعم انه نبی یوحی الیه (کالمرتد) فی احکامه لانه قد کفر بکتاب الله لانه کذبه ﷺ فی قوله انه خاتم النّبیین ولا نبی بعده مع الفریة علی الله...... (اوقال) وزعم (ان بعد نبیئکم نبی) سیاتی من الله بشریعة فقال انه (یستتاب) کالمرتد...... لانه مکذب النبی ﷺ فی قوله الذی نقله عنه الثقات لا نبی بعدی ای لا ینبّاء احد بعد نبوتی...... اما عیسیٰ علیہ السلام فلم ینبّاء بعده وانما یجیئ متابعاً له صلی الله علیه وسلم ومؤید لدینه حاکماً بشرعه**'' (نسیم الریاض شرح شفا للقاضی عیاض جلد۴ ص۳۹۳)

بارھویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۷۶ھ) بھی ختم نبوت کے بعد کسی آسمانی امامت کے عقیدہ کو اسی اصول پر ختم نبوت کا انکار قرار دیتے ہیں کہ کسی آسمانی سلسلہ امامت کا عقیدہ کسی کو عقیدہ ختم نبوت پر رہنے نہیں دیتا۔ ختم نبوت کو اپنے ظاہر معنی سے ہٹائے بغیر کوئی شخص یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد آسمانی مامورین (جو شان عصمت رکھتے ہوں) اس دنیا میں مسلسل رہیں گے اور انہیں مانے بغیر کوئی شخص ایمان کی دولت نہ پا سکے گا۔ ختم نبوت کے بعد اس عقیدے کو حضرت شاہ صاحب ختم نبوت کا انکار قرار دیتے ہیں۔ گو عقیدہ امامت کے حاملین ہزار بار اپنے آپ کو ختم نبوت پر ایمان رکھنے والا بتائیں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''**او قال ان النبی ﷺ خاتم النبوة ولکن معنی هذا الکلام انه لا یجوز ان یسمّٰی بعده احد بالنبی واما معنی النبوة وهو کون الانسان مبعوثاً من الله تعالٰی الی الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب ومن البقاء علی الخطاء فیما یری وهو موجود فی الائمة بعده فذلک هو الزندیق**'' (المسویٰ عربی شرح المؤطا ج۲ ص۲۹۲،۲۹۳ مطبوعہ ادارہ سلفیہ مکہ مکرمہ)

(ترجمہ) یا جس نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ پر نبوت ختم ہے لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ اب حضور ﷺ کے بعد کسی شخص کو نبی کا نام نہ دیا جائے گا اور جو نبوت کی حقیقت ہے کہ کوئی انسان اللہ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا جائے جس کی اطاعت تمام انسانوں پر فرض ہو اور وہ گناہوں سے معصوم ہو اور کسی خطاء پر باقی نہ رہ پائے سو یہ حقیقت آپ کے بعد ائمہ کرام میں بھی موجود ہے تو اس شخص کو زندیق قرار دیا جائے گا۔

یہ اصول ایک ایسا امر مسلم ہے کہ اس کا دبے لفظوں میں خود غلام احمد قادیانی نے بھی پورا اقرار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''اور یہ امر مقبول اور مسلم ہے کہ نصوص کو ہمیشہ ان کے ظاہر پر حمل کرنا چاہئے اور ہر ایک لفظ کی تاویل مخالف کو تسکین نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اس طرح تو کوئی مقدمہ فیصلہ ہی نہیں ہوسکتا...... یہ اعتراض ہے جو ہمارے مخالف کرتے ہیں اور نیز اپنے نادان چیلوں کو سکھاتے ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ وہ خود اس اعتراض کے نیچے ہیں۔ ہم تو کسی حدیث کے ظاہر الفاظ کو نہیں چھوڑتے۔ جب تک قرآن اپنے نصوص صریحہ سے مع دوسری حدیثوں کے اس کو (اس ظاہر کو) نہ چھیڑے اور تاویل کے لئے مجبور نہ کرے۔ چنانچہ اس جگہ بھی ایسا ہی ہے۔'' (تحفہ گولڑویہ ص۴۴،۴۵، خزائن ج۱۷ ص۱۶۱،۱۶۲)

اس میں غلام احمد نے نصوص کے ظاہر پر محمول ہونے کا انکار نہیں کیا۔ لیکن الٹا اس اصول سے اس نے ہمیں ملزم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب یہ بات ہمارے قارئین خود دیکھ لیں کہ لفظ ''خاتم النّبیین'' اور حدیث: ''لا نبی بعدی'' میں نصوص کے ظاہر پر کون ہیں اور تاویل کی راہ پر کون؟ اب بھی اگر غلام احمد قادیانی کہے کہ ہم ظاہر الفاظ کو نہیں چھوڑتے تو یہ اگر کذب نہیں تو دجل ضرور ہے اور حضور ﷺ نے اپنے بعد کے تیس مدعیان نبوت کو صرف کذابین کے لفظ سے ذکر نہیں کیا۔ انہیں دجالین بھی ساتھ ہی ٹھہرایا ہے۔ غلام احمد کا اپنے آپ کو نبی کہنا تو بے شک کذب ہے۔ لیکن اس کا اپنے آپ کو مسیح موعود ہونے کے ناطے نبی ٹھہرانا بے شک ایک دجل ہے اور وہ اسی طرح پہچانا جاتا ہے کہ نصوص کو اپنے ظواہر سے ہٹا دیا جائے اور ظاہر ہے کہ پھر باب تاویل بہت وسیع ہے۔ اب جو چاہے جو بھی کہے ایک دن سب کو اللہ رب العزت کے حضور حاضر ہونا ہے اور وہ جانتا ہے کہ نصوص کے گرد کون حفاظت کا پہرہ دے رہے ہیں اور کون تاویل کی راہ چل رہے ہیں۔

قانون اسلامی کا اصل الاصول

The Major Acts 2008 ص 1297 پر دیکھئے۔

Faith-Person who falsifies a clear and general verse of Quran by resort to its Taweel and particularization is as good as one who denise verse it self.

(PLD-1985. FSC-8)

(ترجمہ) ایسا شخص جو قرآن کریم کی کسی آیت کے کھلے اور عام کو جھٹلاتا ہے اور اسے اس کے اصل معنی سے پھیرتا ہے اور اس کے کسی عام کی تخصیص کرتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس آیت کا ہی انکار کرے۔

یعنی قرآن کریم کی کسی نص میں تاویل کرنے والا یا اس کی کسی عام بات کی تخصیص کرنے والا اسی طرح دین سے نکلا ہوا سمجھا جائے گا جیسے وہ شخص جس نے بنیادی طور پر اس آیت کا انکار کر دیا ہو اور اسے حکم الٰہی نہ مانا ہو۔

مرزا قادیانی کا دینی نقطہ نظر سے سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ اس نے ضروریات دین میں تاویلات کو راہ دے کر اور ان کے مسلمانوں کے صدیوں سے تسلیم کئے گئے۔ معانی ومطالب کا انکار کر کے اپنے آپ کو مسلمانوں کی پہلے سے چلے آنے والی صف سے لا باہر کیا ہے۔

یہ وہ نازک ترین قومی سانحہ ہے جس میں دین سے مطلقاً انکار کرنے والے اور پہلے دین سے زندقہ والحاد سے باہر آ نکلنے والے دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ کفر بہر حال کفر ہے۔ وہ کفر انکار ہو یا کفر الحاد۔

کاش کہ قادیانیوں کے اخلاف اور ان کی نئی نسل اپنے باپ دادا کی اس بڑی غلطی کو پہچان سکیں اور پھر وہ اپنی اصل Parents Body کی طرف آ نکلنے کی سعادت پائیں اس امت مسلمہ کو ان کی اس بازگشت کا بڑی شدت سے انتظار ہے۔

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

اس پر ہم اپنی اس عرض داشت کو ختم کرتے ہیں کہ اسلام میں نصوص قطعیہ اور ظواہر دین کو کوئی اور نئے معنی نہیں دیئے جاسکتے۔

عقیدہ تسلسل امت

(ختم نبوت کی ایک بڑی روشن دلیل تسلسل امت)

امت ایک تسلسل میں تبھی چل سکتی ہے کہ آگے کسی نبی کی بعثت نہ ہو اور پچھلے دین میں کوئی تبدیلی لانے کی کسی کو جرأت نہ ہو

الحمد ﷲ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

حضور اکرم ﷺ کی امت بوجہ ختم نبوت ایک تاریخی تسلسل سے چلی آرہی ہے۔ جب تک نبوت ملنے کا دروازہ بند نہ ہوا تھا خدا کے مختلف پیغمبر مختلف اکناف وممالک میں بھیجے جاتے رہے اور امتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ کسی سابقہ امت کو یہ تاریخی تسلسل نہ ملا۔ نہ اس کی کبھی ضرورت محسوس کی گئی۔ حضور اکرم ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم کیا گیا تو ضرورت ہوئی کہ آپ کی نبوت قیامت تک چلے اب کسی نبی کی بعثت کا انتظار نہ رہا تھا۔ اب وہی ایک امت جو حضور ﷺ سے بنی تھی قیامت تک چلے گی۔ جس طرح حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ کی یہ امت بھی آخرالامم ہے جو آخرانقضائے عالم تک چلے گی۔ یہاں تک کہ یہ دنیا فنا ہو جائے۔ اس امت کا بہترین طبقہ صحابہ کرامؓ تھے جو اب نبیوں کی بجائے پوری اقوام عالم کے پیشواء ٹھہرائے گئے۔ قرآن کریم میں اس کی شہادت موجود ہے۔

۱...... قرآن کریم کی پہلی شہادت

حضور ﷺ کے ساتھ ایک امت قائم کر دی گئی ہے۔ آئندہ اقوام عالم اس کی راہنمائی میں چلیں گی۔

’’کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون باللہ‘‘ (آل عمران:۱۱۰)

(ترجمہ) تم بہترین امت ہو جو اقوام عالم کے لئے سامنے لائے گئے ہو تم معروف کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا: **’’خیر هذه الامة القرن الذین بعثت فیهم ثم الذین یلونهم‘‘** (صحیح مسلم ج۲ص۳۰۹باب فضل الصحابہ ثم الذین یلونهم)

(ترجمہ) اس امت کا بہترین حصہ وہ ہیں جن میں، میں مبعوث ہوا پھر وہ جو آگے ان سے آملے اور پھر وہ جو ان کے بعد آئے۔

اس آیت: ’’کنتم خیر امۃ‘‘ کی لسان شریعت سے پہلی تین منزلیں بیان کر دی گئیں۔ آپ ﷺ نے اسے ان لفظوں میں بھی بیان کیا۔

’’خیر کم قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم‘‘ (ایضاً)

۲...... قرآن کریم کی دوسری شہادت

حضور ﷺ کے ساتھ شروع سے ہی کچھ لوگ کھڑے رہے اور آپ پوری زندگی کبھی بے جماعت نہ ہو پائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو کبھی اکیلا نہیں رہنے دیا۔ مؤمنین کی ایک جماعت ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہی۔ مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کی امت کا آغاز ہوا۔ آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ رات کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں لگائیں رات کی ان تنہائیوں میں بھی مؤمنین کی ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ کھڑی تھی۔

’’ان ربک یعلم انک تقوم ادنٰی من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک‘‘ (المزمل:۲۰)

(ترجمہ) بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو کھڑا رہتا ہے نماز میں۔ رات کا دو تہائی اور نصف رات اور تہائی رات اور کچھ لوگ بھی تیرے ساتھ کے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس وقت بھی ایک جماعت موجود ہوتی تھی۔ یہیں سے اس امت کا آغاز ہوا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائی مرحلہ نبوت میں ہی آپ ﷺ کے ساتھ ایک امت رہی تھی جو آگے بڑھتی گئی اور انہی لوگوں کو جو اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ کھڑے ہوتے تھے آگے ایک تسلسل ملا۔ یہ اس امت کے بہترین لوگ رہے۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ ان دنوں بچے تھے۔ وہ کون لوگ تھے جو اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ رات نماز میں کھڑے ہوتے تھے؟ یہ وہ حضرات تھے جو پہلے مرحلہ میں

ایمان لائے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو آئندہ بنی نوع انسان کے پیشواء ٹھہرائے گئے۔ یہ امت جو اس وقت حضور ﷺ سے چلی اسے کب تک رہنے کی بشارت دی گئی؟ جب تک یہ کرۂ ارض نسل آدم سے آباد رہے گا۔ ختم نبوت کی وجہ سے اب کوئی اور نبی مبعوث نہ ہوگا سو وقت کے ہر مرحلے میں بس ان کی پیشوائی کی ضرورت محسوس کی جاتی رہے گی اور وہی آئندہ اقوام عالم کو خدا کی راہ بتانے والے ہوں گے۔

۳...... قرآن کریم کی تیسری شہادت

حضور ﷺ کے دائرہ ایمان میں کچھ اور لوگ بھی آپ کے ساتھ جمع تھے۔ ’’امن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون. کل امن بالله وملئکته وکتبه ورسله‘‘ (البقرة:۲۸۵)

(ترجمہ) مان لیا اس رسول نے جو کچھ اتارا گیا اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے اور اسے مان لیا مؤمنوں نے بھی۔ ہر ایک ایمان لایا اللہ پر۔ اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔

یہاں فعل ایک ہے ’’امن‘‘ اور وہ حضور اکرم ﷺ اور ان کے ساتھ کے سب مؤمنوں کو شامل ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا ایمان جس طرح حقیقی ایمان ہے، ان مؤمنوں کا ایمان بھی حقیقی ایمان تھا۔ صرف ظاہرداری کا ایمان نہیں تھا۔ کیونکہ پہلے مؤمنین حضور ﷺ کے ایمان میں آپ کے ساتھ شریک بتلائے گئے ہیں۔ حضور اور یہ پہلے دور کے مؤمنین ایک ہی نوع ایمان کے مؤمن کہلائیں گے۔ یہ پہلے ایمان لانے والے کون تھے؟ سیرت المصطفیٰ میں ان کے یہ نام بتلائے گئے ہیں: (۱) حضرت ابوبکر صدیق، (۲) حضرت عثمان، (۳) حضرت زبیر، (۴) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، (۵) حضرت طلحہ، (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص، (۷) حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہم۔

۴...... قرآن کریم کی چوتھی شہادت

حضور ﷺ کی امت اس لئے امت وسط ٹھہری کہ یہ سب لوگوں کے لئے آسمانی ہدایت ہوں گے۔

’’وکذٰلک جعلناکم امة وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداً‘‘ (البقرۃ:۱۴۳)

(ترجمہ) اوراس طرح ہم نے تمہیں اعتدال والی امت بنایا تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پراوررسول رہے گواہ تم پر۔

کیا کسی امت کوآسمانی ہدایت کی اس طرح ذمہ داری سونپی جاسکتی ہے؟ بایں طور پرکہ اس کااپنا ایمان خلوص وحقیقت پرمبنی نہ ہو؟ ہرگزنہیں۔

یہ آیت بتلارہی ہے کہ حضورﷺ کے ساتھ آپ کی جوامت شریک کاررہی وہ دولت ایمان سے حقیقی طور پر بہرہ ورتھی اور حضورﷺ دین کی ان راہوں میں کبھی اکیلےنہیں چلے۔ ہرقدم پرایک امت اعتدال آپ کے ساتھ شامل رہی۔

۵…… حضورﷺ کے ساتھ کے لوگ کن صفات کی امت بتلائے گئے

’’محمد رسول اللّٰہ والذین معه اشدّاء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضواناً سیماهم فی وجوههم من اثر السجود‘‘ (الفتح:۲۹)

(ترجمہ) حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور جولوگ آپ کے ساتھ ہیں۔(آپ کی معیت میں ہیں) وہ یہ صفات رکھتے ہیں: (۱) زورآور ہیں کافروں پر۔ (۲) نرم دل ہیں آپس میں۔ (۳) آپ انہیں رکوع وسجدہ میں جھکا ہوا پائیں گے۔ (۴) وہ ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اوراس کی خوشی۔ (۵) ان کی نشانی ان کے چہروں پرسجدوں کے اثر سے ظاہر ہے۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ حضور اکرمﷺ کی امت حضور کے عہد میں ہی ان روشن صفات سے ممتاز ہوچکی تھی اور آپ اپنے کل دائرہ عمل میں ایک ایسی روشن امت کوساتھ لے کر چلتے رہے جس سے آئندہ آنے والے لوگوں کو روشن زندگی کی راہیں ملتی رہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت علیؓ ابھی چھوٹی عمر میں تھے اور حضرت عباسؓ ابھی اسلام نہ لائے تھے۔

۶...... حضورﷺ کے ذمہ جس طرح قرآن پہنچانے کی ذمہ داری تھی، آپﷺ کے ذمہ ایک پاک دل امت بنانا بھی رہا

’’اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ‘‘ (آل عمران:۱۶۴)

(ترجمہ) جب بھیجا اللہ نے ان میں ایک رسول ان میں سے ہی اس کے ذمہ رہا کہ وہ ان پر اللہ کی آیات پڑھے ان کے دلوں کا تزکیہ کرے (انہیں پاک دل بنائے) اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔ بے شک لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

حضورﷺ نے جس طرح لوگوں کو قرآن کی لازوال دولت دی، اس دولت لازوال کو سمجھنے کے لئے ان میں ایسے پاکیزہ دل لوگ بھی بنائے جو ایک عملی شکل میں قرآن کے صحیح حاملین تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرمﷺ اپنے طویل عہد حیات میں کبھی اکیلے نہیں رکھے گئے۔ ہمیشہ ایک امت آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے۔

۷...... حضورﷺ نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنی تزکیہ یافتہ امت کی اطاعت بھی شامل کی

’’ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولیٰ ونصلہ جھنم وسآء ت مصیرا‘‘ (النساء:۱۱۵)

(ترجمہ) اور جو مخالفت کرے رسول کی جب کہ کھل کی اس پر سیدھی راہ اور چلے مؤمنین کی راہ کے خلاف تو اسے ہم پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور ہم پہنچا دیں گے اسے آگے میں اور وہ بہت بری جگہ ہے ٹھکانے کی۔

اس سے بھی پتہ چلا کہ حضورﷺ نے اپنے ساتھ ہمیشہ ایک امت قائم رکھی جس کا پیمانہ عمل حضورﷺ کے ساتھ ہمیشہ متصل رہا اور جو لوگ ان اساطین امت (ان کی راہ) کے خلاف چلے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت کی طرف آنے کی کوئی راہ نہ دی۔ جنت کی راہ حضورﷺ اور ان کاملین امت کی اطاعت میں ہی رکھی گئی تھی۔

۸...... حضورﷺ مقام دعوت میں بھی کبھی اکیلے نہ رہے، بہترین امت ہمیشہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتی رہی

’’قل هذه سبيلى ادعو الى الله على بصيرة انا ومن اتبعنى وسبحن الله وما انا من المشركين‘‘ (یوسف:۱۰۸)

(ترجمہ) آپﷺ کہہ دیں یہ میری راہ ہے۔ میں اور جو میرے ساتھ ہیں پوری سمجھ بوجھ سے (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلا رہے ہیں۔

یعنی میں اور میرے ساتھی (یہ اوّلین امت) اس سیدھے راستے پر حجت وبرہان اور بصیرت ووجدان کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ خدا نے مجھ کو ایک نور دیا ہے، جس سے تمام ہمراہیوں کے دماغ روشن ہوگئے ہیں۔ (قالہ شیخ الاسلام فی تفسیر عثمانی ص۳۲۸)

یہ امت کا تسلسل ہے کہ جو لوگ اس روشنی کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں، ان سے پھر یہ روشنی تابعین لیں گے اور وہ صحابہؓ کے پیرو کہلائیں گے۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ اوّلین امت صحابہ کرامؓ حضور اکرمﷺ کے سامنے ہی مقام دعوت پر آچکے تھے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے اور قومیں ان کی دعوت سے حلقہ بگوش اسلام ہوتیں۔ حضورﷺ انہیں اپنے ساتھ اس مقام دعوت پر لے آئے تھے۔

۹...... دین مکمل ہونے پر اللہ نے دین کا چارج ان اگلے لوگوں (صحابہ) کو دے دیا

جونہی حضور اکرمﷺ پر دین مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا چارج خود صحابہ کرامؓ کو دے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورﷺ سے نہیں کہا کہ آپ اب اس کا چارج اپنے صحابہؓ کو دیں اب وہ اسے آگے تک لے جائیں گے بلکہ خود صحابہ کرامؓ کو کہا۔

’’اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الاسلام دينا‘‘ (المائدۃ:۳)

(ترجمہ) آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر اپنی نعمت اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

اس میں حضور اکرم ﷺ کی اس محنت تزکیہ کی تصدیق ہے جو اللہ نے آپ کے ذمہ لگائی تھی کہ ایک ایسی پاک دل جماعت تیار کریں جو اس قرآن کو اگلے آنے والوں کے لئے سنبھال لے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں چار دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو براہ راست آواز دی۔ یہ خدا کی طرف سے حضور ﷺ کی اس محنت کی تصدیق تھی کہ آپ نے ان کے دل واقعی اس درجہ پاک کر دیئے ہیں کہ اب یہ آئندہ لوگوں کے لئے کتاب وسنت کے امین اور ترجمان ٹھہرے۔

۱۰...... ایمان اور اعمال صالحہ والوں کو جانشینان رسالت ہونے کا وعدہ دیا گیا

’’وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم فى الارض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضٰى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم امنا‘‘ (النور:۵۵)

(ترجمہ) وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہوئے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام ان کو اللہ (حضور ﷺ) کے پیچھے حاکم کرے گا زمین پر جیسا کہ وہ پہلے حاکم کرتا آیا اگلوں کو اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے دین میں جو اس نے ان کے لئے پسند کیا جماؤ دے گا اور دے گا ان کو ڈر کے بدلے امن۔

جب یہ آیت اتری تو اس وقت یہ ایک وعدہ ہی تھا۔ نہ معلوم کہ اس کا مصداق کون کون لوگ ہوں گے۔ لیکن جب وعدہ پورا ہوا لوگوں نے عملاً اس آیت کے باری باری کے مصداق اپنی آنکھوں دیکھ لئے اور خلافت کی یہ چار شرطیں چار خلفاء پر اس طرح پوری ہوئیں کہ گویا اب یہ آیت جو پہلے ان چار خلفاء راشدین پر قطعی الدلالۃ نہ تھی، اب قطعی الدلالۃ ہو گئی اور اب خلفاء راشدین کے اس آیت خلافت کا مصداق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ رہا۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں: ’’الحمدللہ! کہ یہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا اور دنیا نے اس عظیم الشان پیش گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفاء اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہان اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔‘‘

قرآن پاک کی ان دس آیات کی روشنی میں ہم یہ نقطہ یقین پائے ہیں کہ حضور

اکرم ﷺ کی امت رہتی دنیا تک ایک تسلسل سے چلے گی اور امت کا یہ تسلسل قیامت تک قائم رہے گا نہ کسی اور نبی کی بعثت ہوگی اور نہ کوئی اور امت بنے گی اور نہ کبھی اس امت کا تسلسل ٹوٹے گا۔

۱...... قرآن کریم میں پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کس طرح معیار بتایا گیا؟

آنحضرت ﷺ کے ساتھ اوّلین صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس امت کا آغاز ہوا۔ ان کے تسلسل میں آئے بغیر اب کوئی اس امت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ حضور ﷺ کے پاس کچھ لوگ آئے اور کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ ان کلمات سے وہ دائرہ اسلام میں آنا چاہتے تھے۔ وہ اوّلین صحابہ رضی اللہ عنہم سے تسلسل کے بغیر اظہار اسلام کر رہے تھے۔ تحقیقاً وہ منافق نکلے۔

’’اذا جاء ک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله یعلم انک لرسوله والله یشهد ان المنافقین لکاذبون‘‘ (المنافقون: ۱)

(ترجمہ) آپ کے پاس منافق آ کر کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ بے شک اس کے رسول ہیں اور اللہ یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق اپنے دعویٰ اسلام میں جھوٹے ہیں۔

ان منافقوں سے کہا گیا، تمہارے اس ایمان کا اعتبار نہیں ایمان لانا ہے تو ان جیسا ایمان لاؤ۔ جیسا ایمان یہ پہلے لوگ لا چکے ہیں۔ تمہیں پہلوں کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس کے بغیر تم اس تسلسل میں نہ آ سکو گے جو حضور اکرم ﷺ کے دعویٰ نبوت سے ایک امت قائمہ کی صورت میں چلا یہی تسلسل اسلام ہے۔ اس پر یہ منافق کہنے لگے۔ کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس تسلسل میں آئے بغیر آپ تک آنا چاہتے ہیں۔ اس پر اللہ رب العزت نے کہا یہ پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے وقوف کہنے والے خود بے وقوف ہیں اور یہ جانتے نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک پیغمبر سے دو سلسلے چلیں ایک امت عامہ کہلائے اور دوسری امت خاصہ۔ حضور ﷺ خود اللہ کے حضور میں یک رخے حاضر ہوئے تھے۔ آپ نے امت میں دو راہیں نہیں بنائیں۔

’’فاقم وجهک للدین حنیفا‘‘ (الروم:۳۰)

(ترجمہ) اور آپ رکھ دیں اپنا چہرہ دین کے لئے یک رخا ہو کر۔

اللہ تعالیٰ نے ان پہلوں کو مؤمن نہ ماننے والوں کی بے وقوفی اس طرح ظاہر کی ہے:’’واذا قیل لهم امنوا کما اٰمن الناس قالوا أنؤمن کما أمن السفهاء الا انهم هم السفهآء ولکن لا یعلمون‘‘ (البقرۃ:۱۳)

(ترجمہ) اور جب انہیں کہا گیا کہ تم اس طرح ایمان لاؤ جس طرح کہ یہ پہلے لوگ ایمان لائے وہ کہتے ہیں کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں خبردار رہو بے وقوف یہ خود ہیں لیکن وہ جانتے نہیں۔

۱...... ایمان انہی کا لائق قبول ہوگا جو پہلے ایمان لانے والوں کے ساتھ ایک سلسلہ میں رہیں

’’فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم به فقد اهتدوا وان تولّوا فانماهم فی شقاق فسیکفیکهم الله وهو السمیع العلیم‘‘ (البقرۃ:۱۳۷)

(ترجمہ) سو اگر یہ ایسا ایمان لائیں جیسا کہ تم پہلے لا چکے تو بے شک یہ ہدایت پا گئے اور اگر یہ ان سے رخ بدلیں تو بے شک وہ ایک ضد پر ہیں اور بے شک اللہ آپ کو ان کے مقابلہ میں کافی ہے اور وہ ہے سننے والا اور جاننے والا۔

ایمان ایک فعل قلب ہے کوئی نہیں جان سکتا کہ دوسرے کے دل میں کیا ہے۔ اس کیفیت قلبی کے اعتبار سے کسی کو نمونہ نہیں بنایا جاسکتا۔ نمونہ وہی بن سکتا ہے جو ظاہر ہو چھپے اعمال کبھی نمونہ نہیں بن سکتے۔ پھر یہ کیوں کہا گیا کہ تمہارا ایمان ان پہلے ایمان لانے والوں کی طرح ہو؟ یہ صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ ان پہلے ایمان لانے والوں کا ایمان ایک محسوس صورت میں سامنے ہو، ان کے اسلام لانے سے ہی ان کا ایمان واضح ہو، یہ وہ بلند مقام ہے جہاں ایمان اور اسلام ایک ہو جاتے ہوں اور یہ ان اوّلین امت کو حاصل تھا۔ جن کا ایمان ان کے ایمان سے مسلسل نہیں وہ اللہ کے ہاں نادان لوگ ہیں۔ ان کا کلمہ سفہی (صحابہ رضی اللہ عنہم کو بے وقوف کہنا) خود انہی پر لوٹایا گیا کہ بے وقوف یہ خود ہیں۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہو ویسی سنو

وہ اوّلین امت کون تھے، جن کو بعد کے مدعیان اسلام کے لئے نمونہ بتلایا گیا؟

بچوں میں حضرت علی المرتضیٰ ؓ عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ اور بڑے لوگوں میں بقول مؤرخ اسلام حافظ ابن کثیر، حضرت ابوبکر ؓ ہیں۔ یہ لوگ اوّلین امت تھے۔ انہی سے اس امت کا آغاز ہوا۔ (۱) حضرت ابوبکر، (۲) حضرت عثمان، (۳) حضرت زبیر، (۴) حضرت طلحہ، (۵) حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ۔

(البدایہ والنہایہ ج۳ ص۲۴ باب اوّل من اسلم من متقدمی الاسلام مطبوعہ بیروت)

۲...... ان پہلے مسلمانوں کی راہ قرآن پاک میں سبیل المؤمنین ٹھہرائی گئی

جب ان اوّلین امت کے لئے اسلام اور ایمان ایک ہوگئے تو اللہ رب العزت نے ان اوّلین امت کی راہ کو سبیل المؤمنین ٹھہرایا اور آنے والے سب مسلمانوں کو ان کے تسلسل میں آنے کی تعلیم دی۔

’’ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوّله ماتولی ونصله جهنم وسآء ت مصیراً‘‘ (النساء:۱۱۵)

(ترجمہ) اور جو حضور ﷺ کے خلاف چلے بعد اس کے کہ ہدایت اس کے لئے کھل گئی اور چلے وہ ان مؤمنین کی راہ کے خلاف تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرا اور ہم اسے جہنم پہنچائیں گے اور وہ ہے بری جگہ ٹھہرنے کی۔

قرآن کریم نے جس طرح حضور ﷺ کی مخالفت کو کفر قرار دیا وہاں ان پہلے ایمان لانے والوں کی راہ کو بھی سبیل المؤمنین قرار دیا ہے کہ مؤمن وہی ہیں جن کا ایمان ان پہلے ایمان لانے والوں کے ایمان پر پورا اترے یہ نہیں کہ ان کے تسلسل میں آئے بغیر وہ اپنے ایمان کو مؤمن قرار دیں۔ کسوٹی پہلے ہوتی ہے اور اس پر پورا اترنے سے صادقین اور کاذبین میں فاصلہ قائم کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں تسلسل امت کی ان بے لاگ شہادتوں کے بعد اب احادیث میں بھی حضور ﷺ کی اپنی امت کو ایک تسلسل میں رکھنے کی کوششیں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی تسلسل امت کی قوی شہادتیں

احادیث میں حضور ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کو کس طرح اپنے سے ایک تسلسل

میں رکھا۔ اس میں پہلے حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے ایمان کو لیجئے۔

۱…… حضورﷺ نے کس طرح حضرت ابوبکر وعمرؓ کے ایمان کو اپنے ایمان کے ساتھ جوڑا؟ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں، حضور اکرمﷺ نے فرمایا: ’’**بینما رجل راکب علی بقرۃ التفتت الیه فقالت لم اخلق لهذا خلقت للحراثة قال امنت به وابوبکر وعمر واخذ الذئب شاۃ فتبعها الراعی فقال له الذئب من لها یوم السبع یوم لا راعی لها غیری قال اٰمنت به انا وابوبکر وعمرؓ**‘‘

(صحیح بخاری ج۱ ص۳۱۲،ص۵۱۷ باب استعمال البقر للحراثة باب حدیث الغار)

(ترجمہ) ایک شخص ایک بیل پر سوار چلا آ رہا تھا (کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیل کو نطق بخشا) اس بیل نے کہا میں سواری کے لئے نہیں کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ آنحضرتﷺ نے فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور ابوبکر وعمرؓ بھی (کہ خدا جب چاہے کسی جانور کو نطق بخش دے) اسی طرح ایک بھیڑیے نے ایک بکری پکڑ لی، چرواہے نے اس کا پیچھا کیا، بھیڑیے نے اس سے کلام کیا، حضور اکرمﷺ نے اس پر بھی فرمایا کہ میں اس پر ایمان لایا اور ابوبکر وعمرؓ بھی اس پر ایمان لائے۔ یعنی اللہ جب چاہے کسی جانور کو بھی نطق بخش دے۔

حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں اس وقت وہاں حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ موجود نہ تھے۔ حضور اکرمﷺ ان کی عدم موجودگی میں ان کے ایمان کی یہ گواہی دے رہے ہیں۔ حضور اکرمﷺ نے یہاں حضرت ابوبکر وحضرت عمرؓ کو اپنے ایمان میں اپنے ساتھ جمع کیا ہے کہ امنت ایک دفعہ کہا اور اس کے تین فاعل ذکر فرمائے۔ (۱) حضورﷺ خود۔ (۲) حضرت ابوبکر اور (۳) حضرت عمرؓ۔

جس طرح قرآن کریم نے پہلے دور میں ایمان لانے والوں کو حضورﷺ کے ایمان کے ساتھ ایک ایمان میں جمع کیا تھا ’’**اٰمن الرسول بما انزل الیه من ربه والمؤمنون**‘‘ حدیث میں بھی ان کا ایمان اسی طرح حضورﷺ کے ایمان کے ساتھ وحدت پا گیا۔ قرآن وحدیث نے یہاں حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے کامل الایمان اور صادق الایمان ہونے کی واضح خبر دی ہے۔

۲…… حضورﷺ نے ان دو کو اپنی قومی زندگی میں اپنے ساتھ مسلسل رکھا

۱…… جنگ احد میں ایک موقع پر یہ (غلط) آواز لگی کہ حضورﷺ مارے گئے۔ حضورﷺ نے جواباً آواز نہ لگائی تاکہ مشرکین کو پتہ نہ چلے کہ آپ بحمداللہ! موجود ہیں۔ پھر مشرکین نے حضرت ابوبکرؓ کو للکارا، انہوں نے بھی جوابی آواز نہ دی۔ انہوں نے ان کے بارے میں بھی گمان کیا کہ مارے جاچکے ہیں۔ پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کو للکارا۔ ’’أفی القوم ابن الخطاب‘‘ کہ کیا یہاں خطاب کا بیٹا ہے؟ آپ سے رہا نہ گیا۔ فوراً جواب دیا۔ اے اللہ کے دشمن! میں موجود ہوں (دیکھئے صحیح بخاری ج۱ص۵۷۹) اس سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین تک کو ان کے اس تسلسل کی خبر تھی کہ اگر معاذ اللہ! آپﷺ شہید ہوگئے ہوں تو اب امت کو کون پھر سے جمع رکھے گا اور ابوبکرؓ بھی مارے جاچکے ہوں تو اب اس قوم کو کون سنبھالے گا۔

افسوس کہ مشرکوں تک کو تو معلوم ہو کہ اس امت میں قومی دباؤ کن ہاتھوں میں ہے اور بعض بدنصیب مسلمان کہلا کر بھی نہ جان سکیں کہ حضور اکرمﷺ کی وفات کے بعد کون سے ہاتھ انتشار امت (مہاجرین اور انصار کی اپنی اپنی سوچ) پر قابو پاسکیں گے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کا انصار کے اس اجتماع میں پہنچنا اور حالات پر قابو پالینا بتلاتا ہے کہ حضورﷺ نے پہلے سے ہی قوم کی اس طرح تربیت کر رکھی تھی کہ امت کو کس طرح جوڑے رکھنا ہے۔

۳…… آپ نے ان کا نام لے کر انہیں اس امت کے پیشواء بتلایا

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں، حضور اکرمﷺ پہلے ہی یہ فرما گئے تھے: ’’انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی…… واشار الٰی ابی بکر وعمر‘‘

(جامع ترمذی ج۲ص۲۰۷، مشکوٰۃ ص۵۶۰ باب مناقب ابی بکر الصدیقؓ)

آپﷺ نے ان کی خلافت پر نص نہ فرمائی۔ اشارۃً انہیں قیادت کے لائق بتلایا ان کی اطاعت کی بجائے اقتداء کا حکم دیا تاکہ قومی سطح کا فیصلہ کرنا (خلافت کے نام سے اس کا انتخاب) امت کے ہاتھوں میں رہے۔ اسے حضرت حذیفہ اشارے کے عنوان سے ذکر کر گئے ہیں۔

۴...... خلافت کے عنوان کے بغیر قومی ذمہ داریوں کو آگے چلانے میں آپ ﷺ نے ایک سائلہ کی اس طرح رہنمائی کی

آپ ﷺ نے اسے فرمایا:''فان لم تجدینی فاتی ابابکر ''(صحیح بخاری ج۱ ص۵۱۶ باب الاستخلاف، صحیح مسلم ج۲ص۲۷۳ باب فضائل ابی بکر الصدیق ؓ، صحیح ابن حبان ج۸ص۲۲۶ باب ذکر الخبر الدال علی ان الخلیفۃ بعد رسول)

(ترجمہ) اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی آنا۔

پھر آپ ﷺ نے (اپنے دور علالت میں) نماز پڑھانے کے لئے حضرت ابوبکر ؓ کا نام تجویز فرمایا۔ یہ خلافت کی طرف آپ کا ایک اور اشارہ تھا۔ آپ نے حضرت ابوبکر ؓ کو نہ کہا کہ تم مسجد میں جا کر لوگوں کے امام نماز بنو، لیکن لوگوں کو کہا کہ تم ابوبکر ؓ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ کل والا فیصلہ بھی تمہیں نے کرنا ہے۔ (انتخاب خلافت تمہارے ہاتھوں ہی وجود میں آئے گا)

۵...... حضور ﷺ نے صرف حضرت ابوبکر و عمر ؓ سے نہیں پورے خلفائے راشدین سے ایک پورا تسلسل قائم رکھا

حضرت عرباض بن ساریہ ؓ کہتے ہیں ایک دن حضور ﷺ نے صبح کی نماز سے فارغ ہوکر ہماری طرف رخ کیا۔ ہمیں ایسا وعظ کیا کہ آنکھیں اس سے بہہ پڑیں اور دل اس سے ہل گئے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور حکومت کے سمع وطاعت کا حکم دیتا ہوں۔ گو تمہارا امام کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو تم میں جو لوگ میرے بعد یہاں رہیں گے وہ بہت سے اختلافات دیکھیں گے (اس اختلاف سے پہلے خلفائے راشدین کی سنت قائم ہو چکی ہوگی۔ تم اس اختلاف میں بدعات سے بچنا یہ سب گمراہی ہے۔ میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا یہ خلفائے راشدین ہدایت پائے ہوئے ہوں گے۔ انہیں راہ گم کرنے والے نہ سمجھنا ان کی پیروی میں سختی سے لگنا)

''علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا

وعضوا علیها بالنواجذ ‘‘(سنن ابن ماجہ ج۱ ص۱۵ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین رواه احمد وابوداؤد، والترمذی وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

(ترجمہ) تم پر لازم ہے میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت یہ ہدایت پائے ہوئے ہوں گے اسے دانتوں سے مضبوط پکڑنا۔

۶ ...... صرف خلفائے راشدین ہی نہیں آپ نے اپنے پورے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی لائن پر چلنے والا بتایا

یعنی تم جس کی بھی پیروی کرو تم ہدایت پر ہو گے۔ اس سے عیاں ہے کہ آپ ﷺ کے جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم اصول وعقائد میں آپ سے ہی مسلسل رہے ہیں۔ امت میں جب (اصول وعقائد کے) اختلافات چلے تو کوئی صحابی کسی بھی گمراہی کی لائن پر نہیں گیا۔ سب حضور اکرم ﷺ سے ایک تسلسل میں رہے۔

سب صحابہ رضی اللہ عنہم عقائد میں حضور سے ہی مسلسل رہے۔ کوئی کسی گواہ فرقے میں نہیں گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلّهم فی النار الاملّة واحدة (قالوا من هی یا رسول الله قال) ما انا علیه واصحابی‘‘

(رواہ الترمذی ج۲ ص۹۳ باب ماجاء فی افتراق ہذہ لامۃ، رواہ احمد وابوداؤد عن معاویۃ)

(ترجمہ) میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سب جہنم کے سزاوار ہوں گے سوائے ایک جماعت کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے پوچھا وہ کون سی جماعت ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ان گمراہ فرقوں میں سے کسی کے ساتھ نہ جائیں گے۔ نہ وہ آپس میں متفرق ہوں گے کہ کوئی کسی فرقے میں چلا جائے اور کوئی کسی میں بلکہ وہ سب کے سب حضور ﷺ کے ساتھ ہی رہیں گے۔ اگر ان میں آپس میں کوئی فقہی اختلاف ہو تو وہ بھی اصول کا اختلاف نہ ہوگا۔ وہ دائرہ اجتہاد کا اختلاف ہوگا جس میں خطا کار بھی ایک اجر پا لیتا ہے۔ ہم اس کی مزید تفصیل میں نہیں جاتے۔ یہاں صرف اتنی بات

کہنا کافی ہے کہ حضور ﷺ کا اسلام ایک تسلسل کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچا اور وہ جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کو پایا اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی لائن پر ہی رہے۔ وہ یقیناً صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیرو ٹھہرے اور انہیں تاریخ امت میں تابعین کا نام دیا گیا۔ تابعین اور تبع تابعین کے الفاظ خود بتاتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ امت راہ ہدایت میں ایک تسلسل سے چلی ہے۔

۷..... آنحضرت ﷺ کی ایک فرقہ ناجیہ کی پیش گوئی

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ولا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاهرین لا یضرهم من خذلهم حتی یأتی امر الله'' (رواہ الترمذی ج۲ص۴۷ قال صحیح باب ماجاء فی الائمة المضلّین)

(ترجمہ) میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر رہے گا پورے غلبہ سے جو اسے رسوا کرنا چاہے وہ اسے نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ دنیا اپنے اختتام کو پہنچے۔

یہاں بھی اس طائفہ منصورہ کے ایک تسلسل کی خبر دی گئی ہے۔ سو یہ ناممکن ہے کہ زمانے کی گردش میں یہ ہدایت کی راہ کبھی یکسر رک جائے۔ جب تک دنیا ہے اس وقت تک یہ راہ حق پوری تابناک اور جاری وساری رہے گی۔ اس راہ حق کا تسلسل ٹوٹ جائے اور حق مختلف ادوار اور مختلف امصار میں منتشر ہو کر رہ جائے۔ یہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ یہ دین حق ایک دین مسلسل ہے اور حضور ﷺ کی ختم نبوت کو بقائے امت لازم ہے۔

آنحضرت ﷺ نے کس طرح اپنے بعد کے لئے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو تیار کر رکھا تھا۔ اسے آپ غزوہ احد کے حوالے سے پہلے مطالعہ کر چکے ہیں۔

جنگ احد میں ایک موقعہ پر آواز لگی کہ حضور ﷺ (معاذ اللہ) مارے جا چکے ہیں۔ حضور ﷺ نے جواباً آواز نہ لگائی۔ آپ نے چاہا کہ ابھی انہیں پتہ نہ چلے کہ حضور ﷺ زندہ اور موجود ہیں۔ پھر مشرکین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پکارا کہ ابن ابی قحافہ کہاں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے جوابی آواز نہ دی۔ پھر مشرکین مکہ نے تیسری آواز لگائی کہ کیا خطاب کا بیٹا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک فوجی حیثیت میں جوابی آواز دی۔ اے اللہ کے دشمن! میں حضرت ابوبکر اور حضور ﷺ تینوں یہاں زندہ موجود ہیں۔

اس سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضورﷺ نے اس امت کی ایک بڑے نفیس پیرائے میں تربیت کر رکھی تھی اور تاریخ گواہ ہے کہ پھر اسے پوری دنیا نے اپنے عملی رنگ میں بھی دیکھ لیا۔

صحابہ کرامؓ نے پھر کس طرح اس تسلسل امت کو قائم رکھا

امتی اور نبی کا جو اصولی فرق ہے وہ اپنی جگہ رہا، لیکن حضورﷺ کی اس امت کو چلانے میں صحابہ کرامؓ حضورﷺ سے ایک راہ لے کر چلے ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکرؓ کا کردار

آپ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ وہ جانتے تھے کہ آپ کس طرح حضورﷺ کی پوری حیات طیبہ میں اور پھر آپ کی خلافت میں یکساں ایک لائن میں چلے ہیں۔ پھر اس موضوع پر حضرت عمرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا کردار بہت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی تسلسل امت پر ایک شہادت

آپ نے اپنے آخری وقت میں فرمایا: حضور اکرمﷺ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا۔ میں اس راہ پر بھی چل سکتا ہوں اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنا جانشین مقرر کیا میں اس راہ پر بھی چل سکتا ہوں۔ آپ نے اپنے اس ارشاد میں آئندہ تسلسل میں چلنے کی راہ بتادی۔

(۲) حضرت عمرؓ تسلسل امت میں حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں چلے

’’عن ابی وائل قال جلست مع شیبة علی الکرسی فی الکعبة فقال لقد جلس هذا المجلس عمر فقال لقد هممت ان لا ادع فیها صفراء ولا بیضاء الا قسمته قلت ان صاحبیک لم یفعلا قال هما المرأن یقتدیٰ بهما‘‘ (صحیح بخاری ج۲ص۱۰۸۰باب کسوة الکعبة)

(ترجمہ) حضرت ابووائل سے روایت ہے کہ میں شیبہ کے ساتھ کعبہ میں کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہاں ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیٹھے تھے۔ آپ نے کہا میں نے

ارادہ کیا ہے کہ یہاں کوئی سونا اور چاندی نہ رہے۔ مگر یہ کہ میں اسے تقسیم کردوں۔ میں نے کہا کہ آپ کے دونوں ساتھیوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس پر آپ نے کہا واقعی وہ دو ایسی شخصیتیں ہیں کہ ان کی پیروی کی جانی چاہئے۔

حضور ﷺ کی شخصیت بطور پیغمبر کے اپنے ہر فعل وعمل میں واجب الاطاعۃ ہے۔ لیکن آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو تسلسل امت قائم رکھنے کے لئے حضور ﷺ کے ساتھ اس طرح شامل کیا کہ حضور ﷺ امت مسلمہ کے پہلے سربراہ سلطنت تھے اور حضرت ابوبکرؓ دوسرے۔ آپ نے فرمایا کہ اب اس تیسرے (یعنی حضرت عمرؓ) کو بھی انہی دو کے تسلسل میں چلنا چاہئے۔ ’’ھما المرأن یقتدیٰ بھما‘‘ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے تسلسل امت کے خطوط اور واضح ہوجاتے ہیں۔ حضرت ابووائل نے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کو اس جہت سے حضرت عمرؓ کے صاحبین کہا ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی اپنے لئے اپنے ان پہلے دو فرمانرواؤں کے نقش پا پر چلنے کی ضرورت محسوس کی۔ یہی آپ کا نظریہ تسلسل امت ہے۔

(۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا تسلسل امت پر اصرار

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سابقین اوّلین میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپ کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ حضور ﷺ نے ایک دفعہ آپ کی نماز میں اقتداء کی۔ تیسرے خلیفہ کے انتخاب پر آپ باجماع صحابہؓ الیکشن کمشنر تھے۔ آپ نے تسلسل امت قائم رکھنے کے لئے ہونے والے خلیفہ کے لئے یہ شرط عائد کی کہ وہ نظم سلطنت میں سیرت شیخین کی پابندی کرے۔

(۴) حضرت عثمانؓ کا تسلسل امت کو قائم رکھنے کا اقرار

حضرت عثمانؓ نے تسلسل امت میں رہنے کی شرط مان لی اور تمام صحابہؓ نے بطور خلیفہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ گویا صحابہؓ کا تسلسل امت قائم رکھنے پر اجماع ہوگیا۔ حضرت علیؓ اس وقت اس شرط سے اتفاق نہ کر سکے تھے لیکن آپ جب چوتھے درجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے بھی وہ تمام شرائط قبول کر لیں جن پر پہلے تین

خلفاء برسر خلافت آئے تھے اور آپ نے بدلتے حالات میں تسلسل امت کی ضرورت اب اچھی طرح محسوس کرلی۔

(۵) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تمام سابقہ شرائط خلافت سے اتفاق

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ’’**بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر وعمر وعثمان علی ما بایعوھم علیہ**‘‘

(نہج البلاغہ ج۲ اردو ترجمہ ص۴۰ مطبوعہ شیخ غلام علی کراچی)

(ترجمہ) میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی تھی اور انہی شرائط پر کی ہے جن شرائط پر انہوں نے پہلے خلفاء سے کی تھی۔

ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت اسی شرط سے کی گئی تھی کہ وہ اپنی سلطنت میں سیرت شیخین کی پابندی کریں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تیسرے انتخاب خلافت کے موقعہ پر تسلسل امت قائم رکھنے کی ضرورت کا اس طرح احساس نہ تھا لیکن اب نئی صورت حالات میں آپ بھی اسی اجماعی نقطہ پر آ گئے کہ قوموں کی تاریخ ایک تسلسل سے ہی چلتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت میں پہلے خلفاء کے تسلسل میں

قاضی نوراللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) جہانگیر کے عہد میں نورجہاں کی دعوت پر ہندوستان آیا۔ وہ لکھتا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں بس انہی کی راہ پر چلے ہیں۔

’’**حضرت امیر در ایام خلافت خود دید کہ اکثر مردم حسن سیرت ابوبکر و عمر رامعتقد اند وایشاں را بر حق مے دانند قدرت برآں نہ داشت کہ کارے کند کہ دلالت برفساد خلافت ایشاں داشتہ باشد**‘‘ (مجالس المؤمنین ج۱ ص۲۴ طبع تہران)

(ترجمہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مشاہدہ کیا مسلمانوں کی اکثریت حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے حسن سیرت کی معتقد ہے اور انہیں خلفاء حق مانتی ہے۔ آپ ان حالات میں یہ نہ کرسکتے تھے کہ کوئی ایسا اقدام کریں جو خلافت شیخین کو غلط ٹھہرائے۔

اس کا ظاہر متبادر معنی یہی ہے کہ آپ کسی طرح بھی امت کے پہلے تسلسل سے نہ نکلے تھے۔ بدستور اس راہ پر رہے۔

صحابہ کرامؓ کو بھی اپنی یہ پیشواء حیثیت معلوم تھی

۱…… حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت طلحہؓ کو ایک رنگ لگے احرام میں دیکھا۔ آپ نے انہیں سمجھایا کہ تم لوگ اس امت کے پیشواء ہو۔ تمہارے تسلسل سے یہ دین آگے جائے گا اور لوگ تمہارے اس عمل سے ایک غلطی میں جا گریں گے۔

’’ان عمر بن الخطاب رای علی طلحه بن عبید الله ثوبا مصبوغا وهو محرم فقال عمر ماهذا الثوب المصبوغ یا طلحه فقال طلحه بن عبید الله یا امیر المؤمنین انما هو مدر فقال عمر انکم ایها الرهط ائمة یقتدیٰ بکم الناس‘‘ (مؤطا امام مالک ص۱۳۲ باب لبس الثیاب المصبغة فی الاحرام)

(ترجمہ) حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ پر بحالت احرام ایک رنگ دار چادر دیکھی۔ آپ نے حضرت طلحہ سے کہا احرام میں یہ رنگین چادر کیا ہے؟ حضرت طلحہ نے کہا یہ اس کا اپنا رنگ ہے۔ آپ نے فرمایا اے اصحاب رسول! تم اس امت کے امام ہو۔ لوگ آئندہ تمہاری پیروی میں چلیں گے۔

۲…… حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک کتابیہ سے نکاح کیا۔ حضرت عمرؓ نے پیشوایان امت کے لئے اسے ناپسند کیا۔ سربراہ مملکت اسلامی کی نظر صرف جواز وعدم جواز پر مرکوز نہیں ہوتی۔ اسے اس کے قومی اثرات بھی دیکھنے پڑتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے اس عمل سے کہیں مسلمانوں میں غیر مسلم بیویوں کی پسند مسلمان عورتوں کو عام پسند میں نہ گرادے۔ آپ نے حضرت حذیفہ کو ہدایت فرمائی کہ اسے طلاق دے دو۔

امام محمد(۱۸۹ھ) حضرت حذیفہ سے اسے اس طرح روایت کرتے ہیں: **’’عن حذیفه بن الیمانؓ انه تزوج یهودیة بالمدائن فکتب الیه عمر بن الخطاب ان خل سبیلها فکتب الیه احرام هی یا امیر المؤمنین فکتب الیه**

اعظم علیک ان لاتضع کتابی حتی تخلی سبیلها فانی اخاف ان یقتدیٰ بک المسلمون فیختاروا نساء اهل الذمة لجمالهن وکفی بذلک فتنة لنساء المسلمین قال محمد وبه ناخذ لا نراه حراماً ولکنا نری ان یختار علیهن نساء المسلمین وهو قول ابی حنیفة رحمه اللّٰہ تعالیٰ‘‘

(کتاب الاثار ص۸۹ باب من تزوج الیهودیة او النصرانیه)

اس خط میں حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ کہ میرا یہ خط زمین پر رکھنے سے پہلے تم اسے طلاق دے دو۔ اس اندیشے کی نزاکت کا پتہ دے رہے ہیں جو حضرت عمر اپنی فکر میں محسوس کر رہے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر کو صحابہ کرامؓ کی پیشواء حیثیت کا پورا احساس تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے حضرت عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ کے اس مؤقف سے اختلاف نہیں کیا۔

تابعی کبیر حضرت امام ابرہیم نخعی فرماتے ہیں: ’’عن ابراهیم قال لا یحصن المسلم بالیهودیة ولا بالنصرانیة ولا یحصن الا بالحرة المسلمة‘‘ (ایضاً)

اس پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’وبه ناخذ وهو قول ابی حنفیة‘‘

(کتاب الآ ثار ص۸۹)

صحابہؓ حدیث رسول کے باوجود عمل حضرت ابوبکر وعمرؓ کو ساتھ رکھتے تھے

نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی اس پیشواء حیثیت پر ہم کچھ اور صحابہؓ کی بھی شہادتیں پیش کر دیں کہ کس طرح انہوں نے حضورﷺ کے ایک صریح عمل کے ہوتے ہوئے حضرت ابوبکر وعمرؓ کے عمل کو ساتھ لینے کی سعی کی ہے۔ تاکہ تسلسل امت ایک شان سے باقی رہے۔

۱...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: آنحضرتﷺ نے بکری کا گوشت کھانے اور آگ کی پکی چیز کھانے سے نئے وضو کی ضرورت نہ سمجھی۔

’’عن عبداللّٰہ بن عباسؓ ان رسول اللّٰہﷺ اکل کتف شاة ثم صلی ولم یتوضأ‘‘ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۴ باب من لم یتوضأ من لحم الشاة)

اتباع سنت کے لئے یہ حدیث کافی تھی مگر آپ نے سنت قائمہ ثابت کرنے کے لئے اس کے ساتھ صحابہ ﷺ کے عمل کو بھی ذکر کیا۔ آپ کے ان الفاظ پر نظر رکھیں: ’’واکل ابوبکر وعمر وعثمان لحماً ولم یتوضأ‘‘ (ایضاً)

(ترجمہ) اور حضرت ابوبکرؓ نے گوشت کھایا اور وضو نہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے گوشت کھایا اور اس پر نیا وضو نہ کیا اور حضرت عثمانؓ کا عمل بھی یہی رہا۔

حضرت ابوبکر وعمرؓ کا یہ عمل بتا رہا ہے کہ حضور ﷺ کا آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو نہ کرنا آپ ﷺ کا کوئی عمل منسوخ یا متروک نہیں۔ حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت عثمانؓ کے تسلسل عمل نے اس کی تصدیق کی کہ آپ ﷺ کا یہ عمل ایک سنت قائمہ ہے۔ حضور ﷺ کی کسی دور اوّل کی بات نہیں۔

۲...... حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ (۸۷ھ) کہتے ہیں: ’’انا کنا نسلف علی عهد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر فی الحنطة والشعیر والزبیب والتمر‘‘ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۹۹ باب السلم فی وزن معلوم)

(ترجمہ) ہم حضور ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر وعمرؓ کے زمانے میں گندم، جو، کشمش اور کھجور کے لین دین میں بیع سلم کر لیتے تھے۔

جب حضور اکرم ﷺ سے ایک بات ثابت ہوگئی تو اب اس پر اور کسی شہادت کی کیا ضرورت تھی۔ یہ اسی لئے ہوسکتا ہے کہ شاید حضور ﷺ کا وہ عمل کسی پہلے دور کا ہو۔ شریعت محمدی تدریجاً مکمل ہوئی ہے۔ حضور ﷺ سے مروی روایات مختلف بھی ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد صحابہؓ کا عمل اس بارے میں کیا رہا۔

امام ابوداؤد سجستانی اپنی سنن میں لکھتے ہیں: ’’قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبی ﷺ نظر الی ماعمل به اصحابهؓ من بعده‘‘ (ابی داؤد ج۱ ص۱۰۴ باب من قال لا یقطع الصلاة شئ)

(ترجمہ) جب نبی اکرم ﷺ سے دو خبریں منقول ہوں تو دیکھا جائے گا کہ آپ کے بعد صحابہؓ کا عمل کس خبر پر رہا ہے؟

۳...... حضرت انس بن مالک (۹۱ھ) کہتے ہیں: حضور اکرم ﷺ نے شراب پینے پر چالیس کوڑے لگوائے اور پھر حضرت ابوبکرؓ نے بھی چالیس کوڑے ہی لگوائے۔ اس سے کیا معلوم ہوا؟ یہی کہ حضور ﷺ کی سنت قائمہ یہی ہے۔

’’عن انس قال جلد النبی ﷺ فی الخمر بالجرید والنعال وجلد ابوبکر اربعین‘‘ (صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۰۲ باب الضرب بالجرید والنعال)

حضرت انسؓ نے حضور ﷺ کا عمل موجود اور معلوم ہونے کے بعد بھی اس پر حضرت ابوبکرؓ کا عمل بیان کرنا مناسب سمجھا تاکہ جہاں تک ہوسکے اعمال سنت صحابہؓ کے عمل کی روشنی میں جانے اور پہچانے جاسکیں۔

۴...... **’’عن السائب بن یزید (۸۰ھ) قال کنا نوتی بالشارب علی عهد رسول الله ﷺ وامرة ابی بکر وصدراً من خلافة عمر فنقوم الیه بایدینا ونعالنا واردیتنا حتی کان آخر امرة عمر فجلد اربعین حتی اذا توا وفسقوا جلد ثمانین‘‘** (ایضاً ص۱۰۰۲)

(ترجمہ) حضرت سائب کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے دور اوّل میں شراب پینے والے کو لایا جاتا تو اسے چالیس کوڑے ہی لگائے جاتے۔ البتہ حضرت عمرؓ کے آخر دور خلافت میں جب اس میں سرکشی زیادہ ہونے لگی تو آپ نے شراب نوشی پر اسّی کوڑے کی سزا دی۔

اس سے پتہ چلا کہ جب شراب پینے والے کہیں زیادہ سرکش ہوجائیں اور وہ کھلے طور پر یہ ارتکاب حرام کریں تو اولی الامر کو حق پہنچتا ہے کہ اس سزا کو زیادہ کردیں۔

یہاں بھی حضور ﷺ سے ایک سنت ثابت ہونے کے بعد تسلسل امت کے لئے حضرت ابوبکر وعمرؓ کے طریقے ذکر کئے جارہے ہیں۔

۵...... حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، حضور ﷺ کے ساتھ اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ میں نے دو رکعتیں پڑھیں اور نماز قصر کی۔

’’صلیت مع النبی ﷺ رکعتین ومع ابی بکر رکعتین ومع عمر رکعتین ثم تفرقت بکم الطرق‘‘ (صحیح بخاری ج۱ ص۲۲۵ باب الصلاۃ بمنیٰ)

(ترجمہ) میں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ…… پھر کئی طریقوں پر عمل ہونے لگا۔ حضرت عثمانؓ کے شروع خلافت میں یہی دو رکعت (قصر نماز) پڑھی گئی۔ پھر آپ نے وہاں (منیٰ میں) پوری نماز پڑھی۔

۶…… حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی کہتے ہیں: ’’قال ﷺ بمنٰی رکعتین وابوبکر وعمر وعثمان صدراً من خلافته‘‘ (صحیح البخاری ج۱ص۲۲۵ باب ایضاً)

۷…… حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جنازہ میں آگے چلتے تھے۔

’’عن سالم عن ابیه قال کان رسول الله ﷺ ابوبکر وعمر وعثمان یمشون امام الجنازة‘‘ (مسند امام احمد ج۳ص۲۱۵ حدیث نمبر۶۰۴۲)

سوال یہ ہے کہ حضور کے عمل مبارک کے سامنے آنے پر صحابہؓ کے عمل کو دیکھنے کی کیوں ضرورت رہی؟ یہ اس لئے کہ مسلمانوں کی تسلسل امت پر پوری نظر رہے اور وہ شریعت کو ایک تسلسل کے ساتھ آگے لے جاسکیں۔

۸…… ’’عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعه اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر وعمر فلما کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علٰی الزوراء‘‘

(رواہ البخاری ج۲ص۸ باب الاذان یوم الجمعۃ)

یہاں بھی حضور ﷺ کے عمل کے ساتھ ان بزرگوں کے عمل کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہلی تین شخصیتوں کے عمل کے ہوتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے ایک نئے مؤقف پر کوئی جرح نہیں کی گئی۔ مجتہد کے اس مؤقف کو اسلام کی وسعت عمل میں جگہ دی گئی ہے۔

۹…… ’’عن انس بن مالک ان النبی ﷺ اتی برجل قد شرب الخمر فجلده بجریدتین نحو اربعین قال وفعله ابوبکر فلما کان عمر استشار الناس فقال عبدالرحمن بن عوف کاخف الحدود ثمانین…… اری ان تجعلها قال فجلد عمر ثمانین‘‘ (صحیح مسلم ج۲ص۷۱ باب حد الخمر)

۱۰...... ’’عن ابن عمر ﷛ ان رسول اللہ ﷺ وابابکر وعمر کانوا یبدأون بالصلٰوۃ قبل الخطبة فی العید‘‘ (مسند امام احمد ج۲ ص۲۲۴ ص۲۸۳ حدیث نمبر۴۶۰۲)

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر ﷠ عید کی نماز خطبہ سے پہلے ادا فرماتے تھے۔

۱۱...... حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ ایک اور روایت کرتے ہیں: ’’صلیت مع رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان (قال) فلا صلوۃ بعد الغداۃ حتی تطلع الشمس‘‘ (مسند احمد ج۲ ص۴۳۴ حدیث نمبر۵۸۳۷ سنن ابی داؤد ج۱ ص۲۰۰)

(ترجمہ) میں نے حضور ﷺ کے ساتھ بھی نمازیں پڑھیں۔ حضرت ابوبکر ﷛ کے ساتھ بھی حضرت عمر ﷛ کے ساتھ بھی۔ آپ نے فرمایا صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہوتی یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔

۱۲...... ابومالک الاشجعی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ’’صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فلم یقنت وصلیت خلف ابی بکر فلم یقنت وصلیت خلف عمر فلم یقنت وصلیت خلف عثمان فلم یقنت وصلیت خلف علی فلم یقنت ثم قال أیقتنون قال یا بنیّ انها بدعة‘‘ (سنن نسائی ج۱ ص۱۲۲ باب ترک القنوت)

(ترجمہ) میں نے حضور ﷺ کے پیچھے حضرت ابوبکر ﷛ کے پیچھے اور حضرت عمر ﷛ کے پیچھے اور حضرت عثمان ﷛ کے پیچھے اور حضرت علی ﷛ کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ حضرات (صبح کی نماز میں) قنوت نہ پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا نماز میں قنوت (عام) پڑھنا بدعت ہے۔

۱۳...... حضرت انس بن مالک ؒ کہتے ہیں: ’’صلیت خلف النبی ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان فکانوا یستفتحون بالحمد للہ رب العالمین لا یذکرون بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۷۲ باب حجة من قال لا یجهر بالبسملة)

(ترجمہ) میں نے حضور ﷺ کے پیچھے حضرت ابوبکر ﷛ کے پیچھے، حضرت عمر ﷛ کے پیچھے اور حضرت عثمان ﷛ کے پیچھے نماز پڑھی۔ یہ سب حضرات قرأت الحمد سے شروع کرتے تھے۔ اس میں بسم اللہ (جہراً) نہ پڑھتے تھے۔

یہاں پھر وہی سوال بار بار ابھرتا ہے کہ حضورﷺ کی سنت کے ہوتے ہوئے ان بزرگوں کا عمل بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ صرف اس لئے کہ اسلام کی سنت قائمہ معلوم ہوسکے۔

۱۴...... حضرت نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں: ''ان ابن عمر کان یُکری مزارعه علی عهد النبیﷺ وابی بکر وعمر وعثمان وصدراً من امارته معاویة ثم حدث عن رافع بن خدیج ان النبیﷺ نهی عن کراء المزارع فذهب ابن عمر الی رافع فذهبت معه فساله فقال نهی النبیﷺ عن کراء المزارع'' (صحیح بخاری ج۱ ص۳۱۵ باب ما کان من اصحاب النبیﷺ)

(ترجمہ) حضرت ابن عمر حضورﷺ حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان اور معاویہؓ کے شروع عہد میں زمین مزارعت پر دیتے رہے۔ پھر رافع بن خدیج سے آپ کو حدیث ملی کہ نبی اکرمﷺ نے زمین کے کرائے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ رافع کے پاس گئے اور میں آپ کے ساتھ تھا آپ نے رافع سے پوچھا انہوں نے کہا بے شک حضورﷺ نے کھیتوں کو مزارعت پر دینے سے منع فرمایا ہے۔

۱۵...... ''عن عبدالرحمن الاصم قال سمعت انس ابن مالک یقول کان رسول اللهﷺ وابوبکر وعثمان کانوا لا ینقصون التکبیر''

(مسند امام احمد ج۴ ص۳۵۶ حدیث نمبر ۱۲۸۴۸)

۱۶...... ''عن ابن عمرؓ قال کان النبی یصلی بمنیٰ رکعتین وابوبکر وعمر وعثمان ثم صلی عثمان بعد اربعاً وکان ابن عمر یصلی مع الامام بصلاه فاذا صلی وحده صلی اربعا''

(صحیح ابن حبان ج۶ ص۷۶ باب ذکر وصف صلاة الحاج بمنیٰ ایام)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور اکرمﷺ منیٰ میں نماز قصر کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمانؓ بھی قصر کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد عثمانؓ پوری پڑھنے لگے۔ حضرت ابن عمرؓ جب منیٰ میں امام کے ساتھ نماز پڑھتے تو اس کے مطابق پڑھتے۔ جب اکیلے پڑھتے تو نماز پوری پڑھتے تھے۔

۱۷...... ''عن عبداللّٰہ بن مسعود قال کان النبی ﷺ یکبر فی کل خفض ورفع ویسلم عن یمینه وعن یساره وکان ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما یفعلانه''

(سنن نسائی ج۱ ص۱۶۴ باب الکتبیر للسجود)

۱۸...... ''ان ابا الصهباء جاء الی ابن عباس فقال یا ابن عباس الم تعلم ان الثلاث (المتفرقة) کانت علی عهد رسول اللّٰہ ﷺ وابی بکر وصدراً من خلافة عمر رضی اللہ عنہ ترد الی الواحدة قال نعم (الثلث المتفرقة قبل الدخول بالزوجه)''

(سنن نسائی ج۲ ص۸۲ باب طلاق الثلاث المتفرقة)

ابوالصہباء حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور کہا کیا آپ نہیں جانتے کہ تین طلاقیں حضور اکرم ﷺ کے دور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شروع دور میں ایک ہی سمجھی جاتی تھیں۔ یہ تب ہوتا تھا جب عورت گھر بسائی نہ گئی ہو اور طلاقیں متفرق طور پر دی جائیں۔

یہ اس لئے کہ اس صورت میں وہ پہلی طلاق سے ہی زوجیت سے نکل جاتی ہے اور دوسری اور تیسری طلاق اس لئے کالعدم ٹھہری کہ وہ بیوی کو نہیں دی گئی۔

۱۹...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے سے کہتے ہیں: ''یا ابن اخی انی صحبت رسول اللّٰہ ﷺ فی السفر فلم یزد علیٰ رکعتین حتی قبضه اللّٰہ وصحبت ابابکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه اللّٰہ وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه اللّٰہ ثم صحبت عثمان فلم یزد علیٰ رکعتین حتی قبضه اللّٰہ''

(صحیح بخاری ج۱ ص۱۴۷ باب الصلاۃ بمنیٰ، صحیح مسلم ج۱ ص۲۴۲ باب صلاۃ المسافری قصرها)

۲۰...... ''قال ابن عمر صلیت مع النبی ﷺ وابی بکر وعمر وعثمان فی السفر فلم یصلوا قبلها ولا بعدها''

(مسند امام احمد ج۲ ص۲۵۰ حدیث نمبر۴۷۶۱)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کے ساتھ اور حضرت ابوبکر کے ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر میں نمازیں پڑھیں۔ یہ سب سفر کی نماز میں نماز سے پہلے یا بعد میں کوئی اور نماز نہ پڑھتے تھے۔

۲۱...... ’’عن سالم عن ابیه قال شهدت العید مع رسول اللہ ﷺ فصلی بلا اذان ولا اقامة ثم شهدت العید مع ابی بکر فصلی بلا اذان ولا اقامة قال ثم شهدت العید مع عمر فصلی بلا اذان ولا اقامة ثم شهدت العید مع عثمان فصلی بلا اذان ولا اقامة‘‘ (ایضاً ج۲ص۲۸۴ حدیث نمبر۴۹۶۷)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کے ساتھ عیدیں کیں۔ آپ عید کی نماز بلا اذان اور بلا اقامت ہی پڑھتے رہے۔ پھر میں نے حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے عید کی نماز پڑھی۔ آپ بھی اسے بلا اذان اور بلا اقامۃ پڑھتے رہے۔ پھر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی عید کی نماز پڑھتا رہا۔ آپ بھی عید کی نماز بلا اذان اور بلا اقامت پڑھتے رہے۔ پھر میں نے حضرت عثمانؓ کے پیچھے بھی اس طرح عید کی نماز پڑھی۔

حضور ﷺ کے عمل کے بعد اب کسی اور کے عمل کو دیکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ صرف اس لئے کہ شریعت محمدی چونکہ تدریجاً مکمل ہوئی ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کا کوئی عمل بھی ہو اس میں سوال باقی رہتا ہے کہ کیا آپ نے بعد میں اسے ترک تو نہیں کر دیا تھا۔ یہ ان اکابر صحابہؓ کا عمل ہے جس سے کوئی سنت، سنت باقیہ جانی جاسکتی ہے اور پھر اگلے صحابہؓ سے اسے متصل کرنا تسلسل امت کی خبر دیتا ہے۔ اس امت میں اگلے دین کو پچھلوں سے ہی تو لیتے آئے ہیں۔

۲۲...... ’’سئل ابن عمر عن صوم یوم عرفه فقال حججت مع النبی ﷺ فلم یصمه وحججت مع ابی بکر فلم یصمه وحججت مع عمر فلم یصمه وحججت مع عثمان فلم یصمه وانا اصومه ولا امر به ولا انهی عنه‘‘

(مسند احمد ج۲ص۳۰۳،۳۱۰،۳۶۱،۳۸۹ حدیث نمبر۵۰۸۰/ ۵۱۱۷)

۲۳...... ’’عن مورق العجلی قال قلت لا بن عمر اتصلی الضحی قال لا قلت صلاها عمر قال لا قلت صلاها ابوبکر قال لا قلت اصلاها النبی ﷺ قال لا اخاله‘‘ (مسند امام احمد ج۲ص۲۵۰،۲۹۸ حدیث نمبر۴۷۵۸)

(ترجمہ) حضرت مورق سے مروی ہے آپ نے کہا میں نے حضرت ابن عمر سے پوچھا کیا آپ صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے ہیں؟ آپ نے کہا نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کیا حضرت عمرؓ صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر میں نے پوچھا کیا حضرت ابوبکرؓ یہ پڑھتے تھے؟ آپ نے کہا نہیں۔ پھر میں نے کہا کیا حضور ﷺ صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے؟ آپ نے کہا میرا خیال ہے آپ نے یہ نہیں پڑھی۔

اس روایت میں اتصال نیچے سے اوپر جا رہا ہے۔ حضرت ابن عمر کے عمل کو اوپر حضور ﷺ کے عمل سے متصل کیا جا رہا ہے اور درمیان میں بھی کڑی سے کڑی متصل چلی آ رہی ہے۔ سو اس یقین سے چارہ نہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر جیسے افاضل اصحاب رسول نے دین اسلام کو تسلسل امت سے لیا ہے اور آگے اسے تسلسل سے ہی دیا ہے۔ اکابر صحابہؓ نے کبھی کسی کو تسلسل سے نکلنے کی اجازت نہیں دی۔

۲۴...... شیعہ کتب میں بھی یہ تسلسل اسی طرح ملتا ہے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ جب بیمار تھیں تو حضرت ابوبکر و عمرؓ تسلسل سے حضرت علیؓ سے حضرت سیدہؓ کی خیریت پوچھتے تھے۔ سلیم بن قیس روایت کرتا ہے: ’’**وکان علی علیہ السلام یصلی فی المسجد الصلوٰۃ الخمس فلما صلی قال ابوبکر وعمر کیف بنت رسول اللہ ﷺ**‘‘

(کتاب سلیم بن قیس ص۲۵۳ طبع قم وبحار الانوار ج۳ ص۱۹۹)

۲۵...... ’’**مرض الحسن والحسین فعادھما جدھما رسول اللہ ﷺ ومعہ ابوبکر وعمر**‘‘ (کشف الغمہ ص۳۰۲)

(ترجمہ) حضرت حسن اور حسین بیمار ہوئے تو ان کے نانا حضور اکرم ﷺ ان کی بیمار پرسی کے لئے آئے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے۔

۲۶...... حضرت ابوتمیمۃ الہجیمیؓ کہتے ہیں: ’’**لما بعثنا الرکب قال ابوداؤد (یعنی الی المدینۃ قال) کنت اقضی بعد صلوٰۃ الصبح فاسجد فنھانی ابن عمر انتہ ثلث مرار ثم عاد فقال انی صلیت خلف رسول اللہ ﷺ ومع ابی بکر وعمر وعثمان فلم یسجدوا حتی تطلع الشمس**‘‘

(سنن ابی داؤد ج۱ ص۲۰۰ باب فیمن یقرا السجدۃ بعد الصبح)

ایک سوال تسلسل امت کی ان روایات میں سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور اکرمﷺ کے عمل کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمانؓ کے نقش ہائے عمل ہی زیادہ روایت کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں حضرت علیؓ کا نام بھی ساتھ ملتا ہے۔ لیکن صحابہؓ اور بھی تو کئی تھے؟ جواب یہ ہے کہ ہم اس وقت اعمال صحابہؓ سے بحث نہیں کر رہے۔ ہمارا اس وقت موضوع تسلسل امت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ امت حضور اکرمﷺ کے بعد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کے ناموں سے ہی تو آگے چلی ہے۔ امت میں ان اکابر کی سنت خلفاء راشدین کی سنت کہلاتی ہے اور خود حضورﷺ بھی اپنی سنت کے ساتھ ان حضرات کی سنت کی پیروی بھی بتلا گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ایک یہ شہادت بھی مطالعہ فرمالیں۔

’’عن ابن عمر قال کنا نعد ورسول اللہﷺ حیی واصحابہ متوافرون ابوبکر وعمر وعثمان ثم سکت‘‘ (مسند امام احمد ج۲ ص۲۲۸ حدیث نمبر۴۶۲۶)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں ہم آنحضرتﷺ کے حین حیات جب کہ صحابہؓ کثیر تعداد میں موجود تھے۔ ان اکابر کا اس ترتیب سے عام تذکرہ کرتے تھے۔ (ابوبکر، عمر اور عثمانؓ کے عمل کو خاص طور پر ذکر کیا جاتا تھا) پھر آگے آپ خاموش رہے۔ کبھی کوئی نام لے لیتے کبھی بات اس پر چھوڑ دیتے۔

حضورﷺ کا کوئی عمل سنۃ قائمہ ہے یا وہ کبھی متروک ہوگیا ہے اس کا پتہ ان حضرات کے عمل سے چلتا تھا یہ وجہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں حضورﷺ کے کسی عمل کے ساتھ ان حضرات کے عمل کا بھی عام ذکر ملتا ہے یہ حضرات وہ ہیں، جن کے عمل کو سنت رسول کو سمجھنے کے لئے حدیث کی کتابوں میں خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ان کا عمل حضورﷺ کے عمل کے برابر سمجھا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں نبی اور امتی میں کیا برابری؟ بلکہ یہ صرف اس لئے کہ ان کے عمل سے حضورﷺ کے عمل کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔ یہ پتہ چل جاتا ہے کہ حضور اکرمﷺ کا کون سا عمل حضورﷺ کا آخری عمل رہا ہے یا وہ آپ کا کسی پہلے دور کا عمل ہے۔ یہ حضرات کرام اپنی ذات میں تو حجت نہ تھے لیکن فہم حدیث اور عمل بالحدیث میں حضور اکرمﷺ کی سنت قائمہ کے ترجمان ضرور رہے ہیں۔ انہیں ایرے غیرے کی بات

کے پیرایہ میں کبھی رد نہیں کیا جاسکتا۔ کتب حدیث سے یہ صرف بائیس پچیس مثالیں ہم نے یہاں ذکر کی ہیں۔ ورنہ کتب حدیث تو اس قسم کی سینکڑوں مثالوں سے بھری ہیں۔

محدثین حضور ﷺ کی کسی منسوخ حدیث پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ حضور ﷺ کے آخری عمل کو ہی لیا جائے۔ اس باب میں ہم محدثین کا یہ متفقہ مؤقف ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

محدث عبدالرزاق (۲۱۰ھ) جو حدیث میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد ہیں وہ اپنے المصنّف میں لکھتے ہیں: ''وانما یوخذ بالآخر من فعل الرسول ﷺ'' (المصنف ج۷ ص۴۰۸)

(ترجمہ) سوائے اس کے نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے آخری عمل کو ہی لیا جائے۔ شریعت چونکہ تدریجاً مکمل ہوئی ہے۔ اس لئے حدیث رسول اخذ کرتے ہوئے یہ بات بھی جانی جائے کہ آپ کا یہ عمل آخر کا ہے یا کسی پہلے دور کا۔

امام زہری (۱۲۴ھ) جو حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی کے حدیث میں استاذ ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں: ''قال الزهری وانما یوخذ من امر رسول اللہ ﷺ الآخر فالآخر'' (صحیح بخاری ج۲ ص۶۱۳، باب غزوة الفتح فی رمضان)

امام بخاری اور امام مسلم کا مؤقف

۱...... ''وانما یوخذ بالآخر فالآخر من امر رسول اللہ ﷺ''

(صحیح بخاری ج۱ ص۹۶ باب انما جعل الامام لیؤتم به، صحیح مسلم ج۱ ص۳۵۶ باب جواز الصوم والفطر)

۲...... ''کان صحابة رسول اللہ ﷺ یتبعون الاحدث فالاحدث من امره'' (صحیح مسلم ج۱ ص۳۵۵ باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان)

امام ابوداؤد اور امام ترمذی کا مؤقف

۱...... ''اذا تنازع الخبران من النبی ﷺ نظر الٰی ماعمل به اصحابه من بعده'' (سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۰۴ باب من قال لا یقطع الصلاة شئ)

۲...... ’’ھذا آخر الامرین من رسول اللہ ﷺ کان ھذا الحدیث ناسخ للحدیث الاوّل‘‘ (جامع ترمذی ج۱ص۱۳باب فی ترک الوضؤ مما مست النار)

افسوس کہ اس دور میں جماعت اہل حدیث نے محدثین کے اس متفقہ اصول کو یکسر بدل دیا ہے اور حدیث منسوخ پر عمل کرنے کے لئے انگریزی دور حکومت میں یہ اصول وضع کیا کہ حدیث منسوخ پر عمل کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ معلوم نہیں انہوں نے یہ مسئلہ کس حدیث سے نکالا ہے۔ ہم نے تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے لئے کوئی حدیث نہیں پائی۔ جماعت کے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’اگر کوئی شخص اہل علم حسب وسعت اپنی ایک حدیث کو تحقیق کر کے اس پر عمل کرے تو نہایت یہی ہوگا کہ وہ حدیث منسوخ ہوگی تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اس حدیث پر عمل کرنے میں گناہگار نہ ہوگا اور وہ عمل اس کا باطل اور قابل اعادہ نہ ہوگا۔‘‘ (معیار الحق ص۴۱)

یہ ان کی ساری کوشش محض اس لئے رہی کہ نماز میں رفع الیدین عند الرکوع کی حضور ﷺ کے دور اوّل کی روایت سے وہ اپنے اس عمل رفع الیدین عند الرکوع کو استناد فراہم کریں۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ حدیث کی کتابوں میں کھلے طور پر اس کے ترک کی شہادت موجود ہے۔ دیکھئے سنن نسائی کا باب ترک ذلک۔ اس میں اس عمل کے متروک ہونے کا بیان ہے۔

امت میں تسلسل عملی کی یہ وہ ضرورت تھی جس کے لئے محدثین حضور اکرم ﷺ سے ایک عمل ثابت ہونے کے باوجود اس کے سنت قائمہ ہونے کی شہادت حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے عمل سے لاتے رہے۔ ورنہ حضور ﷺ سے کسی عمل کے ثابت ہونے کے بعد کیا ضرورت تھی کہ تواتر کے ساتھ حضور ﷺ کے عمل پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے تائید لائی جائے۔ افسوس کہ شیخ عبدالعزیز بن باز نے خطبہ جمعہ کے دوران تحیۃ المسجد پڑھنے کو جواز دینے کے لئے حضرت عمر وعثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کی کوئی پرواہ نہیں کی اور حضور ﷺ کی حدیث کو ان بزرگوں کے فہم وعمل کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے ان بزرگوں کو ماوشما میں داخل کر دیا اور ان کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہ علمی مقام نہیں دیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ محدثین انہیں اپنی حدیث کی کتابوں میں پہلے سے دیتے چلے آرہے ہیں۔

ان حضرات کے تسلسل امت میں نہ رہنے کے اس مؤقف نے امت میں جو انتشار پھیلا رکھا ہے۔اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن باز کی یہ جرأت ملاحظہ ہو۔فرماتے ہیں: ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو شاید یہ حدیث نہیں پہنچی اس لئے انہوں نے دوران خطبہ دو رکعت نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی سنت ثابت ہو جائے تو ماوشما کے قول کی وجہ سے اس کی مخالفت جائز نہیں وہ آدمی کوئی بھی ہو۔'' (فتاویٰ بن باز ص۲۰۲)

معلوم رہے کہ یہ ماوشما کن کو کہا گیا ہے ان کو جو واقعی مزاج شناساں رسول تھے اور شاید کوئی ہی ان سے بہتر مزاج شناس رسول ہو وہ کون تھے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

امام نووی الشافعی لکھتے ہیں کہ یہ حضرات دوران خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنے سے روکتے تھے۔کیونکہ قرآن کی رو سے جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو چپ رہنا ضروری ہو جاتا ہے۔امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں: ''**قال القاضی وقال مالک واللیث وابو حنیفة والثوری وجمهور السلف من الصحابة والتابعین لا یصلیهما وهو مروی عن عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم وحجتهم الامر بالانصات**''

(شرح النووی ج۱ ص۲۸۷ باب الجمعة یقال بضم المیم واسکانها)

ہم یہ باور نہیں کر سکتے کہ اتنے ائمہ کرام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حدیث نہ ملی ہو۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ حضرات حدیث سمجھنے میں قرآن وحدیث کی دوسری ہدایات پر بھی پوری نظر رکھتے تھے۔انہیں ماوشما کی باتیں کہہ کر نہ ٹالتے تھے۔

محدثین سے یہ بات تواتر سے منقول ہے کہ وہ حضور اکرم ﷺ سے حدیث لانے کے باوجود اس پر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے روایات لاتے رہے اور انہوں نے حضور ﷺ کو کسی عمل میں بھی تنہا نہیں چھوڑا۔لیکن ہم اس دور کے اہل حدیث کے اس جھوٹ پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔سیالکوٹ کے حکیم محمد صادق صاحب لکھتے ہیں: ''چارسو سال تک حدیث کی دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی آواز کے سواء کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔''

(قرآنی شمعیں ص۳۴۷)

کیا کتب حدیث سے حضورﷺ کی آواز کے ساتھ آپ نے حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان وعلی ؓ کی یہ آوازیں تواتر سے منقول ہوتی نہیں پڑھیں۔ اب آپ ہی سوچیں سیالکوٹ کے حکیم صاحب نے امت کے چارسوسال پر کتنا بڑا جھوٹ بولا ہے۔

پھر موصوف کا اپنے اس جھوٹ کو قرآنی شمع کہنا یہ ایک جھوٹ پر دوسرا جھوٹ ہے۔ صحاح ستہ حضورﷺ سے چار سو سال کے اندر کی کتابیں ہیں اور ان کتابوں میں حضورﷺ کی احادیث کے ساتھ ساتھ صحابہ ؓ وتابعین کی بھی لاتعداد روایتیں لائی گئی ہیں اور جامع ترمذی میں تو سینکڑوں جگہ ائمہ کے مذاہب بھی بیان کئے گئے ہیں۔

امام محمد (۱۸۹ھ) کی تالیف کتاب الآثار میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات میں آپ کو امام ابوحنیفہ ؒ کے اقوال ملیں گے۔ امام طحاوی ؒ (۳۲۸ھ) کی کتاب شرح معانی الآثار میں جگہ جگہ آپ کو امام ابوحنیفہ ؒ کے اقوال ملیں گے۔ سو یہ بات بالکل غلط ہے کہ چارسوسال تک اسلامی دنیا میں اقوال ائمہ کہیں سنے نہ گئے تھے۔ اس دور میں جماعت اہل حدیث کی ساری تگ ودو اسی جھوٹ کے گرد گھومتی ہے جس کے ترجمان حکیم محمد صادق رہے ہیں۔ ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے۔ وہ فرقہ بندی کے جوش میں یہ غلط بیانی کر گئے ہیں۔

اس کتاب میں ہم صرف قادیانیوں پر جرح کر رہے ہیں کہ وہ کس طرح تسلسل امت سے بے باکانہ نکلے ہیں۔ تاہم اس حقیقت سے ہم آنکھیں بند نہیں کر سکتے کہ ان پہلے ادوار میں بھی فقہاء کے فیصلے چلتے رہے اور عام مسلمان فقہاء صحابہ کے اقوال پر چلنے کو کوئی عیب نہ سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن عباس کے فقہی اقوال کا عام ذکر ملتا ہے۔

’’عن عکرمۃ ان اھل المدینۃ سالوا ابن عباس ؓ عن امرأۃ طافت ثم حاضت قال لھم تنفر قالوا لا ناخذ بقولک وندع قول زید‘‘

(صحیح بخاری ج۱ ص۲۳۷ باب اذا حاضت المرأۃ عد ما افاضت)

مدینہ کے یہ لوگ عوام میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس ؓ سے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے ان کے قول پر عمل کرنے کی بجائے حضرت زید بن ثابت ؓ کے

قول کو لینا زیادہ پسند کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں بھی عام لوگ فقہاء کے اقوال پر عمل کرتے تھے اور ان کے ہاں اقوال ائمہ کو لینا ہرگز گناہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کس طرح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہوتے اور ان سے مسائل لیتے تھے۔ اسے امام ابومسلم خولانی سے سنئے۔ آپ فرماتے ہیں: ''میں دمشق کی جامع مسجد میں آیا۔ وہاں میں نے ایک بڑا علمی حلقہ دیکھا۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادھیڑ عمر کے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نظر آئے۔ ان میں ایک نوجوان جس کی آنکھیں سرمگین تھیں اور اگلے دانت چمکدار تھے، بیٹھا تھا۔''

ابومسلم خولانی کہتے ہیں: ''**کلما اختلفوا فی شئ فردوہ الی الفتی فتی الشاب قلت لجلیس لی من ھذا؟ قال ھذا معاذ بن جبل**''

(مسند امام احمد ج۵ ص۲۳۶ حدیث نمبر۲۲۰۶۴۵)

اور یہ بھی ہے: ''**اذا اختلفوا فی شئ اسندو الیه وصدروا عن رایه**''

(مسند احمد ج۵ ص۲۳۳ حدیث نمبر۲۲۰۳۰)

(ترجمہ) جب ان کا کسی بات میں اختلاف ہوتا تو وہ اسے اس نوجوان کی طرف لوٹاتے اور اپنی اپنی رائے چھوڑ دیتے۔

معلوم ہوا ان دنوں صرف روایات ہی نہ چلتی تھیں۔ علم کے باقاعدہ حلقے لگتے تھے۔ اب خود صحیح بخاری میں کئی جگہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام حماد بن ابی سلیمان کے اقوال ملتے ہیں۔ دیکھئے ج۱ ص۳۰، ۳۷، ۲۵۹، ۳۰۶ اور امام حماد کے استاذ امام ابراہیم نخعی کے اقوال سے تو بقول مولانا محمد ابراہیم میر رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری بھری پڑی ہے۔ (دیکھئے تاریخ اہل حدیث) پہلے جماعت اہل حدیث کا یہ پروپیگنڈا کہ قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے یہ اقوال کہاں سے آ گئے۔ جماعت کا صحیح بخاری اور جامع ترمذی سے ایک کھلا ٹکراؤ اور ایک بڑی جرأت ہے۔ **اعاذنا اللہ منھا!**

یہ حقیقت ہے کہ امت ایک تسلسل سے آگے بڑھی۔ قرون ثلثہ میں ائمہ اربعہ کی پیروی جاری ہوئی اور اس وقت سے لے کر آج تک امت ایک تسلسل میں چلی آ رہی ہے اور ان کا فروع میں اختلاف انہیں ایک امت ہونے کے دائرہ سے کہیں نکال نہیں سکا۔ اس پر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔

عقیدہ تضلیل امت
ایک کھلا کفر ہے

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ عرب میں اپنے مشن میں پورے کامیاب ہوئے اور آپ کو ناکام دیکھنے کی منتظر قوتیں سب ناکام ہوکر رہ گئیں۔اوّلاً:

۱...... یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخلص جانشین بہم پہنچائے۔انہیں زمین پر جماؤ بخشا اور ان سے ہرطرح کا بیرونی ڈر اٹھایا۔وہ اپنے مقصد تخلیق میں پوری طرح لگ گئے۔’’**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**‘‘ **(الذاریات:۵۶)**

قرآن کریم میں اس کی خبر پہلے سے دی جاچکی تھی۔

’’**وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنّن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدلّنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیاء ومن کفر بعد ذٰلک فاولئک ھم الفاسقون**‘‘ **(النور:۵۵)**

(ترجمہ) وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کئے انہوں نے نیک کام اللہ انہیں خلیفہ بنائے گا زمین پر جیسا کہ اس نے حاکم کیا تھا ان سے پہلے لوگوں کو اور جماؤ دے گا انہیں ان کے دین میں جو پسند کیا اس نے ان کے لئے اور ان کا خوف امن سے بدلے گا وہ میری بندگی کرتے ہوں گے اور شریک نہ کریں گے میرا کسی کو،سو جو کوئی کفر کرے اس کے بعد سو وہ لوگ ہوں گے نافرمان۔

۲...... آپ کے ساتھ پہلے وہ مؤمنین مخلصین لگائے جو آئندہ دائرہ اسلام میں آنے والوں کے لئے پورے طور پر معیار ایمان ٹھہرے۔اگر اسلام میں یہ بعد میں آنے والے ان جیسے مؤمن ہوں تو وہ دائرہ اسلام میں آنے میں واقعی مخلص اور قابل قبول ٹھہریں گے۔ورنہ وہ منافقین سمجھے جائیں گے۔اس سے پتہ چلا کہ پہلی صف کے صحابہ ؓ میں ہرگز کوئی منافق نہ تھا۔ورنہ پہلے لوگ آئندہ آنے والوں کے لئے معیار ایمان نہ ٹھہرائے جاتے۔اس سے معلوم ہوا کہ پہلی صف اسلام میں کسی پر منافق ہونے کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔

’’واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن الناس قالوا أنؤمن کما امن السفھاء‘‘ (البقرۃ:۱۳)

(ترجمہ) اور جب کہا جائے انہیں تم اس طرح ایمان لاؤ جیسا کہ یہ پہلے لوگ ایمان لائے تو منافق کہتے ہیں ہم کیا ان بےوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:’’فان اٰمنوا بمثل ما امنتم بہ فقداھتدوا وان تولوا فانماھم فی شقاق‘‘ (البقرۃ:۱۳۷)

(ترجمہ) سو اگر یہ لوگ اس پر ایمان لائیں جس پر کہ تم پہلے لوگ ایمان لا چکے تو پھر بےشک وہ صحیح راہ پا گئے اور اگر وہ پھر جائیں اس سے تو بےشک وہ ضد پر ہیں۔

۳...... اسلام کی پہلی صف مؤمنین کو پیغمبر کے ساتھ اس طرح لازم رکھا کہ پیغمبر اور ان کی مخالفت اسلام سے کھلی بغاوت ٹھہرائی گئی اور بتایا گیا کہ ان سے علیحدگی اتباع غیر سبیل المؤمنین ہوگی۔ یہ اس بات کی کھلی شہادت رہی کہ یہ پہلی صف کے لوگ اپنے ایمان اور عمل صالح میں آئندہ پوری امت کے پیشواء اور امام قرار دیئے گئے ہیں۔

’’ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولی ونصلہ جھنم وسآءت مصیراً‘‘ (النساء:۱۱۵)

(ترجمہ) اور جو اس رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ ہدایت اس کے لئے کھل چکی اور وہ چلے مؤمنین کی راہ کے خلاف ہم پھیر دیں گے اسے جدھر وہ پھرا اور اسے جہنم بھیج دیں گے اور وہ ہے برا ٹھکانہ۔

اور اللہ کے بندوں کو یہ دعاء سکھائی گئی:’’ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما‘‘ (الفرقان:۷۴)

(ترجمہ) اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطاء فرما اور ہمیں ان کی پیشوائی عطاء فرما۔

یعنی وہ ہمارے پیچھے چلیں اور ہم اپنے پہلوں کے پیچھے چلیں اور یہ امت ایک تسلسل سے آگے چلتی رہے۔

’’نقتدی بمن قبلنا ویقتدی بنا من بعدنا‘‘

(صحیح بخاری ج۲ ص۱۰۸۰ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ)

(ترجمہ) ہم اقتداء کریں اپنے سے پہلوں کی اور آئندہ آنے والے ہماری اقتداء میں چلیں۔

اس طرح اس امت میں سلسلہ امامت قائم کیا گیا۔ قرآن کریم نے ’’واجعلنا للمتقین اماما‘‘ (الفرقان:۷۴) کہہ کر اس امت میں امامت کی راہ کھولی جو لوگ سوال کرتے ہیں امام کہاں سے آ گئے۔ انہیں جواب دیجئے کہ یہاں سے اور اسی تربیت سے اس امت میں سلسلہ پیشوائی قائم ہوا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے جب روایت حدیث ایک تسلسل سے چلی تو آپ نے اپنی امامت کا اس طرح اعلان فرمایا: ’’الحمد ﷲ الذی جعل الدین قواماً وجعل ابا هریره اماماً‘‘ (البدایہ والنہایہ ج۸ ص۱۱۰، شاملہ)

۴...... قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کی اس امت کو خیر امت بتایا گیا اس سے پتہ چلا کہ یہ لوگ حضور ﷺ کے بعد آپ کے مشن کو آگے لے جانے والے ہوں گے اور یہ امت وسطیٰ آنے والی نسلوں کے لئے اس آسمانی دین کی گواہ ہوگی جس طرح کہ حضور ﷺ ان پر اس دین الٰہی کے گواہ رہے ہیں۔

’’کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون باﷲ‘‘ (آل عمران:۱۱۰)

(ترجمہ) تم ایک بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لئے سامنے لائے گئے۔ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ امت اس لئے کھڑی کی گئی کہ دوسری قوموں کی پیشواء بنے۔

’’وکذلک جعلناکم امة وسطاً لّتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا‘‘ (البقرة:۱۴۳)

(ترجمہ) اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر اللہ کے دین کے گواہ رہو اور یہ رسول تم پر اللہ کے دین کا گواہ ہو۔

قرآن کریم کی یہ چار کھلی شہادتیں بتلائی ہیں کہ آگے حضور ﷺ کے مشن کی بغاوت نہ ہوگی۔ آپ کی خلافت ہوگی اور پھر ایک وقت آئے گا کہ یہ دین ساری دنیا پر چھا جائے گا۔ منافقین بھی اگر اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو دنیا میں انہیں ذلیل اور ناکام کر کے رکھ دیا

جائے گا۔ مکہ پر حق کا قبضہ دائمی ہوگا اور باطل وہاں سے مستقل طور پر رخصت ہو چکا۔

۱...... ’’لئن لم ینته المنافقون والذین فی قلوبهم مرض والمرجفون فی المدینة لنغرینّک بهم ثم لا یجاورونک فیها الّا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتّلوا تقتیلا‘‘ (الاحزاب:۶۰)

(ترجمہ) اگر یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے۔ پھر وہ آپ کے ساتھ اس شہر میں بھی نہ رہ سکیں گے۔ مگر تھوڑے دن اور اس میں بھی وہ ملعون ہو کر رہیں گے جہاں کہیں بھی پائے گئے پکڑے جائیں گے اور ان پر مار دھاڑ رہے گی۔

’’وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقاً‘‘ (بنی اسرائیل:۸۱)

(ترجمہ) اور آپ کہیں سچ آ گیا اور جھوٹ بھاگ نکلا۔ بے شک جھوٹ ہے ہی میدان چھوڑنے والا۔

حضور ﷺ کے مشن کی یہ کامیابی قرآن کریم میں اتنی روشن اور واضح ہے کہ اب اس کا انکار اس تواتر کا انکار ہے جو حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ دنیوی مہمات میں ہر قدم پر روشن اور ہویدا رہا ہے۔

حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر اور اصحاب بیعت (رضی اللہ عنہم) کے حق پر ہونے پر تواتر قدر مشترک ہے اور یہ اصول کا مسئلہ ہے کہ تواتر کا انکار کفر ہے، وہ کسی قسم کا تواتر ہو۔ ان جلی وقائع عرب کے مصداق پوری دنیا میں روشن نام رہے اور پوری دنیا نے اسلام کے یہ عملی نمونے دیکھے ہم نے قرآن کریم کے چار مختلف مقامات سے عہد رسالت اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ عملی بہاریں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ مگر افسوس کہ اسلام کی اس جلی کامیابی کے بالمقابل یہود نے تضلیل امت کا ایک غلط عقیدہ گھڑ لیا اور یہ بات پھیلائی کہ حضور اکرم ﷺ اپنے آخری دنوں میں خود اپنی ہی امت کے ہاتھوں بالکل بے بس ہو گئے تھے اور معاذ اللہ! پٹ کر رہ گئے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے یہ باتیں گھڑیں اور ان کی اساس پر وہ آگے بڑھے۔

عقیدہ تضلیل امت کی پہلی کڑی

۱...... حضور ﷺ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں اپنے جانشین کا اعلان نہ کر سکے اور جب مختلف اطراف کے مسلمان حج کے بعد اپنے وطنوں کو لوٹے اور حضور ﷺ اہل مدینہ کے ساتھ مدینہ

واپس ہوئے تو راستے میں ایک بے آباد جگہ غدیر خم میں حضرت علیؓ کے مولی مؤمنین ہونے کا اعلان کیا گیا اور آپ صحابہؓ کے ڈر سے کھلے طور پر حضرت علیؓ کے لئے خلیفہ کا لفظ استعمال نہ کر پائے اور ایک نہایت مبہم پیرائے میں حضرت علیؓ کے مولیٰ ہونے کا اعلان فرمایا اور امت آج تک لفظ مولیٰ میں مختلف چلی آرہی ہے۔ کوئی اس کا معنی دوست کرتا ہے اور کوئی مالک۔

۲...... حضورﷺ اپنے آخری ایام علالت میں بستر علالت پر اس قدر بے بس کر دیئے گئے کہ آپ اپنی خواہش کے مطابق حضرت عباسؓ کو اپنی مسجد میں قائم مقام امام نہ بنا سکے۔ آپ کی بیوی نے (معاذ اللہ) زبردستی اپنے باپ حضرت ابوبکرؓ کو مسجد میں امام بنادیا۔ اب ظاہر ہے کہ اس کے بعد خلافت کے لئے اور کس طرف نظریں جاسکتی تھیں اور وہی کچھ ہوا جس کا خطرہ تھا۔

۳...... حضورﷺ کے ایام علالت میں حضرت بلالؓ کو اذان میں یہ کلمہ کہنے سے روک دیا گیا ''اشهد ان علیاً ولی الله'' اور امت میں ایک ادھوری اذان قائم کردی گئی۔ حضرت علیؓ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا اعلان زبردستی روک دیا گیا جو پہلے سے برابر چلا آرہا تھا۔ (استغفر اللہ)

۴...... حضرت نے اپنے ان ایام علالت میں وصیت کرنا چاہی کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہو۔ آپ نے حضرت علیؓ کو کاغذ لانے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ کو کاغذ نہ لانے دیا گیا۔ یہاں تک کہ اہل بیت میں کاغذ لانے پر اختلاف پیدا ہوگیا اور حضور اپنی وصیت نہ لکھا سکے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو کاغذ نہ لانے کے الزام سے بچانے کے لئے حسبنا کتاب اللہ کہا کہ قرآنی ہدایت کے ہوتے ہوئے ہم کیسے گمراہ ہوسکتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

''یبین الله لکم ان تضلوا والله بکل شئ علیم'' (النساء:۱۷۶)

اس میں ضمانت دے دی گئی تھی کہ تم قرآن سے تمسک کرتے کہیں گمراہ نہ ہو پاؤ گے۔ اب کاغذ پیش کرنے کی کیا ضرورت رہ گئی ہے۔

۵...... حضورﷺ کی وفات ہوئی تو صحابہؓ نظم امور سلطنت میں لگ گئے۔ انہوں نے ماتم کی کوئی صف نہ بچھائی۔ وہ حضور کے جنازہ میں بھی شریک نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ نے بھی نماز جنازہ کی امامت نہ کی صرف حضورﷺ پر درود پڑھاتے رہے۔ مہاجرین وانصار نے پیرایہ درود میں ہی آپ کا جنازہ پڑھا۔ صحابہؓ حضور کی رسمی نماز جنازہ تک نہ پڑھ سکے تو کیا یہ امت حق پر قائم رہی۔ یہ تو حضور کے سامنے ہی آپ کا رستہ چھوڑ گئے تھے۔ (معاذ اللہ)

۶…… حضرت سیدہ فاطمہؓ سے اجازت لئے بغیر حضورﷺ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کردیا گیا اور حضرت ابوبکرؓ زبردستی مسجد نبوی میں امامت کراتے رہے۔ حضرت علیؓ مجبوراً نماز میں ان کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔ آپ دل سے نماز کی نیت نہ کرتے تھے۔ اس زبردستی امامت کو ماننا آپ کے لئے مشکل تھا۔ ہاں! دوسرے مسلمان برابر ان کی امامت میں نماز پڑھتے رہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں تھیں جو یہودیوں نے مسلمانوں میں چھوڑ دیں اور انہوں نے اپنا ایک مستقل نمائندہ عبداللہ بن سبا اسلام کے لباس میں داخل صفوف اسلام کیا کہ اسے جب موقع ملے وہ مسلمانوں میں فرقہ بندی کا بیج ڈال دے اور خلافت کو بغاوت میں بدل دے۔ اسے حضرت ابوبکر وعمرؓ کے دور میں تفرقہ اسلام کی کوئی راہ نہ ملی۔ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے کے دس سال بعد اسے آپ کے گورنروں کے خلاف کچھ پروپیگنڈا کرنے کا موقع ملا اور پھر بات یہاں تک بڑھی کہ حضرت عثمانؓ کو اپنے گھر میں قرآن کریم تلاوت کرتے ہوئے شہید کردیا گیا۔ پھر جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو ان خارجیوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ حضرت علیؓ کو بھی اپنے اس پروپیگنڈا میں شامل کرلیا۔ آپ کی برسرعام تکفیر کی یہاں تک کہ آپ کو بھی شہید کردیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

یہودیوں کے پیدا کردہ ان الزامات کا اگر پورے استیعاب سے جائزہ لیا جائے تو قلم یہاں آکر رکتا ہے کہ حضور اکرمﷺ معاذ اللہ! اس دنیا میں کامیاب نہیں رہے تھے اور یہ کہ آپ کا مشن آپ کی زندگی میں ہی فیل ہوگیا تھا اور بات یہاں آکر ختم ہوتی ہے کہ آپ کے بعد اسلام کی خلافت نہیں چلی پورے اسلام سے یکسر بغاوت ہوگئی۔ اس عقیدہ کو مختصر طور پر عقیدہ تضلیل امت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرتﷺ کی زندگی کے آخر دور میں آپ کے خلاف بغاوت ہوگئی تھی اور آپ اس پر قابو نہ پاسکے تھے اور آپ کے بعد آپ کے نام سے ایک نیا اسلام گھڑ لیا گیا۔

اس امت کے قاطبۃ گمراہ نہ ہونے کا آسمانی فیصلہ

آنحضرتﷺ سے پہلے اولاد آدم کی گناہوں سے حفاظت نبوت کے سائے میں ہوتی تھی۔ تمام انبیاء کرامؑ کو شان عصمت دی گئی تھی۔ ختم نبوت کے بعد یہ اعزاز اس امت کو ملا کہ آئندہ وہ اولاد آدم کو اللہ رب العزت کی مرضیات پر لائے گی۔ یہ امت بہترین

امت ٹھہرائی گئی کہ آئندہ نبوت والا کام اس امت کے سائے میں سرانجام پائے گا۔ قرآن کریم کی یہ آیت آپ پہلے مطالعہ کر چکے ہیں۔

’’کنتم خیر امۃ اخرجت للناس‘‘ (آل عمران:۱۱۰)

اللہ تعالیٰ نے صیانت امت کے لئے یہ آسمانی فیصلہ فرمایا کہ یہ امت قاطبۃ کسی غلط بات پر کبھی جمع نہ ہو سکے۔ سو یہ اجماع امت عام افراد امت کے لئے ماخذ شریعت ٹھہرا۔ اسلام کے ماخذ اربعہ میں یہ تیسرا علمی ماخذ ہے اور اس نے اجماع امت کے سایہ میں طے ہونے والے ہر امر کی تصویب کر دی ہے۔ قرآن کریم نے سبیل المؤمنین کے خلاف ہر امر کو گمراہی قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔

’’ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ماتولیٰ ونصلہ جھنم وسآء ت مصیراً‘‘ (النساء:۱۱۵)

انبیاء کرام علیہم السلام فرداً فرداً معصوم ہیں۔ عام افراد امت فرداً فرداً تو معصوم نہیں لیکن یہ امت اجماعاً معصوم ہے۔ محدثین نے امت کے اس طرح معصوم ہونے پر نص فرمائی ہے۔ امام محی الدین النووی (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں تصریح فرما چکے ہیں۔

’’فمعاذ اللہ لا نہ اجماع علی الخطاء وھم معصومون من ذلک‘‘

(شرح صحیح مسلم ج۱ ص۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

حضور اکرم ﷺ کے سامنے معراج کی رات کچھ پیالے ڈھکے پیش کئے گئے۔ آپ ﷺ کا ہاتھ اس پیالے پر آیا جس میں دودھ تھا۔ حضرت جبرائیل نے آپ کو بشارت دی کہ آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ہاتھ اگر دوسرے پیالہ پر پڑ جاتا تو آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے بعد گمراہ ہو جاتی۔ اب ایسا نہیں ہوگا اس امت کے قاطبۃ کسی باطل پر جمع نہ ہونے کی ضمانت دے دی گئی۔

’’عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ لیلۃ اسری بی لقیت موسیٰ علیہ السلام رایت ابراھیم وانا اشبہ ولدہ قال واتیت باناء ین احدھما اللبن والآخر فیہ خمر فقیل لی خذایھما شئت فاخذت اللبن فشربتہ فقال ھدیت الفطرۃ او اصبت الفطرۃ اما انک لو اخذت الخمر غوت امتک‘‘

(جامع الاصول ج۴ ص۱۳۶ الفصل الثالث فی خلق آدم)

معراج کی رات بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام نے حمد باری کی اور اپنے تعارف کے خطبے دیئے۔ ان میں حضور اکرم ﷺ کے خطبہ کو اس طرح روایت کیا گیا ہے۔

’’الحمد ﷲ الذی ارسلنی رحمۃ للعالمین و کافۃ للناس بشیراً ونذیراً وانزل علی الفرقان فیہ بیان لکل شیٔ وجعل امتی خیر امۃ اخرجت للناس وجعل امتی امۃ وسطاً وجعل امتی ہم الاولین والآخرین وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحاً وخاتماً‘‘ (الخصائص الکبریٰ ج۱ ص۱۷۳ حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)

اس میں آپ ﷺ نے یہ تصریح فرمائی کہ اب لوگوں کی رہنمائی کی ذمہ داری آپ کی امت کو سونپی گئی ہے۔ یہ اس لئے کہ آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت نہیں۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ یہ امت اپنے اجماع میں معصوم ہوا جو خود گمراہ ہو سکے۔ وہ کسی دوسرے کی راہنمائی کیسے کرے گا۔ اس میں یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ امت آخر تک امت باقیہ ہوگی اور یہی اس کے آخر میں ہوگی۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس خطبہ میں آپ ﷺ نے یہ تصریح کی ہے کہ آپ کی امت اوّلین اور آخرین دونوں کو محیط ہے۔ اس میں بتلایا گیا کہ یہ امت کبھی نہ ٹوٹے گی۔ اس میں عقیدہ تضلیل امت کی کھلی تردید موجود ہے۔ قادیانیوں کا حضور ﷺ کی مسلسل چلی آنے والی امت کے انقطاع اور احمدی مسلمانوں کے نام سے ایک نئی امت کے آغاز کا عقیدہ یکسر غلط ہے۔

سفر معراج میں حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کی آواز سنی۔ وہ آپ کو بلا رہا تھا۔ حضرت جبریل نے کہا: حضور آگے بڑھئے۔ وہ کون تھا؟ ابلیس۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں: ’’وہ جس نے حضور ﷺ کو آواز دی تھی وہ ابلیس تھا۔ اگر حضور ﷺ اس کی طرف التفات فرماتے اور اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور شیطان انہیں گمراہ کر دیتا۔‘‘ (مدارج النبوۃ ج۱ ص۲۹۴، ۲۹۵ طبع دہلی ص۲۴۵ طبع لاہور)

اس میں بھی اس امت کے قاطبۃ کسی باطل پر جمع نہ ہونے کی آسمانی خبر موجود ہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد مختلف چیزوں پر لکھے ہوئے قرآنی نوشتے ایک کتابی صورت میں لائے گئے عہد رسالت کی مختلف دستاویزات سے قرآن کریم کو ایک کتابی

صورت میں لایا گیا۔ یہ کام کسی معصوم فرد کی نگرانی میں نہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس پر اجماع امت کا سایہ عصمت ضرور موجود تھا۔ جب امت میں کسی نے اس نئی ترتیب سے (جو نزول کے مطابق نہ تھی، قرأت رسول کے مطابق تھی) انکار نہ کیا۔ حضرت علیؓ نے بھی اسی ترتیب سے قرآن لکھا جو آج بھی مشہد (ایران) کے کتب خانہ کی قلمی دستاویزات میں موجود ہے۔ جب پوری امت میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس جمع قرآن پر اجماع امت کا سایہ عصمت بے شک موجود تھا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ موجود ہے کہ جمع قرآن کی تکمیل اللہ تعالیٰ کے سایہ حفاظت میں عمل میں آئے گی اور عملاً یہ حضرت ابوبکر وعمر اور حضرت زید بن ثابتؓ کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ وہ افراد کس قدر سعادت مند تھے جن کے ہاتھوں اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا۔

''انا علینا جمعہ وقرانہ فاذا قراناہ فاتبع قرانہ ثم ان علینا بیانہ''

(القیٰمۃ:۱۷تا۱۹)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اجماع امت معصوم ہے جس کام پر یہ امت قاطبۃ جمع ہو جائے وہ کام یقیناً ہر غلطی سے معصوم قرار پاتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صرف تین رات جماعت سے قیام رمضان کیا۔ صحابہؓ نے پوری امت کے اجماع سے اسے پورے ماہ رمضان میں پھیلا دیا۔ صحابہؓ کے پاس اپنے اس عمل کے لئے حضور ﷺ کی طرف سے بھی رہنمائی موجود تھی۔

آپ ﷺ نے ایک رات صحابہؓ کو مسجد میں مختلف جماعات میں تراویح پڑھتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا: ''اصابوا ونعم ماصنعوا'' (سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۹۴ باب فی قیام شہر رمضان)

اب اس میں کسی شک کو راہ نہیں دی جاسکتی کہ حضرت عمرؓ کے اس پورے اقدام پر اجماع امت کا سایہ عصمت موجود تھا اور اب تک امت میں کوئی ایسا گروہ نہیں پایا گیا جو ماہ رمضان میں صرف تین رات تراویح پڑھنے کا قائل ہو۔

سو یہ بات پورے تعیّن سے کہی جاسکتی ہے کہ اس امت کے قاطبۃً کسی گمراہی پر جمع نہ ہونے کی آسمانی خبر دے دی گئی تھی۔ انبیاء کرام علیہم السلام فرداً فرداً معصوم ہیں اور عام احاد امت فرداً فرداً تو نہیں لیکن اجماعاً معصوم ہیں۔ یہ امت قیامت تک کسی باطل پر قاطبۃ جمع نہیں ہوسکتی۔

قاضی عیاض (۵۴۴ھ) کہتے ہیں: **''وکذلک نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ''** (الشفاء ج۲ ص۲۸۹ فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر)

(ترجمہ) اوراسی طرح ہم اس شخص کی قطعی تکفیر کرتے ہیں جو ایسی بات کہے جس سے جمہور امت کی تضلیل لازم آئے۔

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ آنخضرت ﷺ کو معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ پر مختلف پیالے ڈھکے پیش کئے گئے اور آپ ﷺ نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کو بشارت دی گئی کہ آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے بعد کبھی کسی گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ اگر آپ ﷺ کا ہاتھ شراب پر آتا تو آپ ﷺ کی امت سیدھی راہ سے بہک جاتی۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی امت کا آپ ﷺ کے بعد راہ حق سے ہٹ جانا محالات میں سے ہے۔ آپ ﷺ کے بعد خلافت کی خبر ہے بغاوت کی نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع پر عصمت کا سایہ کارفرما ہوتا ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی طرف سے حضور اکرم ﷺ کے کسی فیصلہ کو بدلیں۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا اگر کوئی ایسی صورت سامنے آئے تو یقین کریں کہ وہ اس مسئلے میں کسی ناسخ پر ضرور مطلع تھے جس سے انہوں نے اس ایک بات کو منسوخ جانا۔ ورنہ یہ نہیں ہوسکتا کہ پوری امت کسی غلط بات پر جمع ہوجائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب کسی غلط بات پر جمع ہوجائیں۔ اس سے وہ معصوم ہیں۔

امام محی الدین النووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۶ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں: ’’انما یقبل ذلک لانہ یستدل باجماعھم علی ناسخ واما انھم ینسخون من تلقاء انفسھم فمعاذ اللہ لانہ اجماع علی الخطاء وھم معصومون من ذلک‘‘ (شرح صحیح مسلم ج۱ ص۴۷۸ باب طلاق الثلاث)

یہ امت قاطبۃ (تمام سراسر) کسی غلط بات پر جمع ہو جائے۔ تضلیل امت کا یہ عقیدہ عبداللہ بن سبا کے پیروؤں اور خارجیوں کی ایک اپنی اختراع ہے۔ پیشتر اس کے کہ ہم اس بحث کو آگے لے جائیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم خارجیوں کی تاریخ کا ایک مختصر خاکہ یہاں ہدیہ قارئین کر دیں۔ اسے دیکھ کر آپ اس یقین پر پہنچیں گے کہ اسلامی صفوں میں عقیدہ تضلیل امت کی ہرگز کوئی پذیرائی نہیں ہے۔ یہ اسلام کے خلاف ایک کھلا کفر ہے۔

خوارج کی تاریخ کا ایک سیاہ ورق

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

ان کا پہلا خروج حضرت عثمانؓ کے خلاف ہوا۔ انہیں شہید کرنے کے بعد یہ حضرت علیؓ کے گرد جمع ہوگئے۔ یہ حضرت علیؓ کی طرف بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاتے تھے اور حضرت علیؓ اپنا ہاتھ اپنی طرف کھینچتے تھے۔ حضرت علیؓ ان کی بیعت لینے کے لئے تیار نہ تھے۔ یہاں تک کہ یہ آپ کی فوجوں میں زبردستی گھس گئے اور یہاں تک حضرت علیؓ کو بے بس کئے رکھا کہ آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر ہاتھ نہ ڈال سکتے تھے۔ آپ نے اپنی اس بے بسی کا حضرت معاویہ کے سامنے اس طرح اظہار کیا۔

’’یملکوننا ولا نملکھم‘‘

(ترجمہ) یہ ہمارے مالک بنے بیٹھے ہیں اور ہم ان پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

(نہج البلاغۃ خطبہ ۱۹۱ ج۱ ص۱۱۲۰ مطبوعہ شیخ غلام علی ترجمہ رئیس احمد جعفری)

پھر یہ جنگ صفین کے بعد مسئلہ تحکیم میں کھلم کھلا حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئے اور صرف سیاسی امور میں نہیں اعتقادی طور پر بھی حضرت علیؓ کے خلاف ہوگئے۔ وہ آیتیں جو کافروں کے بارے میں اتری تھیں۔ وہ مسلمانوں پر چسپاں کرنے لگے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو (معاذ اللہ) کافر قرار دیا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم انہی میں سے تھا جس نے آپ کو رمضان کی ۲۱ ویں رات شہید کر دیا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ ان کے سرغنہ سے ناواقف نہ تھے۔ آپ نے موقع پا کر اسے زندہ آگ میں جلا دیا۔ صحیح بخاری میں اس کا ذکر موجود ہے۔

آپ نے ان خوارج کو یہاں تک کہا کہ مجھے تو تم اعتقادی طور پر گمراہ کہہ ہی رہے ہو۔ لیکن تم حضور اکرم ﷺ کی پوری امت کی تضلیل کیوں کر رہے ہو۔ یہ تو اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ اس خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت قرآن کریم کی ان پانچ آیات کے خلاف عقیدہ تضلیل امت راہ پا چکا تھا۔

علامہ رضی حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے خوارج سے اس طرح خطاب فرمایا:''**فان ابیتم الا ان تزعموا انی اخطأت وضللت فلم تضللون عامة امة محمد ﷺ لضلالی وتاخذونهم بخطائی وتکفرونهم بذنوبی**''

(نہج البلاغہ خطبہ ۱۲۴ص ۳۸۹ مکتبہ شیخ غلام علی ناشر لاہور ترجمہ رئیس احمد جعفری)

(ترجمہ) اگر تم اس بات کو چھوڑتے نہیں کہ میں نے غلطی کی اور میں گمراہ ہو چکا ہوں۔ لیکن تم حضور اکرم ﷺ کی پوری امت کو کیوں گمراہ قرار دے رہے ہو اور میری غلطی پر ان سب کو کیوں گمراہ کہتے ہو اور میرے گناہوں کے سبب انہیں کیوں کافر قرار دے رہے ہو۔

یہودیوں کے صف اسلام میں بچھائے ہوئے جال کے چھ نمبر آپ پیچھے ملاحظہ کر آئے ہیں۔ اب آپ اس مسئلہ کو بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ حضرت علیؓ کی نگاہ میں پوری امت کے حضور اکرم ﷺ کی بغاوت پر آ جانے کا عقیدہ حضرت علیؓ کو (معاذ اللہ) گمراہ قرار دینے سے بھی بڑھ کر ایک بڑا گناہ ہے۔ تبھی تو وہ فرما رہے تھے کہ میری وجہ سے تم پوری امت کے خلاف عقیدہ تضلیل امت کیوں بنائے ہوئے ہو۔

سوال: کیا حضور ﷺ کی امت کی عام تضلیل کا قائل صف اسلام میں کوئی جگہ رکھتا ہے یا یہ قرآن کریم کے اس کھلے ارشاد کہ یہ امت خیر امت ہے کہ خلاف ہے وہ شخص قرآن وحدیث سے پورے تواتر ویقین سے ثابت ہونے والے حضور ﷺ کے عقیدوں کے خلاف عقیدہ تضلیل امت اختیار کرنے سے صف اسلام سے باہر جا نکلتا ہے یا نہیں؟ اور امت کی عام تضلیل کا عقیدہ اختیار کرنا کیا واقعی شرعاً کفر ہے؟

الجواب: حضرت علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی المصری قاضی عیاض (۵۴۴ھ) کے ایک سوال کی شرح میں لکھتے ہیں:''**وکذلک (ای کتکفیر هٰولاء) یقطع ویجزم بتکفیر کل من قال قولاً صدر عنه یتوصل به الیٰ تضلیل الامة ای کونهم فی ضلال عن الدین والصراط المستقیم ویودی الیٰ تکفیر جمیع الصحابة کقول الطائفة الکملیة...... من غلاة الرافضة بتکفیر جمیع الامة بعد موت النبی ﷺ...... ان الصحابة کفروا الیٰ بایعوا ابابکر وعلی کفر لما ترک حقه ولم یقاتل...... وسبب کفرهم وتکفیرهم للصحابة اذ لم تقدم علیا وکفرت علیاً اذلم یتقدم بنفسه علیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہما**

ویطلب حقه من الامة فی التقدیم، علی ابی بکر فهو لاء قد کفروا من وجوه لانهم بما قالوه ابطلوا الشریعة باسرها...... وکذلک ای کما کفرنا هولاء نکفر بکل فعل فعله شخص مسلم اجمع المسلمون علیٰ انه (ای ذلک الفعل) لا یصدر الا من کافر حقیقة لانه من جنس افعالهم وان کان صاحبه ای من صدر عنه مسلماً مصرحاً بالاسلام حقیقة او حکماً بشهادة ظاهر حاله مع فعله ذلک الفعل الذی هو من افعال الکفرة کالسجود للصنم وکالسجود للشمس والقمر والصلیب وکالسجود للنار‘‘

(نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض ج۴ص۵۱۰،۵۱۱ فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتاوّلین مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، وارجع شرح شفا للخفاجی (۱۰۶۹ھ) ج۴ص۵۱۰ شرح الملا علی القاری)

(ترجمہ) بالتخلیص اور اسی طرح قطعی اور حتمی طور پر ہر اس شخص کی تکفیر کی جائے جس سے کوئی بھی بات صادر ہو جس کے پیچھے عقیدہ تضلیل امت کارفرما ہو اور وہ جمیع صحابہؓ کی تکفیر تک لے جائے۔ جیسا کہ کمیلیہ فرقے کے لوگ جو حضور اکرمﷺ کے بعد پوری امت کی تکفیر کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو خلافت کے لئے آگے کیوں نہ کیا اور وہ حضرت علیؓ کی بھی تکفیر کرتے ہیں کہ وہ آگے کیوں نہ بڑھے اور اپنے حق کا کیوں مطالبہ نہ کیا۔ سو اس عقیدے کے لوگ جیسے کہ یہ کمیلیہ ہیں، ان کی تکفیر کئی وجوہ سے کی گئی ہے۔ کیونکہ (۱) وہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے پوری کی پوری شریعت باطل ٹھہرتی ہے۔

اور اسی طرح ہم تکفیر کرتے ہیں ہر اس فعل سے جو کوئی مسلمان کرے لیکن وہ فعل ایسا ہو کہ باتفاق مسلمین کسی کافر سے ہی صادر ہوتا ہو وہ کافروں کے اعمال کی جنس میں سے ہو۔ اگرچہ اس کا کرنے والا اپنے آپ کو مسلمان کہے لیکن وہ اس فعل کا مرتکب ہو جو کافر ہی کرتے ہیں۔

علامہ خفاجی المصری (۱۰۶۹ھ) اور امام ملّا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کے اس بیان کی حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) نے اکفار الملحدین ص۵۸ پر پوری تائید کی ہے۔ ایسے لوگوں کی تکفیر یہ صرف حضرت شاہ صاحب کا ہی مؤقف نہیں اکابر علماء دیوبند سب اسے کسی کے کفر و اسلام کے فیصلے میں اصل الاصول مانتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی اس کتاب پر محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی اقلیم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی،

مفتی دارالعلوم دیوبند مفتی عزیز الرحمٰن، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نائب امیر شریعت صوبہ بہار مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، مولانا سید مرتضیٰ حسن ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند اور حضرت علاّمہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے تصدیقی دستخط موجود ہیں۔

سو اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ حضور کی امت کے خیر امت ہونے کا عقیدہ اسلام کے عقائد قطعیہ ویقینیہ میں سے ہے۔ امت محمدیہ کی عام تضلیل کا عقیدہ اور آپ ﷺ کی زندگی میں آپ کے خلاف آپ کی امت کی کھلی بغاوت کا اعتقاد کسی مدعی اسلام کو اسلام کی صف میں رہنے نہیں دیتا۔ اتنی قطعیات اسلام کا انکار جو ہم نے مذکورہ چھ نمبروں میں ترتیب وار نقل کی ہیں، کیا عقیدہ کفر نہیں ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار!

چوتھی صدی میں ملاّ محمد بن یعقوب الکلینی نے عقیدہ تضلیل امت کی اس طرح بناء رکھی اور پوری امت کو ماسوائے تین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارتداد کے گڑھے میں ڈال دیا۔

’’عن ابی جعفر قال کان الناس اهل ردة بعد النبی ﷺ الّا ثلثه قال مقداد بن الاسود وابوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمۃ اللہ علیہم‘‘

(کتاب الروضہ من الطافی ج۲ ص۸۴ طبع تہران)

یہ بات حضرت امام محمد باقر (۱۱۴ھ) نے ہرگز نہ کہی ہوگی وہ اس امت کے خیر القرون کے نہایت اونچے بزرگ تھے۔ ملاّ جی نے یہ بات گھڑ کر خود ہی ان کے کھاتے میں ڈال دی ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ اس عقیدہ کی صف اوّل انہیں ملاّ جی نے بچھائی ہے۔ یہاں تک کہ ایک پورا طبقہ اس عقیدہ تضلیل امت پر جمع ہوگیا۔ یہ لوگ بارہ اماموں کے عقیدہ پر نہیں ہیں۔ ملا کلینی کی پیروی میں وہ تضلیل امت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے تمام امت محمدی (ﷺ) کو عقیدہ رفع مسیح میں گمراہی پر بتلایا۔ اس کے ضمن میں اس نے پوری امت محمدیہ کو عقیدہ ختم نبوت میں بھی غلطی پر ٹھہرایا اور خود ایک نئے اسلام کی ان اصولوں پر ایک امت کی تشکیل کی جو پہلے چودہ سو سالہ اسلام سے کوئی لگا نہ کھاتے تھے۔ سو قادیانیت بھی عقیدہ تضلیل امت کا ہی ایک اور پیرایہ ہے۔

پھر مسٹر غلام احمد پرویز نے عقیدہ تضلیل امت ایک اور نئے پیرایہ میں ترتیب دیا ہے اور پوری امت محمدیہ نے اس کے ان نئے نظریات کو پہلے اسلام کے خلاف ایک نئی یورش قرار دیا۔ ہم ذیل میں اس کے بھی کچھ نقوش ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

مسٹر غلام احمد پرویز کا عقیدہ تضلیل امت

غلام احمد پرویز کا عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ کا لایا ہوا سارا دین اپنی اصل کھو چکا ہے اور اب مسلمان ایک محرف دین پر چل رہے ہیں۔ پوری کی پوری امت دین اسلام کی پٹڑی سے اتر چکی ہے۔ پرویز لکھتا ہے: ''وہ دین جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا تک پہنچایا اس کا کون سا گوشہ اور کون سا شعبہ ہے جس میں تحریف نہیں ہو چکی۔''

(قرآنی فیصلے ص۶۶ مطبوعہ طلوع الاسلام کراچی)

مسٹر پرویز اور علماء اسلام میں اختلاف کی خلیج اس قدر وسیع کیوں ہوگئی؟ اس کی تہہ میں اس کا یہ عقیدہ ہے کہ ابھی چند صدیاں بھی نہ گزری تھیں کہ سارا دین بدل کر رہ گیا۔ اس کی بنیادی وجہ ایک اصول ہے۔ علماء اسلام کے ہاں کتاب وسنت کی نصوص اپنے ظواہر پر ہیں ان میں کوئی تاویل لائق قبول نہیں۔ اگر ان میں تاویل کی راہ کھول دی گئی تو پھر یہ دین کسی طرح ایک نہ رہ سکے گا۔ جتنے مختلف ذہن ہوں گے قرآن وحدیث میں اتنی ہی تاویلیں ہوں گی اور اگر ان نصوص کو ان کے ظواہر پر رکھا جائے تو دین کم از کم ضروریات دین کی حد تک تو ایک رہ سکے گا۔ اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوں گے وہ صرف فروعات میں ہوں گے۔ اصول میں سب ایک ہی دین پر رہیں گے۔ پرویز کے ہاں قرآن کی نصوص میں بھی تاویل کی راہ کھلی ہے۔ تبھی وہ اس بات کا مدعی ہے کہ قرآنی نصوص کو اپنے ظاہر پر رکھنے کی پابندی سے ساری امت دین میں تحریف کی مرتکب ہے اور پرویز کے سواء اور کوئی شخص قرآن کو شاعرانہ دماغ سے نہیں سوچتا۔

امت کے اعمال شاعرانہ سوچ میں نہیں اتارے جاسکتے

ایمانیات تو اپنی جگہ رہے یہ امت اپنے خاکہ اعمال میں بھی ایک تاریخی تسلسل رکھتی ہے کوئی کار خیر ایسا نہیں جو امت محمدیہ کی پوری تاریخ میں کسی دور میں یکسر ہاتھ سے نہ جاتا رہا یا اسے اس دور کے تمام اکابر امت بھول گئے تھے۔ یہ امت ایک سنت قائمہ سے چلی آرہی ہے اور اس میں ایک لازوال تسلسل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے خود اسے ایک لازوال حقیقت ٹھہرایا ہے۔ ہر دور کے لوگ وہ قلیل ہوں یا کثیر ہمیشہ سے اس خیر پر چلے آرہے ہیں جو آپ سے چلا تھا۔

''لاتزال طائفة من امتی قائمة بامر الله لا یضرهم من خذلهم او خالفهم حتی یأتی امر الله وهم ظاهرون علی الناس''

(صحیح مسلم ج۲ ص۱۴۳ باب لاتزال طائفۃ من امتی ظاہرین)

(ترجمہ) میری امت کا ایک گروہ مسلسل امر الٰہی پر قائم رہے گا جو انہیں رسواء کریں یا ان کی مخالفت کریں وہ انہیں کچھ ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور وہ گروہ لوگوں میں ظاہر رہے گا۔

یہ عقیدہ ایک گمراہی ہے کہ اسلام اپنی پوری شان سے صرف ایک سو سال چلا اور پھر پوری امت اسے تیرہ صدیوں تک بھولی رہی۔ ہم مولانا سعید احمد خاں صاحب کی اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ وہ لکھتے ہیں: ''دعوت کے کام کو چھوڑے ہوئے تیرہ سو سال ہو گئے اور اس کے منافع اور اس کی عظمت اور اس کی ضرورت اور اس کا طریقہ اور اس کے اصول اور اس کا اسلوب اس وقت اہل زمانہ کے دماغوں سے سب مجہول ہو گئے۔ ہر ایک اپنے اپنے علم وفہم کے اعتبار سے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے علم وفہم سے جداگانہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج سے بہت دور ہے۔ اپنی اپنی رائے زنی کرتے ہوئے دعوت کی ضرورت کو بیان کرتا ہے۔ حالانکہ دعوت کو علم کے اعتبار سے جو عمل سے علیحدہ ہو گیا ہے، سمجھنا بہت مشکل ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب پر حق تعالیٰ نے خصوصیت سے وہ کچھ کھولا جو دوسرے علماء پر نہیں کھولا۔ اس لئے اس کام کے کسی عمل کو علمی دلائل سے سمجھانا صحیح نہیں ہے۔''

(مکاتیب مولانا سعید خاں ص۹۲)

ہمیں تو یہ بتلایا گیا تھا کہ اس امت میں کوئی بھول چوک سو سال سے زیادہ نہیں چل سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر مجدد دین بھیجتا رہا جو امت میں اس کی کسی بھول چوک کی اصلاح کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ان الله عزوجل یبعث لهذه الامة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لها دینها''

(رواہ ابوداؤد ج۴ ص۱۰۹ باب ما یذکر فی قرن المائة، شامله)

(ترجمہ) بے شک اللہ عزوجل اس امت کے لئے ہر سو سال کے سر پر ایسے لوگ بھیجتا ہے جو دین کی (ہر غلطی سے) تجدید فرماتے ہیں۔ (حق نکھر کر سامنے آ جاتا ہے)

اب ہم کیسے مان لیں کہ یہ امت مسلسل تیرہ سو سال دعوت کے اس کام کو بھولی رہی

بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ اسے علمی راہ سے نہ سمجھا جاسکے۔ نہ سمجھایا جاسکے۔ ائمہ اربعہ نے تو عمر بھر کسی مسئلے یا عمل کے بارے میں یہ نہ کہا تھا کہ اسے علمی دلائل سے سمجھانا صحیح نہیں۔ اب ایسے اندھے کہاں ملیں گے جو بلا سمجھے اس میں چلے آئیں اور پھر ان کی آنکھیں کھلیں کہ یہ راہ ہے جسے امت پوری تیرہ صدیاں بھولی رہی ہے اور اب ایسے بزرگ اٹھے جو اس تیرہ سو سال کی متاع گم گشتہ کو پاگئے۔

یہ جرأت رندانہ جو حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک کو اور امام غزالی اور امام رازی کو اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی (رحمۃ اللہ علیہم) کو راہ بھولے قرار دے کر آگے بڑھتی تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کی تنقید سے نہیں بچتے۔ خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی شادی شدہ فوجی اپنے گھر سے چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ جب ان لوگوں نے جماعتوں کو چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لئے نکالنا چاہا تو انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس حکم میں بھی کئی سقم نظر آئے۔

حضرت مولانا سعید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کرنے کے لئے اپنے اہل مشورہ سے مشورہ نہیں لیا اور دوسرے مسائل کی طرح اس پر اجماع نہیں کیا۔ جیسے تراویح تین طلاق ایک مجلس میں دینے پر کیا دوسرے اپنی بیٹی سے رائے لی اپنی بیوی اور دوسری عورتوں سے نہ پوچھا...... تو حکم مواقع کے اعتبار سے دیکھا جائے گا...... الحمدللہ! اب تک جتنے آدمی اللہ کی راہ میں دور دراز کے لئے گئے ہیں چھ ماہ، سال کے لئے گئے ہیں۔ کوئی ایسی بات ان کے گھر والوں سے سرزد نہیں ہوئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کو یاد دلائے۔'' (مکاتیب مولانا سعید احمد خاں ص۹۲)

معلوم نہیں مولانا مرحوم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اگر کہیں دور دراز کسی جگہ کوئی غلط کاری صادر ہوئی ہو وہ ان کے علم میں ضرور آنی چاہئے تھی یا ان اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کے گھروں سے مرکز میں ایسے خطوط آنے چاہئیں تھے کہ فلاں فلاں کو جلد اپنے گھروں میں واپس بھیجا جائے۔ اس صورت میں تو مولانا کہہ سکتے تھے کہ ان اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کے گھروں میں پورے سال میں کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔

در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید ۔۔۔ سر خدا کہ زاہد و عابد کسے نہ گفت

عقیدۂ نسخ ملت

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

مرزاغلام احمد کا دعویٰ نبوت مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت سے کھلا ٹکراؤ تھا۔ قادیانیوں نے اس کھلے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے مرزاغلام احمد کے دعویٰ نبوت کی یہ تشریح کی کہ اس کی نبوت غیرتشریعی ہے۔ مرزاغلام احمد کے ہاں شریعت محمدی قیامت تک کے لئے شریعت ہے۔ شریعت والا کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوگا مگر اس شریعت کے ماتحت غیرتشریعی نبی آ سکتے ہیں اور غلام احمد کا دعویٰ نبوت بھی غیرتشریعی نبوت کا ہی رہا ہے۔

یہاں ایک نہایت اہم بات گول رہی اسے کھولا نہ گیا۔ اسے وقت پر کھولا جاتا تو شاید کوئی بھی مسلمان مرزاغلام احمد کے دعویٰ نبوت کو قبول نہ کرتا۔ وہ کیا بات تھی؟ وہ نبوت اور امت کا ایک تعلق ہے۔ مرزاغلام احمد نے (بقول خویش) حضورﷺ کی شریعت کو تو باقی رکھا لیکن آپ کی امت کو امت قائمہ تسلیم نہ کیا۔ اس نے یہ نہ کہا کہ جس طرح حضورﷺ کی شریعت ہمیشہ کے لئے ہے۔ حضورﷺ کی یہ امت بھی ہمیشہ کے لئے ہے اور یہ قیامت تک قائم رہے گی۔ اگر اس کا یہ مؤقف ہوتا تو شاید اس کا دعویٰ نبوت ایک مجازی تعبیر سے کچھ آگے نہ بڑھتا۔ وہ (بقول خویش) غیرتشریعی نبوت کا دعویدار رہا۔ مگر اس نے حضورﷺ کی چودہ سو سال سے چلی آنے والی امت کو یکسر خدائی جماعت ہونے کے دائرہ سے نکال دیا اور اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں سے ایک نئی امت کا آغاز کیا۔ اس سے ان کے ہاں نسخ ملت کے ایک نئے عقیدہ نے جنم لیا اور اس سے قادیانیوں نے حضور اکرمﷺ کی امت کا ایک پورا تسلسل توڑ دیا۔ نبوت اور امت ایک ساتھ چلتے ہیں جو نبوت پہلی امت کو باقی نہ رکھے وہ صریحاً مسلمانوں کے عقیدۂ ختم نبوت سے ٹکراؤ کھاتی ہے اور حق یہ ہے کہ قادیانی ہمیشہ مسلمانوں سے ٹکرا کر چلے ہیں اور مسلمانوں نے بھی انہیں باضابطہ طور پر رابطہ عالم اسلامی اور پاکستان کی قومی اسمبلی میں اپنے سے باقاعدہ لاباہر کیا ہے۔ آج کی اس مجلس میں ہم قادیانیوں کے اس عقیدہ نسخ ملت پر کچھ گفتگو کرتے ہیں۔ عقیدۂ نسخ ملت سے مراد یہ ہے کہ حضورﷺ کی بنائی ہوئی امت اب ختم ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث میں اس

تصور کو کہیں راہ نہیں ملتی۔ حضورﷺ کی امت قیامت سے متصل ایک امت باقیہ ہے اور امتوں میں آخرالامم ہے۔

افسوس کہ ان کے ہاں ہمارا پرانا اسلام مردہ ہو چکا ہے۔ جب قادیانی ہمارے اس پورے اسلام کو مردہ مانتے ہیں تو پھران کا حضور اکرمﷺ کی شریعت کو شریعت باقیہ کہنا ایک دھوکہ اور فریب کے سواء کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر ہماری شریعت ایک شریعت باقیہ ہے تو یہ امت ایک امت ساریہ کیوں نہ ہوگی۔ اس نکتے کو نہایت غور سے سوچنے کی ضرورت ہے۔ قادیانیوں کی نئی نسلیں اگر اس پر غور کریں اور ٹھنڈے دل سے اپنے مستقبل کا جائزہ لیں تو وہ بآسانی مسلمانوں کی طرف پھر لوٹ سکتی ہیں۔

قادیانیوں کا پہلے اسلام کے مردہ ہونے کا دعویٰ

قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے امیر مولوی محمد علی اور خواجہ کمال الدین جو اندر سے غلام احمد کی نبوت کے قائل نہ تھے، ایک وقت انہوں نے سوچا تھا کہ اقوام عالم میں اسلام کی تعلیمات مرزاغلام احمد قادیانی کے نام کے بغیر بھی تو پھیلائی جاسکتی ہیں۔ شاید اس طریق سے کچھ اور لوگ اسلام کے قریب لائے جاسکیں۔ ان کی تجویز پر ۱۹۰۵ء میں اخبار وطن میں تبلیغ اسلام کے نام سے ایک فنڈ بھی قائم کر دیا گیا تھا۔ اب اس پر مرزاغلام احمد قادیانی کا ردعمل کیا رہا، اسے اخبار الفضل قادیان کی ۱۹۲۸ء کی ایک رپورٹ میں دیکھیں۔

’’حضرت اقدس (مرزا قادیانی) نے اس تجویز کو اس بناء پر رد کر دیا کہ مجھ کو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کرو گے؟ اس پر ایڈیٹر صاحب وطن نے اس چندہ کے بند کرنے کا اعلان کر دیا۔‘‘ (الفضل قادیان ج۱۶ نمبر۳۲ ص۱۱ کالم۳، مؤرخہ ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۸ء)

اس کا حاصل اس کے سواء کیا ہے کہ خالص اسلامی تعلیمات جو مولوی محمد علی لاہوری کی تجویز کردہ ہوں اور ان میں مرزاغلام احمد نہ ہو وہ مرزاقادیانی کے نزدیک بالکل لاشئ ہیں۔ یہ نسخ ملت کا دعویٰ تو نسخ شریعت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

اس پر ہم قارئین سے ایک منصفانہ اور دردمندانہ سوچ کی درخواست کرتے ہیں۔ کچھ سوچئے اور ان کی اس غیرتشریعی نبوت کا صدق دل سے تجزیہ کیجئے۔ یہ ایک ایسی نبوت تجویز کرتے ہیں جس میں وہ اپنے سواء اور کسی سابقے اور لاحقے کو جگہ نہیں دیتے۔

جو امت حضور اکرم ﷺ سے چلی کیا ہوسکتا ہے کہ تاریخ کی کسی کروٹ میں وہ یکسر ٹوٹ جائے۔ اس کا آگے تسلسل نہ ہو اور آئندہ کے لئے کوئی اور امت سامنے آئے؟ یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی امت میں کبھی کسی اور نبی کا ظہور ہو اور جو اس پر ایمان نہ لائیں وہ یکسر اس تسلسل سے نکل جائیں اور اس نئے نبی سے ایک نئی جماعت آگے چلے۔ کیونکہ امتیں اپنے نبیوں کی نسبت سے ہی پہچانی جاتی ہیں۔ قوم موسیٰ، قوم عیسیٰ اور امت محمدی کے بعد اس نئے نبی کی نسبت سے ایک نئی امت بنے اور چلے اس صورت میں وہ امت محمدی جو پہلے صدیوں سے چلی آرہی تھی اس کا تسلسل یکسر ٹوٹ جائے گا اور اللہ پر ایمان رکھنے والے آئندہ ادوار میں حضور ﷺ کے نام سے نہیں اس نئے پیدا ہونے والے نبی کی نسبت سے ایک نئی امت سمجھے جائیں گے۔

اسی قاعدہ سے مرزاغلام احمد کے پیرو احمدی کہلاتے ہیں اور احمد سے مراد وہ مرزاغلام احمد کو لیتے ہیں۔ اس نئی امت کے آغاز سے وہ امت یکسر ٹوٹ گئی جو آنحضرت ﷺ سے چلی تھی اور اختلاف امت کی صورت میں وہ ما انا علیہ واصحابی کے وصف سے پہچانے جاتے تھے اور وہی امت تیرہ سو سال سے چلی آرہی تھی۔

اس صورتحال کو ہم عقیدہ نسخ امت سے تعبیر کرتے ہیں جس کی قرآن وحدیث میں کہیں خبر نہیں ملتی۔ اس کے برعکس قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اس امت محمدی کا قیامت تک چلنا صریح طور پر ملتا ہے، جس طرح حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں آپ ﷺ کی امت بھی آخرالامم ہے۔ مرزاغلام احمد کے پیرو ایک جدید فرقہ ہونے کے مدعی ہیں اور وہ اپنے آپ کو پہلے سے چلی آنے والی امت محمدیہ کا تسلسل نہیں کہتے۔ مرزاغلام احمد نے نزول مسیح اور ختم نبوت کے بارے میں اپنے عقائد بدلے اور اس سے وہ امت محمدیہ کے پہلے چودہ سو سال کے تسلسل میں نہ رہا۔ یہ لوگ نیا فرقہ بنتے ہی ایک نئی امت بنے اور ان کے عقیدہ کی رو سے اس چودہ سو سال سے چلی آنے والی امت محمدیہ کا تسلسل ٹوٹ گیا ہے اور ان کے نزدیک پہلا اسلام اپنی زندگی پوری کر گیا ہے۔ اب وہ ان کے ہاں ایک مردہ اسلام ٹھہرا۔ مرزا قادیانی اس نئے فرقے کی بنیاد ہیں اور یہ فرقہ پہلے سے نہیں چلا آرہا، نیا بنا ہے۔

غلام احمد لکھتا ہے: ’’انہی دنوں میں آسمان سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائے گی اور خدا اپنے منہ سے اس فرقہ کی حمایت کے لئے ایک کرنا بجائے گا۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۲، خزائن ج۲۱ ص۱۰۸)

’’یہ نیا فرقہ مگر گورنمنٹ کے لئے نہایت مبارک فرقہ برٹش انڈیا میں زور سے ترقی کر رہا ہے۔ اگر مسلمان ان تعلیموں کے پابند ہو جائیں تو میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ فرشتے بن جائیں۔‘‘ (ضمیمہ نمبر۳ منسلکہ تریاق القلوب ص د، خزائن ج۱۵ ص۴۹۳)

مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے اسلام کو جو چودہ سو سال سے چلا آ رہا تھا، مردہ اسلام قرار دیا اور اپنے لئے وہ ایک نئے اسلام کا ایک نیا فرقہ بنا کر نکلا ہے اور اس نے کہا: ’’مجھ کو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کرو گے؟‘‘

(اخبار الفضل قادیان ج۱۶ نمبر۳۲ ص۱۱ کالم۳، مؤرخہ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۲۸ء)

یہ عقیدہ حضور ﷺ کی پہلی تیرہ سو سال سے چلی آنے والی امت کو یکسر معطل کرتا ہے اور مرزا قادیانی اپنے لئے ایک نئی امت تجویز کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے: ’’میری امت کے دو حصے ہوں گے۔ ایک وہ جو مسیحیت کا رنگ اختیار کریں گے اور یہ تباہ ہو جائیں گے اور دوسرے وہ جو مہدویت کا رنگ اختیار کریں گے۔‘‘

(الفضل قادیان ج۳ ص۸۳ ص۱۰ کالم۲، مؤرخہ ۲۶/ جنوری ۱۹۱۶ء)

اس میں وہ اپنے پیرووں کے لئے ایک امت کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ پھر وہ اپنا یہ الہام بھی لکھتا ہے: ’’دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کرے گا۔‘‘ (تذکرہ ص۸۱ طبع چہارم، براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۵۷، خزائن ج۱ ص۶۶۵ حاشیہ در حاشیہ نمبر۴)

حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی نئے پیدا ہونے والے نبی کا ہمیں سب سے بڑا نقصان یہ پہنچتا ہے کہ اس سے امت محمدیہ اپنے ماضی سے کٹتی ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی قوم کبھی اس کی اجازت نہ دے گی کہ کوئی قوم اسے مٹانے کے لئے اٹھے اور وہ اسے آسانی سے برداشت کر لے۔ قومیں اپنے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ مٹانے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں اور مسلمانوں نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وہ سب کچھ کیا جو کوئی قوم کر سکتی ہے اور اس کے لئے سب پہلے فرقے ایک ہو گئے اور یہ ان میں سے ایک فرقہ نہیں ایک علیحدہ امت بنے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے جب ایک امت بنائی تو اس کے پہلے طبقہ کے لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ قرآن کریم میں انہیں خیرامت کہا گیا ہے اور اس کا تسلسل اس آخری انسان تک ممتد اور وسیع رکھا گیا ہے جو اس دنیا کے آخر تک کہیں پیدا ہو۔

ا...... ’’کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون باللہ‘‘ (آل عمران:۱۱۰)

(ترجمہ) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے آگے کئے گئے تم معروف کام کرنے کا حکم کرنے والے ہو اور منکرات سے روکنے والے ہو اور تم ایمان کی دولت رکھتے ہو۔

یہ ’’اخرجت للناس ‘‘میں ناس وہی ہیں جن پر یہ جہاں ختم ہوگا اور دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی اور انہی پر قرآن ختم ہوتا ہے۔ ’’من الجنة والناس ‘‘سو اس جہاں کی وسعت عمری اور اس قرآن کی وسعت رہنمائی ان سب انسانوں کو شامل ہے جن تک اس امت کو اس آیت: ’’کنتم خیر امة‘‘ میں ممتد کیا گیا ہے۔ بس جب تک کائنات میں ہدایت کا چشمہ جاری رہے، اس وقت تک اس امت کا قیام اور کام بھی باقی رہے گا۔

آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر امت مسلمہ سے کہا: ’’انتم تتمون سبعین امة انتم خیرها واکرمها علی اللہ عزوجل‘‘

(رواہ ترمذی ج۵ ص۷۶ باب من سورة آل عمران شاملہ)

اس میں آپ نے اس امت کو سب پہلی امتوں کا تتمہ بتایا ہے۔ سو اس میں اس خیر امت کے آخر تک رہنے اور اس کے خیر پر رہنے کی خبر دی گئی ہے۔

’’وفیه اشعار الیٰ حسن المقطع...... وهذا اشارة الی حسن الخاتمة المنبئة علی حسن البداء ة کما اشار الیه قوله سبحانه ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ فنحن الآخرون الاولون ولاحقون السابقون‘‘

(مرقاة ج۱۱ ص۲۷۴ باب ثواب ہذہ الامة)

خدا کے ہاں کس کی قبولیت ہے اور کس کی نہیں یہ وہی جانے لیکن دنیا میں غلام احمد اپنے کسی دعوے میں سچا نہ مانا جائے گا۔ یہ اس کے اپنے اس الہام کا مفہوم ہے: ’’پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۸۵، خزائن ج۲۲ ص۸۸)

یہ اس لئے کہ دنیا اس کی تمام پیش گوئیوں کو جھٹلاتی رہی۔

۲...... پھر قرآن کریم میں حضورﷺ کو خاتم النّبیین اس معنی میں کہا گیا ہے کہ قیامت تک کے مسلمان سب حضورﷺ کی روحانی اولاد شمار پائیں اور جو لوگ سمجھتے ہیں کہ حضورﷺ کا کوئی بیٹا نہیں جو آپ کے بعد آپ کے کام کو آگے لے جائے۔ انہیں بتایا گیا کہ اگرچہ آپ کا کوئی صلبی بیٹا نہیں۔ لیکن آپ کے روحانی بیٹے (امت مسلمہ) اس بڑی تعداد میں ہیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والا آخری مسلمان بھی حضور ہی کی امت شمار ہوگا۔ سو جس کے اتنے بیٹے ہوں گے اس کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اس کا کام کیسے چلے گا ایک نادانی کے سواء کچھ نہیں۔ یہ آپ کی روحانی اولاد کے آخر تک رہنے کی خبر دی گئی ہے۔

''ماکان محمد ابا احمد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النّبیین وکان اللہ بکل شئ علیما'' (الاحزاب:۴۰)

(ترجمہ) حضرت محمدﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول تو ہیں اور رسول بھی ایسے کہ تمام نبیوں کے ختم پر ہیں۔

سو اب جو مسلمان بھی جہاں کہیں ہوگا وہ آپ ہی کا روحانی بیٹا ہوگا۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ آپ کی امت قیامت تک چلے گی۔

سو اگر امت مسلمہ کے بارے میں کبھی نسخ امت کے تصور کو جگہ دی جائے تو حضورﷺ سے چلنے والی خیر امت قیامت تک تسلسل نہیں پاتی۔ صرف چودھویں صدی تک چلتی ہے اور آگے ایک دوسری ٹرین اس ٹرین کو ختم کرنے کے لئے تیار کھڑی نظر آتی ہے۔ (معاذ اللہ)

۳...... پھر جب حضورﷺ کو تمام جہانوں کے لئے ایک نذیر بنا کر بھیجا گیا اور آپ قیامت تک کے لوگوں کے لئے نذیر ٹھہرے تو پھر آپ کے عہد میں یہ بات کیسے سنی جاسکتی ہے کہ آپ کے بعد ایک اور نذیر آیا اور لوگوں نے اسے قبول نہ کیا۔ ایک نذیر کے دورانیہ میں یہ دوسرا نذیر کہاں سے آ گھسا؟ برکت والی ہے وہ ذات جس نے حق وباطل میں فرق کرنے والی دستاویز (قرآن پاک) اپنے ایک بندے (حضور اکرمﷺ) پر اتاری تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے (تمام جگہوں اور زمانوں کے لئے) خدا کی طرف سے ایک نذیر ہو اب اور کوئی نذیر کا منصب نہ پائے گا۔

’’تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا‘‘ (الفرقان:۱)

مرزا غلام احمد کا نذیر ہونے کا دعویٰ اور اس کے ناکام ہونے کی خبر خود اس کی اپنی وحی میں دیکھ لیجئے: ’’چونکہ مسلمانوں کا ایک نیا فرقہ جس کا پیشواء اور امام اور پیر یہ راقم ہے۔ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں زور سے پھیلتا جاتا ہے…… میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدیدہ اور نیز اپنے تمام حالات سے جو اس فرقہ کا پیشواء ہوں۔ حضور لیفٹیننٹ گورنر بہادر کو آگاہ کروں…… ایسے نئے فرقہ کے دشمن اور خودغرض کی عداوت اور مخالفت ہر ایک نئے فرقہ کے لئے ضروری ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۳ص۸)

’’میں زور سے کہتا ہوں اور میں دعویٰ سے گورنمنٹ کی خدمت میں اعلان دیتا ہوں کہ باعتبار مذہبی اصول کے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں سے گورنمنٹ کا اوّل درجے کا وفادار اور جان نثار یہی نیا فرقہ ہے جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۳ص۱۵)

یہ اپنے نیا فرقہ ہونے کا ایک صریح اقرار ہے۔

۴…… ’’قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا‘‘ (الاعراف:۱۵۸)

(ترجمہ) آپ کہہ دیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یہاں بھی الناس سے مراد رہتی دنیا تک پیدا ہونے والے لوگ ہیں۔ سو جب آپ ﷺ رہتی دنیا تک سب انسانوں کے لئے اللہ کے رسول ٹھہرے تو قیامت تک پیدا ہونے والے سب انسان آپ کی ہی امت ٹھہرے اور ان میں پھر جو امت اجابت ہے وہ ہمیشہ رہنے والی امت ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اب کوئی اور دین اس دور کے لئے نہیں اور نہ اس دور میں کوئی اور امت ابھرے گی۔ یہ بھی کبھی نہ کہا جائے کہ اس وقت سب ادیان اپنی اپنی جگہ نجات کے مستحق ہیں۔ ورنہ آپ کی رسالت اس وقت تمام بنی نوع انسان کے لئے خدا کی رسالت نہ بنائی جاتی عقیدہ طحاویہ میں ہے۔

’’ودین اللہ فی الارض والسماء واحد وھو دین الاسلام قال اللہ تعالیٰ ان الدین عند اللہ الاسلام‘‘ (العقیدۃ الطحاویہ مترجم مولانا نورالبشر ص۹۴ طبع کراچی)

سو جب تک یہ دنیا ہے اور قیامت کا بگل نہیں بجتا صور نہیں پھونکا جاتا یہی امت، امت قائمہ ہے اور یہی ایک امت لائق نجات ہے۔ قرآن کریم کی ان چار شہادتوں کے بعد آپ احادیث میں بھی دیکھیں یہی ایک امت، امت قائمہ ملے گی۔

اس امت کا امتداد قیامت تک

۱...... سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے اپنی امت اجابت کے ہمیشہ رہنے کی اس طرح خبر دی ہے۔ ''**لا تزال طائفة من امتی قائمة...... حتی یأتی امر الله**'' (صحیح مسلم ج۲ص۱۴۳باب لاتزال طائفة من امتی)

(ترجمہ) میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ امر الٰہی پر قائم رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

سو یہی امت قیامت تک چلے گی یہ نہیں کہ یہ امت صرف تیرہ صدیوں تک چلے اور چودھویں صدی میں لدھیانہ (ہند) سے ایک نئی امت کا آغاز ہو۔

۲...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**بعثت انا والساعة کهاتین**'' (صحیح مسلم ج۲ص۴۰۶باب قرب الساعة)

(ترجمہ) میں اس طرح مبعوث ہوا کہ میں اور قیامت اس طرح ملے ہیں جیسے تم ان دو انگلیوں کو دیکھ رہے ہو۔

یعنی میرے اور قیامت کے درمیان اب کوئی اور بعثت نہیں۔ سو اب اس پورے دور میں کوئی اور امت نہ اٹھے گی۔ قیامت ہم پر ہی قائم ہوگی۔ حق تعالیٰ نے وہ آپ کو ایک اونٹنی کی صورت میں دکھائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''**اما الناقة التی رأیت ورأیتنی ابعثها فهی الساعة علینا تقوم لا نبی بعدی ولا امة بعد امتی**''

(تفسیر ابن کثیر ج۹ص۳۶۹ تفسیر سورۃ واقعہ)

اس میں آپ ﷺ نے صراحت سے فرمایا کہ جس طرح میرے بعد اور کوئی نبی نہیں تمہارے بعد اور کوئی امت نہ اٹھے گی۔

۳...... حضور ﷺ کا امتی آپ ﷺ کو دجال کے قاتلوں میں دکھایا گیا، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس دنیا کے آخر تک یہ امت قائم رہے گی۔ دجال کے ظہور اور قتل تک یہی امت

اس دنیا میں خدائی دین کا نشان ہوگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’عن عمران بن حصین قال قال رسول اللہ ﷺ لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین علیٰ من ناواهم حتی یقاتل آخرهم المسیح الدجال‘‘
(سنن ابی داؤد ج۱ ص۳۳۶ کتاب الجہاد)

۴...... پھر سب انسانوں کے لئے حضور ﷺ کی رسالت کافی بتائی گئی۔ سو یہ اس عقیدے پر نص ٹھہری کہ ہر سلسلہ نبوت آپ پر ختم کیا گیا اور آخر تک ہر انسانی مخلوق آپ کی ہی امت رہے گی۔ نہ کوئی اور نبوت اور نہ کوئی اور امت آپ کے بعد قائم ہوگی۔ آپ رہتی دنیا تک کے لئے اس امت کے رسول ٹھہرے۔ آپ سے بھی فرمایا: ’’ارسلت الی الخلق کافة وختم بی النبیون‘‘ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۹۹ کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ)

(ترجمہ) میں تمام جن وانس کے لئے بطور رسول بھیجا گیا اور مجھ پر تمام نبیوں کا سلسلہ ختم ٹھہرا۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ’’انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم‘‘
(سنن ابن ماجہ ج۲ ص۱۳۵۹ باب فتنة الدجال وخروج عیسیٰ بن مریم علیہما السلام، شاملہ)

ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی نبی اس طرح نہ آئے جس سے (۱) اس امت مسلمہ کا نسخ ملت ہو اور اس کی کوئی اعتقادی سرحد بدلے اور ٹوٹے۔ (۲) اور وہ اپنی علیحدہ جماعت بنائے۔ (۳) وہ آپ کی امت ہوکر نہ رہے اور اس پوری امت کے درپے مخالفت ہو۔

یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی اپنی قانونی حیثیت نہ ہو۔ نہ اس کی نبوت پر ایمان لانا ضروری سمجھا جائے۔ اس کی نبوت محض ایک مجازی چیز ہو۔ جیسا کہ مدتوں شیخ سعدی کو غزل کا پیغمبر کہا جاتا رہا ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی کی نبوت کی سکیم بھی پہلے یہیں تک تھی کہ وہ ہندوؤں اور عیسائیوں کی اصلاح میں اس مرتبے کا کام کرے گا۔ اس کا اسلام کے عقیدۂ ختم نبوت سے ٹکرانے کا اس وقت کوئی تصور تک نہ تھا۔ یہ محض اس طرح کا ایک دعویٰ تھا۔ جیسا کہ کوئی بہادر شیر کہلائے اس کا کبھی کسی نے یہ معنی نہیں لیا کہ اس کو دم لگ گئی ہے۔

مرزاغلام احمد قادیانی لکھتا ہے: ’’سمیت نبیا من اللہ علیٰ طریق المجاز لا علیٰ وجه الحقیقة‘‘ (ضمیمہ حقیقت الوحی ص۶۵، خزائن ج۲۲ ص۶۸۹)

(ترجمہ) میں خدا کی طرف سے صرف مجازی نبی موسوم کیا گیا ہوں۔ اس کا نبوت کی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مگر افسوس کہ مرزا بشیر الدین محمود نے حقیقت النبوۃ لکھ کر اپنا ختم نبوت کا کیمپ یکسر توڑ دیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ جو لوگ پہلے لگے وہ زیادہ اسی خیال کے تھے کہ یہ نبوت محض ایک کام کے درجے میں ہے۔ کوئی اگر مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ نہ ملے اور اسلامی عقائد پر تبلیغ اور تحقیق کا کام کرے تو دین کی خدمت کی ایک یہ راہ بھی نکالی جاسکتی ہے۔ مولوی محمد علی لاہوری خواجہ کمال الدین اور عبدالرحمٰن مصری وغیرہ اسی نظریہ کے تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۵ء میں مرزا قادیانی کی زندگی میں اخبار وطن میں یہ تجویز پیش کی کہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز کی کاپیاں مرزا غلام احمد قادیانی کا ذکر کئے بغیر بیرونی ممالک میں بھیجی جائیں۔ اس سے وہاں اسلام کی آواز پہنچائی جاسکے گی۔ اپنی جماعت کا نام کرنا کوئی ضروری بات نہیں ہے۔ اس کے لئے اخبار وطن میں ایک فنڈ بھی قائم کر دیا گیا۔

مرزا قادیانی کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہ سکیم چلنے نہ دی۔ چونکہ یہ اپنی علیحدہ جماعت رکھنے پر مصر تھے اور اسے وہ ایک قانونی حیثیت دینے لگے تھے۔ مرزا قادیانی نے کہا: ’’مجھ کو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کرو گے۔‘‘

(الفضل قادیان ج۱۶ نمبر۳۲ ص۱۱ کالم۳، مؤرخہ ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۸ء)

اس پر گو وہ چندہ بند کر دیا گیا لیکن اس میں بات کچھ کھل گئی کہ اس وقت غلام احمد کے ساتھیوں میں کچھ ایسے لوگ ضرور تھے جو غلام احمد کی نبوت کو کوئی قانونی حیثیت نہ دیتے تھے اور نہ اس کا ماننا ضروری سمجھتے تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو بعد میں مرزا غلام احمد قادیانی کے گھر کے اخراجات اور لنگر کے حساب وکتاب پر بھی مرزا قادیانی پر تنقید کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ کوئی امت اپنے نبی کے بارے (وہ کسی درجے میں بھی ہو) میں اس طرح بدگمانیوں کا شکار نہیں ہوتی۔

قادیانیوں کے اس پیغامی گروہ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی پر کبھی زنا کی بات لگانے میں بھی کوئی عیب نہ سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی نبوت کا حقیقت نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہوسکتا اور نہ اسلام میں اس نبی کی کوئی قانونی حیثیت ہوسکتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ اس نبوت پر کوئی علیحدہ جماعت نہ بنائے گا۔ ملّا علی قاری نے اگر یہ کہا کہ حضورﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی ہوسکتا ہے جو نسخ ملت نہ کرے اور حضورﷺ کی پہلے سے چلی آنے والی امت سے نہ نکلے تو ظاہر ہے کہ اس کا اس غیر تشریعی نبوت سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کا مرزا بشیرالدین محمود مرزا غلام احمد کے بارے میں مدعی ہے وہ مرزا قادیانی کے امت مسلمہ سے نکلنے اور اپنی امت علیحدہ بنانے کا پوری طرح قائل رہا اور ظاہر ہے کہ ملّا علی قاری کی عبارت میں اس غیر تشریعی نبوت کی کوئی راہ نہ تھی۔

قادیانی غیر تشریعی نبوت کے اجراء پر ملّا علی قاری کی موضوعات کبیر کی ایک عبارت غلط طور پر پیش کرتے ہیں کہ اگر حضورﷺ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو وہ ایک غیر تشریعی نبی ہوتا۔ حالانکہ اس عبارت میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ فرضی نبی آپ کی امت میں رہے۔ اپنی علیحدہ جماعت نہ بنائے۔ افسوس کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنی علیحدہ جماعت بنا کر غیر تشریعی نبوت کے اس تصور سے یکسر نکل گیا۔ جس کی ایک صورت ملّا علی قاری نے یہاں فرض کی تھی اور ابراہیم کی وفات سے وہ صورت بھی جاتی رہی۔ اب اس امت میں اس طرح کی مجازی نبوت کی بھی کوئی صورت نہ رہی۔ اس عبارت میں صاحبزادہ ابراہیم کی نبوت کا یہ تصور فرضی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

آپ ملّا علی قاری کے ان الفاظ پر غور کریں: ’’**لا یأتی نبی بعدہ ینسخ ملتہ ولم یکن من امتہ**‘‘ (موضوعات کبیر ص۵۹ مطبوعہ دہلی)

(ترجمہ) حضور اکرمﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد نہیں ہوسکتی جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے ہو کر نہ رہے۔

کیا اس عبارت میں صریح طور پر اس کے لئے حضورﷺ کی امت کو ہی امت باقیہ ماننے کی قید نہیں ہے؟ اور کیا یہ بات غلط ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے قادیانی پیروؤں نے اس امت سے نکل کر اپنی علیحدہ جماعت بندی کی ہوئی ہے۔ سو اس عبارت میں قادیانیوں کی مرزا غلام احمد قادیانی کی غیر تشریعی نبوت کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور قادیانی صرف مغالطہ دینے کے لئے ملّا علی قاری کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے سے پہلے اسلام کو ایک مردہ اسلام کہا ہے اور اس امت کے امت باقیہ ہونے کا انکار کیا ہے۔ ان کے ساتھ نماز پڑھنے کو ناجائز کہا ہے اور ان پر

نماز جنازہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دی۔ اس نے اپنے بیٹے فضل احمد کا خود بھی جنازہ نہ پڑھا۔ کیونکہ وہ اس پر ایمان نہ لایا تھا۔ یہ تصریحات بتارہی ہیں کہ مرزاغلام احمد قادیانی کسی طرح حضور ﷺ کی امت میں نہ رہا تھا۔ وہ پورے طور پر آپ کی امت سے نکل گیا تھا۔ ملاّ علی قاری کی اس عبارت میں ''ولم یکن من امته'' کے الفاظ بتارہے ہیں کہ اگر آپ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا اور نبی ہوتا تو یہ صرف ایک مجازی تعبیر ہوتی۔ وہ امت محمدیہ سے ہرگز باہر نہ نکلتا اور اس کی وفات سے اب اس درجے کا بھی کوئی امکان نہیں رہا۔

صاحبزادہ ابراہیم کے اس طرح مجازی نبی نہ ہونے کی دو وجہ ہوسکتی ہیں۔ (۱)ایک یہ کہ وہ اس وقت تک زندہ نہ رہا۔ (۲) دوسری یہ کہ قضاء وقدر میں کوئی صورت نہ تھی کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی کسی درجے میں نبی ہو پائے۔ آنحضرت ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ (۸۷ھ) نے دوسری وجہ کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ ''لو قضی ان یکون بعد محمد نبی عاش ابنه (ابراهیم) ولکن لا نبی بعده'' (صحیح بخاری ج۲ ص۹۱۷ باب من سمی بأسماء الانبیاء، سنن ابن ماجہ ص۱۰۸ باب ماجاء فی الصلوٰة علی ابن الرسول)

(ترجمہ) اگر قضاء وقدر میں یہ ہوتا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی ہو تو آپ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا۔

سو ابراہیم کی وفات ہی اس لئے ہوئی کہ آئندہ کوئی ایسا نبی بھی نہ ہو سکے جو مجازی طور پر نبی کا نام پائے۔ گو وہ حضور ﷺ کی امت ہی میں رہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ کی امت جو پندرہ سو سال سے مسلسل چلی آرہی ہے، وہی امت قیامت تک رہے گی اور وہی امت باقیہ ہے اور وہی امت قائمہ ہے۔ مرزاغلام احمد قادیانی کے کاذب ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اس امت سے نکلا اور اپنے لئے اس نے ایک نئی امت کی تشکیل کی۔ اس نے اپنا ایک نیا فرقہ بنایا جو اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں پہلے کہیں نہ تھا۔ مرزاغلام احمد قادیانی کے مسلمان نہ رہنے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ پہلی امت کے بارے میں نسخ ملت اور تعطیل امت کا عقیدہ رکھتا ہے اور اس سے وہ اسلام سے یکسر نکل جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ بن مریم کی آمد ثانی پر کیا حیثیت ہوگی، کیا وہ اپنی علیحدہ ملت قائم کریں گے؟

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول پر ان کی نئی بعثت نہ ہوگی۔ ان کی بعثت ان کے دور اوّل میں ہو چکی۔ کب؟ جب وہ بنی اسرائیل کے لئے بطور رسول آئے تھے۔
’’ورسولاً الی بنی اسرائیل‘‘ (آل عمران:۴۹)

سواب وہ اپنی آمد ثانی میں اترتے ہی حضور ﷺ کی اس امت قائمہ کا اکرام کریں گے۔ اپنی پہلی نماز اس امت کی اقتداء میں ادا کریں گے۔ یہ آپ کی طرف سے اس امت کے امت قائمہ ہونے کی تصدیق ہوگی۔ جب آپ کو کہا جائے گا کہ آپ نماز میں امامت فرمائیں تو آپ کہیں گے:’’لا ان بعضکم علی بعض امراء تکرمة اللّٰہ هذه الامة‘‘
(صحیح مسلم ج۲ص۱۹۳باب نزول عیسیٰ بن مریم،مسند امام احمد ج۳ص۳۸۴،۳۴۵ حدیث نمبر۱۵۱۲۷)
(ترجمہ)نہیں اس امت پر قیادت اس امت کی ہی چلے گی۔ یہ اللہ کی طرف سے اس امت کا اعزاز ہے (کہ ایک اسرائیلی پیغمبر اب اس امت میں داخل ہو رہا ہے)

یہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول پر حضور اکرم ﷺ سے آپ کی پہلے سے چلی آنے والی امت کی بقاء کی ایک تصدیق ہوگی۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام خود اس امت میں داخل ہوں گے اور حضور ﷺ کے ایک پہلے امتی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے:’’لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاهرین الٰی یوم القیمة قال فینزل عیسٰی بن مریم فیقول امیرهم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علٰی بعض امراء تکرمة اللّٰہ هذه الامة‘‘ (صحیح مسلم ج۱ص۸۷باب نزول عیسٰی بن مریم حاکما)

(ترجمہ)میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا اور قیامت تک وہ اظہار حق میں غالب رہے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ بن مریم اتریں۔ اس وقت امت کا امیر انہیں کہے گا کہ آئیں آپ اس نماز کی امامت فرمائیں۔ آپ فرمائیں گے نہیں۔ اس امت پر قیادت اس امت کی ہی چلے گی۔ یہ اللہ کی طرف سے اس امت کا اعزاز ہے۔

اس امت کی عزت کا یہ کیسا طربناک مظاہرہ ہوگا کہ خود حضور اکرم ﷺ اس گھڑی

کی عظمت کا اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم''

(رواہ مسلم ج۱ ص۱۳۶ باب ایضاً، شاملہ)

(ترجمہ) اے میری امت تمہارے لئے وہ کیا عالم کیف ہوگا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور اس وقت نماز کا امام تم میں سے ہوگا۔

اس میں یہ بات بڑی صراحت سے موجود ہے کہ اس امت کی بناء اس وقت تک ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ ان کے اترنے سے ہرگز اس امت کا نسخ نہ ہوگا۔ ان کے اس پورے دور میں حضور ﷺ کی ہی امت، امت قائمہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ بن مریم اپنی کوئی جماعت علیحدہ نہ بنائیں گے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ تو کہا کہ میں حضور ﷺ کی شریعت کو نہیں بدلتا۔ لیکن اس نے حضور ﷺ کی امت کو یکسر بدل دیا اور اپنی علیحدہ جماعت بنائی۔ نسخ امت کے اس عمل سے تمام قادیانی پہلی صف اسلام سے نکل گئے اور انہوں نے اپنے لئے ایک نئی صف بچھالی۔

نزول عیسیٰ بن مریم سے حضور ﷺ کی امت نہیں ٹوٹتی

مسلمان احادیث صحیحہ کی رو سے اس عقیدہ پر ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی آمد ثانی سے حضور ﷺ کی امت نہیں ٹوٹتی۔ یہ دنیا کے آخر تک ایک امت قائمہ ہے جس طرح حضور ﷺ کی نبوت، نبوت قائمہ ہے۔ قادیانی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے آنے سے ایک نئی امت کے قائل ہیں اور وہ غلام احمد کو مسیح موعود مان کر ایک نئی امت جسے وہ احمدی کہتے ہیں بنا بیٹھے ہیں۔ قادیانیوں کے اس غلط مؤقف نے انہیں اس امت میں رہنے نہیں دیا اور پاکستان قومی اسمبلی نے ان کی یہ بات مانتے ہوئے انہیں اپنے سے باہر پاکستان کی ایک نئی اقلیت قرار دے دیا ہے اور یہ بات قادیانیوں کے اپنے مؤقف کے خلاف نہیں ہے۔ یہ ان کی غلط بیانی ہے کہ اسمبلی کے اس فیصلے کو وہ اپنے اوپر ایک ظلم کہتے ہیں جو بیوی خود اپنے گھر سے نکل جائے، اسے طلاق دینا اس پر کہیں زیادتی نہیں۔ کہا جاتا اسلام میں نبوت اور امت ساتھ ساتھ چلی ہیں، انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''ایها الناس انه لا نبی بعدی ولا امة بعدکم

الا فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم وادوا زکٰوة اموالکم طيبة بها انفسکم واطيعوا ولاة امورکم تدخلوا جنة ربکم‘‘

(کنزالعمال ج۵ ص۲۹۵ فصل فی بعض احکام الحج، شاملہ)

(ترجمہ) اے لوگو! بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اور امت نہیں۔ سن لو اپنے رب کی عبادت کرتے رہو۔ پانچ نمازیں پڑھو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے اموال کی زکوٰۃ پوری خوشی سے دیتے رہو اور اپنے ولاۃ امر کی اطاعت سے نہ نکلو۔ تم اپنے رب کی جنت میں داخلہ پاسکو گے۔

اس حدیث میں ان امور پر خاص طور پر نظر رہے۔

۱...... اس میں حضور اکرم ﷺ نے ’’ایھا الناس ‘‘ کہہ کر خطاب فرمایا۔ اب اس دنیا میں نہ کوئی نبی پیدا ہوگا اور نہ کوئی امت اٹھے گی۔ بس یہی حضور ﷺ کی امت، امت قائمہ ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور اس امت کے بعد کوئی اور امت نہیں۔

۲...... نبوت اور امت کے اس اقرار کے بعد اسلام کے ارکان خمسہ پر چلنے والے سب مسلمانوں کو جنت کی بشارت ہے۔ اس دوران کسی اور نبی کے پیدا ہونے کی کوئی بھی صورت ہوتی تو یہاں اسے جنت کے داخلے سے پہلے ذکر کیا جاتا۔ مقام ذکر میں عدم ذکر اس طرح ہے۔ گویا کہہ دیا گیا کہ داخلہ جنت کے لئے اب مذکورہ بالا امور کے سواء اور کوئی شرط نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’**والذین نفس محمد بیده...... انکم حظی من الامم وانا حظکم من النّبیین‘‘**

(مسند امام احمد ج۵ ص۳۴۸ حدیث نمبر ۱۸۳۳۵، الدر المنثور ج۳ ص۴۸، آل عمران:۸۱)

(ترجمہ) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور امتوں میں سے تم میرا حصہ ہو اور نبیوں میں سے میں تمہارا نصیب ہوں۔

حضرت ابوامامہ الباہلی کہتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا: ’’**ان اللہ لم یبعث نبیاً الاحذر امته الدجال وانا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم وهو خارج فیکم لا محالة‘‘**

(سنن ابن ماجہ ص۲۹۷ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ بن مریم، منتخب کنزالعمال ج۶ ص۱۴۱ باب خروج الدجال)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی بھی بھیجے ہر ایک نے اپنی امت کو فتنہ دجال سے

ڈرایا۔ میں آخری نبی ہوں اور تم آخری امت ہو اور وہ (دجال) یقیناً تم پر خروج کرے گا۔

مرکزی کاتب حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۷ھ) کہتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کیف تہلک امۃ انا اولہا...... وعیسیٰ بن مریم آخرھا'' (مشکوٰۃ شریف ص۵۸۳ باب ثواب ہذہ، رواہ النسائی)

(ترجمہ) وہ امت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے جس کے پہلے دور میں میں ان میں ہوں...... اور اس کے آخری دور میں عیسیٰ بن مریم ان میں ہوں گے۔

اس سے اس امت کا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے عہد تک رہنا بتلایا گیا ہے جو امت آنحضرت ﷺ سے شروع ہوئی تھی، یہ اسی امت کا ایک تسلسل ہوگا جس کے ایک رکن حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اپنی آمد ثانی پر بنیں گے اور یہاں اپنی پہلی نماز اس پہلے سے چلی آنے والی امت کے ایک فرد کے پیچھے پڑھیں گے۔ آپ کا اس امت سے انسلاک اس طرح ہوگا۔ پھر آپ اپنی وفات تک اس امت کے ایک کارکن ہوں گے اور پھر شریعت محمدیہ کے مطابق خود بھی کبھی امامت فرمایا کریں گے۔ لیکن وہ اپنی کوئی علیحدہ جماعت نہ بنائیں گے۔ نہ لدھیانہ جاکر لوگوں سے اپنی بیعت لیں گے۔

اس وقت کی ساری اصلاح اور قیام عدل صرف حضرت مہدی علیہ الرضوان کے ہاتھوں نہ ہوگا۔ ان کے ساتھ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہوں گے جو دجال کو ختم کریں گے اور ان کے سبب سے دنیا کی دو بڑی قومیں داخل دائرہ اسلام ہوں گی۔ خیر کی یہ سب کوششیں ان باہمی مساعی سے اس لئے ہوں گی تاکہ کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ مرتبہ امامت نبوت سے بڑھ گیا ہے اور وہ قیام عدل جو پہلے کئی نبیوں سے وقوع میں نہ آسکا حضرت مہدی کر دکھائیں گے۔ حضرت ثوبانؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار عصابۃ تغزوا الھند وعصابۃ تکون مع عیسیٰ بن مریم علیہ السلام'' (سنن نسائی ج۲ ص۶۳ باب غزوۃ الہند)

(ترجمہ) میری امت میں دو جماعتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہنم سے بچا لیا ہے۔ ایک وہ جو ہندوستان سے غزوہ کریں گے اور دوسرے وہ جو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے پر ان کے ساتھ چلیں گے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی امت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے

آنے تک باقی ہوگی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام جب دجال کو قتل کریں گے تو ان کے ساتھ اس امت کے لوگ ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اپنے لئے کوئی اور امت نہ بنائیں گے اور نہ وہ پہلے سے چلی آنے والی امت محمدیہ سے کٹیں گے۔ اس امت کا نسخ کبھی نہ ہوگا۔

مرزاغلام احمد قادیانی کے پیرو کہتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کی امت کے آخری دور کے لوگ مرزاغلام احمد قادیانی کے انکار سے دائرہ اسلام سے نکل گئے ہیں اور اس کی لدھیانہ کی بیعت سے ایک نئی امت کا آغاز ہوا ہے۔ مگر حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

’’**سیکون فی آخر ھذہ الامة قوم لھم اجر مثل اجر اوّلھم یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن**‘‘

(رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ ج۶ ص۵۱۳ باب ماجاء فی الاخبار عن ملک بنی العباس، شاملہ)

(ترجمہ) اس امت کے آخری دور میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو اپنے اعمال خیر کا اجر اس امت کے پہلے لوگوں کی طرح ملے گا۔ وہ کون ہوں گے؟ وہ جو امر بالمعروف کرتے ہوں گے۔ برائیوں سے روکتے ہوں گے اور اہل فتن سے مقابلے کریں گے۔

یعنی وہ لوگوں کے سامنے مذاہب باطلہ کی غلطیاں کھولیں گے۔ قادیانی نسخ شریعت کے دعویدار نہ بھی ہوں تو ان کا نسخ ملت کا مؤقف انہیں بڑی وضاحت سے صف اسلام سے نکال دیتا ہے۔

اسلام کے تمام اعمال کا ثواب اس امت کا نصیب ہے۔ خطیب تبریزی (۷۴۰ھ) نے مشکوٰۃ شریف کا آخری باب ’’**ثواب ھذہ الامہ**‘‘ باندھا ہے اور اس میں آپ امام بیہقی کی یہ روایت لائے ہیں۔ اسلام میں اس امت کی آخر دور تک بقاء اور اس کا تسلسل سے چلے آنا تواتر سے منقول ہے اور کوئی مسلمان اس تواتر قدر مشترک سے انکار نہیں کرسکتا۔ دسویں صدی کے مجدد امام علی قاری (۱۰۱۴ھ) شرح مشکوٰۃ کے اس باب میں لکھتے ہیں اور اس پر اس امت کا علم حدیث ختم کرتے ہیں: ’’**ان دین ھذہ الامة متصل الی قیام الساعة لا ینسخه ناسخ**‘‘ (مرقات ج۱۱ ص۴۶۴، باب ثواب ہذہ الامۃ)

(ترجمہ) بے شک اس امت کا دین قیامت سے متصل ہے۔ اس امت کا ہرگز کبھی نسخ نہ ہوگا۔

جب اس دین کے بعد اور کوئی دین نہیں اور اس امت کے بعد اور کسی امت کا

تصور نہیں کیا جاسکتا تو مرزاغلام احمد قادیانی کی لدھیانہ کی بیعت سے جونئی امت چلی اسے دین اسلام کا وارث کسی طرح نہیں کہا جاسکتا ہے۔ اہل اسلام کے ہاں یہ بات قطعیات میں سے ہے کہ اسلام میں نہ نسخ شریعت ہے نہ نسخ ملت۔ کوئی نئی بنی امت اپنے اس دعویٰ سے خود ہی صف اسلام سے نکل جاتی ہے۔

قادیانیوں کا نسخ ملت کا جرم

کوئی ملت اپنے افراد کو اپنے سے نہیں نکالتی۔ مرزاغلام احمد قادیانی جب تک مسلمانوں میں رہے مسلمانوں نے انہیں اپنے سے نہیں نکالا۔ لیکن جب وہ خود ہی ملت اسلامی سے اڑنے کے پر تولنے لگے تو ملت اسلامی اتنی بے غیرت نہ تھی کہ وہ اپنی چودہ سوسالہ تاریخ بیک جنبش قلم مسخ کر دیں۔ قارئین کرام! اس تاریخی صدمے کو اس طرح جاننے کی کوشش کریں کہ اس میں پہل کس نے کی؟

پہلے قادیانی مسلمانوں سے نکلے یا مسلمانوں نے انہیں امت سے باہر کیا ہے؟

پہلے مرزاغلام احمد قادیانی بھی اس امت کا ایک فرد تھا۔ پھر جب غلام احمد قادیانی نے اپنے نزول عیسیٰ بن مریم اور عقیدہ ختم نبوت میں تبدیلی کی اور اپنے ان نئے عقائد پر ایک نئی جماعت بنائی تو وہ خود اپنے پیروؤں کے ساتھ امت محمدیہ سے یکسر نکل گیا۔ اس نے اس امت سے نکلنے کا بار بار مختلف پیرایوں میں اظہار کیا ہے اور یہ ہمارے حضور کی امت کے بطور امت باقیہ رہنے کا کھلے طور پر انکار ہے۔ ہم ان کے بعض اعلانات یہاں ہدیہ قارئین کرتے ہیں اور یہ فیصلہ ہم اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ کیا ہم نے انہیں نکالا ہے یا پہلے وہ خود نکلے ہیں جب وہ پہلے خود نکلے ہیں تو اب واپس لوٹنے کا راستہ بھی وہ خود ہی بتائیں، ہم بتائیں تو اندیشہ ہے کہ وہ ہم کو ہیں پہل کرنے والا نہ کہہ دیں۔ جب ایک علیحدہ سلسلے کی پہل انہوں نے خود کی ہے تو یہ گلہ کرنے کا انہیں کوئی حق نہیں کہ مسلمانوں کو کسی پیرایہ میں بھی وہ ظالم کہیں کہ ہم کلمہ بھی پڑھتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں۔ پھر مسلمانوں نے ہم پر یہ کیا ظلم کیا ہے کہ انہوں نے ہمیں امت سے لاباہر کیا ہے۔ وہ آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ کیا ہم کلمہ نہیں پڑھتے تھے۔ نماز نہیں پڑھتے تھے تو پھر وہ کیوں ہم سے نکلے اور کیوں انہوں نے اپنی علیحدہ جماعت بنائی وہ پرانے دائرہ اسلام سے نکل کر اس امت کو توڑنے کے خود ذمہ دار ہوئے ہیں۔ ہم ان

کے علیحدہ ہونے کا اعلان یہاں ذکر کرتے ہیں۔

مرزاغلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزابشیراحمد لکھتا ہے: ’’حضرت مسیح موعود نے غیراحمدیوں کے ساتھ صرف وہ سلوک جائز رکھا جو نبی کریم ﷺ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا غیراحمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں ان کولڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ مل کر کر سکتے ہیں۔

دوقسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دینی دوسرے دنیوی۔ دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلقات کا بھاری ذریعہ رشتہ اور ناطہ ہے۔ سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دے دیئے گئے...... اگر یہ کہو کہ غیراحمدیوں کو سلام کیوں کہا جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کریم ﷺ نے یہود تک کو سلام کا جواب دیا ہے۔‘‘ (ریویو آف ریلیجنز ج۱۴ نمبر۳،۴ ص۱۲۹ بابت ماہ مارچ واپریل ۱۹۱۵ء)

اس میں ان الفاظ کو بھی یاد رکھیں کہ اب انہیں غیراحمدیوں کولڑکیاں دینا حرام قرار دیا گیا۔ کیا یہ ایک نئی شریعت کا اعلان نہیں ہے؟

قادیانیوں کے ان بڑے بڑے اعلانات کے باوجود اگر کوئی شخص اب بھی قادیانیوں کو مسلمان سمجھتا ہے تو اس سے زیادہ کسی کی دین سے ناواقفیت کیا ہوسکتی ہے۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے ہاں کفر اور اسلام میں کوئی فاصلہ نہ ہو۔

مسلمانوں نے اس کے بھی کئی سال بعد پاکستان میں انہیں آئینی طور پر ایک غیرمسلم اقلیت قرار دیا یہ قرارداد کیا تھی؟ قادیانیوں کی ایک پرانی منہ بولی مراد تھی جو برآئی اور دنیا نے ایک نئی امت کا وجود پایا۔

قادیانی اگرچہ حضور اکرم ﷺ کی شریعت کو شریعت باقیہ ماننے کے مدعی ہیں لیکن وہ آپ کی امت کو امت قائمہ نہیں مانتے اور وہ ان تصریحات سے کھل کر عقیدہ نسخ ملت پر آچکے ہیں۔ نسخ شریعت نہ بھی ہو لیکن نسخ ملت خود بھی تو ایک مستقل وجہ کفر ہے۔ ہم یہاں قرآن کریم کی نصوص اور احادیث کی فصوص (فص کی جمع ہے بمعنی نگینہ، موتی) سے اس امت مسلمہ کے امت قائمہ ہونے کا عقیدہ آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں ان آیات اور احادیث کی روشنی میں کوئی صاحب علم ودیانت عقیدہ نسخ ملت کو اسلام میں جگہ نہیں دے سکتا اور قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ ایک کھلا کفر ہے۔

کفر کی حقیقت شرعی اور اس کے مختلف پیرائے

الحمد ﷲ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی. امابعد!

عربی میں کفر کے معنی چھپانے اور انکار کے ہیں کفر کی حقیقت شرعیہ ایمان کی حقیقت شرعیہ کے بالمقابل ہے۔قرآن کریم میں ایمان کا لفظ سب سے پہلے یؤمنون بالغیب کے الفاظ میں سامنے آتا ہے یعنی اللہ سے ڈرنے والے وہی ہیں جو اللہ کے رسول کے بتلانے سے جملہ مؤمن بہ امور پر انہیں بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔سو ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ جملہ مؤمن بہ امور پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی کا انکار نہ کرے یہ ایمان لانا ایک موجبہ کلیہ ہے۔سلب جزئی موجبہ کلیہ کی نقیض ہے سو حضورﷺ کے دین کی کسی ایک بات کا انکار بھی انسان کو اس موجبہ کلیہ سے نکال دیتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کفر شرعی ہے۔ یہ انکار کھلے طور پر ہو یا کسی تاویل سے جس سے ضروریات دین اپنے ظواہر پر نہ رہیں ہر صورت میں کفر ہے۔

قاضی ابوالبقاء(۱۰۹۴ھ) بن سید شریف لکھتے ہیں:’’**والکفر بتکذیب سیدنا ومولانا محمد ﷺ فی شئی مما جاء به من الدین ضرورة کما ان الایمان هو تصدیق سیدنا ومولانا محمدﷺ فی جمیع ماجاء به من الدین ضرورة**‘‘ (کلیات ابی البقاء ص۳۰۵ فصل فی الکاف)

(ترجمہ) کفر حضور اکرمﷺ کو آپ کی لائی ہوئی ضروریات دین میں سے کسی بات میں جھٹلانے کا نام ہے۔جیسا کہ ایمان آپﷺ کو آپ کی اللہ تعالیٰ سے لائی ہوئی جمیع ضروریات دین میں سچا ماننے کا نام ہے۔

یہ تکذیب ضروری نہیں کہ زبان سے ہی ہو بعض فعل بھی ایسے ہیں جو پورے اسلام کی تکذیب پر کھلا نشان ہوتے ہیں۔جیسے بتوں کو سجدہ کرنا یا قرآن پاک کی دکھا کر بے ادبی کرنا۔

قاضی ابوالبقاء لکھتے ہیں:’’**والکفر قد یحصل بالقول تارة وبالفعل اخری**‘‘ (ایضاً ص۳۰۵ فصل ایضاً)

ضروریات دین میں تاویل کی راہ کفر کو روک نہیں سکتی کفر، کفر ہے یہ کھلے انکار کی راہ سے آئے یا الحاد کی راہ سے، کفر انکار ہو یا کفر الحاد۔

’’والکفر اما کفر انکار وھو ان یکفر بقلبه ولسانه…… او کفر جحود وھو ان یعرف بقلبه ولا یقر بلسانه ککفر ابلیس او کفر عناد وھو ان یعرفه بقلبه ویقر بلسانه ولا یدین به ککفر ابی طالب او کفر نفاق وھو ان یقر بلسانه ولا یعتقد بقلبه والجمع سواء فی ان من لقی اللّٰہ تعالٰی بواحد منھم لا یغفر له‘‘ (کلیات ص۳۰۵ فصل ایضاً)

سو اس انجام میں کہ آخرت میں بخشش نہ ہو پائے، سارے کفر برابر ہیں۔

اب ہم کفر پر پہلے ہزار سال کی صدی وار قوی شہادتیں پیش کر آئے ہیں۔

قرآن کریم میں ایمان کے بعد پہلے کفر انکار کا ذکر ہے اور پھر کفر نفاق کا اور منافقین کے بارے میں باوجود ان کے کلمہ پڑھنے کے صریح طور پر فرمایا کہ یہ مومن نہیں ہیں۔

’’وماھم بمؤمنین. یخادعون اللّٰہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الاّ انفسھم وما یشعرون‘‘ (البقرۃ:۸،۹)

(ترجمہ) وہ ہرگز مومن نہیں ہیں وہ اللہ اور ایمان والوں سے دھوکہ کر رہے ہیں اور حقیقت میں وہ اپنے آپ سے ہی دھوکہ کر رہے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں۔

دنیا میں کفر شرعی کئی مختلف پیرایوں میں بکھرا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سب اقسام کفر ایک ہی ملت ہیں۔ ’’الکفر ملّة واحدة‘‘ کے ضابطہ سے کون واقف نہیں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ چھ عقیدوں کے لوگ ذکر کئے ہیں (ایک مومنین اور پانچ اہل کفر) اور پھر ان سب کو دو بتلایا بایں پیرایہ کہ ایک مومن ہیں اور پانچ اہل کفر ایک ملت ہیں یہ کل چھ ہوئے۔

’’ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصابئین والنصارٰی والمجوس والذین اشرکوا. ان اللّٰہ یفصل بینھم یوم القیمة ان اللّٰہ علی کل شئی شھید‘‘ (الحج:۱۷)

ان چھ کو اب دو مدّوں میں لے آئے ایک اہل ایمان اور ایک اہل کفر گو وہ کئی قسموں میں پھیلے ہوئے ہوں۔

’’ھٰذان خصمان اختصموا فی ربھم‘‘ (الحج:۱۹)

(ترجمہ) یہ دو مدعی ہیں جھگڑے میں آئے اپنے رب کے بارے میں۔

مومنین کو ان پانچ کے ساتھ جمع نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ اہل کفر مومنین کے ساتھ ایک مدّ میں جمع نہیں ہیں۔ اگر سب ادّیان اپنی اپنی جگہ لائق نجات ہوتے تو یہاں انہیں اہل اسلام کے بالمقابل نہ رکھا جاتا سب اپنی اپنی جگہ درست ٹھہرائے جاتے اور پھر آخر میں یہ نہ فرمایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ ان چھ میں قیامت کے دن فیصلہ کریں گے کہ کون ان میں سچائی پر تھا اگر سب کے سب اپنی جگہ درست اور لائق نجات تھے تو پھر قیامت کے دن ان سب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی کیا ضرورت رہ جاتی تھی یہ محض اس لئے کہ:’’فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر‘‘ایک فریق نے اب جنت میں جانا ہے اور دوسرا فریق اپنی سب شاخوں کو لے کر بھڑکتی آگ میں جائے گا۔

کافروں کی ان قسموں میں صرف ملتوں کو ذکر فرمایا منافقوں، مرتدوں، دہریوں اور ملحدوں کو ذکر نہیں فرمایا کیونکہ یہ چاروں اپنے کفر میں باقاعدہ ملتیں نہ تھے۔ ان کے ڈھب اپنے اپنے کفر میں رہنے کے تھے۔

ایک ضروری نوٹ

کئی لوگ اہل کتاب کو کفر واسلام کے ماسواء ایک تیسرا دین سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک ان پر کفر کا لفظ نہ آنا چاہیے۔ وہ غلطی پر ہیں قرآن کریم نے کل اہل دین کی دو قسمیں ہی بتلائی ہیں نہ کہ تین۔’’ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مؤمن‘‘ (التغابن:۲)

سو اس آیت کی رو سے اہل کتاب کے دونوں گروہ (یہود ونصاریٰ) اہل کفر کی ہی مختلف انواع ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ یہ دونوں اپنی جگہ ملتیں ہیں۔ بایں ہمہ اللہ رب العزت نے آیت:’’ھٰذان خصمان اختصموا فی ربھم‘‘میں انہیں دوسرے اہل کفر کے ساتھ ہی شمار فرمایا ہے مومنین ایک فریق اور دوسرے پانچ ادیان مل کر ایک دوسرا فریق اور ان دونوں میں اللہ رب العزت قیامت کے دن حق وباطل کا فیصلہ فرمائیں گے۔

مندرجہ ذیل آیات میں اہل کتاب کو اہل کفر کی فہرست میں ہی ذکر کیا گیا ہے۔

۱...... ’’ما یؤد الذین کفروا من اهل الکتاب ولا المشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم‘‘ (البقرۃ:۱۰۵)

۲...... ’’هو الذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیارهم‘‘ (الحشر:۲)

۳...... ’’یقولون لاخوانهم الذین کفروا من اهل الکتاب لئن اخرجتم‘‘(الحشر:۱۱)

۴...... ’’ان الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین فی نارجهنم‘‘ (البینۃ:۶)

۵...... ’’لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب والمشرکین منفکین حتیٰ تأتیهم البینة‘‘ (البینۃ: ۱)

ان آیات میں مشرکین اوراہل کتاب دونوں ’’کفروا‘‘ کے ذیل میں مذکور ہیں سوان کے کافر ہونے میں ان آیات کی روشنی میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہتا۔

اہل کتاب چونکہ مستقل ملتیں ہیں اور ان کے عقائد ونظریات قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دیئے گئے ہیں اس لئے ان کے مزید تعارف کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ان کے پیغمبر بھی اب اس عہد کے رسول نہیں ان کا عہد رسالت ختم ہو چکا سوان کی کتابیں بھی اب انسانی دستبرد سے محفوظ نہ رہیں پہلے بھی ان کی الٰہی حفاظت کہیں موعود نہ تھی وہ کتابیں ان کی علماء کی حفاظت میں دی گئی تھیں اوروہ ان کا حق ادانہ کرسکے۔

ان آیات میں اہل کتاب پر صریح لفظوں میں کفروا کا لفظ ملتا ہے سو باوجودیکہ یہ مستقل...... ہیں لیکن کفرایک جنس ہے جس کی یہ مختلف انواع ہیں۔

کافروں کی مختلف اقسام

یہاں ہم تمام اہل کفر کا جو آپس میں گونوعی اختلاف رکھتے ہیں لیکن حضور پیغمبر اسلام ﷺ کوسچا اورآخری پیغمبر نہ ماننے میں آپس میں ایک ہیں۔ہم ایک مختصر تعارف ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

اہل کتاب یہود اور نصاریٰ اپنی اپنی جگہ معروف ملتیں ہیں دونوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتے ہیں اورانہیں اپنے وقت کا سچا پیغمبر مانتے ہیں۔سوجیسا کہ ہم پہلے آئے ہیں کہ ہم یہاں ان کے مزید تعارف کی خاص ضرورت نہیں سمجھتے۔

آیئے! اب ان کے سوا باقی اہل کفر کا کچھ تعارف کریں یہ اہل کفر ان مختلف تقسیمات میں بٹے ہوئے ہیں۔

(۱) دہریہ (۲) مشرکین (۳) صابئین (۴) مانویہ (۵) منافقین (۶) مرتدین (۷) ملحدین (۸) زنادقہ (۹) بہائی، بہاؤاللہ ایرانی کے پیرو، (۱۰) قادیانی، مرزاغلام احمد کے پیرو، جو دوگروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

ہم ان اہل کفر کا یہاں ایک مختصر تعارف کراتے ہیں۔ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ اپنی اپنی جگہ معروف ملتیں ہیں جو بعد میں انکار رسالت محمدی کے باعث صف کفر میں آ گئی ہیں۔

علامہ سعدالدین التفتازانی (۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:

۱...... ’’قد ظهر ان الكافر اسم لمن لا ايمان له فان اظهر الايمان خص باسم المنافق وان طرأ كفره بعد الاسلام خص باسم المرتد لرجوعه عن الاسلام وان قال بألٰهين او اكثر خص باسم المشرك لأثباته الشريك فى الالوهية وان كان متديناً ببعض الاديان والكتب المنسوخة خص باسم الكتابى كا ليهودى والنصرانى وان كان يقول بقدم الدهر واسناد الحوادث اليه خص باسم الدهرى وان كان لا يثبت البارى تعالىٰ خص باسم المعطل وان كان مع اعترافه بنبوة النبى ﷺ واظهاره شعائر الاسلام يبطن عقائد هى كفر بالاتفاق خص باسم الزنديق وهو فى الاصل منسوب الى زند اسم الكتاب اظهره مزدك فى ايام قباذ وزعم انه تأويل كتاب المجوس الذى جاء به زردشت الذى يزعمون انه نبيهم‘‘

(شرح المقاصد ج۳ ص۴۶۰ طبع بیروت)

’’ان المخالف للدين الحق ان لم يعترف به ولم يذعن له لا ظاهرا ولا باطنا فهو كافر وان اعترف بلسانه وقلبه على الكفر فهوا المنافق وان اعترف به ظاهرا ولكنه يفسر بعض ما ثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعون واجمعت عليه الامة فهو الزنديق‘‘

(المسوّٰی شرح مؤطا ج۲ ص۲۹۲ مطبوعہ حیدرآباد)

(ترجمہ) دین حق کا مخالف اگر اس کا اقرار نہ کرے اور نہ اسے ظاہرا باطنا مانے تو وہ مطلق کافر ہے اور اگر زبان سے تسلیم کرے اور دل اس نے کفر پر دھرا ہو تو وہ منافق ہے اور اگر وہ کھلے طور پر تو اسے مانے لیکن بعض ضروریات دین کو اس معنی سے ہٹا کر چلے جو صحابہ اور تابعین نے سمجھے تھے اور امت کا اس معنی پر اجماع ہو گیا تھا تو وہ شخص زندیق شمار ہوگا۔

۲...... قاضی ابوالبقاء (۱۰۹۴ھ) کی یہ تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیں۔

’’والکافر اسم لمن لا ایمان له فان اظهر الایمان فهو المنافق وان طرأ کفرا بعد الایمان فهو المرتد وان قال بالٰهین او اکثر فهو المشرک. وان کان متدینا ببعض الادیان والکتب المنسوخة فهو الکتابی وان قال بقدم الدهر واسناد الحوادث الیه فهو الدهری وان کان لا یثبت البارئ فهو المعطل وان کان مع اعترافه بنبوة النبی ﷺ یبطن عقائد هی کفر بالاتفاق فهو الزندیق‘‘ (کلیات ابی البقاء ص۳۰۵ فصل الکاف)

(ترجمہ) کافر اس شخص کا نام ہے جس کے پاس ایمان نہ ہو اگر وہ (ایمان نہ رکھنے والا) اپنے آپ کو مومن کہے تو وہ منافق ہوگا اور اگر وہ ایمان لانے کے بعد اب کفر اختیار کر لے تو وہ مرتد ہے اور اگر وہ دو یا زیادہ خداؤں کا قائل ہو تو وہ مشرک ہے اور اگر وہ کسی پچھلے مذہب اور کسی منسوخ کتاب سے وابستگی رکھے تو اسے کتابی کہیں گے اور اگر وہ زمانے کو قدیم مانے اور حوادث کو اس کی طرف منسوب کرے تو وہ دہریہ شمار ہوگا اور اگر کوئی باری تعالیٰ کا منکر ٹھہرے تو وہ فرقہ معطلہ میں سے ہوگا اور اگر وہ نبی پاک ﷺ کی نبوت کا اقرار تو کرے لیکن ایسے چھپے عقائد بھی رکھے جو بالاتفاق کفر ہوں تو وہ زندیق قرار پائے گا۔

ان سب پر حکم کفر صرف اس جہت سے ہے کہ یہ سب رسالت محمدی سے کافر ٹھہرے۔ گو ان میں سے بعض خدا کے بھی منکر ہوں۔ اہل اسلام کے ہاں کفر انکار رسالت محمدی کا ہی دوسرا نام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ یہ انکار کھلے طور پر ہو جسے انکار عناد کہتے ہیں یا کسی تاویل کی راہ سے جس سے دین کی بعض نصوص اپنے ظواہر پر نہ رہ پائیں اسے انکار الحاد کہتے ہیں۔ مرزا غلام احمد کے پیرو اسی کفر کے مرتکب ہیں۔

کفر کے مختلف پیرائے

کافروں کی مختلف اقسام اپنی جگہ رہیں لیکن خود کفر کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ جیسے (۱) کفر تکذیب (۲) کفر استکبار (۳) کفر اعراض (۴) کفر ارتیاب (۵) کفر نفاق (جسے ہم پہلے کفر الحاد کے نام سے ذکر کر آئے ہیں) اس وقت ہم یہاں ان مختلف اہل کفر کو کچھ اپنی ترتیب سے ذکر کرتے ہیں۔ ''**واللہ ھو الموفق لما یحبّہ ویرضیٰ بہ وھو المستعان و علیہ التکلان**''

۱...... دہریہ

ان کا کیا عقیدہ ہے؟ قرآن کریم نے اسے اس طرح نقل کیا ہے۔

''**وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیانموت و نحییٰ وما یھلکنا الا الدھر وما لھم بذالک من علم ان ھم الّا یظنون**'' (الجاثیۃ:۲۴)

(ترجمہ) اور وہ کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا مرنا جینا اور ہم جو مرتے ہیں یہ زمانہ سے ہے اور ان کو کچھ خبر نہیں یوں ہی اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔

یہ لوگ معاد (مرنے کے بعد کی زندگی) کے منکر تھے ان کے ہاں وقت ایک چکر کا نام ہے جو چلتا رہتا ہے۔ اور یہی چکر کسی وقت انسان کو ختم کر دیتا ہے بس آگے موت ہی موت ہے یہ ہمہ تن مماتی تھے مرنے کے بعد کی زندگی کا انہیں کوئی تصور تک نہ تھا ''**ما لھم بذالک من علم**'' زمانہ نام ہے وقت کا اس میں نہ حس ہے نہ شعور پھر معلوم نہیں وہ کس چیز کو کہتے ہوں گے۔ ''**وما یھلکنا الا الدھر**'' ہمیں تو بس زمانہ ہی مارتا ہے زمانے کے پیچھے جو طاقت کارفرما ہے اس کا نام انہیں نہ آتا تھا۔ زمانے کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل سب اس کے ہاتھ میں ہے لیکن یہاں تک ان کی رسائی نہ تھی زمانے میں تو کچھ حس اور توانائی نہیں وہ کیسے کسی پر زندگی اور موت وارد کر سکتا ہے۔ تاہم ان کے ہاں دھر بھی ایک طاقت تھی کاش کہ وہ یہاں خدا کا نام لیتے جس کے ہاتھ میں زمانہ ہے دھر سے خدا تک پہنچنا بہت آسان تھا لیکن یہ ان کا نصیب نہ تھا تاہم ہمیں حکم دیا گیا کہ زمانے کو برا نہ کہو۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی المصری (۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں: ’’والدھریة طائفة من الملحدین المعطلین ینسبون الامور للدھر کالطباعیة وفی العرب منھم کثیرون فلذا تراھم فی اشعارھم کثیرا ما یشکون منه ویدعونه‘‘ (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج۴ ص۴۹۶)

اہل اسلام کے ہاں زمانہ حادث ہے ہندوؤں کے ہاں خدا کے علاوہ زمانہ اور مادہ دونوں قدیم ہیں۔ یہ ان کی تثلیث ہے دھر لفظا صرف امتداد وقت ہے عرب اس ستارے کو جو ایک ہی دفعہ چڑھتا ہے الکوکب الدھری کہتے تھے۔

۲......مشرکین

جو دو یا زیادہ خداؤں کے قائل ہیں ہندو (سناتن دھرم) متعدد خداؤں کے قائل تھے عہد قدیم کے ایرانی نور اور ظلمت صرف دو خداؤں کے قائل تھے ان کے ہاں نور کا خدا یزداں کہلاتا تھا اور خدائے ظلمت کو وہ اہرمن کہتے تھے اہل اسلام کے ہاں ہندو اور زرتشتی دونوں کفر پر ہیں لیکن کفر کا یہ پیرایہ شرک کہلاتا ہے۔ انہیں مشرکین کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کافرین میں سے نہیں ہیں۔

قرآن کریم میں جب لفظ مشرکین مومنین کے مقابلے میں آئے تو اس سے کفار ہی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے فرمایا: ’’ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا ولعبد مومن خیر من مشرک‘‘ (البقرة:۲۲۱)

اور جب یہ لفظ دوسرے فرق کفر کے ساتھ آئے تو اس سے مراد خاص وہ پیرایہ شرک ہے جو سناتن دھرم والوں میں پایا جاتا ہے۔

مشرکین کی ایک قسم وہ بھی ہے جو کافر نہیں ہیں ان کا فرقہ کفر میں شمار نہیں ہوتا ان کا عمل شرک، شرک اصغر ہوتا ہے جیسے وہ شخص جو بطور ریاء عبادت کرے یہ عبادت خدا کی ہی کر رہا ہے لیکن اس میں اس نے مخلوق کی طرف بھی دھیان دھر لیا ہوتا ہے۔ پیش نظر رہے کہ خیال آنا اور ہے اور دھیان دھرنا یہ صرف ہمت ہے جو خیال آنے سے مختلف ہے۔

۳......صائبین اجرام فلکی کے پرستار، ستارہ پرست

’’عراق میں ایک فرقہ تھا جس کے مذہبی اصول عموما حکمائے اشراقین اور فلاسفہ

طبعیین کے اصول سے ماخوذ تھے یہ لوگ روحانیت کے متعلق نہایت غلو رکھتے بلکہ ان کی پرستش کرتے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت واستمداد سے ہی ہم رب الارباب (یعنی بڑے معبود) تک پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا ریاضات شاقہ اور کسر شہوات سے روح میں تجرد اور صفائی پیدا کر کے عالم روحانیات کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہئے۔ پھر ان کی خوشنودی اور دستگیری سے ہم خدا تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں۔ کواکب کی ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیات کو اپنے سے خوش رکھنے کے لئے ہیاکل بناتے تھے اور انہی ارواح کے لئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔'' (تفسیر عثمانی ص۱۵۹، المائدہ:۶۹)

یہ صابی ایک مرکزیت سے نہ چلے تھے بقول حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے ہر ایک دین سے کچھ کچھ اچھا سمجھ کر ایک دین قائم کرلیا تھا۔ ایران میں ایک فرقہ عرفانی بھی ہوا ہے جو علم فکری کے نہیں صرف علم لدنی کے قائل تھے عرب ان عرفانیوں کو صائبین کہتے تھے۔

۴…… مجوس، آتش پرست

علامہ خفاجی مصری شرح شفاء میں لکھتے ہیں: ''والمجوس عبدۃ النار او القائلون بالٰهین یزدان واهرمن ای النور والظلمۃ الخالقین للخیر والشر'' (نسیم الریاض ج۴ ص۴۹۷ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ)

یہ لوگ اپنے آپ کو زرتشت کی امت کہتے تھے زرتشت ان کے عقیدے میں ایک پیغمبر کا نام تھا جس پر اوستا نامی ایک کتاب اتری تھی ان کے ہاں اوستا کی ایک شرح زند لکھی گئی جس میں اوستا کے بعض مطالب دور تک بدل دئے گئے ان پیروی کرنے والوں کو زندیق کہا جاتا تھا مسلمانوں میں بھی ان لوگوں کو جو دین کے اصولوں سے دور نکل گئے ہوں، زندیق کہا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ صرف آگ سے ہی گناہ دھوئے جاسکتے ہیں۔ اس کے لئے یہ لوگ بڑے بڑے آتش کدے بناتے، ان میں آگ مسلسل جلتی رہتی اور یہ ان کے کناروں پر برابر مصروف عبادت رہتے۔ اوستا میں آگ کی پانچ قسمیں بتلائی گئی ہیں جو مختلف پیرایوں میں ظہور کرتے ہیں۔

۱...... وہ بھی ایک آگ ہے جو بادلوں میں رہتی ہے اور کبھی کبھی بجلی بن کے چمکتی ہے اسے ہم برق کہتے ہیں اور یہ آتش پرست اسے وازشت کہتے تھے۔

۲...... ایک آگ وہ ہے جو اسپورا مزدا (خدا) کے آگے آگے چاروں طرف چلتی ہے اس میں جلن نہیں ہوتی۔ ہم اسے تجلی کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ تجلی ایک درخت پر اتری تھی اس سے پتے جلتے نہ تھے بلکہ ان کی طراوت اور روشنی ہوتی تھی۔ آتش پرست اسے سپنشت کہتے تھے۔

۳...... ایک آگ وہ جو درختوں میں پائی جاتی ہے یہ بھی جلاتی نہیں درختوں کی ٹہنی توڑیں تو آپ کو اس کے اندر گرمی ملے گی یہی گرمی جب فصلوں میں آتی ہے تو ان میں اناج آتا ہے پھر وہ فصلیں سورج کی گرمی سے پکتی ہیں آتش پرست اس آگ کو اروازشت کہتے تھے۔

۴...... وہ آگ جو انسانوں اور حیوانوں کے جسم میں کام کرتی ہے آتش پرست اسے وہو فریان کہتے تھے انسانوں اور حیوانات کے لئے ان اجسام پر پانی ڈالتے رہنا (وہ وضو سے ہو یا غسل سے) بدن میں ایک اعتدال قائم رکھتا ہے۔

۵...... آتش کدوں میں جلنے والی آگ کو آتش پرست برن سواہ کہتے تھے یہی آگ ہے جو بغیر کسی لباس کے انسانوں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے اور آتش پرست اس کی پوجا کرتے ہیں آگ ہزار سال مسلسل جلتی رہے تو اس میں بڑے بڑے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں انہیں پہلوی زبان میں سمندر کہتے تھے خدا کی محبت کی آگ میں جلتے ہوئے ایک شاعر کہتا ہے۔

کوئی ایسی طرز طواف تو مجھے اے چراغ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطاء ہو وہی سرشت سمندری

آگ کی یہ پانچ قسمیں آتش پرستوں کے پانچ تن ہیں۔

آتش پرستوں میں دین زرتشت سے نسبت رکھتے ہوئے مختلف وقتوں میں مختلف فرقے اٹھے جن کے نام آج بھی پرانے ایرانی لٹریچر میں ملتے ہیں۔

زرتشت کے پیروؤں میں کئی مذہبی تحریکات اٹھیں جن میں مانی بھی ایک معروف ریفارمر ہوا۔ یہ عقیدہ مانو یہ کا بانی بنا۔ ایرانی النسل تھا اس کی ماں اشکانی خاندان سے تھی اس

کا باپ فاتک ہمدان کا رہنے والا تھا جو ترک وطن کر کے بابل آ گیا تھا۔ وہاں ان دنوں عیسائیوں کا زور تھا فاتک عیسائیوں کے فرقہ المغتسلہ میں رہنے لگا۔ یہیں ۲۱۵ء میں مانی پیدا ہوا اس نے اپنی خاندانی نسبت سے زرتشت اور علاقائی نسبت سے عیسائیت کا گہرا مطالعہ کیا اور عیسائیوں کے فرقہ المغتسلہ سے نکل کر بائبل کے فارقلیط ہونے کا دعویٰ کیا۔

وہ بدھا، زرتشت اور حضرت عیسیٰ کو مامورین مانتا تھا۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں ان مذاہب کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔ ابن الندیم کے بیان کے مطابق مانی کا پہلا وعظ شاپور کی تاجپوشی کے دن ۲۴۲ء میں ہوا، اس کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ ابتدائے آفرینش میں دو جوہر اصلی موجود تھے۔ یہ اس کا دونوں کے قدیم ہونے کا عقیدہ تھا۔ ایک سے پدر عظمت اور دوسرے سے خدائے ظلمت چلا پیروان زرتشت سے ایک مذہبی تحریک مزدکیت چلی۔

علامہ خفاجی مصری (۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں: ’’**المانویة وهم اصحاب مانی الحكيم الذی ظهر فی زمن شابور من اردشير بعد عيسیٰ عليه السلام**‘‘

(شرح شفاء ج۴ ص۴۹۷)

مزدک ایران کے صوبہ فارس کا رہنے والا تھا یہ پہلے مانوی تھا لیکن بعد میں اس نے مانویوں سے کچھ مختلف شکل اختیار کر لی تھی۔ روسی سیاسی رہنماؤں نے اشتراکیت کا تصور مزدک کی تعلیمات سے ہی کشید کیا تھا مزدکی لوگ مال اسباب اور عورتوں میں اشتراک کا نظریہ رکھتے تھے وہ کہتے تھے جس طرح پانی، آگ اور گھاس نوع انسان میں مشترک ہیں اسی طرح یہ چیزیں بھی مشترکہ قرار پائی جانی چاہئیں۔

مجوسیوں کا اعتقاد اس پر رہا ہے کہ سورج کی دھوپ آگ پر نہ پڑنی چاہئے آگ میں وہ خدا کے ظہور کے قائل تھے اور اسے سورج کی گرمی سے بچانا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

۵...... ملحدین

ہر مذہب میں کچھ لوگ پرانی لائن سے نکل کر (کبھی ترمیم کے نام سے کبھی اصلاح کے نام سے اور کبھی اجتہاد کے نام سے) نئی نئی راہیں تلاش کرتے رہے ہیں ہندو مذہب جو ویدوں پر مبنی تھا اس سے متعدد نئی راہیں نکلیں۔ سناتن دھرم کے لوگ اب بھی آریہ لوگوں کو

ملحدین کہتے ہیں۔ ایران میں زرتشت کی لائن سے بہت ملحدین نکلے عیسائیوں کے رومن کیتھولک اب بھی اپنے دوسرے فرقوں کوملحدین میں شمار کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں بھی جولوگ کتاب وسنت اور صحابہ سے ہٹ کر چلے، قرآن کریم انہیں ’’غیر سبیل المؤمنین ‘‘(النساء:۱۱۵) کے راہرو بتاتا ہےاورقرآن کریم نے بھی یہ خبر دی ہے کہ اس امت میں کچھ ملحدین اٹھیں گے جومخفی نہ رہیں گے۔

’’ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا‘‘ (فصلت:۴۰)

یہ لوگ جو دعویٰ اسلام کے ساتھ کتاب وسنت کی نصوص میں تاویل کی راہ چلے یہ واقعی ایک ٹیڑھی راہ چلے ہیں۔ بہائی، قادیانی اور پرویزی اس لائن کی ظلمتیں ہیں جس طرح اسلام سے کھلاٹکراؤ کفر عناد ہے یہ دوسرے نمبر کا کفر، کفر الحاد ہے۔کفر کبھی عداوت کی راہ سے آتا ہے۔جیسا کہ یہود کا کفر تھااور کبھی محبت کی راہ سے ہوتا ہے۔جیسا کہ عیسائیوں کا کفر ہے جومحبت کے غلو میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوخدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

پھران میں جولوگ شریعت میں اپنے لئے ظلمانی عمل لا داخل کریں وہ ملحد ہونے کے ساتھ ساتھ زندیق بھی ہوئے۔زنداوستا کی ایک تفسیر تھی جس نے کل زرتشتی مذاہب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔لفظ زندیق زند سے نسبت رکھتا ہے۔اسلام میں زندیق وہ ہیں جوکتاب وسنت کو بنیادی امور میں نئی نئی تاویلات مہیا کریں اوراصل موارد کاانکارکریں۔

فرقہ باطنیہ بھی ملحدین کا ایک طبقہ ہے جوقرآن وحدیث کے ظاہر سے نکل کراپنے تقاضوں سے قرآن وحدیث کونئی نئی تشریحات مہیا کرتے ہیں۔

علامہ خفاجی مصری لکھتے ہیں:’’الباطنیة هم قوم من الملاحدة ذهبوا الی ان القرآن له ظاهر وباطن والمراد منه وان للشریعة مقاصد غیر ما فهمه الناس‘‘ (شرح شفاءج۴ص۴۹۹)

ملحدین کی سب سے خطرناک قسم قرامطہ ہوئے ہیں جوابتداء سے ہی مسلمانوں کو اسلام سے نکالنے کے درپے ہوتے ہوئے، اس سازش پر پہنچے۔ یہود اور مجوس دونوں طبقے بڑی مستعدی سے چلے۔ یہ لوگ مسلمانوں میں اپنے آپ کوحضرت امام جعفر صادق کے بیٹے اسماعیل کے پیرو کہتے تھے۔

علامہ خفاجی ان کی تاریخ اس طرح بیان کرتے ہیں: ''القرامطة وهم الاسمٰعيلية المثبتون لامامة اسمٰعيل بن جعفر الصادق وغرضهم ابطال الشرع لانهم فی الاصل يهود او مجوس لما اظهر الاسلام اشتد عليهم ذالک وضعفوا عن دفعه فذهبوا الی تاويلات ووجوها علی ضعفاء العقول فارادو هدم قواعد الاسلام ورأسهم حمدان بن قرمط من قرية من قری واسط فلذا سموا قرامط فزينوا لهم دعاة يدعون لخرافات زينوها وكان ظهوره فی سنة سبعين ومائتين بقرية من سواد الكوفة''

(نسیم الریاض شرح شفاء ج۴ ص۴۹۸)

(ترجمہ) یہ لوگ اسمٰعیل کی امامت کے داعی تھی اوران کی غرض اس سے شریعت اسلامی کا ابطال تھا۔ کیونکہ اصلاً یہ لوگ یہودی یا مجوسی گروہوں سے تھے۔ جب اسلام نے قوت پکڑی تو یہ بات ان پر بہت گراں گزری اور وہ لوگ اسلام کو روکنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ سواب یہ ان تاویلات اور وجوہ کو لے کراٹھے جس سے وہ کمزور عقل مسلمانوں کو غلط فہمیوں میں ڈال دیتے۔ اس سے ان کا ارادہ اسلام کی بنیادوں کو گرانا رہا۔ اس کا رئیس حمدان بن قرمط واسط کی آبادیوں میں سے ایک آبادی تھی۔ یہ لوگ اپنے عقیدے کے داعی تیار کرتے جو مسلمانوں کو دین کے بارے میں طرح طرح کی تاویلات میں مبتلا کرتے اس فتنے کا ظہور ۲۷۰ھ میں کوفہ کے قریب کی ایک بستی سے ہوا۔

ملحدین کی اور بھی بہت سی تحریکیں مختلف تاویلات سے اٹھتی رہیں۔ ان کی الحاد کی راہیں اپنی اپنی تھیں۔ لیکن ھدم قواعد اسلام اور ابطال شریعت میں ملحدین کے یہ سارے گروہ ایک تھے۔

۶......زنادقہ

یہ ملحدین بھی ہیں کیونکہ یہ بھی نصوص میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں۔ ملحدین چھپ کر اپنی بات نہیں کہتے زندیق اپنے کفر کو الحاد اور نفاق سے دوآتشہ کرتے ہیں۔ اس لئے بعض آئمہ کے نزدیک ان کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔

علامہ تفتازانی (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں: ''وان كان مع اعترافه بنبوة النبی ﷺ واظهار شعائر الاسلام يبطن عقائد هی كفر بالاتفاق خص باسم الزنديق''

(شرح مقاصد ج۳ ص۴۶۰)

(ترجمہ) اور اگر وہ حضورﷺ کی نبوت کے اقرار اور بعض شعائر اسلام کے اظہار کے ساتھ بعض ایسے چھپے عقیدے بھی رکھتا ہے جو بالاتفاق کفر ہیں تو اس شخص کو زندیق قرار دیا جائے گا۔

قاضی ابوالبقاء (۱۰۹۴ھ) بھی کہتے ہیں: ’’وان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبیﷺ یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق فھو الزندیق‘‘

(کلیات ابی البقاء ص۳۰۵ فصل الکاف)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) بھی لکھتے ہیں: ’’وان اعترف بہ ظاھرا لکنہ یفسر بعض ما ثبت من الدین بخلاف ما فسرہ الصحابۃ والتابعون واجمعت علیہ الامۃ فھو الزندیق‘‘ (المسوّٰی شرح مؤطا ج۲ ص۲۹۲)

علامہ شامی (۱۲۵۳ھ) زندیق کے کفر چھپانے کو اس طرح ذکر کرتے ہیں: ’’فان الزندیق یموّہ کفرہ ویروّج عقیدتہ الفاسدۃ ویخرجھا فی الصورۃ الصحیحۃ وھذا معنی ابطال الکفر‘‘ (ردالمحتار ج۳ ص۳۲۴ باب المرتد، مکتبہ رشیدیہ کراچی)

بدر الفقہاء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں: ’’زندیق کی تعریف میں جو عقائد کفریہ کا دل میں رکھنا ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مثل منافق کے اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کرتا بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ اپنے عقائد کفریہ کو ملمع کر کے اسلامی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔ کذا فی الشامی

(جواہر الفقہ ج۱ ص۲۹ قدیم، ص۱۳۸ جدید، مطبوعہ دارالعلوم کراچی)

۷..... مرتدین

اسلام سے جو لوگ انکار مذہب سے نکلیں ایسے معاذ اللہ (کوئی مسلمان ہندو یا عیسائی ہوجائے) یا ضروریات دین میں سے کسی کے انکار سے یا بعض ضروریات دین کو ان کے اصل معنی سے نکال دیں اور انہیں کسی دوسرے معنی پر لائیں۔ جیسا کہ ان مسلمانوں نے کہا جو بہاؤاللہ ایرانی یا مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں پر بیعت ہوئے۔ وہ سب مرتدین ہیں۔ وہ اپنے اسلام چھوڑنے کا اقرار کریں یا نہ۔ ان کے اقرار یا عدم اقرار سے حقیقت حال نہیں بدلتی۔

ارتداد عربی لفظ ہے اس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں اگر کوئی عیسائی مسلمان ہو جائے اور وہ پھر کسی وقت عیسائیت کی طرف لوٹے تو اب اسے اہل کتاب کے حقوق نہ دیئے جائیں گے اب وہ اپنے اس ارتداد سے صف مرتدین میں آچکا جو قادیانی اسلام پر کبھی نہ رہے ہوں (ان کے والدین قادیانی ہوئے تھے اور یہ ان کے ہاں پیدا ہوئے) وہ اپنے عقائد میں صرف زندیق شمار ہوں گے انہیں مرتد نہ کہا جائے گا۔

مرتد اور زندیق میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے اس میں دو مادے افتراق کے ہوتے ہیں اور ایک مادہ اجتماع کا۔

۱...... جو لوگ اسلام سے عیسائیت میں چلے گئے وہ مرتد تو ہیں لیکن زندیق نہیں۔

۲...... جو قادیانیوں کی اولاد ہیں اور ان پر کوئی دور اسلام نہیں آیا وہ زندیق ہیں لیکن مرتد نہیں اور جو لوگ پہلے مسلمان تھے پھر وہ قادیانیت میں داخل ہوئے تو وہ ارتداد اور زندقہ کا مادہ اجتماع ہیں۔

کافروں کی جملہ اقسام میں سب سے زیادہ خطرناک مرتد ہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کسی ملک کا کوئی فرد اپنے ملک کی حفاظت میں کسی ایٹمی سکیم میں شامل ہو اور پھر وہ اپنے ملک کے خلاف کسی دوسری طاقت سے جا ملے اس صورت حال میں کوئی ملک اسے کھلا نہ چھوڑ سکے گا۔ مرتد کے احکام میں بعض فقہاء اسلام کی رائے ہے کہ اسے توبہ کی دعوت دی جانی چاہئے۔

(نوٹ) علامہ کمال بن ابی شریف (۹۰۵ھ) نے کفر کی مذکورہ اقسام کو تین عنوانوں میں جمع کیا ہے۔

''ثم الکافر علی ثلثۃ ضروب (۱) عبدۃ الاوثان (۲) عبدۃ النیران (۳) والمشرک فی الربوبیۃ والمنکر فی الواحدانیۃ''

(کتاب المسامرۃ شرح مسائرۃ ج۲ ص۲۱۰ مطبوعہ مصر)

(ترجمہ) پھر کافر تین طرح کے ہیں (۱) بتوں کے پجاری (۲) آگ کے پجاری (۳) ربوبیت میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے والے۔

پھر کفر کے کچھ اپنے درجات ہیں۔ اس اعتبار سے علماء نے اس کی پانچ قسمیں کی ہیں۔

(۱) کفر تکذیب (کسی سچائی کو سچا نہ ماننا)(۲) کفر استکبار (ابلیس کا کفر کفر استکبار تھا)(۳) کفر اعراض (مادیت میں ڈوبے انسانوں کا آخرت سے انکار زیادہ اسی قبیل سے ہے یہ نہ پیغمبر کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب)......ان کا کفر روگردانی کی راہ سے آتا ہے۔(۴) کفر ارتیاب کمزور علم کے لوگ اس راہ سے قبول حق سے رکے رہتے ہیں۔انہیں پیغمبر کے نہ صادق ہونے کا یقین ہوتا ہے۔نہ کاذب ہونے کا۔وہ شک اور تردد میں ہی اپنی آخرت کھودیتے ہیں۔(۵) کفر نفاق یہ ان لوگوں کی راہ ہے جو اپنے ساتھ بھی مخلص نہیں ہوتے یہ دھوکہ منڈی کے وہ آڑھتی ہیں جن سے ہر خریدار نقصان ہی پاتا ہے۔

استاذنا المکرّم حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے تفسیر معارف القرآن کی پہلی جلد کے ص۲۹ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

تاریخ اسلام میں ان لوگوں نے دین میں جو بگاڑ پیدا کیا ہے امت مسلمہ نے اس سے بہت صدمے اٹھائے ہیں ان کے لگائے زخم شاید ہی کبھی مندمل ہوسکیں ہاں جو لوگ خلوص اور صدق نیت سے اس خلیج کو پاٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔اللہ ان کے لئے کچھ اپنی راہیں ضرور کھول دیتا ہے۔

’’والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا وان الله لمع المحسنین‘‘ (عنکبوت:۶۹)

اب ہم تسلسل میں کافروں کی آٹھویں قسم پر آتے ہیں۔

۸......منافقین

یہ لفظ کئی معنوں میں آتا ہے کفر کی اقسام میں صرف اعتقادی نفاق آتا ہے نفاق عملی والے کفر کے دائرہ میں نہیں آتے۔(۱) جھوٹے وعدے کرنے والے (وعدہ کرتے ہی نیت ہو کہ پورا نہیں کرنا)(۲) انہیں امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرنے والے (۳) جھوٹی باتیں روایت کرنے والے (۴) اختلاف اور جھگڑے میں گالی گلوچ پر اتر آنے والے مومنین، نفاق عملی کے مرتکب ہیں انہیں کافر نہیں کہا جاسکتا صرف نفاق اعتقادی والے ہی الکفر ملۃ واحدۃ کے دائرہ میں آتے ہیں قرآن کریم میں نفاق اعتقادی والوں کو ہی کہا گیا ہے کہ وہ مومنین نہیں ہیں۔

’’ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الآخر وما ھم بمؤمنین‘‘
(البقرۃ:۸)

(ترجمہ) اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور وہ ایمان لائے ہوئے نہیں ہیں۔

ایک وقت تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو ان کا علم نہ دیا گیا تھا پھر ایک وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی اطلاع دے دی مگر کچھ وقت کے لئے آپ کو ان کے خلاف کسی کاروائی سے روک دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا آپ نے فرمایا۔

’’اولئک الذین نھانی اللّٰہ عنھم‘‘ (مسند امام احمد ج۹ ص۱۶۹)

پھر ایک وقت آیا کہ آپ ﷺ نے ان کے خلاف کھلی کاروائی کی اور انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دیا نام لے لے کر آپ نے انہیں نکلنے کے لئے کہا۔

’’اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی فی الاوسط وغیرھما عن ابن عباس ؓ قال قام رسول اللّٰہ ﷺ یوم جمعۃ خطیبا فقال قم یا فلان فاخرج فانک منافق اخرج یا فلان فانک منافق فاخرجھم باسمائھم‘‘

(روح المعانی ج۶ ص۱۲، توبہ:۱۰۱، الشاملہ)

(ترجمہ) حضور اکرم ﷺ نے ایک خطبہ جمعہ میں نام لے کر فرمایا اے فلاں اٹھ اور نکل جا تو منافق ہے۔ پھر دوسرے کو اسی طرح کہا تو بھی نکل جا آپ نے انہیں اس دن نام لے لے کر وہاں سے نکالا۔

اب یہ مسجدوں میں تو نہ آتے نہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے حضور ﷺ کے اس کھلے اعلان کے بعد کسی میں یہ حوصلہ نہ رہا تھا کہ کھلے بندوں اپنے آپ کو مسلمان کہے لیکن یہ چھپے طور پر پھر بھی مسلمانوں کے خلاف کام کرتے رہے حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یقین دلایا کہ یہ ہرگز اہل اسلام پر غلبہ نہ پاسکیں گے۔

’’لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا‘‘ (الاحزاب:۶۰)

(ترجمہ) البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہیں اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں۔ تو ہم لگادیں گے تجھے ان کے پیچھے پھر وہ نہ رہنے پائیں گے تیرے ساتھ اس شہر میں مگر تھوڑے دنوں پھٹکارے ہوئے۔

حضور ﷺ کے ہوتے یہ دبے رہے یہ چھپ کر اپنا کام کرتے تھے لیکن آپ کے بعد یہ کھل کر دین بگاڑنے لگے ان میں دعویٰ نبوت کرنے والے بھی تھے اور زکوٰۃ کا انکار کرنے والے بھی مگر بایں ہمہ یہ اپنی مسجدوں میں اذانیں بھی دیتے اور نمازیں بھی پڑھتے تھے عبداللہ بن النواحہ مسیلمہ کذاب کا مؤذن تھا اور پانچ وقت اذان میں اشھد ان محمداً رسول اللہ کی شہادت دیتا تھا اس صورت حال میں صحابہ نے انہیں نفاق کے جھنڈے تلے نہیں کھلے کافروں کے زمرے میں داخل کیا اور ان سے باقاعدہ اسلام وکفر کی جنگ لڑی۔

’’عن حذیفة بن الیمان قال ان المنافقین الیوم شر منهم علیٰ عهد النبی ﷺ کانوا یومئذ یسرون والیوم یجهرون‘‘

(صحیح البخاری ج۲ص۱۰۵۴باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافه)

(ترجمہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اب منافقین اس وقت سے زیادہ خطرناک ہیں۔ جیسا کہ حضور ﷺ کے وقت میں تھے اس وقت وہ چھپے رہتے تھے اور اب یہ کھلے طور پر دین میں نفاق کی راہ چلتے ہیں۔

سو نفاق اس معنی ومفہوم میں جو عہد نبوت میں سمجھا جاتا تھا، یکسر ختم ہوگیا۔ اب یہ کھلے کافروں کی صورت میں سامنے آگئے۔ اب ان کی صورت عمل یہ تھی کہ دعویٰ ایمان کے ساتھ یہ ایمان میں الحاد کی راہ اختیار کریں اور ایمان کو بگاڑنے کی یہ دن رات سازشیں کریں۔

حضرت حذیفہ کہتے ہیں: ’’انما کان النفاق علیٰ عهد النبی ﷺ فاما الیوم فانما هو الکافر بعد الایمان‘‘ (بخاری ج۹ص۵۸، باب ایضاً، الشاملہ)

(ترجمہ) نفاق حضور ﷺ کے عہد میں ہی ایک راہ عمل تھی حضور ﷺ کے بعد اب دو ہی راہیں ہیں کفر یا ایمان۔

نفاق جب تک معلوم نہ اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا معلوم ہوجائے تو اسے کافروں میں جگہ دی جائے گی اب نفاق کی کوئی اپنی راہ عمل نہ رہے گی۔

علامہ عینی (۸۵۵ھ) ابن التین سے اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں: ’’اراد انھما ظھروا من السر مالم یظھر اولٰئک فانھم لم یصرحوا بالکفر وانما ھو التفث یلقونہ بافواھھم فکانوا یعرفون بہ‘‘

(عمدۃ القاری ج۲۴ص۲۱۰باب ایضاً، الشاملہ)

اب کافروں میں جو منافق شمار ہوتے ہیں یہ وہ ہیں جو دعویٰ اسلام کے ساتھ کھلم کھلا کفر کا ارتکاب کرتے ہیں وہ ضروریات دین سے انکار کی صورت میں ہو یا انہیں ان کے ظواہر سے ہٹا کر زندقہ کی دلدل میں گرا کر ہو۔ کفر کفر ہے وہ کسی راستے سے آئے۔

پہلے دور میں بھی کفر اقرار اسلام کے مقابل مختلف صورتوں میں سامنے آیا لیکن خوارج وروافض دعویٰ اسلام رکھتے تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے اسلام کی ساری بساط الٹ کر رکھ دی۔ اس سے پہلے مسلمانوں میں یہ راہ الحاد سامنے نہ آئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، خوارج کو شرار خلق اللہ کہتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے: ’’کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین‘‘ (صحیح بخاری ج۲ص۱۰۲۴، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ)

۹...... بہائی

بہاء اللہ ایرانی کے پیروؤں کو بہائی کہتے ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد بہاء اللہ کو وقت کا پیغمبر مانتے ہیں۔ شریعت محمدی کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

بہاء اللہ کا نام مرزا حسین علی نوری تھا اور ایران کے ایک قصبہ نور کا رہنے والا تھا۔ والد کا نام مرزا عباس (المعروف بہ مرزا بزرگ) تھا۔ بہاء اللہ کی پیدائش ۱۲۳۳ھ تیرھویں صدی ہجری تہران میں ہوئی۔ سن عیسوی ۱۸۱۷ء تھا۔ وفات ۲؍مئی ۱۸۹۲ء کو ہوئی۔ بہاء اللہ اپنے دعوے سے پہلے علی محمد باب کے پیروؤں میں سے تھا۔ علی محمد باب نے ہی اسے بہاء اللہ کا لقب دیا تھا۔ ان کا دعویٰ رہا کہ دور محمدی پر قیامت آچکی ہے اور اب اس سے نئی نبوت کا قیام ہوا ہے۔ ان کے اعتقاد میں نئی نبوت کا قیام ہی پہلے دور کی قیامت ہے۔

دائرہ معارف اسلامیہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایران سے برطانوی حکومت نے بہاء اللہ کو اپنی تحویل میں لینے کی پیشکش کی تھی۔ انگریز اسے ہندوستان لانا چاہتے تھے۔ بہاء اللہ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مرزا غلام احمد نے انگریزوں کی آسمانی بادشاہت کا علان کیا۔ بہائاللہ کی آسمانی کتاب کا نام البیان ہے۔ بہاء اللہ اپنے زمانہ قیام بغداد میں خفیہ طور پر جاہل اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو گمراہ کرنے اور خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہا۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج۵ ص۹۱)

اس کے پیرو دنیا کے تمام مما لک میں کچھ نہ کچھ پائے جاتے ہیں اور ان کے اپنے جرائد ورسائل بھی ہیں۔ ان کا مسلمانوں سے سب سے بڑا اختلاف قیامت کے موضوع پر ہے۔

۱۰......قادیانی

اس عہد میں بہائی اور قادیانی اس راہ نفاق سے داخل دائرہ کفر ہوئے بہائی بہاؤاللہ ایرانی کے پیرو ہیں اور قادیانی، مرزا غلام احمد قادیانی (۱۹۰۸ء) کے پیرو ہیں۔ یہ دونوں حضور ﷺ کو نبی مان کر اپنے اپنے دعویٰ نبوت پر اٹھے ان کا کفر اتنا واضح ہے کہ خود کفر ان پر حیران ہے۔ کہتے ہیں ایک دن قادیانیت کی کفر سے ملاقات ہوئی تو کفر اسے پہچان نہ سکا۔ پھر قادیانیت نے اسے بتایا کہ میں تیری بہت قریب کی رشتہ دار ہوں۔ مولانا ظفر علی خان نے ان دونوں کی بات اس طرح محفوظ کر لی۔

قادیانیت سے پوچھا کفر نے تو کون ہے ہنس کے بولی آپ ہی کی دلربا سالی ہوں میں

ہم ان شاء اللہ العزیز! آگے چل کر قادیانیوں کے وجوہ کفر کچھ تفصیل سے ہدیہ قارئین کریں گے۔ یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ پہلے ان مغالطوں کو دور کریں جو یہ قادیانی صف اسلام میں پشت کے بل آتے ہوئے اختیار کرتے ہیں۔

۱...... کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم قبلہ رخ ہوکر نماز پڑھتے ہیں اور اسلام کے سب سے بڑے قانون دان امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے وہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔ سو مسلمان ہمیں بلاوجہ اسلام سے نکالتے ہیں۔

۲...... کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم شریعت اسلام کا انکار نہیں کرتے۔ ہم مرزا غلام احمد کو غیرتشریعی نبی مانتے ہیں۔ اس دعویٰ سے کوئی امت مسلمہ سے نہیں نکلتا۔

۳...... کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہیں کرتے۔ ہم ختم نبوت کا بھی پورا پورا اقرار کرتے ہیں۔ ہمارے بانی سلسلہ نے کھل کر کہا ہے۔

ہست او خیر الرسل خیر الانام　　　ہر نبوت را بروشد اختتام

(ضمیمہ سراج منیر ص ح، خزائن ج۱۲ ص۹۵)

’’ان رسولنا خاتم النّبیین وعلیہ انقطعت سلسلۃ المرسلین‘‘

(ضمیمہ حقیقت الوحی ص۶۴، خزائن ج۲۲ ص۶۸۹)

پھر معلوم نہیں مسلمان کیوں ہمیں ختم نبوت کا منکر کہتے ہیں۔

۴...... کبھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارا مسلمانوں سے صرف مسیح موعود کے مصداق میں اختلاف ہے وہ حضرت عیسیٰ بن مریم کو مسیح موعود سمجھتے ہیں اور اس کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم فوت ہو چکے۔ اب مسیح موعود کوئی دوسرا شخص ہی ہوسکتا ہے جو حضرت عیسیٰ بن مریم کی صفات پر ظاہر ہوا اور وہ ظاہر ہوگیا ہے اور وہ مرزا غلام احمد ہے۔ اس سے لفظ غلام ہٹادو تو وہ خود احمد ہے اور اس کی پیرو احمدی ہیں اور ہماری تحریک، تحریک احمدیت ہے۔

ہمارے نزدیک یہ ایک نہایت گھناؤنا کھیل ہے جو مذہب کے نام سے کھیلا جارہا ہے۔ ہم ان شاء اللہ! اس کتاب کے آخر میں ان کے کفریات پوری تفصیل سے قارئین کے سامنے پیش کریں گے۔ یہاں آپ ان کے پیش کردہ مغالطوں کا ایک ترتیب سے جائزہ لیں۔

۱...... پہلے ہم ان کے اہل قبلہ ہونے کا دعویٰ کا کچھ تجزیہ کر آئے ہیں۔ وہاں ان کے اس پہلے مغالطے کی پوری تفصیل ہو چکی ہے۔ اب ہم ان کے دوسرے مغالطوں پر بھی کچھ تبصرہ کئے دیتے ہیں۔

۲...... عربی میں شرعۃ اس گھاٹ کو کہتے ہیں جس سے دوسرے سیراب ہوتے ہوں۔ مرزا بشیر الدین محمود کا اعلان ہے کہ: ’’مکہ و مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے‘‘

(حقیقت الرؤیا ص۴۶، انوار العلوم ج۴ ص۱۳۶)

اب قادیانی کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم اور غیر احمدی (باصطلاح خویش) ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں۔ سو یہ درست نہیں کہ ہماری اور ان کی شریعت ایک ہے۔ ہماری شریعت میں کتاب وسنت کے بعد اجماع اور اجتہاد ماخذ دین ہیں۔ قادیانیوں کے ہاں مرزا غلام احمد کی وحی ہے۔ پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قادیانیوں کے ہاں صرف زکوٰۃ حق المال نہیں۔ ان پر اپنی خلافت کو ماہانہ چندہ دینا بھی فرض ہے۔ ہم نے اپنے رسالہ قادیانیوں کے ہاں ترمیم شریعت میں اس موضوع کی کافی تفصیل کر دی ہے۔

۳...... مسلمانوں کے ہاں حضور خاتم النّبیین ﷺ کی ختم نبوت زمانی پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے ہے۔ قادیانی مسلمانوں کے اس عقیدہ ختم نبوت کو غلط سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کا ان پر سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ وہ اسلام کے عقیدہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ سو وہ جب کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کی ختم نبوت کو مانتے ہیں تو وہ یہ صرف اپنے عقیدہ کی رو سے کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کی رو سے نہیں۔ سو یہ ایک مغالطہ سے زیادہ کچھ نہیں۔

۴...... مسیح موعود کے مصداق میں اختلاف ہونا یہ کیا کوئی کم اختلاف ہے؟ یہ اسی طرح کا ایک اختلاف ہے جو مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہے کہ فارقلیط کی پیش گوئی کا مصداق کون ہے یا اس عیسوی بشارت کا مصداق کون ہے؟ جو حضرت عیسیٰ بن مریم نے اپنے آسمانوں پر جانے سے پہلے اپنے حواریوں کو دی تھی، اس مصداق کے اختلاف نے کیا۔ اب تک عیسائیوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے مختلف کیمپوں میں نہیں بٹھا رکھا؟ کچھ غور کیجئے اور مغالطے دینے کی اس جسارت سے توبہ کیجئے۔

کیا کفر کے لئے ارادہ تبدیل ملت ضروری ہے؟

الحمد ﷲ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد!

جن لوگوں نے بطور دل لگی یا استہزاء اسلام یا اسلام کی کسی بات کا انکار کیا۔ قرآن کریم صاف لفظوں میں انہیں کافر قرار دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنے ان کفریہ کلمات سے ارادہ تبدیل ملت تو نہ کیا تھا۔ معلوم ہوا کفر، کفر ہے۔ بدوں اکراہ اس کا اظہار کسی مسلمان کو اسلام میں نہیں رہنا دیتا۔ قطعیات اسلام میں سے کس بات کا انکار ہو، اس سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہتا۔

قرآن کریم میں ہے: ’’ولئن سألتهم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل اباﷲ وآیاته ورسوله کنتم تستهزؤن. لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم‘‘ (التوبہ:۶۵،۶۶)

(ترجمہ) اور اگر آپ ان سے پوچھیں (تم نے ایسا کیوں کیا) تو وہ کہیں گے ہم تو ویسے ہی بات چیت کر رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے آپ ان سے کہیں کیا تم اللہ سے، اس کی آیات سے اور اس کے رسول سے دل لگی کر رہے تھے؟ بہانے مت بناؤ تم اپنے اظہار ایمان کے بعد اب کافر ہو چکے ہو۔

پھر کفر جس طرح کبھی کسی کے قول سے واقع ہوتا ہے کبھی یہ صرف اس کے عمل سے بھی واقع ہو جاتا ہے۔

قاضی ابوالبقاء (۱۰۹۴ھ) لکھتے ہیں: ’’والفعل الموجب للکفر هو الذی یصدر عن تعمد ویکون الاستهزاء صریحا بالدین کالسجود للصنم والقاء المصحف فی القاذورات‘‘ (کلیات ابی البقاء ص۳۰۵ فصل الکاف)

(ترجمہ) وہ فعل جس سے کفر واقع شمار ہو وہ ہے جو کسی شخص سے عمداً صادر ہو یا دین سے صریح طور پر استہزاء ہو جیسے کوئی مدعی اسلام بت کو سجدہ کرے یا ارادۃً قرآن کریم کو کسی گندی جگہ پھینک دے۔

اگر کوئی مسلمان حضور اکرم ﷺ کی داڑھی کے سنت ہونے کا انکار کرے اور اس طرح اس کی توہین کرے کہ آج کل داڑھی نہ رکھنے والے داڑھی رکھنے والوں سے بہتر ہیں تو باوجودیکہ اس نے ضروریات دین میں سے کسی کا انکار نہیں کیا، نہ ملت اسلامی سے باہر نکلنے کا قصد کیا ہے۔ بایں ہمہ وہ صف اسلام سے نکل گیا۔

’’قاضی عیاض (۵۴۴ھ) لکھتے ہیں: ’’وکذالک نکفر بکل فعل اجمع المسلمون انه لا یصدر الا من کافر وان کان صاحب صاحبه مصرحا بالاسلام مع فعله ذالک الفعل کالسجود للصنم والشمس والقمر والصلیب والنار‘‘ (الشفاء ج۲ ص۲۸۷ الفصل الرابع فی بیان ماھومن المقالات کفر)

(ترجمہ) اس طرح ہم اس فعل پر حکم تکفیر کرتے ہیں کہ سب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ یہ فعل کافر کے سواء کسی اور سے صادر نہیں ہو پاتا۔ جیسے کسی بت کو یا سورج اور چاند کو یا صلیب اور آگ کو سجدہ کرنا۔

مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں: ’’مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزاء صراحۃً کفر ہے۔ ’’قال اللّٰہ تعالٰی قل اباللّٰہ وآیاته ورسوله کنتم تستھزؤن. لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم‘‘ یوں ہی وہ کلمہ ملعونہ کہ داڑھی منڈانے والے داڑھی رکھانے والوں سے بہتر ہیں۔ صاف سنت متواترہ کی توہین اور کلمہ کفر ہے۔ والعیاذ باللّٰہ رب العالمین‘‘ (فتاویٰ رضویہ باب الحظر ج۲۳ ص۳۶۷، زیر عنوان مجالس ومحافل)

ایئرپورٹ پر جرمنی داخل ہونے کے لئے جو مسلمان اپنے آپ کو قادیانی ظاہر کریں وہ گو دل سے غلام احمد کو کتنا برا کیوں نہ سمجھتے ہوں وہ اپنے اس اقرار بالکفر سے حضور ﷺ کی امت سے نکل جاتے ہیں۔ کفر میں جانے کے لئے ارادہ تبدیل ملت ضروری نہیں ہے۔ انسان اقرار بالکفر سے بلا نیت بھی کفر میں چلا جاتا ہے اور اس ارتداد سے اس کی پہلے کی نیکیاں اور حج بھی اگر اس نے کبھی کیا تھا سب ضائع ہو جاتے ہیں۔

ہاں! اگر کوئی کافر اسلام میں آنا چاہے تو وہ اپنی پہلی ملت کو چھوڑنے اور تبدیل ملت کا ارادہ کئے بغیر صف اسلام میں جگہ نہیں پا سکتا۔

قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی کی تاریخی داستان

الحمد ﷲ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد!

مرزاغلام احمد قادیانی ۱۸۴۰ء میں مشرقی پنجاب کے ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوا۔ ۱۸۸۹ء میں اس نے لدھیانہ میں اپنی جماعت کے لوگوں سے اپنے ایک آسمانی مامور ہونے کی بیعت لی یہ ایک نئی امت کا آغاز تھا۔

ا…… یہ ایک نیا فرقہ قائم ہوا…… یا یہ ایک نئی امت کا آغاز تھا

فرقہ اپنے آپ کو کسی پہلی اصل سے جوڑتا ہے اور نئی امت پہلی امت سے نکلتی ہے قادیانی پہلے سے کوئی اصل نہیں رکھتے۔ حضورﷺ کے بعد یہ کسی طبقہ سے نسبت نہیں رکھتے سو انہیں اس امت کا کوئی فرقہ ٹھہرانا بہت مشکل ہے۔ انگریزی عملداری میں ہندوستان میں مردم شماری کا ایک ریکارڈ ہوتا تھا جس میں ایک خانہ مذہب کا بھی ہوتا تھا۔

اس میں ہندوستان کے باشندے ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی کے ناموں سے خانہ مذہب میں اندراج پاتے تھے۔ اس میں کسی مذہب کی اندرونی تقسیم نہ ہوتی تھی۔ مسلمانوں میں سنی اور شیعہ کا علیحدہ علیحدہ اندراج نہ ہوتا تھا۔ مرزاغلام احمد نے اپنے پیروؤں کو نومبر ۱۹۰۰ء میں ہدایت کی کہ وہ مردم شماری کی ریکارڈ میں اپنا اندراج دوسرے مسلمانوں سے علیحدہ کرائیں۔ اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ عام مسلمانوں میں کسی درجہ میں مل کر رہنا نہ چاہتے تھے۔ یہ مسلمانوں سے اس طرح علیحدہ ہونا چاہتے تھے جس طرح ہندو، سکھ اور عیسائی علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔ یہ قادیانیوں کی مسلمانوں سے علیحدگی کی پہلی اینٹ تھی جو ۱۹۰۲ء کی مردم شماری میں سرکاری رجسٹروں میں رکھی گئی۔ مرزاغلام احمد نے اپنے پیروؤں کہا تھا۔

’’چونکہ اب مردم شماری کی تقریب پر سرکاری طور پر اس بات کا التزام کیا گیا ہے کہ ہر ایک فرقہ جو دوسرے فرقوں سے اپنے اصولوں کے لحاظ سے امتیاز رکھتا ہے علیحدہ خانہ میں اس کی خانہ پوری کی جائے اور جس نام کو اس فرقہ نے اپنے لئے پسند اور تجویز کیا ہے، وہی نام سرکاری کاغذات میں اس کا لکھا جائے۔ اس لئے ایسے وقت میں قرین مصلحت سمجھا گیا ہے کہ اپنے فرقہ کی نسبت ان دونوں باتوں کو گورنمنٹ عالیہ کی خدمت میں یاد دلایا جائے

اور نیز اپنی جماعت کو ہدایت کی جائے کہ وہ مندرجہ ذیل تعلیم کے موافق استفسار کے وقت لکھوائیں اور جو شخص بیعت کرنے کے لئے مستعد ہے۔ گو ابھی بیعت نہیں کی۔ اس کو بھی چاہئے کہ اس ہدایت کے موافق اپنا نام لکھوائے۔‘‘

(اشتہار واجب الاظہار ملحقہ تریاق القلوب ص۱، خزائن ج۱۵ ص۵۱۷)

اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ کسی فروعی اختلاف یا امت میں کسی اصولی اختلاف کے باعث مسلمانوں سے علیحدہ نہ ہو رہے تھے بلکہ وہ ایک نئی امت کا آغاز کر رہے تھے۔

یہ علیحدہ خانہ پوری کی تجویز ایک فرقہ کے طور پر نہیں تھی۔ ایک دوسرے دین کے طور پر طلب کی گئی تھی۔ قادیانیوں کی دونوں جماعتوں کے سربراہ اس پر متفق رہے ہیں کہ جس طرح یہود ونصاریٰ دو ملتیں ہیں۔ اس طرح قادیانی مسلمانوں سے ایک علیحدہ ملت ہیں۔ پاکستان بننے تک قادیانیوں کی دونوں جماعتیں اپنے اس مؤقف پر قائم تھیں۔ یہ مؤقف کہ مرزا قادیانی پیغمبر تھا یا مجدد یہ ان کا آپس کا اختلاف ہے۔ مسلمانوں کے مقابل یہ دونوں اس مؤقف پر رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے بطور ایک اقلیت کے علیحدہ ہیں۔ ہم اس پر مولوی محمد علی امیر جماعت لاہور اور مرزا بشیر الدین محمود امیر جماعت قادیان کی دو شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

مولوی محمد علی لاہوری کے زیر اہتمام ایک سالانہ رسالہ (ریویو آف ریلیجنز) شائع ہوتا تھا۔ مولوی محمد علی نے ۱۹۰۶ء میں مرزا قادیانی کی زندگی میں اس میں لکھا تھا:

The Ahmadia movement stands in same relation to islam in which christianty stands to judaism.

’’یعنی احمدیت کی تحریک اسلام کے ساتھ وہی نسبت رکھتی ہے جو عیسائیت کو یہودیت کے ساتھ تھی۔‘‘ (مولوی محمد علی کے اپنی سابقہ تحریرات کے متعلق جوابات پر نظر، از محمد اسماعیل قادیانی ص۵۶)

سو جس طرح یہودی اور عیسائی دو علیحدہ علیحدہ مذہب ہیں مسلمان اور قادیانی بھی ایک دوسرے سے مختلف دو مستقل ملتیں ہیں۔

اسی طرح مرزا بشیر الدین محمود کا بیان (ملخص الفضل قادیان ج۳۴، نمبر۲۶۴، ص۵ کالم نمبر۱،۲ مؤرخہ ۱۳؍نومبر ۱۹۴۶ء) کی اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں اس نے بھی انگریز حکومت سے

اپنے لئے وہی پوزیشن چاہی جو ہندوستان میں پارسیوں اور عیسائیوں کو حاصل تھی مرزا بشیرالدین محمود خود اس کے لئے ڈٹے تھے اور اس وقت انہوں نے خود مسلمانوں سے ایک علیحدہ اقلیت کی پوزیشن چاہی تھی مرزا محمود نے کہا۔

’’میں نے اپنے نمائندے کی معرفت ایک بڑے ذمہ دار انگریز افسر کو کہلوا بھیجا کہ پارسیوں اور عیسائیوں کی طرح ہمارے حقوق بھی تسلیم کئے جائیں جس پر اس افسر نے کہا وہ تو اقلیت ہیں اور تم ایک مذہبی فرقہ ہو، اس پر میں نے کہا کہ پارسی اور عیسائی بھی تو مذہبی فرقے ہیں۔ جس طرح ان کے حقوق علیحدہ تسلیم کئے گئے ہیں، اس طرح ہمارے بھی کئے جائیں۔‘‘

ان بیانات کی روشنی میں یہ بات بالکل کھل کر سامنے آتی ہے کہ پہلے مسلمانوں نے قادیانیوں کو کافر سمجھنے کے باوجود آئینی طور پر انہیں اپنے سے الگ نہیں کیا قادیانی خود ہی مسلمانوں سے علیحدہ ہوئے اور مسلمانوں نے بہت مدت بعد انگریزوں کے ہندوستان چھوڑنے کے بعد قادیانیوں کے اس دیرینہ مطالبے کو پورا کیا ہے۔

اسے ایک اور جہت سے بھی دیکھئے۔ یہ بھی جانئے کہ کفر کے فتوے بھی پہلے مرزا غلام احمد کی طرف سے ہی چلے تھے۔ مرزا غلام احمد نے اپنے نہ ماننے پر مسلمانوں کو کہا کہ میں مسیح موعود اور مہدی معہود ہوں۔ میرا انکار کر کے کافر نہ بن جانا یہ پوری امت مسلمہ کو کفر کی چھتری میں گھیرنے کی ایک سازش تھی۔ مرزا غلام احمد نے یہ اعلان بقول خویش الہام خداوندی سے کیا تھا۔

’’فانا ذالک المظھر الموعود والنور المعھود فامن ولا تکن من الکافرین‘‘ (خطبہ الہامیہ ص۱۷۸، خزائن ج۱۶ ص۲۶۷)

(ترجمہ) سو میں وہ مظہر موعود ہوں اور نور معہود ہوں مجھ پر ایمان لا اور کافروں میں سے نہ ہو جانا۔

اس کا حاصل سوائے اس کے کیا ہے کہ میرے نہ ماننے والے سب کافر ہیں اور میرے نہ ماننے سے مسلمانوں کا اپنا کلمہ بیکار ہو جائے گا۔

پھر غلام احمد نے یہ بھی لکھا: ’’کافر کا لفظ مومن کے مقابل پر ہے اور کفر دو قسم پر ہے (اوّل) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام

حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے...... اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں......‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۷۹، خزائن ج۲۲ ص۱۸۵)

اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ مرزا غلام احمد کے نہ ماننے کی صورت میں حضور ﷺ کو رسول ماننا بالکل بے کار رہے گا۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے والد ابتداء میں مرزا غلام احمد سے متاثر تھے اور اس کے جو پیرو سیالکوٹ میں کام کرتے تھے، ان میں سے تھے۔ سمجھ آ جانے پر انہوں نے مرزا غلام احمد کو لکھا کہ میرا نام اپنی جماعت کے لوگوں میں سے کاٹ دیں۔ مرزا صاحب نے انہیں لکھا آپ کا نام اسلام سے ہی کاٹ دیا گیا ہے۔ مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

’’مرزا قادیانی نے انہیں لکھا، شیخ نور محمد سے کہہ دیں کہ وہ جماعت میں سے الگ نہیں بلکہ اسلام سے بھی الگ ہیں۔‘‘

(سیرت المہدی حصہ۳ ص۲۴۹ قدیم، سیرۃ المہدی ج۱ حصہ سوم ص۷۶۴ روایت نمبر۸۵۸ جدید)

اب آپ ہی بتائیں کہ اپنے نہ ماننے والوں کو اسلام سے نکالنے کے خدمت پہلے مرزا قادیانی نے ادا کی یا پہلے ڈاکٹر صاحب کے والد صاحب نے مرزا قادیانی کو کافر کہا تھا؟ پھر جب پٹیالہ کے ڈاکٹر عبدالحکیم مرزا قادیانی سے علیحدہ ہوئے تو انہیں بھی مرزا غلام احمد نے کافر اور مرتد لکھا۔

اب کہئے کہ کفر کے گولے پہلے کہاں سے چلنے شروع ہوئے؟ قادیان سے یا مسلمانوں کی طرف سے؟ اب قادیانیوں کا مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کہ انہوں نے ہمیں اپنے سے نکال کر کیوں ایک غیر مسلم اقلیت بنا دیا ہے، کہاں تک صحیح ہے؟ یہ فیصلہ آپ کریں۔

اسلامی عقیدے کے مطابق کوئی مسلمان ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا۔ انہیں آگ کی سزا گناہوں کے بدلے ہوگی۔ جن کو جہنم میں بوجہ کفر بھیجا جائے گا، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جہنم سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔ ’’وما هم بخارجين من النار‘‘ (البقرۃ:۱۶۷)

مرزا غلام احمد نے اپنے نہ ماننے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ سو انہیں یہ سزا کسی گناہ کی وجہ سے نہ دی جائے گی۔ مرزا قادیانی کے نہ ماننے کی وجہ سے انہیں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ مجھے خدا نے کہا ہے۔

’’جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا...... وہ جہنمی ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۷۵ معیار الاخیار)

’’ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ...... جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ۔ اس کا دشمن جہنمی ہے۔‘‘ (انجام آتھم ص۶۲، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

یہاں جہنمی کس کو کہا گیا ہے؟ جو مرزا غلام احمد پر ایمان نہ لائے اسے نہیں جو مرزا قادیانی سے کوئی خاص دشمنی رکھتا ہو۔

مرزا غلام احمد جب وبائی ہیضہ سے مرا تو حکیم نورالدین اس کا جانشین ہوا۔ اب اس کا عقیدہ بھی ملاحظہ کریں: ’’ایمان بالرسل اگر نہ ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہوسکتا اور اس ایمان بالرسل میں کوئی تخصیص نہیں عام ہے۔ خواہ وہ نبی پہلے آئے یا بعد میں آئے۔‘‘
(نہج المصلیٰ مجموعہ فتاویٰ احمدیہ ج۱ ص۲۷۵ بحوالہ اخبار الحکم ج۱۵ نمبر۸، مؤرخہ ۷؍مارچ ۱۹۱۱ء)

۲...... علیحدگی کی دوسری اینٹ نئے فرقے کے نام سے

مسلمانوں میں ۷۳ فرقوں کے نام سے ایک حدیث چلی آرہی تھی۔ قادیانی ان تہتر فرقوں میں کسی میں بھی نہیں آتے۔ یہ ۷۳ فرقے ایک امت میں ہوئے۔ لیکن قادیانی ایک نئی امت کے طور سامنے آئے ہیں۔ اس کے لئے آپ درج ذیل تفصیل کو سامنے رکھیں۔

۷۳ فرقوں میں ۷۲ گمراہ فرقوں کے بارے میں تو نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا آغاز کب کب ہوا، لیکن ان میں ایک فرقہ جسے حضورﷺ نے فرقہ ناجیہ بتلایا، وہ یقینی طور پر حضور اکرمﷺ اور صحابہ کرامؓ سے شروع ہو چکا تھا۔ وہ فرقہ ناجیہ کسی بعد کے وقت کی پیداوار نہیں بلکہ وہ فرقہ ناجیہ اس امت مسلمہ کا نقش اوّلین تھا، جس سے یہ امت آگے چلی اور ۷۲ گمراہ فرقے اس کے بعد اپنے اپنے وقت میں اٹھے۔ فرقہ ناجیہ کے بارے میں یہ قطعاً نہیں کہا جا سکتا کہ وہ آئندہ کسی دور میں پیدا ہوگا۔ گو گمراہ فرقے اپنے اپنے مختلف ادوار میں بعد میں اٹھتے رہے۔

قادیانی اس پر غور کریں کہ وہ فرقہ ناجیہ ہونے کے مدعی ہیں یا وہ ۷۲ گمراہ فرقوں میں سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ اپنے آپ کو فرقہ ہدایت میں سمجھتے ہوں گے۔ اب خود فیصلہ کریں کہ فرقہ ناجیہ جو حضورﷺ اور صحابہ سے شروع ہوا، اسے مابعد کے کسی

دور میں نیا فرقہ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ کسی طرح نہیں اب مرزا غلام احمد کے ان اعلانات پر غور کریں۔ مرزا قادیانی کے یہ اعلانات تبھی درست ہوسکتے ہیں کہ وہ اپنے پیروؤں کو اس پہلے سے چلی آنے والی امت کا ایک فرقہ...... سمجھتے ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے، وہ اپنے اس نئے فرقے کو ایک نئی امت کے طور پر سامنے لاتے ہیں۔ ان سے یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنے پیروؤں کو ۷۲ فرقوں میں سے ایک نیا فرقہ کہہ رہے ہوں۔ کیونکہ حضور ﷺ نے ان ۷۲ کے بارے میں صریح طور پر کہہ دیا تھا۔ ''**کلّھم فی النار**'' اب کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ مرزا قادیانی یہاں اپنی جماعت کے ناری ہونے کا اعلان کررہے ہیں؟ رہا فرقہ ناجیہ تو وہ پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اسلام کی پہلی صدیوں میں وہ کبھی ناپید نہیں ہوا، اسے کسی طرح نیا فرقہ نہیں کہا جاسکتا۔ مرزا غلام احمد گورنمنٹ برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی جماعت کو ایک نیا فرقہ لکھتا ہے۔ اسے غور سے پڑھیں۔

''چونکہ مسلمانوں کا ایک فرقہ جس کا پیشواء اور امام اور پیر یہ راقم ہے۔ پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں زور سے (یعنی حکومت برطانیہ کے ظل حمایت) پھیلتا جاتا ہے...... اس لئے میں قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدیدہ اور نیز اپنے تمام حالات سے جو اس فرقہ کا پیشواء ہوں حضور لیفٹیننٹ گورنر بہادر کو آگاہ کروں...... گورنمنٹ کا اول درجے کا وفادار اور جان نثار یہی نیا فرقہ ہے۔'' (تبلیغ رسالت حصہ ہفتم ص۷، ۱۳، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۸، ۱۵)

یہاں لفظ ''نیا فرقہ'' پر غور فرمائیں یہ ایک نئی امت کے آغاز کا اظہار ہے اور یہ قادیانیوں کے مسلمانوں سے علیحدہ ہونے کی دوسری اینٹ ہے۔ قادیانی ان ۷۳ فرقوں میں کسی کے ذیل میں نہیں آئے۔ ان تہتر کا ذکر امتی کے ذیل میں آتا ہے اور قادیانی تو اس امت سے باہر ایک نئی امت بنے ہیں۔

۳...... قادیانیوں کے پچھلے اسلام سے نکلنے کی تیسری اینٹ

قادیان کے کچھ لوگوں نے ۱۹۰۵ء میں چاہا کہ اقوام عالم کو اسلام کے اصول ومبانی اور توحید ورسالت کے دعوت حضور ﷺ کے نام سے دی جائے اور اس میں انہیں مرزا غلام احمد کی بیعت کا نہ کہا جائے اس کے لئے انہوں اخبار وطن میں ایک فنڈ قائم کرنے کا اعلان بھی کردیا۔ اس تجویز میں مولوی محمد علی لاہوری اور خواجہ کمال الدین پیش پیش تھے۔ مرزا قادیانی کو

اس کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور اپنے بغیر پہلے کے پورے اسلام کو ایک مردہ اسلام کہا۔ یہاں تک کہ ان لوگوں کو اپنا یہ پروگرام بند کرنا پڑا۔ مرزا قادیانی نے انہیں صریح لفظوں میں کہا کہ: ’’مجھ کو چھوڑ کر کیا مردہ اسلام پیش کرو گے۔‘‘ (الفضل قادیان ج۱۶ نمبر۳۲ ص۱۱ کالم نمبر۲، مؤرخہ ۱۹؍اکتوبر ۱۹۲۸ء) کی اشاعت میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مرزا غلام احمد پہلے سے ہی اپنے پیروؤں کو پہلے مسلمانوں سے کلی طور پر علیحدہ رکھنا چاہتا تھا۔ مرزا غلام احمد کا پہلے کے پورے اسلام کو مردہ کہنا اپنے آپ کو پہلے مسلمانوں سے کلیتاً علیحدہ کرنے اور ان سے پورے طور پر نکلنے کی ایک کھلی تجویز تھی۔ یہ ان کی امت مسلمہ سے علیحدگی کی تیسری اینٹ تھی۔ مسلمان ان سے اتنی تیزی سے جدا نہ ہو رہے تھے، جتنے یہ امت مسلمہ سے پورے طور کٹنے میں تیز جا رہے تھے۔

۴...... مرزا غلام احمد کی امت سے علیحدگی کی چوتھی اینٹ

مرزا قادیانی کو جب احساس ہونے لگا کہ ان کے خلاف صرف علماء ہی نہیں، عام مسلمانوں کے لئے بھی ان کے دعویٰ نبوت کا سننا، گو وہ کسی تاویل سے ہو، ناقابل برداشت ہو رہا ہے، تو انہوں نے بجائے اس کے کہ اپنے ان عقائد فاسدہ سے توبہ کریں، مسلمانوں سے اس طرح علیحدگی چاہی، جس طرح پتنگ کٹ کر اڑانے والے کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ پنجابی لوگ اسے پتنگ کی بوکاٹا کہتے ہیں اور اس کی مکانوں کی چھتوں سے آواز دی جاتی ہے۔ بوکاٹا...... بوکاٹا مرزا قادیانی نے اپنے اس اشتہار میں پہلے سے چلی آنے والی امت مسلمہ سے ایک ہمدردی ظاہر کی۔ لیکن اپنے آپ کو اپنی بوکاٹا کے نام سے پھر بھی مسلمانوں سے علیحدہ ہی رکھا جس طرح کٹا پتنگ اڑانے والے کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ مرزا قادیانی کی اس امت سے بوکاٹا کو ان کے اپنے ۳؍فروری کے اشتہار میں پڑھیں۔ آپ کو یہ اشتہار (تبلیغ رسالت حصہ دوم ص۹۴ تا ۹۶) میں ملے گا۔

۵...... مرزا قادیانی کی بوکاٹا...... امت سے علیحدگی کی پانچویں اینٹ

مرزا قادیانی کی رجع قہقری اپنی نبوت سے پیچھے ہٹنے کی بوکاٹا ملاحظہ فرمائیں۔ غلام احمد لکھتا ہے: ’’میرا اس بات پر ایمان ہے کہ ہمارے سید ومولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں۔ سو میں تمام مسلمان بھائیوں کی خدمت میں واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ ان

لفظوں سے ناراض ہیں اوران کے دلوں پر یہ الفاظ شاق ہیں، تو وہ ان الفاظ کو ترمیم شدہ تصور فرما کر بجائے اس کے محدث کا لفظ میری طرف سے سمجھ لیں۔ کیونکہ کسی طرح مجھ کو مسلمانوں میں تفرقہ اور نفاق ڈالنا منظور نہیں ہے۔ جس حالت میں ابتداء سے میری نسبت میں جس کو اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے۔ اس لفظ نبی سے مراد نبوت حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف محدث مراد ہے جس کے معنی آنحضرت ﷺ نے مکلّم کئے ہیں...... پھر مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کی دل جوئی کے لئے اس لفظ کو دوسرے پیرایہ میں بیان کرنے سے کیا عذر ہوسکتا ہے۔ سو دوسرا پیرایہ یہ ہے کہ بجائے لفظ نبی کے محدث کا لفظ ہر ایک جگہ سمجھ لیں اور اس کو (یعنی لفظ نبی کو) کاٹا ہوا خیال فرمالیں۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج۲ ص۹۵،۹۶ و مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۳۱۳،۳۱۴)

یہاں سے پنجاب میں پتنگ بازوں کے لئے بوکاٹا کی اصطلاح چلی۔ اس میں بظاہر تو مرزا غلام احمد نے دعویٰ نبوت سے رجوع کر کے لفظ محدث اپنایا اور اپنے دعویٰ نبوت کو حقیقی نبوت کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ اپنے دعویٰ نبوت کے مخالفین کو مسلمان کہا اور ان سے علیحدہ ہونے کو پسند نہ کیا۔ لیکن حالات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس مؤقف پر بھی آٹھ سال سے زیادہ نہ جم سکا اور بالآخر حضرت ٹیچی ٹیچی آپ پر وہ وحی لے کر اترے جو بارش کی طرح مرزا غلام احمد پر برسی اور مرزا قادیانی کو مجبوراً اپنے عقیدہ کو بدلنا پڑا اور انہوں نے اپنے اس بدلے عقیدہ کو پھر سے بدلا۔ مرزا غلام احمد اپنی اس نئی کروٹ میں پھر مسلمانوں سے پورے اختلاف پر آ گیا اور اب اسے مسلمانوں کی دل آزاری قطعاً ناگوار نہ ہوئی۔ یہ مرزا قادیانی کی مسلمانوں سے علیحدگی کی پانچویں اینٹ تھی۔ اس میں مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین کو مسلمان کہا، یہ تحریر گویا اپنے غیر مسلم ہونے پر ایک کھلی رضامندی کا اظہار تھا۔ پھر اب رونا کس بات کا؟

قادیانیوں نے مرزا قادیانی کی ۱۹۰۱ء سے پہلی تصنیفات کو منسوخ قرار دیا ہے اور مرزا قادیانی نے ایک غلطی کا ازالہ لکھ کر ان تمام عقیدوں کو پھر سے اختیار کیا۔ جن سے وہ آٹھ سال پہلے رجوع کر گئے اور اپنے دعوے نبوت پر بوکاٹا کے کتبے لگوا رہے تھے۔

اب ان کی مسلمانوں سے کھلی بوکاٹا ہوگئی اور مرزا غلام احمد کے بیٹوں مرزا بشیر الدین محمود اور مرزا بشیر احمد ایم اے نے قادیانیوں کو امت مسلمہ کے مقابل ایک بالکل نئی امت قرار دیا۔ اس سے ان کے کئی پرانے ساتھی جیسے مولوی محمد علی لاہوری اور خواجہ کمال

الدین اور عبدالرحمٰن مصری ان سے کٹ گئے۔ اب آپ مرزا غلام احمد کے بیٹوں کے مندرجہ ذیل تحریرات ملاحظہ فرمائیں۔

۶ ...... قادیانیوں کی مسلمانوں سے مکمل علیحدگی کی چھٹی اینٹ

مرزا غلام احمد کے دوسرے جانشین بشیرالدین محمود لکھتے ہیں: ''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیراحمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خداتعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں۔''

(انوار خلافت ص۹۰، انوار العلوم ج۳ ص۱۴۸)

اب مرزا قادیانی کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد کا یہ بیان بھی پڑھیں: ''ہر ایک شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد ﷺ کو نہیں مانتا یا محمد ﷺ کو مانتا ہے پر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ صرف کافر بلکہ پکا کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔'' (کلمۃ الفصل ص۱۱۰)

اس پس منظر میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ قادیانی لوگ مسلمانوں کے عقیدہ ختم نبوت کو اس یقینی درجے کا عقیدہ اسلام نہیں سمجھتے، جس کا منکر یا مؤل کافر ہوتا ہو۔ جب کہ مسلمانوں کے ہاں یہ عقیدہ بقول حضرت امام غزالی اس درجہ میں قطعی اور یقینی ہے کہ اس میں ہرگز کسی تخصیص یا تاویل کوئی راہ نہیں ملتی۔ یہی عقیدہ مرزا قادیانی کا عقیدہ پہلے تھا اور انہوں نے برملا اس کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا۔

ہست او خیر الرسل خیر الانام ہر نبوت را بروشد اختتام

(ضمیمہ سراج منیر ص ح، خزائن ج۱۲ ص۹۵)

جب مرزا قادیانی نے اپنی وحی سے اپنے اس عقیدے کو بدلا تو اب ان پر حکم اسلام بھی بدل گیا اور وہ مسلمانوں سے نکل کر کھلے کافروں کی صف میں چلے گئے۔ اب ان سے مسلمانوں کا نہ کوئی دینی رشتہ رہا نہ دنیوی، نہ ہماری اور ان کی ایک نماز رہی اور وہ من صلی صلوتنا کے اسلامی نشان وحدت سے ہم سے نکل گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو رشتہ دینے سے مذہبی بنیادوں پر انکار کیا اور وہ مسلمانوں سے دنیوی رشتہ سے بھی نکل گئے۔

ان بیانات کے بعد مسلمان بھی ان کے خلاف پوری طرح بیدار ہوگئے اور نصف

صدی تک ان کے علیحدہ اسلام کے متفقہ فتاوے سے ان سے نکاح اور ذبیحہ میں بچتے رہے۔ کتنی خواتین اسلام ہیں جنہوں نے قادیانی ہونے والے خاوندوں سے اپنے نکاح فسخ کرائے اور پھر یہ دور بھی آیا کہ مختلف اسمبلیوں اور عدالتوں میں انہیں اپنے اسلامی تحفظ کے لئے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔ تاہم اس سے ان کو یہ رعایت مل گئی کہ ان پر مرتدین کی سزا نافذ نہ کی گئی۔ کیونکہ ان کا ارتداد ایک اسلامی حکومت میں وجود میں نہ آیا تھا۔ یہ ایک انگریزی سلطنت کے سائے میں اٹھے تھے اور اپنے دعوے میں وہ ایمان کے دائرہ سے نہ نکلے تھے۔ اس وقت کے علماء کا ایک اجتہاد تھا جس سے انہیں ایک اقلیت کا تحفظ فراہم کیا گیا اور اس میں ایک حکمت یہ تھی کہ جب ان قادیانیوں کی اگلی نسلیں اس صورت حال کو دیکھ پائیں گی کہ مرزاغلام احمد کے مسیح موعود ہونے کے دعوے سے دنیا وہ نتائج دیکھ نہ پائی جو مسیح کی آمد ثانی پر موعود اور متوقع تھے۔ (جیسے کسر صلیب اور عام مذاہب کا ایک مذہب میں آجانا وغیرہ) تو اب ان قادیانیوں کی نئی نسلیں شاید پھر سے اپنی مرکزیت parent body کی طرف واپس لوٹ سکیں۔

اپنے ان بچھڑے ہوئے عزیزوں کو پھر سے اسلام پر لانے کے لئے ہم قادیانیوں کے وجوہ کفر کو آگے کفر کے مباحث میں کچھ اور نمایاں کریں گے۔ ان امور کا وجوہ کفر ہونا، ان علمی قواعد کی رو سے ہے، جنہیں ہم پہلے مدلل اور مبرہن طور پر اس کتاب میں آپ کے سامنے لاچکے ہیں۔ ان کا وجوہ کفر ہونا، ان دلائل کی رو سے جو ہم پہلے آپ کے سامنے لاچکے ہیں۔ اب کسی طبع سعید پر مخفی نہ رہا ہوگا۔ ان کفریات کو آپ مرزاغلام احمد اور اس کے جانشینوں کی ان تحریرات میں دیکھیں۔ اس سے آپ اسلام کے اس قطعی اور یقینی مؤقف پر آسانی سے آسکیں گے کہ جو قادیانی خود دائرہ قادیانیت میں آئے، وہ شرعاً مرتد ہیں اور ان کے احفاد واولاد جن پر اسلام کا کوئی لمحہ نہیں گزرا، وہ اپنے ان قادیانی نظریات وعقائد کی وجہ سے مرتد نہیں۔ وہ ملحد اور زندیق ہیں اور کفر بہرحال کفر ہے، گو وہ کسی راہ سے آئے۔

دیوبند میں جب حضرت مولانا انورشاہ صاحب نے اکفار الملحدین (عربی) تالیف کی تو آپ نے قادیانیوں کی کفریات کو یکجا کرنے کے لئے مناظر اسلام مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کو کہا اور ان کا عربی ترجمہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے کیا یہ تحریرات اکفار الملحدین کے آخر میں درج ہیں۔ ان سے پوری دنیا میں

قادیانیوں سے نقاب دجل اٹھا۔

اب ہم انہی کی روشنی میں اپنی ترتیب سے ان کے چند وجوہ کفر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان سے پتہ چلے گا کہ مسلمانوں نے انہیں اپنے کسی پہلے عناد کی وجہ سے کافر نہیں کہا بلکہ یہ ایک ایسی تصویر ہے، جو انہیں ان کی اپنی ہی تحریرات سے براہ راست ملی ہے۔

قادیانیوں کے وجوہ کفر جن میں سے کوئی ایک بھی کسی مدعی اسلام میں پائی جائے تو اس کا چہرہ بے نقاب ہو جاتا ہے۔ سو قادیانی اب وہ کسی معرض خفا میں نہیں رہے ہیں۔ چہ جائیکہ یہ پانچوں وجوہ مرزاغلام احمد کے قادیانی پیروؤں میں پوری صراحت سے پائے جاتے ہیں۔ رہا ان کا لاہوری فرقہ تو ان میں بھی ان پانچ وجوہ کفر میں سے چار تو بہر صورت ان کے چاروں طرف موجود ہیں۔

قادیانیوں کے متفق علیہ وجوہ کفر

اب ان کے مندرجہ بالا پانچ وجوہ کفر ملاحظہ فرمائیں:

۱...... چودہ سو سال سے چلی آنے والی امت مسلمہ کی تکفیر۔

۲...... چودہ سو سال سے چلے آنے والے عقیدہ ختم نبوت میں ترمیم۔

۳...... مرزاغلام احمد کا تمام انبیاء کرام سے افضل ہونے کا دعویٰ۔

۴...... حضرت عیسیٰ بن مریم کی شان میں ایمان سوز بدگوئی۔

۵...... حضرت عیسیٰ بن مریم کے سولی چڑھنے کا عقیدہ۔

۱...... مرزاغلام احمد قادیانی کا پہلا کفر

اس امت کے آخری امت ہونے کا عقیدہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے چلا آرہا تھا۔ حضرت ابوامامۃ الباہلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ’’انا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم‘‘ (سنن ابن ماجہ ص۲۹۷، باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ ابن مریم)

آنحضرت ﷺ کو حضرت جبریل امین نے معراج کی رات بشارت دی تھی کہ اگر آپ کا ہاتھ شراب کے پیالہ پر پڑتا تو آپ ﷺ کی امت آپ کے بعد بہک جاتی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات دو ڈھکے برتن میرے سامنے لائے گئے اور مجھے کہا گیا۔ ان میں سے جس پر چاہیں ہاتھ رکھیں۔

’’اتیت بانائین احدھما لبن والآخر فیه خمر فقیل لی خذ ایھما شئت فاخذت اللبن فشربته فقیل لی ھدیت الفطرة او اصبت الفطرة اما انک لو اخذت الخمر غوت امتک‘‘ (صحیح بخاری ج۱ص۴۸۹، باب واذکر فی الکتاب مریم، صحیح مسلم ج۱ص۹۴ باب الاسراء برسول اللہ ﷺ، جامع الاصول ج۴ص۳۶، الفصل الثالث)

اس سے پتہ چلا حضور اکرم ﷺ کی یہ امت قیامت تک حضور ﷺ کے دین پر رہے گی۔ حضرت جبرئیل کا یہ کہنا کہ اگر آپ کا ہاتھ شراب کے پیالے پر آ لگتا تو آپ کی امت آپ کے بعد بہک جاتی۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آپ کی امت آپ کے بعد اب عمومی پیرائے میں کہیں نہ بہکے گی۔ اس امت کے دنیا کے فناء ہونے تک حق پر رہنے کا عقیدہ متواترات اسلام میں سے ہے۔ عقیدہ تضلیل امت اور عقیدہ تسلسل امت میں ہم پہلے بھی اس پر کچھ ضروری بحث کر آئے ہیں۔

اب دیکھئے کہ غلام احمد اور اس کے بیٹوں نے اپنے ماننے والوں کو چھوڑ کر کس بے دردی سے اس پوری امت کی تکفیر کی ہے اور اب جب کہ مرزا غلام احمد کو دنیا سے گئے۔ ایک پوری صدی کنارے پر آن لگی ہے۔ مرزا غلام احمد کی امت اس امت مسلمہ کا (جو قادیانیوں کی بھی parent body ہے) ایک فیصد بھی نہیں بن سکی بلکہ ایک فیصد کے بیسویں حصے کو بھی نہیں پہنچ سکی۔

قادیانیوں کی اس امت کے خلاف یہ جارحانہ کارروائی اس بناء پر نہیں ہوئی کہ اس امت کے علماء نے مرزا غلام احمد کو کافر کہا ہے، بلکہ اس لئے ہوئی کہ (بقول قادیانیوں کے) اس امت مسلمہ نے مرزا غلام احمد ایک مامور من اللہ ہونے کا انکار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کے انکار سے تو واقعی کوئی مسلمان نہیں رہ پاتا۔

اب کھلے دل سے قادیانیوں کا مسلمانوں کے خلاف یہ الزام ملاحظہ فرمائیں:

۱...... مرزا غلام احمد کی آخری تصنیفات میں براہین احمدیہ حصہ پنجم ایک نہایت اہم کتاب ہے۔ اس میں غلام احمد لکھتا ہے: ’’انہی دنوں میں آسمان سے ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی جائے گی اور خدا اپنے منہ سے اس فرقہ کی حمایت کے لئے ایک کرناء بجائے گا اور اس کرناء کی آواز پر ہر ایک سعید اس فرقہ کی طرف کھنچ آئے گا۔ بجز ان لوگوں کے جو شقی ازلی ہیں جو دوزخ کے بھرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔‘‘ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۲،۸۳، خزائن ج۲۱ص۱۰۸،۱۰۹)

’’خدا نے ہی یہی ارادہ کیا ہے کہ جو مسلمان مجھ سے علیحدہ رہے گا، وہ کاٹا جائے گا۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۴۱۶)

اب کہئے مسلمانوں کو صف اسلام سے نکالنے کی پہل کس نے کی ہے؟ کیا مسلمانوں کو اس لئے کافر کہا گیا کہ ان کے علماء مرزا غلام احمد کو کافر کہتے ہیں یا اس لئے کہ وہ ایک مامور من اللہ (یعنی مرزا غلام احمد) کا انکار کرتے ہیں؟ اب آپ ہی بتلائیں کہ مرزا طاہر کا یہاں اس حدیث کو لانا کہ کوئی مسلمان جب دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے قادیانی امت مسلمہ کو کافر کہتے ہیں۔ کیا یہ ایک راہ دجل نہیں ہے؟ معلوم ہوا کہ صرف متنبّی ہی دجال نہیں ہوتا۔ اس کے پیرو بھی اس کی جماعت میں دجل کی راہ چلتے ہیں۔ اگر حضورﷺ کے بعد کسی اور پیغمبر کی بعثت مقدر ہوتی تو آپﷺ یہ نہ فرماتے حضرت عبادہ بن الصامتؓ کہتے ہیں: میں نے حضور اکرمﷺ کو کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور اکرمﷺ کی رسالت کی گواہی دینے والا کبھی جہنم میں نہ جائے گا۔

’’من شهد ان لا الٰه الا الله وان محمدا رسول الله حرم الله عليه النار‘‘ (رواہ مسلم ج۱ ص۴۳ باب من لقی اللہ بالایمان)

(ترجمہ) جس نے گواہی دے دی کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ حضورﷺ اللہ کے رسول ہیں خدا نے جہنم کی آگ حرام کر دی۔

اس حدیث میں اسلام کا اصل کلمہ یہ بتایا گیا ہے۔ سو اب کوئی آسمانی اور کلمہ نہ ہو سکے گا۔ ’’لا اله الا الله محمد رسول الله‘‘ ہی کلمہ اسلام ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آخرت میں جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے کہیں یہ شرط نہیں کہ وہ مرزا قادیانی کو مانتا ہو، صرف حضورﷺ کی رسالت کا اقرار جہنم سے بچنے رہنے کے لئے کافی ہے۔

دوسرے مسلمان کو کافر کہنے سے، کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے

یہ حدیث انفرادی تکفیر کے بارے میں ہے، جو اپنے بھائیوں میں بطور گالی ہو۔ یہ اس قومی تکفیر کے بارے میں نہیں جس میں ایک جماعت کسی دوسری جماعت کو کافر کہے۔ اس بڑے پیمانہ تکفیر میں تکفیر کی وجوہ اختلاف عقائد سے ابھرتی ہیں۔ اس انفرادی طور کلام سے

مرتدین یا ملحدین کی کسی جماعت کو فتویٰ کفر سے نہیں بچایا جا سکتا۔ قادیانی جب خود ہمارے دائرہ اخوت سے نکل گئے تو اب انہیں اس حدیث کی چھتری میں آنے کا کوئی حق نہیں رہتا۔
اس حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے اور مرزا طاہر کے دجل کی داد دیجئے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**ایما رجل قال لاخیه کافر فقد باء بها احدهما**'' (بخاری ج۸ص۲۶ باب من کفر اخاه بغیر تاویل، الشامله)
(ترجمہ) جس کسی نے اپنے (مسلمان) بھائی کو کافر کہا تو ان دو میں سے ایک تو ضرور کفر میں آ گیا۔
یہاں اخیہ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ بات ایک دائرہ اخوت میں کہی جا رہی ہے۔ جیسے کوئی اپنے بھائی کو گالی دے۔ خطیب تبریزی نے اس پر یہ باب باندھا ہے۔
''**حفظ اللسان والغیبة والشتم**'' (مشکوٰۃ ص۴۱۱)
اس سے پتہ چلا کہ اس طرح کسی کو کفر کہنا غیبت اور گالی دینے کے قبیل سے ہے۔ اعتقادی پہلو سے نہیں جس نے کسی کو گالی دی وہ گناہ گار ہوا۔ یہ گالی اس پر لوٹے گی۔ اسے اعتقاداً کافر نہیں ٹھہرایا جا سکے گا۔
حضرت ابوذرؓ کی روایت میں خود حضور ﷺ سے یہ الفاظ صحیح بخاری میں ملتے ہیں: ''**لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک**'' (رواہ البخاری ج۸ص۱۵، باب ما ینهی من السباب واللعن شامله)
(ترجمہ) کوئی شخص کسی دوسرے پر فسق کا نشانہ نہ لگائے اور نہ اسے کافر کہے، اگر وہ جس پر یہ الزام دہرایا جا رہا ہے فاسق یا کافر نہ ہو تو یہ الزام خود کہنے والے پر ہی لوٹے گا۔
سو اس میں کوئی شک نہیں کہ قادیانیوں کا مسلمانوں کو کافر کہنا، اس لئے نہیں کہ مسلمان علماء نے غلام احمد کی تکفیر کی۔ بلکہ اس لئے ہے کہ ان کے عقیدے میں امت مسلمہ ایک مامور من اللہ (مرزا غلام احمد) کے انکار سے کافر ہو گئی ہے۔ **استغفر اللہ العظیم!**
مرزا غلام احمد کے پہلے جانشین حکیم نورالدین نے بھی اسی بات کو دہرایا کہ سب مسلمان جہنم میں جائیں گے، سوائے ان کے جو قادیانی ہوئے۔
حکیم نورالدین لکھتا ہے: ''اگر خدا کا کلام سچ ہے تو مرزا قادیانی کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔'' (اخبار بدر قادیان ج۱۲ نمبر۲ کالم نمبر۱، مؤرخہ ۱۱ر جولائی ۱۹۱۲ء)

مرزا غلام احمد نے یہ بات بھی خدا کے نام سے کہی: ’’جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا جہنمی ہے۔‘‘ (اشتہار معیار الاخیار ۲۵/ مئی ۱۹۰۰ء، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۲۷۵)

مرزا قادیانی نے خود اپنی جماعت کو مسلمانوں سے الگ کیا

مرزا غلام احمد کا بیٹا مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: ’’کیا مسیح ناصری نے اپنے پیروؤں کو یہود بے بہبود سے الگ نہیں کیا۔ کیا وہ انبیاء جن کی سوانح کا علم ہم تک پہنچا ہے اور ہمیں ان کے ساتھ جماعتیں بھی نظر آتی ہیں، انہوں نے اپنی جماعتوں کو غیروں سے الگ نہیں کیا؟ پس اگر حضرت مرزا قادیانی نے بھی جو کہ نبی اور رسول ہیں اپنی جماعت کو منہاج نبوت کے مطابق غیروں سے الگ کر دیا تو نئی اور انوکھی بات کون سی کی۔‘‘

(اخبار الفضل قادیان ج۵ نمبر ۶۹، ۷۰ ص۳ کالم نمبر۳، مؤرخہ ۲۶/ فروری، ۲/ مارچ ۱۹۱۸ء)

مرزا بشیر الدین محمود نے بھی یہاں وہی بات کہی جو اس سے پہلے مرزا غلام احمد اور حکیم نورالدین کہہ گئے تھے: ’’کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔‘‘

(آئینہ صداقت ص۳۵، انوار العلوم ج۶ ص۱۱۰)

ایک قادیانی طالب علم عبدالقادر نے مرزا بشیر الدین محمود سے اپنے ایک انٹرویو کی اس طرح رپورٹ دی۔

’’خاکسار: کیا یہ صحیح ہے کہ آپ غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔

خلیفہ قادیان: ہاں! یہ درست ہے۔

خاکسار: اس تکفیر کی بناء کیا ہے؟ کیا وہ کلمہ گو نہیں ہیں؟

خلیفہ: بے شک وہ کلمہ گو ہیں لیکن ہمارا اور ان کا اختلاف فروعی نہیں اصولی ہے۔ مسلم کے لئے توحید پر، تمام انبیاء پر، ملائکہ پر، کتب آسمانی پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو ان میں سے ایک بھی نبی اللہ کا منکر ہو جائے وہ کافر ہو جاتا ہے...... غیر احمدی مرزا قادیانی کی نبوت کے منکر ہو کر کفار میں شامل ہیں۔‘‘

(اخبار الفضل قادیان ج۱۰ نمبر ۹۹ ص۸، کالم نمبر۳، مؤرخہ ۲۱/ جون ۱۹۲۳ء)

ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ قادیانی روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو وہ امریکہ کے ہوں یا کینیڈا کے، یوکے کے ہوں یا فرانس کے، سری لنکا کے ہوں یا برما کے، پاکستان کے ہوں یا ہندوستان کے یکسر کافر سمجھتے ہیں۔ امت مسلمہ کی اس تھوک تکفیر پر وہ خود ہی دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے اور عقیدہ تضلیل امت پر آ گئے ہیں اور یہ عقیدہ خود کفر ہے۔

۲...... چودہ سو سال سے چلے آنے والے عقیدہ ختم نبوت میں ترمیم

خدا کے بھیجے دین کو بدلنا اور ضروریات دین میں تاویل کرنا اور انہیں اس کے ظاہر سے پھیر دینا، یہ کفر ہے۔ قادیانی اس تھوک تحریف دین سے بھی کفر کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس لئے بھی وہ کافر اور امت مسلمہ سے خارج ہیں۔

آیت: ''خاتم النّبیین'' اور حدیث: ''لا نبی بعدی'' عام ہیں۔ قادیانیوں نے ان میں تخصیص پیدا کی۔ یہ قرآن اور حدیث میں ایک کھلی تحریف ہے۔ انہوں نے ان میں یہ تخصیص پیدا کی کہ ختم نبوت کی بعد نئی شریعت والا پیغمبر تو واقعی کوئی نہیں آ سکتا۔ لیکن تابع شریعت محمدی نبی پیدا ہوسکتا ہے۔ یہ تخصیص دین کی اصل بات کا انکار ہے اور یہ انکار بلاشبہ تحریف دین ہے، جس کا مرتکب کسی طرح اسلام میں نہیں رہ سکتا اور اس پر اسلام کی چودہ سو سالہ شہادت موجود ہے۔

حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ) فرماتے ہیں: ''**لیس فیه تأویل ولا تخصیص**'' (الاقتصاد فی علم الاعتقاد ج۱ ص۱۳۷ باب بیان من یجب تکفیرہ من الفرق)

پھر ساڑھے چار سو سال بعد آپ علامہ ابن نجیم (۹۶۹ھ) سے بھی یہی سنیں گے کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری نبی ہونا ضروریات دین میں سے ہے اور یہ ہماری دین کی پہچان ہے۔ جس کا جاننا اور ماننا ہر مسلمان کے لئے ضروری اس میں اب کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ یہ ضروریات دین میں سے ہے۔

''**اذا لم یعرف ان محمدا ﷺ آخر الانبیاء فلیس بمسلم لانه من الضروریات**'' (الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ص۲۹۶)

(ترجمہ) جب کسی نے یہ نا مانا کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے ہے۔

ظاہر ہے کہ ضروریات دین میں تاویل جو کسی حکم کو بدل دے وہ تاویل فاسد کسی کو اس پر لازم آنے والے کفر سے بچا نہ سکے گی۔ شیخ اکبر علامہ ابن العربی (۶۳۸ھ) جو خود تاویلات کے بادشاہ ہیں۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ نصوص قطعیہ میں تاویل فاسد ان کے انکار کے برابر ہے۔

''التاویل الفاسد کالکفر''

(فتوحات مکیہ ج۲ ص۶۴۸ باب نمبر۲۸۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصر)

(ترجمہ) وہ تاویل جو مراد کلام کو بدل دے وہ اس طرح ہے۔ جیسے کوئی اس معنی مراد کا ہی منکر ہو۔

گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) بھی یہی کہتے ہیں کہ اہل قبلہ بھی جب ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کریں۔ (گو وہ انکار کسی تاویل کی راہ سے ہو) تو اس سے ان پر وارد ہونے والے حکم تکفیر کو روکا نہیں جا سکتا۔

بارھویں صدی کے حضرت شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ) آیت: ''خاتم النّبیین'' اور حدیث: ''لا نبی بعدی'' کے بارے میں شرح فرائد میں لکھتے ہیں: ''اجمعت الامۃ علیٰ ابقاء ھذا الکلام علیٰ ظاھرہ'' (شرح فرائدص اکفار الملحدین ص۴۴ مطبوعہ دہلی)

(ترجمہ) تمام امت اس کلام کو اپنے ظاہر پر رکھنے پر متفق ہے۔

اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں آپ کو ایک مقتدر عالم بھی ایسا نہ ملے گا جس سے آپ یہ سن پائیں گے کہ اسلام میں عقیدہ ختم نبوت ضروریات دین میں سے نہیں ہے یا یہ کہ ضروریات دین میں بھی کسی تاویل کو راہ دی جا سکتی ہے۔ یہ دو ایسی باتیں ہیں جن کے باعث قادیانیوں کو یقینی طور پر اسلام سے خارج کئے بغیر بقاء اسلام کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

۳...... حضور ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے کا عقیدہ قطعیات اسلام میں سے ہے

تمام انبیاء کرام نفس نبوت میں ایک جیسے ہیں لیکن یہ بات بھی قطعی ہے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

''تلک الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض'' (البقرۃ:۲۵۳)

اور یہ بات بھی تواتر قدر مشترک سے ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ تمام بنی نوع انسان سے افضل ہیں۔ بعض حضرات نے آپ کی اس علوشان کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ نفس نبوت سے موصوف بالذات ہیں اور دیگر سب انبیاء وصف نبوت سے موصوف بالعرض یہ عرض نبوت ہے۔ اسے عارضی نہ سمجھا جائے۔ کسی نبی کو عارضی طور پر نبوت ملے، اس کی اسلام میں کوئی صورت نہیں ہے۔ بس اسے یوں سمجھیں کہ سب انبیاء کو نبوت حضور کے فیض سے ملی۔ پر آپ کی نبوت کسی دوسرے نبی کے افاضہ سے نہیں، اسے حقیقت محمدیہ کی جہت سے بھی مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ تاہم آپ کے سراج منیر ہونے، سید المرسلین ہونے، خاتم النّبیین ہونے اور رحمۃ للعالمین ہونے سے کسی جہت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مرزا غلام احمد کہتا ہے کہ: ’’آسمان سے (انبیاء کرام کے) کئی تخت اترے پر تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔‘‘ (تذکرہ ص۵۴۹، طبع چہارم)

کیا یہ سب انبیاء کرام سے افضل ہونے کا دعویٰ نہیں؟ جب ہر چیز پر اسے ہی چنا گیا تو کیا یہ حضور اکرم ﷺ کے بھی افضل ہونے کا دعویٰ نہیں؟ ’’اثرک اللہ علیٰ کل شئی‘‘ خدا نے تجھے ہر ایک چیز میں سے چن لیا...... تجھے ہر ایک پر ترجیح دی۔‘‘

(تذکرہ ص۵۴۹، طبع چہارم)

یہ مرزا قادیانی کا دعویٰ ہر ایک پر برتری پانے کا ہے یہ جو اس نے کہا کہ میرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا۔ یہ کل نبیوں پر سبقت لے جانے کا دعویٰ ہے اور حضور ﷺ کے سب سے افضل اعلیٰ اور اولیٰ ہونے کا انکار ہے۔

۲...... غلام احمد نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نبیوں میں سے کسی سے کم نہیں۔ یہ بظاہر تو ان کی برابری کا دعویٰ ہے۔ لیکن یہ سطور بتلارہی ہیں کہ ان میں بھی اپنی سبقت سب پر جتلائی جارہی ہے۔

مرزا غلام احمد لکھتا ہے۔ دیکھئے (نزول مسیح ص۹۹، خزائن ج۱۸ ص۴۷۷،۴۷۸)

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے — من بعرفان نہ کمترم ز کسے
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقیں — ہر کہ گوید دروغ ہست لعین
آنچہ داد است ہر نبی را جام — داد آں جام را مرا بتمام

(ترجمہ) پیغمبر اگرچہ بہت ہوئے لیکن میں اللہ کو پہچاننے میں ان میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ میں ان سب سے یقیناً کم نہیں ہوں جو یہ جھوٹ کہے وہ لعنت کے لائق ہے۔

ہر نبی کو اللہ نے ایک ایک جام دیا ہے اور مجھے اس نے وہ سارے جام دے دئے۔

پہلے دو شعروں میں ان انبیاء کرام علیہم السلام سے برابری کا دعویٰ کیا ہے اور تیسرے شعر میں اس نے ان سب سے آگے بڑھ کر سب پیالے پی لئے۔ یہ وہی دعویٰ سبقت ہے جو پہلے اس طرح کیا گیا ہے کہ میرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا ہے۔ یہ سب انبیاء سے افضل ہونا کس کا مقام تھا؟ حضور ﷺ کا۔ اب یہ اپنے دعویٰ میں حضور کے برابر آ لگا ہے۔ اس کے بعد اس کا حضور ﷺ کے اپنے نام پر قبضہ کرنا، کیا کسی طرح بھی کسی مسلمان کے لئے قابل سماعت ہوسکتا ہے؟

مرزا غلام احمد کا حضور ﷺ کے نام پر قبضہ کرنا (معاذ اللہ)

’’وہ مکالمات الٰہیہ جو براہین احمدیہ میں شائع ہوچکے ہیں، ان میں سے ایک یہ وحی اللہ ہے: ’’**ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ**‘‘ اس میں صاف طور پر اس عاجز کو رسول کہہ کر پکارا گیا ہے۔‘‘

(تبلیغ رسالت ج۱۰ ص۱۴، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۴۳۱)

پھر یہ سنئے: ’’اس وحی الٰہی میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی پھر یہ وحی اللہ ہے۔ ’’**محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم**‘‘

(تبلیغ رسالت ج۱۰ ص۱۴، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۴۳۲)

(ترجمہ) اور کئی جگہ رسول کے لفظ سے اس عاجز کو یاد کیا گیا ہے۔

پھر آگے یہ بھی لکھا ہے: ’’باجود اس شخص کے دعویٰ نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا، پھر بھی سیدنا محمد خاتم النّبیین ہی رہا۔ کیونکہ یہ محمد ثانی اسی محمد ﷺ کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۴۳۴)

مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تو ہی اس آیت کا مصداق ہے کہ: ’’**ھو الذی ارسل رسولہ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ**‘‘

(اعجاز احمدی ص۷، خزائن ج۱۹ ص۱۱۳)

حضور ﷺ سے براہ راست افضل ہونے کی بڑ

وہ اعجاز احمدی میں اس طرح حضور ﷺ کے مقابلے میں آتا ہے: ’’**لہ خسف**

القمر المنیر وان لی غسا القمران المشرقان اتنکر‘‘

(اعجاز احمدی ص۷۱، خزائن ج۱۹ ص۱۸۳)

(ترجمہ) حضورﷺ کے لئے تو صرف چاند کے خسوف کا نشان ظاہر ہوا اور میرے لئے چاند اور سورج دونوں کو گرہن لگا گیا تو اب بھی (میری افضلیت کا) انکار کرے گا؟

کیا یہ حضورﷺ سے بڑھنے کا دعویٰ نہیں۔ اب کیا اب بھی اس کے کفر میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟

حضورﷺ کے تشخص کو ختم کرنے کا کفر

مسلمان جب کلمہ میں محمد رسول اللہ کہتے ہیں تو ان کے دل ودماغ میں یہ اسی شخصیت کی نبوت کا اقرار ہے جو عرب (مکہ) میں پیدا ہوئے، جو نوعی طور پر انسان تھے، حضرت آمنہ سے پیدا ہوئے۔ ان پر قرآن کریم اترا۔ انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور ان کا روضہ مبارک مدینہ میں ہے جو ان تشخصات میں سے کسی بات کا انکار کرے، اسے یہ کلمہ اسلام پڑھنے والا تسلیم نہ کیا جائے گا، نہ کہا جاسکے گا، وہ محمد رسول اللہﷺ کو مانتا ہے۔

مرزاغلام احمد نے اپنے لئے حضور اکرمﷺ کی دوسری بعثت تجویز کر کے اپنے آپ کو حضورﷺ کا ہی بروز قرار دیا ہے اور پھر اپنے پیروؤں کو اس بات کی تعلیم دی کہ حضورﷺ اپنی اس دوسری بعثت میں اپنی عرب کی بعثت سے بڑھ کر ہیں۔ اب آپ ہی سوچیں کہ کیا اس شخص کے لئے جو مرزاغلام احمد کو محمد رسول اللہ نہیں مانتا۔ اس نے اپنے آپ کو حضورﷺ پر سبقت لے جانے والا نہیں کہا؟ کیا یہ مرزاغلام احمد کو حضورﷺ سے افضل کہنے کا کلمہ کفر نہیں ہے؟

قادیانیوں کے اس کفر کو ان کے اس اعلان میں ملاحظہ کریں۔ یہ اعلان مرزاغلام احمد (۱۹۰۸ء) کی زندگی میں ۱۹۰۶ء میں ہوا اور مرزاغلام احمد پوری زندگی اسے جھوم جھوم کر سنتے رہے۔

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں ... اور آگے سے بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل ... غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(اخبار البدر قادیان ج۲ نمبر۴۳ ص۱۴، مؤرخہ ۲۵؍اکتوبر ۱۹۰۶ء، پیغام صلح لاہور ۱۴؍مارچ ۱۹۱۶ء)

مرزا غلام احمد اپنی اس فتح پر اتنا مغرور تھا کہ اس نے اپنے تمام مخالفین کے بارے میں یہ ناپاک کلمات کہے: ’’جو شخص ہماری فتح کا قائل نہیں ہوگا تو صاف سمجھا جائے گا کہ اس کو ولدالحرام بننے کا شوق ہے۔‘‘ (انوارالاسلام ص۳۰، خزائن ج۹ ص۳۱)

۱...... ان تصریحات کے ہوتے ہوئے جو شخص مرزا غلام احمد کو پیغمبر نہ مانے لیکن اسے اور اس کے پیروؤں کو پھر بھی صف اسلام میں جگہ دے اور قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت نہ مانے اس کے بارے میں بقول مرزا غلام احمد اس کے سواء کیا کہا جاسکے گا کہ اس کو ولدالحرام بننے کا بہت شوق ہے۔

۴......مرزا غلام احمد کی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے بارے میں بدگوئی

حضرت عیسیٰ بن مریم ان عظیم پیغمبروں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے کتاب دی اور انہیں ایسے روشن معجزات دئے کہ ان کی مثال پہلے پیغمبروں میں بہت ہی کم ملے گی۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ’’**واٰتینا عیسٰی بن مریم البیّنات وایدناہ بروح القدس**‘‘ (البقرۃ:۲۵۳)

(ترجمہ) اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات دیئے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: ’’**انی اولٰی الناس بعیسٰی ابن مریم لانہ لم یکن بینی وبینہ نبی وانہ نازل**‘‘

(مسند احمد ج۱۵ ص۱۵۴ حدیث نمبر۹۲۷۰ واللفظ لہ۹، بخاری ج۱ ص۴۸۹ باب واذکر فی الکتاب مریم)

(ترجمہ) میں سب سے زیادہ مریم کے بیٹے کے قریب ہوں کیونکہ میرے اور اس کے مابین کوئی نبی نہیں ہوا اور اس نے پھر اترنا ہے۔

اس حدیث میں آپ نے اپنے سے پہلا پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم کو بتلایا۔ آپ نے فرمایا: مجھ میں اور اس میں اور کسی پیغمبر کا فاصلہ نہیں۔ اس سے قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر بھی ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس احمد کی بشارت دی تھی، وہ آنحضرت ﷺ ہی ہیں۔

’’**واذ قال عیسٰی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدیّ من التوراۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فلمّا جاء ھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین**‘‘ (الصّف:۶)

(ترجمہ) اور جب کہا عیسیٰ بن مریم نے اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کی طرف سے بھیجا گیا رسول ہوں تصدیق کرتا ہوں اپنے سے پہلی آئی کتاب کی اور آئندہ کے لئے ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا پھر جب وہ احمد ان کے ہاں آیا تو انہوں نے کہا یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔

اب آپ مرزا غلام احمد کی وہ کفریہ غلیظ اور ناپاک باتیں ملاحظہ کریں جو اس نے اس جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں کہی ہیں۔ وہ صرف آپ کے خلاف نہیں۔ آپ کی (والدہ کی طرف سے) پورے خاندان پر ناپاک حملے کرتا ہے۔ وہ آپ کے بارے میں طنزاً لکھتا ہے: ''آپ کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے۔ تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔''

(حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۷، خزائن ج۱۱ص۲۹۱)

پھر آپ کے اخلاقی کردار پر اس کا یہ ناپاک حملہ بھی ملاحظہ ہو: ''آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے۔ ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگا دے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔''

(ضمیمہ انجام آتھم ص۷، خزائن ج۱۱ص۲۹۱ حاشیہ)

پھر آپ پر شراب کا الزام ہی نہیں، آپ کے لئے شرابی کا لفظ استعمال کرنا، اس میں کون سر شرافت ہے۔ شراب اگرچہ اس وقت حرام نہ ہوتی تھی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس پہلے دور میں بھی وہ رزق حسن شمار نہ ہوتی تھی۔ مکہ میں جب شراب ابھی حرام نہ ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کھجور اور انگور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم ان سے نشہ والی چیز اور رزق حسن دونوں بناتے ہو۔

''ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرا ورزقا حسنا'' (النحل:۶۷)

معلوم ہوا کہ نشہ دینے والی چیز (شراب) اس وقت بھی رزق حسن نہ تھی۔

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے پاک نفوس اس وقت بھی اس سے طبعاً متنفر رہے۔ مگر غلام احمد قادیانی کی غلیظ ذہنیت کو ملاحظہ کریں۔ کس بے

دردی اور بے جگری سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے: ’’بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے۔ کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آ کر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا اپنے ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی۔ اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔‘‘ (دافع البلاء فرنٹ ٹائٹل بقیہ حاشیہ، خزائن ج۱۸ ص۲۲۰)

یہاں قرآن سے استدلال کرنا بتا رہا ہے کہ غلام احمد نے یہ ناپاک کلمات عیسائیوں کو الزاماً نہیں کہے تھے۔ عیسائیوں کے سامنے قرآن سے حجت (دلیل) لانا کسی طرح الزامی نہیں مانا جا سکتا۔

پھر یہ دیکھئے کہ اپنے آپ کو ظلی اور بروزی پیغمبر کہنے والا کسی طرح خدا کے ایک برگزیدہ حقیقی پیغمبر کو اپنے مقابلے میں لاتا ہے اور اس طرح ان کی شان گراتا ہے۔

اینک منم کہ حسب بشارات آمدم عیسیٰ کجاست تا بہ نہد پا بہ منبرم

(ازالہ اوہام ص۱۵۸، خزائن ج۳ ص۱۸۰)

اور لکھتا ہے: ’’خدا نے اس امت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے...... مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر مسیح بن مریم میرے زمانہ میں ہوتا تو وہ کام جو میں کر سکتا ہوں۔ وہ ہرگز نہ کر سکتا اور وہ نشان جو مجھ سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ ہرگز دکھلا نہ سکتا۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۴۸، خزائن ج۲۲ ص۱۵۲)

قادیانیوں کا ایک عذر لنگ جو دو قدم بھی آگے نہ چل سکا

قادیانی کبھی کہتے ہیں: یہ مرزا غلام احمد کے ہوائی فائر تھے، جن کا صرف رخ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی طرف تھا۔ ورنہ ان تمام باتوں کا مصداق کوئی واقعی شخصیت نہ تھی، ایک فرضی شخصیت تھی، جو عالم وجود میں کہیں نہ پائی گئی تھی اور نہ ہی اس کے کبھی دنیا میں ظاہر ہونے کا کوئی انتظار تھا۔ مرزا قادیانی محض اپنے مراقی جوش میں اسے یسوع مسیح کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہے اور پھر اس فرضی مسیح پر بے حیائی کے بھرپور حملے کرتے رہے۔

ہوائی فائر اسے ہی کہتے ہیں جس کا کوئی مصداق ظاہر نہ ہو اور اس کا نشانہ کوئی واقعی

شخص نہ ہو۔ بس ہوا اسے جدھر چاہے لے جائے۔ مرزا قادیانی کے پیروؤں سے ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جس طرح ہوائی فائر کرنے والا لوگوں کو ڈراتا ہے کہ وہ واقعی کسی پر فائر کر رہا ہے۔ مرزا قادیانی اپنے اس ہوائی فائر میں لوگوں کو کس گمان میں رکھتے تھے کہ وہ کس شخصیت پر یہ گولے برسا رہے ہیں۔ اگر ان کا یہ ایہام حضرت عیسیٰ بن مریم کی طرف نہ تھا تو اور کس شخص کی طرف تھا جس کو اس ہوائی فائر سے ڈرایا یا بھگایا جارہا تھا؟ اس کا نام لیں۔

آسمانی مامورین سعید فطرت اور حقیقت شناس ہوتے ہیں وہ کبھی کسی پر (خصوصاً اس گندے اور بے حیاء پیرائے میں) ہوائی فائر نہیں کرتے۔

قادیانیوں کا دوسرا عذر لنگ

پھر کبھی قادیانی یہ کہتے ہیں کہ مرزا قادیانی کی یہ ساری کارروائی (بدزبانی اور فحش الزامات) صرف عیسائیوں کو لاجواب کرنے کے لئے تھی۔ مرزا قادیانی نے عیسائیوں کو ان کے اپنے معتقدات کی رو سے اس طرح الزام دیا ہے۔ ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ کسی مسلمان سے نہیں ہوسکتا کہ اگر کوئی عیسائی ہمارے آقا ومولیٰ کے خلاف کوئی بات کرے تو وہ حضرت عیسیٰ بن مریم پر اپنا غصہ نکال لے۔ ہمارے عقیدہ میں کسی نبی کی بھی توہین کی جائے تو انسان اس سے کافر ہو جاتا ہے۔ ہمارے اس مؤقف کو مرزا غلام احمد نے بھی ان لفظوں میں تسلیم کیا ہے۔

’’مسلمان سے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ اگر کوئی پادری ہمارے نبی ﷺ کو گالی دے تو ایک مسلمان اس کے عوض میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گالی دے۔ کیونکہ مسلمانوں کے دلوں میں دودھ کے ساتھ ہی یہ اثر پہنچایا گیا ہے۔ وہ جیسا کہ اپنے نبی ﷺ سے محبت رکھتے ہیں، ایسا ہی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے محبت رکھتے ہیں۔ سو کسی مسلمان کا یہ حوصلہ ہی نہیں کہ تیز زبانی کو اس حد تک پہنچائے جس حد تک ایک متعصب عیسائی پہنچا سکتا ہے۔‘‘

(اشتہار حضور گورنمنٹ عالیہ میں عاجزانہ درخواست، مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۱۴۲)

اس بدزبانی کا نشانہ واقعی حضرت عیسیٰ تھے نہ کوئی فرضی شخصیت

مرزا غلام احمد نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی شان میں بدزبانی کرتے ہوئے کیا کہیں قرآن کریم کا حوالہ بھی دیا ہے؟ اگر کہیں ایسا مل جائے تو ہم یقین کریں گے کہ مرزا قادیانی کی یہ بدزبانی عیسائیوں کے جواب میں نہ تھی۔ عیسائی تو ہمارے قرآن کریم کو نہیں

مانتے نہ اس کے لطائف ومعارف سے کبھی کسی غیر مسلم پر حجت پوری کی جاسکتی ہے؟

اب دیکھئے بات کس طرح کھلتی ہے

اب مرزاغلام احمد کو حضرت عیسیٰ پر جرح کرتے ہوئے قرآن سے استدلال کرتا دیکھیں، آپ درجہ یقین تک پہنچ جائیں گے کہ مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ کے خلاف یہ غلیظ باتیں عیسائیوں کے رد میں نہیں کہیں بلکہ یہ اس کا اپنا عقیدہ تھا جسے وہ مختلف پیرایوں میں حضرت عیسیٰ بن مریم کے خلاف اگلتا رہا۔

مرزاغلام احمد نے قرآن کریم کے حوالہ سے کہا ہے کہ حضرت یحییٰ کو قرآن نے حصور فرمایا لیکن عیسیٰ بن مریم کو حصور نہیں کہا۔ یہ عبارت ہم اعجاز احمدی کے حوالہ سے اوپر دے آئے ہیں۔ آپ ان الفاظ پر ایک دفعہ پھر نظر ڈالیں: ’’کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے (حضرت یحییٰ کے) سر پر عطر ملا تھا...... اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام حصور رکھا مگر مسیح کا یہ نام رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔‘‘ (دافع البلاء ص فرنٹ ٹائٹل، خزائن ج۱۸ ص۲۲۰)

اب آپ خود انصاف کریں۔ یہاں قرآن کے حوالہ سے عیسائیوں پر اتمام حجت کیا جارہا ہے؟ اور وہ قرآن کو مانتے ہیں؟ یا مرزا قادیانی یہاں حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں اپنا عقیدہ اگل رہے ہیں۔ سو یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ مرزاغلام احمد نے اپنے عقیدہ کی رو سے حضرت عیسیٰ بن مریم کی شان میں وہ بدزبانی کی ہے کہ بقول مولانا انورشاہ کشمیری اس کے بوجھ سے زمین وآسمان پھٹ جائیں۔

یسب رسول من اولی العزم فیکم تکاد السماء والارض تنفطران

مرزاغلام احمد کی کتاب نسیم دعوت کوئی عیسائیوں کے خلاف لکھی گئی کتاب نہیں ہے۔ سو اس میں اس کا ذکر کسی طرح عیسائیوں کے خلاف ایک الزامی بات نہیں مانی جاسکتی۔

مرزاغلام احمد کو شوگر کا مرض تھا، کسی معتقد نے افیون کھانے کا مشورہ دیا۔ اس پر غلام احمد نے کہا: ’’اگر میں ذیابیطس کے لئے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو میں ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی تھا اور دوسرا افیونی۔‘‘

(نسیم دعوت ص۶۷، خزائن ج۱۹ ص۴۳۵)

یہ کون کہیں گے کہ دوسرا مسیح افیونی نکلا یہ وہی کہیں گے جو مرزا کو مسیح موعود مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں مرزا کو اپنے آدمیوں کے بگڑ جانے کا ہی ڈر ہوگا۔ سو ہم نسیم دعوت کے اس حوالے سے یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مرزا کی یہ تحریر ہرگز عیسائیوں کے مقابلے میں نہ تھی۔ یہ صدا مرزا قادیانی کے اپنے دل کی ہی صدا تھی اور وہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں واقعی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور وہ خود اس بدزبانی کا مرتکب ہوا ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں شراب حرام نہ تھی جواب یہ ہے کہ مرزا غلام احمد جب یہ بات کہہ رہا ہے، اس وقت شراب یقیناً حرام تھی اور کسی کو شرابی کہنا ایک گالی کے طور پر ہی ہوسکتا ہے۔ اب یہ عبارت مرزا کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گالی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ شراب رزق حسن تو کسی دور میں بھی نہیں رہی اور شرابی تو اسے ہی کہتے ہیں جو شراب کا عادی اور رسیا ہو چکا ہو۔

مندرجہ ذیل تحریر میں مرزا غلام احمد کے الفاظ: ''میرے نزدیک'' بھی غور کرنے کے لائق ہیں۔ کیا یہ اس کا اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں۔ ''ہاں! آپ کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی اکثر عادت تھی۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا تھا۔ اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے؟ مگر میرے نزدیک آپ کی یہ حرکات جائے افسوس نہیں۔ کیونکہ آپ تو گالیاں دیتے تھے اور یہودی ہاتھ سے کسر نکال لیا کرتے تھے۔'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۵، خزائن ج۱۱ ص۲۸۹ حاشیہ)

یہ تحریرات بتاتی ہیں کہ یہ مرزا غلام احمد کا اپنا عقیدہ اور مؤقف تھا یہ کوئی الزامی بات نہ تھی۔ وہ خود حضرت عیسیٰ بن مریم کو گالیاں دینے والا بدزبان سمجھتا تھا۔ **استغفر اللہ العظیم!**

پھر قرآن کریم کی نص صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو بڑے عجیب وغریب معجزے دیئے۔

''واٰتینا عیسیٰ بن مریم البینات وایدناہ بروح القدس'' (البقرۃ:۲۵۳)

(ترجمہ) اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات اور ہم نے اس کی مدد کی روح القدس سے۔

اب غلام احمد کے اس انکار کو بھی پڑھیں اور اس میں لفظ حق پر بھی غور کریں۔ غلام احمد اسے کس طرح حق کہہ رہا ہے۔

وہ لکھتا ہے: ''عیسائیوں نے آپ کے بہت سے معجزات لکھے ہیں مگر حق بات یہ ہے

کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔'' (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۶، خزائن ج۱۱ص۲۹۰)

غلام احمد اپنے اس انکار سے بھی قرآن کریم کی نص صریح کا منکر ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی کسی نص کا انکار پوری امت محمدیہ کے ہاں ایک مجمع علیہ کفر ہے اور یہ بات عیسائیوں کے بالمقابل کہی گئی۔ سو اس میں الزامی جواب کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

غلام احمد کی کتاب چشمہ مسیحی بانس بریلی کے ایک مسلمان کے خط کا جواب ہے۔ اس میں اس نے حضرت عیسیٰ کو معاذ اللہ! بدزبان بھی لکھا ہے۔ سو اس میں بھی اس کے الزامی جواب ہونے کا کوئی شائبہ نہیں۔ سو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بڑی دریدہ ذہنی سے توہین کی ہے۔

مرزاغلام احمد کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر استہزائی چٹکلے

آنحضرت ﷺ نے آنے والے مسیح کے بارے میں خبر دی تھی کہ اس کے آنے پر صلیب پرستی ختم ہو جائے گی اور خنزیر نہ پالے جائیں گے نہ کھائے جائیں گے، ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ''یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر'' غلام احمد قادیانی حضرت عیسیٰ بن مریم کے اس عمل کو اس استہزائی پیرایہ میں ذکر کرتا ہے۔

''بقول ہمارے مخالفین کے جب مسیح آئے گا اور لوگ اس کو ملنے کے لئے اس کے گھر جائیں گے تو گھر والے کہیں گے کہ مسیح باہر جنگلوں میں سور مارنے کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ پھر وہ لوگ حیران ہو کر کہیں گے کہ یہ کیسا مسیح ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے اور باہر سوروں کا شکار کھیلتا پھرتا ہے۔ پھر فرماتے تھے کہ ایسے شخص کی آمد سے تو ساہنسیوں اور گنڈیلوں (استہزاء کرنے والوں) کو خوشی ہو سکتی ہے...... بیان کر کے آپ بہت ہنستے تھے یہاں تک کہ اکثر اوقات آپ کی آنکھوں میں پانی آ جاتا تھا۔''

(سیرت المہدی ج۳ص۲۹۱، ۲۹۲ قدیم، سیرۃ المہدی حصہ سوم ج۱ص۸۰۹ جدید روایت نمبر۹۴۶)

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے استہزاء کرنا قرآن کریم سے استہزاء کرنا اور کسی نبی یا رسول سے استہزاء کرنا یہ دین سے استہزاء ہے اور یہ کفر ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی نے اپنے ایک خطبہ میں غلام احمد کے اس عمل کو اس طرح ذکر کیا مرزاغلام احمد کا بیٹا بشیر احمد میاں امام دین سیکھوانی کے حوالے سے اسے اس طرح لکھتا

ہے: ’’مولوی محمد حسین نے اپنے خطبہ جمعہ میں کہا۔ دیکھو مرزا حضرت مسیح ناصری کو ساہنسیوں اور گنڈیلوں سے تشبیہ دیتا ہے اور کیسی ہتک کرتا ہے۔ ان دنوں قادیانی بھی بٹالہ میں اہلحدیث کی مسجد خلیفاں میں جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ امام دین سیکھوانی سے رہا نہ گیا۔ وہ بولا جو نقشہ مسیح کا آپ پیش کرتے ہیں۔ اس کے ہوتے ہوئے اور کس چیز سے تشبیہ دی جائے؟‘‘

(سیرۃ المہدی حصہ سوم ص۲۹۱ قدیم، سیرۃ المہدی ج۱ حصہ سوم ص۸۰۹ جدید، روایت نمبر۹۴۵)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سب قادیانی مرزا غلام احمد کے استہزائی بیان سے خوب ہنستے اور مزے لیتے تھے۔ مرزا قادیانی نے لوگوں کا مسیح کے گھر جانا اور ان کا مسیح کے بارے میں پوچھنا جو ذکر کیا ہے، یہ من گھڑت قصہ ہے۔ مسلمانوں کے ہاں یہ کسی روایت میں مذکور نہیں۔ حضرت مسیح کو ساہنسیوں اور گنڈیلوں سے تشبیہ دینے کے لئے غلام احمد نے خود یہ قصہ گھڑا ہے اور اس کا اسے ہنس ہنس کر اس طرح بیان کرنا اور عام قادیانیوں کا اس پر مرزا غلام احمد کی حمایت میں اٹھنا، استاد اور اس کے سب شاگردوں کو کفر کی صف میں لے آتا ہے۔ شریعت محمدی کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ کسی پیغمبر سے استہزاء کرنا (گو وہ الزامی طور پر ہو) کفر ہے۔

اسلام میں کسی پیغمبر کی بے ادبی کرنے سے بھی انسان مسلمان نہیں رہتا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں: ’’جس نے کسی پیغمبر کی بھی بے ادبی کی وہ ارتداد کی گرد میں آ گرا۔‘‘ (الصارم المسلول ص۱۹۵)

مرزا غلام احمد نے اپنے اس بیان سے خود بھی اپنے کفر پر مہر لگا دی ہے۔ وہ لکھتا ہے: ’’اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے۔‘‘ (ضمیمہ چشمہ معرفت ص۱۸، خزائن ج۲۳ ص۳۹۰)

کسی نبی کی طرف فحش باتوں کی نسبت کی جائے۔ اس سے زیادہ اس کی تحقیر کیا ہو سکتی ہے۔ یہ آپ خود سوچیں فقہائے احناف کے سرخیل علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: ’’یکفر بنسبۃ الانبیاء الی الفواحش‘‘ (الاشباہ والنظائر ص۱۳۷ کتاب السیر والردۃ)

(ترجمہ) انبیاء کی طرف کسی فحش بات کی نسبت کرنے سے اس پر حکم کفر کیا جائے گا۔

۵...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی چڑھنے کا عقیدہ

قادیانی بھی عیسائیوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی چڑھنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ عیسائی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر جان دی

اور قادیانی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ صرف بے ہوش ہوئے اور یہ سمجھ کر سولی سے اتار لئے گئے کہ آپ مر چکے ہیں۔ سو ظاہر واقعہ میں دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں۔ ان کے سولی چڑھنے پر دونوں کا اتفاق ہے۔ لیکن اس سولی سے آپ کی جان گئی یا نہ؟ اس میں دونوں کا اختلاف ہے۔

قرآن کریم میں آپ کے صلیب پر کھینچا جانے اور قتل ہونے دونوں کی نفی کی گئی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب قتل سولی پر جان دینے کو بھی شامل تھا تو اسے دو عنوانوں سے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ شخص جس پر حضرت عیسیٰ بن مریم کی شبیہ ڈالی گئی، اس نے سولی پر جان بھی دی۔ لیکن مرزا غلام احمد کا مؤقف کہ حضرت مسیح سولی پر تو کھینچے گئے، لیکن صرف بے ہوش ہوئے، جان نہ دی۔ یہ پہلے کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں رہا۔ مرزا غلام احمد پہلا شخص ہے جس نے یہ تصور پیش کیا۔ لیکن قرآن کریم کی بلاغت پر قربان جائیں۔ اس نے چودہ سو سال پہلے صلیب اور قتل دونوں کی نفی کی قتل سولی پر جان دینے کو شامل تھا۔ اس کی بھی نفی کی اور آپ کو صرف صلیب پر کھینچا جائے (اور جان نہ جائے) اس کی نفی بھی کی۔ چودہ سو سال پہلے یہ بات سمجھنی کہ یہ دونوں عنوان کیوں ...... رکھے گئے، کچھ مشکل تھی۔ لیکن قادیانیوں کا یہ عقیدہ سامنے آنے سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی۔

’’وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم‘‘ (النساء:۱۵۷)

(ترجمہ) اور انہوں نے نہ اسے مارا اور نہ اسے سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے۔

اب حضرت عیسیٰ کے سولی چڑھنے کا قادیانی عقیدہ ملاحظہ ہو:

قادیانیوں کا حضرت عیسیٰ کی سولی پر کھینچے جانے کا عقیدہ

مرزا غلام احمد قادیانی کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نظریہ میں حضرت مسیح پر زندگی کے دو دور گزرے۔

۱...... ایک یورشلم میں جہاں وہ یہودیوں کے دلآزارانہ الزامات اور ان کی چیرہ دستیوں میں گھرے رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے انہیں رومیوں سے سزائے موت کا حکم دلوا کر آپ کو سولی پر کھینچا۔ گو اس پر ان کی روح نہ نکلی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ آپ مر چکے ہیں اور انہوں نے انہیں جلدی میں سولی سے اتار لیا۔ کیونکہ یہ ہفتہ کا دن تھا اور آپ ایک زخمی حالت میں

چپکے سے وہاں سے چل نکلے اور یہودیوں کو پتہ نہ چلا کہ آپ کدھر گئے ہیں۔
۲...... سولی کے تکلیف دہ واقعہ کی بعد آپ افغانستان کے طرف چل دیئے کہ بنو اسرائیل کی جو لوگ وہاں گئے ہوئے تھے، ان تک آپ کی دعوت پہنچ سکے۔ صلیب کی موت سے بچ نکلنے کے بعد آپ مختلف دیار میں سیر وسیاحت اور اللہ کی دعوت میں ساٹھ سال کے قریب رہے اور آپ کی زندگی کا یہ دوسرا دور بہت آرام دہ اور خوشحال تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے طبعی وفات پائی اور کشمیر میں سری نگر میں دفن ہوئے۔

مسلمان سرے سے یہ نہیں مانتے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کبھی سولی پر چڑھائے گئے (گوانہوں نے اس پر جان نہ دی ہو) سو مرزا غلام احمد کا حضرت عیسیٰ بن مریم کے سولی پر کھینچا جانے کا عقیدہ قرآن پاک کے ارشاد: ''وما قتلوہ وما صلبوہ'' کا صریح انکار ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کا انکار کرنے سے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ اب پیشتر اس کے کہ ہم مرزا غلام احمد کا حضرت عیسیٰ بن مریم کے سولی پر کھینچا جانے عقیدہ اپنے قارئین کے سامنے لائیں۔ ہم پہلے اس باب میں مسلمانوں کا عقیدہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں: ''مسلمان تو اس بات کے بھی قائل نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر کھینچا گیا یا صلیب پر سے ان کو زخم پہنچے۔'' (مسیح ہندوستان میں ص۶۱، خزائن ج۱۵ ص۶۳)

اس کے برعکس قادیانی عقیدہ آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔ پھر یہ بھی سنئے: ''قطعی دلائل اور نہایت پختہ وجوہ سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے بلکہ خدا نے اس پاک نبی کو صلیب پر سے بچالیا اور آپ خدا کے فضل سے نہ مر کر بلکہ زندہ ہی قبر میں غشی کی حالت میں داخل کئے، پھر زندہ ہی قبر سے نکلے...... اور یہ امر ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ آپ یہودیوں کے ملک سے بھاگ کر نصیبین کی راہ سے افغانستان میں آئے اور ایک مدت تک کوہ نعمان میں رہے اور پھر کشمیر میں آئے اور ایک سو بیس برس کی عمر پا کر سری نگر میں آپ کا انتقال ہوا اور سری نگر محلہ خان یار میں آپ کا مزار ہے۔'' (ستارہ قیصریہ ص۱۰، خزائن ج۱۵ ص۱۲۳،۱۲۴)

اس سے پہلے مرزا قادیانی ایسا ہوا ہوگا کی گردان پورے یقین سے اس طرح پوری کر چکے ہیں۔

''اس ملک کی پرانی تاریخیں بتلاتی ہیں، یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت

مسیح نے نیپال اور بنارس وغیرہ مقامات کا سیر کیا ہوگا اور پھر جموں سے یا راولپنڈی کی راہ سے کشمیر کی طرف گئے ہوں گے، چونکہ وہ ایک سرد ملک کے آدمی تھے۔اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ ان ملکوں میں غالباً وہ صرف جاڑے تک ہی ٹھہرے ہوں گے اور اخیر مارچ یا اپریل کے ابتداء میں کشمیر کی طرف کوچ کیا ہوگا اور چونکہ وہ ملک بلاد شام سے بالکل مشابہ ہے۔اس لئے یہ بھی یقینی ہے کہ اس ملک میں سکونت مستقل اختیار کر لی ہوگی ...... اور کچھ بعید نہیں کہ وہاں شادی بھی کی ہو۔افغانوں میں ایک قوم عیسیٰ خیل کہلاتی ہے۔کیا تعجب ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کی ہی اولاد ہوں۔'' (مسیح ہندوستان میں ص۶۸، خزائن ج۱۵ ص۷۰)

جو قادیانی مربی اس پر زور دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی توفی موت کی صورت میں ہوئی نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پورے کا پورا (روح مع الجسد) صلیب سے زندہ بچا کر افغانستان پہنچا دیا اور آپ وہاں ایک مدت تک نہایت خوشحال رہے۔وہ اپنے توفی کے معنی کو پورا کرنے کے لئے یہ تاویل کرتے ہیں کہ آپ افغانستان میں پہلے گئے تھے اور واقعہ صلیب اس کے بعد پیش آیا۔ہم کہتے ہیں ایسا نہیں۔مرزا غلام احمد کے عقیدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو جو صلیب پر مرنے سے بچایا تو ان کی توفی، انہیں وہاں سے زندہ اٹھا کر (روح مع البدن) نصیبین پہنچانے اور افغانستان لانے سے ہوئی۔ورنہ سری نگر میں ان کی طبعی موت یہودیوں سے بچانے کی الٰہی تدبیر نہیں سمجھی جاسکتی تھی۔

مرزا غلام احمد لکھتا ہے: (۱)''یہ بات ہرگز صحیح نہیں کہ حضرت مسیح صلیب کے واقعہ سے پہلے ہندوستان آئے تھے۔'' (مسیح ہندوستان میں ص۷۲، خزائن ج۱۵ ص۷۵)

(۲)''حضرت مسیح نے صلیب کے واقعہ سے نجات پا کر اس ملک کی طرف سفر کیا۔'' (مسیح ہندوستان میں ص۷۹، خزائن ج۱۵ ص۸۱)

(۳)''اس سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کے ذریعہ سے قتل نہیں ہوئے بلکہ صلیب سے بچ کر نکل گئے اور آخر طبعی موت سے فوت ہوئے۔'' (مسیح ہندوستان میں ص۳۲، خزائن ج۱۵ ص۳۴)

اب یہ فیصلہ ہم اپنے قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو یہودیوں کی گرفت سے جو بذریعہ توفی بچایا جو نصیبین اور افغانستان اور کئی دوسرے علاقوں

کی سیر وسیاحت کا موقعہ دینے کی صورت میں ہوئی؟ اور اگر آپ کو (پورے کا پورا) ان ملکوں میں لاکر یا (بقول اہل اسلام) آسمانوں میں اٹھا کر اللہ نے آپ کو یہودی گرفت سے بچایا تو توفی کے معنی پورے کا پورا لینے کے ہوئے یا قبض روح کے؟

ہم یہاں اس بحث میں نہیں جاتے۔ اس کے لئے قارئین کرام ہماری تالیف عقیدہ خیرالامم فی مقامات عیسیٰ بن مریم کی طرف رجوع فرمائیں۔

ہم نے قادیانیوں کے یہ پانچ وجوہ کفر کھول کر آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان میں ایک بات بھی ایسی نہیں جس کے کفر ہونے میں امت کے علماء اعلام میں کسی قسم کا کوئی اختلاف ہو۔ ہم نے ایمان کی شرعی حقیقت جس وضاحت سے آپ کے سامنے پیش کی مرزا غلام احمد اور اس کے پیروؤں کا کفر بھی اسی وضاحت سے آپ کے سامنے آچکا ہے۔ اس پر ہم پاکستان کی قومی اسمبلی کے...... فیصلے کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔ اسمبلی نے یہ فیصلہ بزور ووٹ نہیں، بزور علم کیا تھا اور اس میں غلام احمد قادیانی کے پیرو دونوں گروہوں کے سربراہوں کو اسمبلی میں آنے اور انہیں صفائی پیش کرنے کا پورا موقعہ دیا گیا تھا اور اس میں یہ دونوں اپنے پروارد ہونے والے کفر کو کسی درجہ ہلکا نہ کر سکے تھے۔ **واللہ علیٰ کل شئی وکیل!**

ہم نے یہاں قادیانیوں کے پانچ وجوہ کفر آپ کے سامنے لاکر رکھ دیئے ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے قرآن وحدیث اور رشد راشدین سے وہ قواعد آپ کے سامنے بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی روشنی میں قادیانیوں کے یہ پانچ وجوہ کفر ایسے ہیں کہ ان پر حکم کفر برحق ہونے میں کسی مسلمان کو کسی درجے کا کوئی تردد نہیں رہتا۔ اس پر ہم عقیدہ ’’**الاعلام فی الفرق بین الکفر والاسلام**‘‘ کو ختم کرتے ہیں۔ ’’**وللہ الحمد اوّلا وآخرا وظاھرا وباطنا**‘‘

اب صرف ایک مضمون باقی رہ جاتا ہے، جہاں کفر کے لزوم سے کسی ملزم کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ مسلمانوں میں اگر کہیں آپس میں تکفیر ہوئی تو وہ صرف لزوم کی راہ سے ہوئی۔ ملزم صریح پیرائے میں اس کفر کا انکار کرتے رہے، بخلاف قادیانیوں کے کہ ان پر پانچ وجوہ کفر سے ہم نے جو کفر لازم کیا ہے۔ اس کا ان کے ہاں پورا التزام موجود ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز! ایک تتمہ پر اس کتاب کو ختم کریں گے۔

اسلام میں جہاں تکفیر نہیں کی جاسکتی

۱...... جہاں لزوم اور التزام میں فرق ہو لزوم ہو اور التزام نہ ہو

لزوم سے مراد یہ ہے کہ کسی کے قول یا عبارت سے کوئی بات لازم آئے یا سمجھی جائے اور التزام سے مراد ہے کہ اس کا کہنے یا لکھنے والا خود بھی اس معنی اور مراد کو تسلیم کرے۔ جب وہ اس بات کو تسلیم کرلے تو التزام پایا گیا، جب تک التزام نہ فقط لزوم کفر سے کفر ثابت نہیں ہوتا۔ سو اگر کسی پر کسی بات کا الزام آتا ہو، مگر وہ خود اس کا التزام نہ کرے تو اس پر حکم کفر نہ دیا جاسکے گا۔

مولانا احمد رضا خان نے حضرت مولانا اسماعیل شہید کے بعض اقوال پر نقد کرتے ہوئے ان سے کفر کشید کیا۔ مگر آخر میں فیصلہ اسی پر دیا کہ لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ ہم ان پر حکم کفر نہیں کرتے۔ آپ لکھتے ہیں: ’’لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات ہی ہم احتیاط برتیں گے۔ سکوت کریں گے جب تک ضعیف سے ضعیف احتمال بھی ملے گا۔ حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے......‘‘

(تمہید ایمان ص۵۳، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر)

’’اور امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے کفر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے۔ جب تک کہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سے ضعیف مجمل بھی باقی نہ رہے۔ تب حکم کفر ہے: ’’فان الاسلام یعلوا ولا یعلیٰ‘‘ (تمہید ایمان ص۵۴)

اس امت میں اگر کسی نے کسی پر کفر کا فتویٰ دیا تو جب اس دوسرے نے اس وجہ کفر سے کھلے طور پر انکار کیا تو اب وہ فتویٰ غیر مؤثر ہوگیا۔ یہاں التزام نہ پایا گیا۔ اس کے برعکس علماء نے مرزا غلام احمد کے وجوہ کفر واضح کئے تو مرزا قادیانی نے ان میں سے کسی کا انکار نہیں کیا۔ ان پر جب دعویٰ نبوت کا الزام لگا تو انہوں نے کبھی یہ نہ کہا کہ یہ مجھ پر جھوٹا الزام ہے۔ میں ہرگز نبی نہیں ہوں۔

ہم نے اس کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کی جن جن باتوں کو کفر ٹھہرایا ہے، لزوم سے نہیں غلام احمد نے وہ باتیں صریح پیرائے میں لکھی ہیں اور بار بار کہی ہیں۔ ان میں

کہیں لزوم اور التزام کا فاصلہ نہیں پایا جاتا۔ قادیانی لوگ جو مسلمانوں کے خلاف یہ پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ان میں بھی بعض علماء بعض دوسرے علماء کی تکفیر کرتے ہیں، انہیں کسی اسمبلی میں کیوں غیر مسلم قرار نہیں دیا جاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مجمل بات میں اور مفصل بات میں فرق ہے۔ لزوم اور التزام میں فرق ہے۔ عام اور خاص میں فرق ہے۔ محتمل میں اور کسی بات کے ایک معنی پر صریح ہونے میں فرق ہے۔ مرزا غلام احمد کی باتوں کو ان الزامات اور لغویات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

۲...... جہاں کسی حکم کفر میں فریقین کے محکوم علیہ جدا جدا ہوں

قرآن پاک کی نص صریح ہے کہ ایمان زیادتی قبول کرتا ہے۔ ''زادتھم ایمانا''(الانفال:۲) امام بخاری نے اس پر مستقل باب باندھا ہے، مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: ایمان کمی اور زیادتی قبول نہیں کرتا۔ ہوگا تو پورا ہوگا اور نہ ہوگا تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ کسی شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ۹۰ فیصد مؤمن ہے اور دس فیصد کافر۔ نہ اہل سنت معتزلہ کی طرح کفر وایمان میں کسی واسطے کے قائل ہیں۔

سوال: کیا مذکورہ آیت کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام نص قرآن کے انکار سے دائرہ ایمان سے نکل گئے۔ (معاذ اللہ) ہرگز نہیں۔

جواب: جب کسی حکم میں فریقین کا محکوم علیہ جدا جدا ہو تو اس پر کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

قرآن کریم میں ایمان کا لفظ کبھی صرف نفس ایمان پر آیا ہے اور اعمال صالحہ اس سے بطور معطوف جدا مذکور ہوتے ہیں۔ مثلاً: ''امنوا وعملوا الصالحات'' اور کہیں لفظ ایمان اعمال پر بھی وارد ہے۔ جیسے: ''ما کان اللہ لیضیع ایمانکم''(البقرۃ:۱۴۳) سو ایمان اپنی تکمیلی شان میں اعمال کو بھی ساتھ لے کر چلتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ گناہ ایمان کو صرف کمزور کرتے ہیں کم نہیں کرتے۔ گناہ کبیرہ سے ایمان جاتا رہے، یہ خوارج کا مذہب ہے اہل سنت کا نہیں۔ سو اس صورت میں فریقین کا محکوم علیہ جدا جدا ہے۔ اس میں کسی کو قرآن کا منکر نہ کہا جاسکے گا۔

جب کسی شیخ فانی پر حکم روزہ نہ رہے، وہ اس کا فدیہ دے دے تو اس کے بارے میں یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس سے حکم روزہ اٹھالیا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا

جا سکتا کہ اللہ نے اس سے ایمان اٹھالیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بعض ایام میں عورتوں سے حکم نماز اٹھالے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں سے ایمان اٹھالیا ہے۔ بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نماز کو بھی ایمان کہا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''**ان کثیرا من الاوقات یرتفع العمل عن المؤمن ولا یجوز ان یقال ارتفع عنه الایمان فان الحائض رفع الله عنها الصلوة ولا یجوز ان یقال رفع الله عنها الایمان وامرها بترک الایمان وقال لها الشرع دعی الصوم ثم اقضیه ولا یجوز ان یقال دعی الایمان ثم اقضیه ولا یجوز ان یقال لیس علی الفقراء زکوٰۃ ولا یجوز ان یقال لیس علی الفقراء ایمان**''

(الطبقات السنیہ فی تراجم الحنفیہ ج۱ ص۵۰، الشاملہ للمولیٰ تقی الدین بن عبدالقادر التیمی الداری ۱۰۱۰ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری جب کہتے ہیں کہ ایمان بڑھتا ہے تو اس سے ان کی مراد ان شرائع کا انکار نہیں۔ ایمان صرف اپنی تکمیلی شان میں بڑھتا ہے اور حضرت امام جب کہتے ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی تو اس سے وہ نفس ایمان مراد لیتے ہیں جس میں نفس عمل داخل نہیں۔ حضرت امام چونکہ کوفہ میں رہتے تھے اور وہاں سے خوارج وغیرہ گمراہ فرقے زیادہ دور نہ تھے۔ اس لئے انہیں عقائد اہل سنت کی صیانت کے لئے ایسی تعبیر کی سخت ضرورت تھی۔

سو اس صورت میں ہم کہیں گے کہ اس مسئلہ میں محکوم علیہ فریقین کا جدا جدا ہے۔ حضرت امام نفس ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی اور حضرت امام شافعی اور امام بخاری ایمان کی تکمیلی شان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ اس صورت میں قرآن پاک کی جن آیات میں ایمان کے زیادہ ہونے کے الفاظ ہیں۔ ان کی تفسیر ایمان کے مضبوط ہونے سے کی جائے گی اور حضرت امام پر قرآن کے انکار کا حکم نہ دیا جا سکے گا۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم نے بھی اس اختلاف کو ایک نزاع لفظی قرار دیا ہے اور حضرت امام پر کوئی طعن نہیں اٹھایا۔

۳...... کسی حکم عام میں اس خاص کو نہ لایا جائے جس پر بداہتہً وہ بات نہ لائی جا سکے

۱...... اگر کسی عارف نے فنا فی التوحید کے نشے میں یہ کہہ دیا کہ کسی کا ایمان اس وقت

تک منزل کمال پر نہیں آتا۔ جب تک کہ تمام انسان اس کی نظر میں اونٹ کی مینگنیوں کے برابر نہ ہو جائیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) فرماتے ہیں: ''**لا یکمل ایمان المرء حتی یکون الناس عنده کالاباعر ثم یرجع الیٰ نفسه فیراها اصغر صاغر**'' (عوارف المعارف بحاشیۃ احیاء العلوم ج۴ ص۴۸۱)

تو کیا اس سے یہ بات نکالی جاسکے گی کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے اس بیان میں تمام انبیاء وصدیقین اور اولیاء کاملین بھی آگئے ہیں۔ کیونکہ یہ بات بداہتہً ثابت ہے کہ یہ عقیدہ فاسدہ کسی مسلمان کہلانے والے کا نہیں ہوسکتا۔

۲...... حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (۷۲۵ھ) کے ملفوظات میں ہے: ''ایمان کسے تمام نشود تا ہمہ خلق نزد او ہمچناں نہ نماید کہ پشکے شتر۔'' (ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین)

(ترجمہ) کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوپاتا جب تک تمام مخلوقات اسے اس طرح نہ دکھائی دے جیسے اونٹ کی مینگنیں۔

اب بایں وجہ کہ خلق میں تمام فرشتے اور انبیاء بھی آجاتے ہیں اس سے اولیاء کرام پر گستاخانہ عبارتوں کا الزام عائد کر کے ان کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ یہ بات بالبداہت ثابت ہے کہ کسی مسلمان کے ایسے الفاظ میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کبھی بھی مراد نہیں لئے جاسکتے۔

۳...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''**مردم پسران آدم اند و آدم از خاک وخاک خوار وپست است تعزز وترفع او را نبوده**''

(اشعۃ اللمعات ج۴ ص۹۴)

(ترجمہ) تمام انسان اولاد آدم ہیں اور حضرت آدم مٹی سے بنے تھے اور مٹی اپنی فطرت میں عاجز اور پست ہوئی ہے۔ بڑائی اور رفعت اسے زیبا نہیں دیتی۔

۴...... حدیث: ''**ان قلوب بنی آدم کلها**'' کے لفظ کل کے تحت ملا علی قاری لکھتے ہیں: ''**لیشمل الانبیاء و الاولیاء والفجرة والکفرة من الاشقیاء**''

(مرقات ج۱ ص۱۶۰ باب الایمان بالقدر)

اب کسی بدطینت کا یہ کہنا کہ آپ نے انبیاء والیاء کو کافروں اور فاجروں سے ملادیا ہے۔ کسی طرح قابل غور نہیں۔

۵...... مولانا اسماعیل شہید کی اس عبارت میں لفظ بڑا کو دنیوی بڑوں بادشاہوں،

حکمرانوں اور دولت مندوں پر نہ لانا اور کسی فرقے کی عداوت میں اس کا مصداق انبیاء واولیاء کوٹھہرانا، یہ کسی سعادت مند آدمی کا کام نہیں ہوسکتا۔ چوہڑا چمار کے پست الفاظ کب کسی بزرگ کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ کبھی نہیں۔ سواس قسم کی عبارتوں کوخلاف مراد متکلم انبیاء واولیاء پر چسپاں کرنا اور گستاخانہ عبارات کے عنوان سے ان کی تکفیر کرنا یہ کسی مسلمان کوزیبانہیں دیتا۔

۴...... جب کسی بات کے متعدد محمل ہوں تو اسے کسی اچھے محمل پرمحمول کیا جائے

اگر کسی بات کے مختلف پہلو نکلتے ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ اسے کسی اچھے محمل پر لائے۔ گو وہ محمل بعض لوگوں کے ہاں کمزور کیوں نہ ہو، کیونکہ مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ اس کی خیر خواہی کی جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’**الدین النصیحة**‘‘ دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔

ایک شخص نے رپورٹ دی کہ فلاں شخص اپنی بیوی کو والدہ ماجدہ کہہ کر بلاتا ہے ایک نادان مولوی صاحب نے اس پر فتویٰ دیا کہ اس پر حکم ظہار آئے گا۔ اس نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کہا ہے۔ دوسرے مولوی صاحب نے اس شخص کو سامنے بلا کر اس کی تحقیق کی اس نے بتایا کہ اس کی تین بیٹیاں ہیں اور ایک کا نام ماجدہ ہے۔ ماجدہ سب سے چھوٹی ہے اور اسے زیادہ پیاری ہے۔ وہ اپنی بیوی کو اپنی اسی بیٹی کے نام سے آواز دیتا ہے۔ اس تحقیق پر اس نادان مولوی صاحب کو بہت ندامت ہوئی کہ انہوں نے ایک مسلمان کے کلام کو کیوں کسی اچھے محمل پرمحمول نہ کیا۔

ایک شخص نے ایک عالم دین پر الزام لگایا کہ انہوں نے کہا ہے کہ انبیاء کرام ہمارے بڑے بھائی ہیں۔ اس پر اس نے اس عالم دین پر پیغمبروں کی بے ادبی کا الزام دھرا ایک اور عالم کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا۔ اس نے کہا کہ ہمارے معاشرے میں بھائی کا لفظ دو طرح بولا جاتا ہے۔

۱...... اپنا نسبی علاّتی یا برادری کا بھائی، اس بھائی سے کبھی لڑائی بھی ہوجاتی ہے اور کئی لوگ اپنے بھائیوں سے گالی گلوچ پر اترے بھی سنے گئے۔ اس درجے میں کوئی شخص نبیوں اور ولیوں کو اپنا بھائی نہیں کہتا۔ سوسائٹی کتنی ہی بری کیوں نہ ہو، بڑوں کی لوگ پھر بھی عزت

کرتے ہیں اور بڑے ہی ہر معاشرے میں معاشرے کی عزت سمجھے جاتے ہیں۔

۲...... بڑے بھائی کا لفظ کبھی نوع انسانی کے بڑوں پر بولا جاتا ہے انبیاء نوع انسانی میں دوسرے انسانوں کے شریک نوع ہیں ان پر فضیلت دوسرے پہلوؤں سے اترتی ہے ان کی انسانیت کا کبھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

''انبیاء علیهم الصلوات والتسلیمات باعامه ودر نفس انسانیت برابر اند و در حقیقت وذات همه متحد اند تفاضل باعتبار صفات کامله آمده است''

(ترجمہ) انبیاء کرام نفس انسانیت میں سب دوسروں کے ساتھ شامل ہیں نوعاً انسان ہیں فرشتے اور جن نہیں ہیں۔ (مکتوبات شریف دفتر اوّل مکتوب نمبر ۲۶۶ ص ۳۴۹)

قرآن کریم ان بندوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے جو کسی بات کو سن کر اسے اس کے بہتر سے بہتر معنی پر حمل کرتے ہیں۔ **''فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه''** (الزمر:۱۷،۱۸)

قانون کا یہ پہلو کسی سے مخفی نہیں کہ شک کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو دیا جاتا ہے۔ شکایت کنندہ کو نہیں۔

''اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم'' (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۵ باب احکام المرتدین)

(ترجمہ) جب کسی مسئلے میں کئی وجوہ ایسے نکلتے ہیں جو کفر کا موجب ہوں اور ایک وجہ ایسی بھی ہوسکے جو الزام کفر کو روکتی ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ اس وجہ کا اعتبار کرے جو کفر سے روکتی ہو، ایک مسلمان کے بارے میں یہی گمان کرنا چاہئے کہ اس نے کسی وجہ کفر کا ارادہ نہیں کیا ہوگا۔

فقہ کا یہی فیصلہ (جامع الفصولین باب کلمات الکفر ج۲ ص۲۸۹ تا ۲۹۶) تک پھیلا ملے گا علامہ ابن عابدین الشامی نے یہی بات (ردالمحتار ج۳ ص۳۱۰) پر لکھی ہے۔ فقہ کے یہ وہ قواعد ہیں جن کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

ہم عدل وانصاف کے ان اصولوں پر اپنی اس کتاب کو ختم کرتے ہیں۔

خالد محمود عفا اللہ عنہ حال مقیم اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

براہ راست قادیانیت پر غور کرنے کا

آسان راستہ

جسٹس (ر) حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود

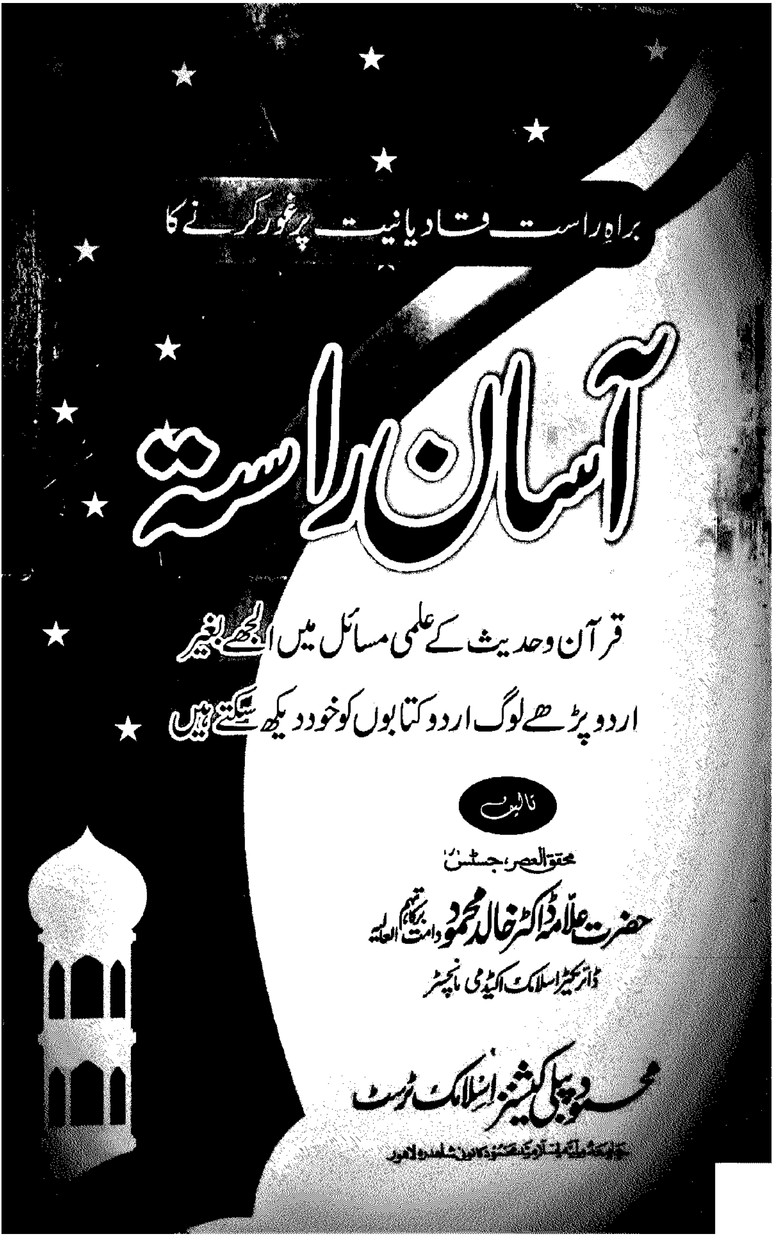
براہِ راست قادیانیت پر غور کرنے کا
آسان راستہ
قرآن وحدیث کے علمی مسائل میں الجھے بغیر
اردو پڑھے لوگ اردو کتابوں کو خود دیکھ سکتے ہیں
تالیف
محقق العصر، جسٹس
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

قرآن وحدیث کے مسائل میں الجھے بغیر براہ راست قادیانیت پر غور کرنے کا آسان راستہ			۳۱۵
پیغمبر اپنے نبی نہ ہونے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتے، نہ وہ اسے کسی شرط سے مشروط کرتے ہیں	۳۱۶	پیغمبرانہ دعوت کا اسلوب	۳۱۶
مرزا غلام احمد کا اسلوب دعوت	۳۱۷		
مخالفوں کو موتوں سے ڈرانا			۳۱۸
مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو موت کی دھمکی	۳۱۸	مولانا ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں مرنے کی پیش گوئی	۳۱۸
پادری عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی	۳۱۸	ڈاکٹر عبدالحکیم کی ہلاکت کی پیش گوئی	۳۱۸
مرزا احمد بیگ کے داماد کی موت کی پیش گوئی	۳۱۸	پنڈت لیکھرام کی غیر معمولی موت کی پیش گوئی	۳۱۹
مرزا کے اپنی نبوت کی دعوت دینے کے غیر فطری پیرائے	۳۲۰	مرزا قادیانی کی اس چھٹی پیش گوئی کی کچھ ضروری تفصیل	۳۲۰
ایک حیرت اور تعجب کا ازالہ	۳۲۱	مرزا کی ایک نادانی اور ایک چالاکی	۳۲۲
(۱) مرزا غلام احمد کی جھوٹی پیش گوئیاں	۳۲۴	عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی	۳۲۴
محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی	۳۲۷	محمدی بیگم سے نکاح کی تحریک کیسے کی	۳۲۷
کیا مرزا غلام احمد کو محمدی بیگم کی ضرورت تھی	۳۲۹	مرزا سلطان محمد کی موت کی پیش گوئی	۳۲۹
اصل پیش گوئی کی طرف پھر آئیں	۳۳۰	مرزا غلام احمد کا اشتہار ۱۸۹۴ء	۳۳۱
محمدی بیگم کے آنے کے سات الہامات	۳۳۱	مرزا کی کوشش کہ خدا کی بات غلط نہ نکلے	۳۳۲
محمدی بیگم کی پیش گوئی پوری نہ ہونے پر مرزا کی سزا	۳۳۳	ہمیشہ کی لعنتوں کی خبر	۳۳۳
دس لاکھ آدمیوں میں رسوائی کا خوف	۳۳۳	دجال کی آمد کا یقین دلانا	۳۳۳
یہ پیش گوئی کسی پر عذاب اترنے کی نہ تھی	۳۳۴	مرزا کے لئے رحمت کا نشان جو اس نے مانگا	۳۳۵
ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی موت کی پیش گوئی	۳۳۸	غلام احمد کی عمر کی پیش گوئی	۳۳۹

مرزا کالین دین امانت ودیانت کے نقطہ نظر سے	۳۴۰	کتاب براہین احمدیہ کے اشتہارات	۳۴۰
کتاب براہین احمدیہ تاریخ کے دوسرے دور میں	۳۴۱	غلط لین دین کے باعث مرزا اپنے عوام میں	۳۴۲
براہین احمدیہ کے پانچویں حصے کی اشاعت	۳۴۳	براہین احمدیہ کی تالیف میں علماء سے علمی اعانت	۳۴۳
براہین احمدیہ میں مرزا غلام احمد کا حصہ	۳۴۵	حقوق العباد کے اجڑے دیار میں انسانی حقوق کا تماشہ	۳۴۸
نصرت بیگم کے آنے پر حرمت بی بی پر کیا گزری	۳۴۹	محمدی بیگم سے نکاح کی کوشش میں حرمت بی بی کو طلاق	۳۴۹
لڑکی کے والد کو زمین دینے کا لالچ دینا	۳۵۱	نکاح نہ ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو چوہڑا چمار کہہ دینا	۳۵۲
چھٹی پیش گوئی	۳۵۴	ساتویں پیش گوئی بھی ملاحظہ فرمائیں	۳۵۵
مرزا قادیانی کی آٹھویں پیش گوئی ملاحظہ ہو	۳۵۶	(۲)مرزا غلام احمد کے کھلے جھوٹ	۳۵۶
قرآن کریم پر ایک اور جھوٹ	۳۵۸	(۳)مرزا غلام احمد کی سفہیات	۳۶۱
سر درد کے لئے مرغا ذبح کر کے سر پر باندھنا	۳۶۱	کیا مرغا خود ذبح نہ کر سکتے تھے	۳۶۲
دوا کی بجائے بیٹی کو تیل کی شیشی پلا دینا	۳۶۲	(۴)مرزا غلام احمد کے تضادات	۳۶۳
غلام احمد نے ایک نوکر سے قرآن پڑھا	۳۶۶	اپنے اس بیان کے غلط ہونے پر حلف اٹھانا	۳۶۶
باخدا لوگ زن مرید نہیں ہوتے	۳۶۶	(۵)مرزا غلام احمد کی فحش پسندی کے چند نمونے	۳۶۷
اپنے مخالفین کو سوروں اور کتیوں کی اولاد کہنا	۳۷۱	پاکستان میں قادیانیوں کے بارے میں سب عوام مسلمان نکلے	۳۷۳
قادیانیت کے تابوت میں آخری میخ	۳۷۴		

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أمَّا بَعْدُ!

انگریزوں کے ہندوستان آنے پر مسلمان جن مذہبی اختلافات سے دوچار ہوئے، ان میں مرزاغلام احمد قادیانی کے پیدا کردہ اختلافات لوگوں میں قادیانیت کے نام سے موسوم ہیں۔ غلام احمد کے پیرو مرزا کے غلام ہونے کے دعویٰ کو واپس لے کر اپنے کو جماعت احمدیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ مغربی افریقہ میں عام لوگ بھی انہیں احمدی کہہ دیتے ہیں۔ جب کہ برصغیر پاک وہند میں انہیں قادیانی کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ میں احمد، حضور اکرم ﷺ کا دوسرا اسمِ کریم ہے اور وہ اس بات کو بہت ناپسند کرتے ہیں کہ کوئی غیرمسلم گروہ اپنے آپ کو احمدی کہے، یہ مسلمانوں کا اپنا حق ہے۔

مسلمانوں کو کسی سے کوئی اختلاف کتنا ہی وسعت سے کیوں نہ ہو، یہ ناممکن ہے کہ وہ سب عربی زبان سیکھنے اور قرآن وحدیث پر عبور پانے کے لئے کسی عربی مدرسہ میں داخلہ لیں۔ اگر ہر ایک مسلمان کے لئے عالم بننا ضروری ٹھہرے اور انہیں علماء پر اعتماد کر کے اپنے دین کو قائم رکھنے کی رعایت حاصل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس سے جملہ صنائع عالم بے کار ہو جائیں گی اور مسلمان صرف ایک گروہ علماء کی صورت میں رہ سکیں گے اور دنیا کے دوسرے محکموں میں ان کی براہِ راست رسائی نہ ہوگی۔

ہم نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے سامنے یہ تجویز رکھی ہے کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے اور قرآن وحدیث کے علوم پر نظر نہیں رکھتے وہ قرآن وحدیث کے علمی مسائل میں نہ پڑیں اور کسی غلطی کا شکار ہو کر اپنی آخرت کو خطرے میں نہ ڈالیں۔

ہم نے قادیانیت پر براہِ راست غور کرنے کی ایک آسان راہ نکال لی ہے۔ اس میں پہلا اطمینان بخش پہلو یہ ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کا ۹۵ فیصد لٹریچر اردو میں ہے اور اردو واقعات وعبارات کو ہر اردو خواں بآسانی سمجھ سکتا ہے اور اس راہ میں دوسرا اطمینان بخش پہلو یہ ہے کہ مرزاغلام احمد سے ہمارے سب اختلافات قرآن وحدیث کے واسطہ سے نہیں، بہت سے اختلافات واقعات اور معقولات کی رو سے بھی خاصے قابلِ فہم ہیں۔ اگر کوئی شخص پوری فکر اور توجہ سے ایک دفعہ اس پُل کو عبور کرلے تو وہ پوری زندگی اس تاریک دلدل

میں گھرنے سے محفوظ ہو جائے گا بلکہ اس کے دوست احباب بھی قادیانیت کے بارے میں ایک کھلی روشنی میں آجائیں گے۔

صرف واقعات نہیں، مرزا غلام احمد کی زندگی میں ان کے کچھ ایسے کذبات، سفہیات اور تضادات بھی ملتے ہیں جو بالکل عام فہم ہیں اور ان لوگوں کو جو علماً قرآن وسنت کی گہرائی میں نہیں جاسکتے، ان کے سامنے قادیانی مذہب ایک نہایت واضح اور شفاف صورت میں سامنے آجاتا ہے۔ جو لوگ اپنے لئے آسمانی ماموریت کے مدعی ہوتے ہیں، ان کے صدق کا پہلا نشان ان کے معجزات ہوتے ہیں جو فعل خداوندی سے ظہور میں آتے ہیں اور ان تک ہر خاص وعام کی رسائی بھی ہو جاتی ہے۔ ان کا صدق وکذب کچھ باریک اور علمی مباحث میں نہیں جانا جاتا۔

ان معجزات میں کی وہ پیش گوئیاں بھی ہوتی ہیں جو وہ واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے لوگوں میں کہہ دیتے ہیں کہ ایسا ہوگا۔ ان کے واقع ہونے یا نہ ہونے کو بھی خاص وعام بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ دین فطرت وہی ہے جسے خواص وعوام برابر سمجھ سکیں، انہیں لفظی مباحث کے بھنور میں ڈالنا یہ وہ تاریک راہ ہے جس میں گھنٹوں لگے رہیں مگر کنارے پر پہنچنا کبھی نصیب نہیں ہوتا۔

ہم اپنے قارئین کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ پہلے غلام احمد قادیانی کی ان پیش گوئیوں کا جائزہ لیں جو اس نے اتفاقاً نہیں بلکہ اپنا صدق وکذب دکھانے کے لئے بطور معیار لوگوں میں پیش کیں، ان پیش گوئیوں میں کتنے پہلو ہی کیوں نہ لپٹے ہوں۔ تاہم سب سے بڑا پہلو ان میں مرزا قادیانی کا ان سے اپنے صدق کا نشان بتلانا مقصود ہوتا ہے۔

مرزا غلام احمد خود بھی کہتا ہے: ’’کسی انسان کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹا نکلنا تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے، زیادہ اس سے کیا لکھوں۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ج۵ص۶۵۱)

قادیانیت کے خلافِ اسلام ہونے پر سب فرقے متفق رہے اسلام کی دوسری صدی میں جَہمیہ وخوارج اور معتزلہ ومُرجیہ اور رفض وقدر کے جتنے فتنے عراق سے اٹھے ان کی مثال کسی اور خطے میں نہیں پائی گئی۔ فرقہ ناجیہ صرف وہ مسلمان رہے جو’’ما انا علیہ واصحابی‘‘ کے شرف سے پہچانے جاتے تھے۔ فرقہ ناجیہ اسی دور اوّل سے چلا آرہا ہے

اور گمراہ فرقے سب اس کے بعد اپنے اپنے وقت میں سر اٹھاتے رہے ہیں۔

قادیانی فرقہ بہت بعد میں بیسویں صدی میں بنا ہے۔ یہ دور اوّل کے تہتر فرقوں میں سے نہیں ہے۔ (نہ یہ فرقہ ناجیہ میں سے اور نہ باقی بہتر میں سے) یہ فرقہ اس نئے دور کی پیداوار ہے۔ اسے ان پہلے فرقوں میں تلاش کرنا اسی طرح بے سود ہے، جیسے کوئی لیلۃ الاسراء میں بیت المقدس میں بنی صفِ انبیاء میں غلام احمد قادیانی کو تلاش کرے۔ صف انبیاء پوری ہو چکی۔ خاتم النّبیین ﷺ نے جن کی امامت فرمادی آپ کی طرف سے یہ ان کی نبوت پر مہر تصدیق ہے۔ غلام احمد نہ وہاں تھا نہ وہ اپنے لئے کوئی مہر تصدیق لے سکا۔ حضور خاتم النّبیین ﷺ تمام نبیوں کی مہر ہیں۔

گمراہ فرقے تو شاید آگے کچھ اور بھی بنیں لیکن فرقہ ناجیہ تو شروع سے چلا آرہا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ آج بنے اور پہلے تہتر کے تہتر سب ناری فرقے ہو جائیں (معاذ اللہ) مرزا غلام احمد سے پہلے جو فرقہ ناجیہ تھا، آج بھی وہی فرقہ ناجیہ ہے اور وہ وہی ہے جو ’’ما انا علیه واصحابی‘‘ کا شرف پائے ہوئے ہے۔

مرزا غلام احمد کے خلاف سب سے پہلے علماء لدھیانہ نے حق کا کھوج لگایا تھا اور اس کے کفر کا فیصلہ دیا۔ پھر علمائے امرتسر اور گورداسپور اٹھے اور پھر علمائے سیالکوٹ اور گوجرانوالہ اور پھر جوں جوں تحقیق ہوتی گئی اور سب حالات کھلتے گئے سارے لوگ قادیانیوں کے خلاف ہوتے گئے۔ مولانا پیر مہر علی شاہ نے براہِ راست غلام احمد کو للکارا اور مرزا غلام احمد نے تحفہ گولڑویہ ان کی خدمت میں پیش کی۔ پھر پوری قوم امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی امارت میں جمع ہوئی اور مسلمانوں نے قادیانیوں کے ایک گمراہ فرقہ ہونے کا ہی نہیں، ان کے ایک علیحدہ غیر مسلم اقلیت ہونے کا ایک ملک گیر مطالبہ کیا۔ قادیانی سربراہ مرزا ناصر کو بھی قومی اسمبلی میں پیش ہونے اور اپنے دادا کے معجزات پیش کرنے کا موقعہ دیا گیا مگر کوئی قادیانی کلی وہاں نہ کھل سکی اور قادیانی سرکاری سطح پر بھی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ صدر ضیاء الحق مرحوم نے پھر ایک آرڈیننس جاری کر کے کلمہ اسلام کو بھی ان کے استعمال سے بچالیا۔ اسی رات انہوں نے اپنی عبادت گاہوں سے اپنے ہاتھوں مساجد کے

بورڈ اتارے اور چاک سے ’’بیت الذکر‘‘ کے الفاظ لکھ لئے۔

یہ ان حالات کا تدریجی نتیجہ تھا کہ پھر صوبائی اسمبلی پنجاب نے ان کے مرکز کو ربوہ کا قرآنی لفظ دینے پر بھی پابندی لگادی۔ یہ بات صحیح اور بالکل صحیح ہے کہ یہ گروہ اس امت کے تہتر فرقوں میں پہلے سے ہی شامل نہیں۔ ان میں فرقہ ناجیہ بھی وہی ہے جو اسلام کی پہلی صدی سے چلا آرہا ہو اور اس نے اسلام کی چودہ صدیاں دیکھی ہوں۔ قادیانی گروہ اس صدی کا ایک نیا فرقہ ہے۔ یہ ہرگز چودہ سو سال پرانا نہیں۔ غلام احمد گورنمنٹ برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے صاف اقرار کرتا ہے کہ وہ ایک جدید فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔

’’چونکہ مسلمانوں کا ایک نیا فرقہ جس کا پیشواء اور امام اور پیر یہ راقم ہے، پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں میں زور سے پھیلتا جارہا ہے...... اس لئے میں نے قرین مصلحت سمجھا کہ اس فرقہ جدیدہ اور نیز اپنے تمام حالات سے جو اس فرقہ کا پیشواء ہوں، حضور لیفٹینٹ گورنر بہادر کو آگاہ کروں۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۸)

’’گورنمنٹ کا اوّل درجہ کا وفادار اور جانثار یہی نیا فرقہ ہے۔ جس کے اصولوں میں سے کوئی اصول گورنمنٹ کے لئے خطرناک نہیں...... میں گورنمنٹ عالیہ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ فرقہ جدیدہ جو برٹش انڈیا کے اکثر مقامات میں پھیل گیا ہے...... گورنمنٹ کے لئے ہرگز خطرناک نہیں ہے۔‘‘ (مجموعہ اشتہارات ج۳ ص۱۵تا۱۸)

یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ چودھویں صدی کا یہ نیا فرقہ ہرگز ان تہتر فرقوں میں سے نہیں جو صحابہ کے عہد رسالت سے متصلاً چلے اور صحابہ کی اتباع میں چلنے والا فرقہ ناجیہ بھی تو اسی دور سے چلا تھا۔ مرزا غلام احمد نے خود تسلیم کیا کہ وہ تہتر فرقوں میں کسی میں نہیں۔ وہ کل تہتر کو اپنا مخالف کہتا رہا ہے۔

’’تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ بجز ان چند حدیثوں کے جو تہتر فرقوں نے بوٹی بوٹی کر کے تقسیم کر رکھی ہیں۔ رؤیت حق اور یقین حق کہاں ہے۔‘‘

(اربعین نمبر۴ ص۲۱، خزائن ج۱۷ ص۴۵۶)

معلوم ہوا قادیانی تہتر فرقوں میں سے کسی میں نہیں۔

مؤلف: خالد محمود عفا اللہ عنہ

قرآن وحدیث کے مسائل میں الجھے بغیر براہ راست قادیانیت پر غور کرنے کا آسان راستہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. أَمَّا بَعْدُ!

کسی مدعی الہام اوراس کے مامور آسمانی ہونے کو جانچنے کی آسان راہ اس کی پیش گوئیاں ہیں جواس نے اپنے صادق وکاذب ہونے کے باب میں تحدی سے پیش کی ہوں۔

مرزاغلام احمد قادیانی خودلکھتا ہے:

۱...... ’’بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لئے ہماری پیش گوئیوں سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہوسکتا ہے۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج اوّل ص۱۱۸، ۱۰/جولائی ۱۸۸۸ء مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۱۵۹، آئینہ کمالات اسلام ص۲۸۸، خزائن ج۵ ص ایضاً)

۲...... ’’کسی انسان کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹا نکلنا خود تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے زیادہ اس سے کیا لکھوں۔‘‘

(اشتہار خاکسار مرزاغلام احمد ۲۰/فروری ۱۸۹۳ء مندرجہ آئینہ کمالات اسلام ص۳ خزائن ج۵ ص۶۵۱)

۳...... مرزاغلام احمد نے اپنے مخالفین کے خلاف جو پیش گوئیاں کیں انہیں اپنے صدق یا کذب جانچنے کی کسوٹی ٹھہرایا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ مرزاغلام احمد ان پیش گوئیوں میں ایک ایک میں جھوٹا نکلا اور اپنے کئی دشمنوں کے سامنے ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء کو نامرادی کے ساتھ ہلاک ہوا۔ (مجموعہ اشتہارات ج دوم ص۴۳)

افسوس کہ مرزا قادیانی اپنے بعض دشمنوں کی زندگی میں اپنی پیش گوئیوں کو جھوٹا کرتے ہوئے مرگئے کیا یہ ان کے اپنے الفاظ میں ذلت اور نامرادی کی موت نہیں؟ تاہم یاد رکھئے پیغمبر اپنی صداقت کے لئے اس قسم کی زبان کبھی نہیں بولتے اور نہ وہ کسی پیرایہ میں کبھی اپنے نبی نہ ہونے کا سوچ سکتے ہیں۔ پھر ساتھ ساتھ یہ بدزبانی بھی ملاحظہ کرتے جائیں جو یہ شخص اپنے بارے میں بول رہا ہے۔ جو اپنے حق میں یہ زبان بول سکتا ہے وہ دوسروں کے بارے میں کیا زبان بولے گا یہ آپ خود اندازہ کرلیں۔

پیغمبر اپنے نبی نہ ہونے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتے، نہ وہ اسے کسی شرط سے مشروط کرتے ہیں

جس طرح انسان کبھی اس طرف نہیں جا سکتا کہ شاید میں انسان نہ ہوں کیونکہ انسان ہونا اس کی صفات ذاتیہ میں سے ہے اسی طرح پیغمبر کبھی اس سوچ میں نہیں جاتا کہ شاید میں پیغمبر نہ ہوں۔قرآن کریم نے بہت سے پیغمبروں کے دعویٰ نبوت اور ان کے اپنے مخالفوں سے بات چیت کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں آپ کو ایک واقعہ بھی نہ ملے گا کہ کوئی پیغمبر کوئی شرط لگا کر اس پر اپنے نبی نہ ہونے کا جملہ بولے پیغمبر اپنے نبی نہ ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے نہ وہ اسے کسی واقعہ کے ہو جانے سے ثابت کرتے ہیں۔

پیغمبروں کی پیش گوئیاں بے شک برحق ہیں لیکن کسی پیغمبر نے کبھی اپنی نبوت کو کسی پیش گوئی کی بھینٹ پر نہیں رکھا وہ پیش گوئی کر کے بھی یہ نہ کہیں گے کہ اگر یہ اس طرح پوری نہ ہوئی تو وہ خدا کی طرف سے نہیں ہیں یہ سوچ کبھی ان کے صحن فکر میں داخل نہیں ہوتی۔جن پیغمبروں نے اپنی قوم کو آنے والے عذاب سے ڈرایا انہوں نے یہ بھی نہ کہا کہ اگر عذاب نہ آئے تو ہم خدا کی طرف سے نہیں ہیں۔پیغمبر پیش گوئی کرتے ہیں اور وہ پوری بھی ہوتی ہے لیکن وہ کسی پیش گوئی کے ساتھ تحدی نہیں کرتے اور اسے اپنے صدق وکذب کا محک نہیں بتاتے۔قرآن کریم سے آپ کو اس کی ایک مثال بھی نہ ملے گی۔

پیغمبروں کے معجزات برحق ہیں۔معجزہ سامنے آنے پر ہی نہ ماننے والوں کو اس کی مثل لانے سے عاجز سمجھا جاتا ہے۔معجزہ دکھانے سے پہلے کبھی یہ تحدی نہیں ہوتی کہ اگر میں ایسا نہ کر دکھاؤں تو میں پیغمبر نہیں ہوں۔(معاذ اللہ، استغفر اللہ)

پیغمبرانہ دعوت کا اسلوب

پیغمبر ہمیشہ خدا کو سامنے رکھتے ہیں۔وہ اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو خدا کے نام سے دیتے ہیں، اپنے نام سے نہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا خدا کو مان لینا خود ان کے مان لینے کو

لازم ہوگا لیکن بات چیت میں وہ اپنے آپ کو آگے نہیں رکھتے اور خدا کی راہ کو وہ اپنی پیش گوئیوں سے وابستہ نہیں رکھتے۔ ان کی دعوت میں توحید پہلے ہوتی ہے اور اپنی رسالت کی دعوت وہ اس کے ضمن میں سامنے لاتے ہیں۔

مرزا غلام احمد کا اسلوب دعوت

مرزا غلام احمد کا پیرایہ دعوت پیغمبرانہ اسلوب دعوت سے بالکل لگاؤ نہیں کھاتا۔ اس میں (Black Mailing) کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے جو مرزا غلام احمد کی شرافت اور دیانت کو ابتداء میں ہی تار تار کر دیتا ہے۔

۱...... مخالفوں کو موتوں سے ڈرانا۔

۲...... زلزلوں اور وباؤں سے خوف زدہ کرنا۔

۳...... نہ ماننے والوں کے نام ونسب کو ان کے سامنے مشتبہ کر کے رکھ دینا۔

۴...... حکومت برطانیہ کے پولیٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے مخالفوں کے بارے حکومت کو اطلاعات فراہم کرنے کی دھمکی دینا۔

۵...... اپنے دعوؤں کو نمبروار ذہن میں رکھنا۔

یہ وہ امور ہیں جو آپ کو کسی پیغمبر کے اسلوب دعوت میں نہ ملیں گے۔ پیغمبر جو بات کہتے ہیں وہ اتنی ہی ان کے ذہن میں ہوتی ہے جتنی وہ کہتے ہیں۔ کسی حصے کو چھپانے اور کسی کو ظاہر کرنے کی چالیں ان کے ذہن میں نہیں ہوتیں۔ پیش گوئیوں میں وہ استعارہ میں بات نہیں کرتے نہ وہ استعاروں کو اپنی صداقت کی کسوٹی بناتے ہیں اور نہ وہ گالیوں سے اپنے مخالفوں کی زبان بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مخالفوں کو موتوں سے ڈرانا

۱......مولانا سعد اللہ لدھیانوی کو موت کی دھمکی

اذیتنی خبثا فلست بصادق ان لم تمت بالخزی یا ابن بغاء

(انجام آتھم ص۲۸۲، خزائن ج۱۱ ص۲۸۲)

(ترجمہ) تو نے مجھے اپنی خباثت سے تکلیف دی ہے سو میں سچا نہیں اے نسل بدکاراں اگر تو ذلت سے نہ مرے۔

۲......مولانا ثناء اللہ امرتسری کی زندگی میں مرنے کی پیش گوئی

''اگر میں ایسا ہی کذاب اور مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاؤں گا۔''

(تبلیغ رسالت ج۱۰ ص۱۱۹، مجموعہ اشتہارات ج سوم ص۵۷۸)

۳...... پادری عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی

''وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے بسزائے موت ہاویہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اُٹھانے کے لئے تیار ہوں مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔''

(جنگ مقدس ص۱۸۹، خزائن ج۶ ص۲۹۳)

۴......ڈاکٹر عبدالحکیم کی ہلاکت کی پیش گوئی

''وہ ڈاکٹر ہے اور ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۴/اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لئے ایک نشان ہوگا......مگر خدا تعالیٰ نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلاء کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا۔'' (چشمہ معرفت ص۳۲۱،۳۲۲، خزائن ج۲۳ ص۳۳۶،۳۳۷)

۵......مرزا احمد بیگ کے داماد (محمدی بیگم کے خاوند) کی موت کی پیش گوئی

''وقال انها ستجعل ثيبة و يموت بعلها وابوها الى ثلث سنة من يوم

الںکاح ثم نردھا الیک بعد موتھما‘‘ (ضمیمہ کرامات الصادقین ص ل، خزائن ج۷ ص۱۶۲)

(ترجمہ) اور اللہ نے کہا ہے وہ عنقریب بیوہ کی جائے گی اور اس کا خاوند اور باپ نکاح سے تین سال کے اندر اندر مر جائیں گے پھر وہ ان دونوں کی موت کے بعد تیرے نکاح میں لائی جائے گی۔

’’میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگم کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آ جائے گی۔‘‘

(انجام آتھم حاشیہ ص۳۱، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

۶...... پنڈت لیکھ رام کی غیر معمولی موت کی پیش گوئی

’’خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰/فروری ۱۸۹۳ء ہے، چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں...... عذاب شدید میں مبتلاء کیا جائے گا۔ سو اب میں اس پیش گوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں اور آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص (پنڈت لیکھ رام) پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت نہ رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔‘‘

(اشتہار ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء مندرجہ آئینہ کمالات اسلام ص۲،۳، خزائن ج۵ ص۶۵۰،۶۵۱)

خرقِ عادت عذاب سے مراد وہ پکڑ ہے جو انسانی ہاتھوں کی نہ سمجھی جا سکے۔ اس میں قتل وغیرہ کی کوئی صورت نہ ہو، قتل تو مخالفین میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ دیکھئے یہ موتوں کا بادشاہ کس طرح موتوں پر موتیں لا رہا ہے اور موتوں کی دھمکیوں سے اپنی نبوت منوا رہا ہے کیا یہ کھلی بلیک میلنگ (Black Mailing) نہیں ہے۔ اس وقت یہ بحث نہیں کہ یہ پیش گوئیاں پوری ہوئیں یا نہ۔ یہ بحث آگے آئے گی اس وقت صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ مرزا غلام احمد کا اپنی نبوت کو ان پیش گوئیوں کی بھینٹ چڑھانا اور اپنی نبوت کو دوسروں کی موتوں سے وابستہ کرنا یہ وہ راہ ہے جو اب تک کسی پیغمبر نے نہ اپنائی، پیغمبر اپنے بارے میں نبی نہ ہونے کا کبھی سوچ نہیں سکتے نہ وہ اپنی نبوت کو دنیا کے کسی واقعہ یا حادثہ کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔

مرزا کے اپنی نبوت کی دعوت دینے کے غیر فطری پیرائے

مرزا غلام احمد کا سارا لٹریچر اس قسم کی بلیک میلنگ سے بھرپور ہے۔ اس مختصر تحریر میں ان پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ تاہم مرزا غلام احمد کی ایک پیش گوئی کا ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔ وہ اس پہلو سے نہیں کہ وہ پیش گوئی اپنے ہاں پوری ہوئی یا نہ، یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد پیش گوئی کرنے میں کس قدر چالاک اور عیار بنا رہتا تھا بلکہ اس کے پورا نہ ہونے پر اصل الفاظ کو بدلنے میں بھی اسے کوئی شرم نہ آتی تھی۔

مرزا قادیانی کی اس چھٹی پیش گوئی کی کچھ ضروری تفصیل

مرزا قادیانی کی صرف ایک پیش گوئی ہے جو مقرر کردہ تاریخ کے اندر واقع ہوئی اور وہ پنڈت لیکھ رام کی موت کی پیش گوئی تھی لیکن اسے ہم پیش گوئی کا پورا ہونا نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ پیش گوئی کے الفاظ میں یہ ایک ایسی موت تھی جو انسانی ہاتھوں سے بالا ہو، اسے دیکھ کر کسی انسانی کارروائی کا گمان نہ گزرے۔ چھری سے قتل ایسی موت ہے جو انسانی ہاتھوں سے وقوع میں آتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ قاتل پکڑا جاسکے یا نہ۔ لیکن جو موت کسی پر آسمانی لعنت کے طور پر اترے اس میں اس قسم کی علامات نہیں پائی جاتیں کہ دیکھنے والے کو اس میں کسی انسانی سازش کا گمان گزرے۔ پنڈت لیکھ رام جو مقررہ تاریخ کے اندر چھری سے مارا گیا۔

اس پیش گوئی کے الفاظ یہ تھے: ''خداوند کریم نے مجھ پر ظاہر کیا کہ آج کی تاریخ سے جو ۲۰/فروری ۱۸۹۳ء ہے چھ برس کے عرصہ تک یہ شخص اپنی بدزبانیوں کی سزا میں جو اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں کی ہیں۔ عذاب شدید میں مبتلاء ہو جائے گا۔ سو اب میں اس پیش گوئی کو شائع کر کے تمام مسلمانوں، آریوں اور عیسائیوں اور دیگر فرقوں پر ظاہر کرتا ہوں کہ اگر اس شخص پر چھ برس کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے کوئی ایسا عذاب نازل نہ ہوا جو معمولی تکلیفوں سے نرالا اور خارق عادت اور اپنے اندر الٰہی ہیبت رکھتا ہو تو سمجھو کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور نہ اس کی روح سے میرا یہ نطق ہے۔ اور اگر میں اس پیش گوئی میں کاذب نکلا تو ہر ایک سزا میں بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اس بات پر میں راضی ہوں کہ مجھے گلے میں رسہ ڈال کر سولی پر کھینچا جائے۔''

(اشتہار ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء ص۲،۳ مندرجہ آئینہ کمالات اسلام، خزائن ج۵ ص۶۵۰،۶۵۱)

پھر جب پنڈت لیکھ رام مارا گیا تو اس پیش گوئی کے الفاظ اس طرح وضع کر لئے گئے: ’’میں نے اس کی نسبت پیش گوئی کی تھی کہ چھ برس تک چھری سے مارا جائے گا۔‘‘

(نزول مسیح ص۱۷۵، خزائن ج۱۸ ص۵۵۳)

اب آپ ہی دیکھیں گے کہ چھری کا لفظ اصل پیش گوئی میں نہ تھا مگر جب پنڈت لیکھ رام عملاً چھری سے مارا گیا تو مرزا غلام احمد نے نہایت چالاکی سے اصل پیش گوئی میں چھری کے الفاظ داخل کر دیئے۔ یہ اپنے فریب سے اسے پورا کرنے کی کوشش نہیں تو اور کیا ہے؟ مرزا غلام احمد کے یہ الفاظ یاد رکھئے اور دیکھئے کہ کیا وہ خود ان کا مصداق نہیں؟

’’ہم ایسے مرشد کو اور ساتھ ہی ایسے مرید کو کتوں سے بدتر اور نہایت ناپاک زندگی والا خیال کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے گھر سے پیش گوئیاں بنا کر پھر اپنے ہاتھ سے، اپنے مکر سے، اپنے فریب سے ان کے پورے ہونے کی کوشش کرے اور کرائے۔‘‘

(سراج منیر ص۲۳، خزائن ج۱۲ ص۲۷)

ایک حیرت اور تعجب کا ازالہ

آپ یہ خیال نہ کریں کہ مرزا غلام احمد کو اس قسم کی جھوٹی پیش گوئیوں سے اس صف کے لوگوں میں آنے کا کیوں شوق تھا؟ اگر نہیں تو وہ کیسے پیش گوئیوں پر پیش گوئیاں کرتا چلا گیا۔ کیا اسے خود معلوم نہ تھا کہ اس مدت کے آگے میری ذلت اور رسوائی کے دن آئیں گے اور سب لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے۔ مرزا غلام احمد جن الفاظ میں پیش گوئی کرتا ہے، ان سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ بات بنا نہیں رہا۔ خالص جھوٹ کو کیسے اس قسم کے یقینی الفاظ میں ڈھالا جا سکتا ہے؟ اس تعجب کا ازالہ درکار ہے۔

مرزا غلام احمد کو ایسے چکر شیطان دیتا تھا وہ ایسی باتیں بہ پیرایہ وحی غلام احمد کے دل میں ڈالتا تھا اور یہ نادان سمجھتا تھا کہ یہ وحی خداوندی ہے جو ختم نبوت کے بعد پھر سے جاری ہوگئی ہے۔ قرآن کریم میں خبر دی گئی ہے کہ شیطان کبھی اس پیرائے میں بھی اپنے پیروؤں پر حملہ آور ہوتا ہے۔

’’وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ لِیُجَادِلُوْکُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْھُمْ اِنَّھُمْ لَمُشْرِکُوْنَ‘‘ (الانعام:۱۲۱)

(ترجمہ) اور شیطان وحی کرتے ہیں اپنے دوستوں کی طرف تاکہ وہ تم سے مجادلہ کریں اور اگر تم نے ان کی بات مانی تو تم بھی مشرک ہوگئے۔

شیطانی وحی کس طرح آتی ہے اس میں بہت وسعت ہے ضروری نہیں کہ جن پر آئے اسی وقت انہیں اس کا پتہ چل جائے۔

مرزا غلام احمد خود بھی اس اصول کو مانتا ہے۔

''واضح ہو کہ شیطانی الہامات کا ہونا حق ہے۔''

(ضرورۃ الامام ص۱۳، خزائن ج۱۳ ص۴۸۲)

مرزا غلام احمد کی ایک نادانی اور ایک چالاکی

غلام احمد اپنے سچا اور جھوٹا ہونے کی بجائے اس پیرائے میں سامنے کیوں آتا تھا کہ یہ وحی اس نے خود نہیں گھڑی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی باتوں کے بیشتر الفاظ اسے اس وحی شیطانی سے موصول ہوتے تھے اور ان میں وہ اپنے آپ کو مفتری نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن اس بات میں وہ خود مجرم تھا کہ جب واقعات ثابت کر دیتے کہ وہ وحی خداوندی نہ تھی تو وہ اسے خواہ مخواہ سچ ثابت کرنے کے لئے تاویلات کرتا تھا اور بجائے اس کے کہ وہ اس شیطانی وحی کو کتاب وسنت پر پیش کرتا وہ اسے وحی خداوندی سمجھتے ہوئے خود اپنے سابقہ اسلامی عقائد کو چھوڑ گیا۔ اس قسم کی وحی شیطانی نے جبراً اس کے عقائد میں تبدیلی کرائی۔

مرزا بشیرالدین محمود لکھتا ہے: ''الغرض حقیقت الوحی کے حوالہ نے واضح کر دیا کہ نبوت اور حیات مسیح کے متعلق آپ کا عقیدہ پہلے عام مسلمانوں کی طرح تھا مگر پھر دونوں میں تبدیلی فرمائی۔'' (الفضل قادیان ج۲۹ نمبر۲۰۵ ص۴، کالم نمبر۴، مؤرخہ ۶ ستمبر۱۹۴۱ء خطبہ جمعہ)

پھر یہ بھی کہا: ''دعویٰ مسیحیت کی بابت بھی تبدیلی جبراً بذریعہ وحی ہوئی اور نبوت کے متعلق بھی سابق عقیدہ میں وحی نے جبراً تبدیلی کرائی۔''

(الفضل قادیان ج۲۹ نمبر۲۰۵ ص۴ کالم۳، مؤرخہ ۶ ستمبر۱۹۴۱ء خطبہ جمعہ)

صورت حال کچھ بھی ہو یہ بات اپنی جگہ صحیح اور یقینی ہے کہ مرزا غلام احمد کی پیش گوئیاں کھلے بندوں جھوٹی نکلیں اور اگر کوئی شیطانی وحی کبھی سچی بھی نکلی تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ وحی خداوندی تھی۔

مرزا خود لکھتا ہے: ’’ممکن ہے ایک خواب سچا بھی ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو اور ممکن ہے کہ ایک الہام سچا ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو کیونکہ اگر چہ شیطان بڑا جھوٹا ہے لیکن کبھی سچی بات بتلا کر دھوکہ دیتا ہے تا ایمان چھین لے۔‘‘

(حقیقت الوحی ص۱، خزائن ج۲۲ ص۳)

مرزا غلام احمد کی یہ عبارت آپ پہلے بھی دیکھ آئے ہیں: ’’واضح ہو کہ شیطانی الہامات کا ہونا حق ہے۔‘‘ (ضرورت الامام ص۱۳، خزائن ج۱۳ ص۴۸۲)

مرزا قادیانی تو یہ بھی لکھتے ہیں: ’’راقم کو اس بات کا تجربہ ہے کہ اکثر پلید طبع اور سخت گندے اور ناپاک اور بے شرم اور خدا سے نہ ڈرنے والے اور حرام کھانے والے فاسق وفاجر بھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں۔‘‘ (تحفہ گولڑویہ ص۴۸ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۱۶۸)

یہ وجہ ہمیں سمجھ میں نہیں آئی کہ اس حقیقت کو مرزا قادیانی اپنا تجربہ کیسے بتا رہے ہیں۔ انہیں اس قسم کے لوگوں کی صف میں بیٹھنے کا کیوں شوق تھا۔

ہم ذیل میں مرزا غلام احمد کی چند پیش گوئیوں کا ذکر کریں گے اور یہ بات اپنی جگہ حق ہے کہ وحی الٰہی پر مبنی کوئی پیش گوئی غلط نہیں ہوتی۔

قرآن کریم میں ہے: ’’فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَہٗ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ‘‘ (ابراہیم:۴۷)

(ترجمہ) سو خیال مت کر کہ اللہ اپنے رسولوں کو دیئے گئے وعدے کا خلاف کرے گا بے شک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔

ہم یہاں پہلے مرزا غلام احمد کی چند پیش گوئیاں ذکر کرتے ہیں اور ان کے بعد مرزا کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں جیسے:

۱...... لین دین میں بددیانتی ۲...... انسانی حقوق کی پامالی

۳...... کھلے بندوں میں جھوٹ بولنا ۴...... تضادات کا شکار ہونا

۵...... بدزبانی اور فحش پسندی۔ وغیرہ کو ذکر کریں گے۔

(۱) مرزا غلام احمد کی جھوٹی پیش گوئیاں

مرزا غلام احمد کے مخالفین میں عیسائیوں میں پادری آتھم، مسلمانوں میں مولانا ثنا اللہ امرتسری، عورتوں میں مرحومہ محمدی بیگم اور اپنے ساتھیوں میں پٹیالہ کے ڈاکٹر عبدالحکیم اور ہندوؤں میں پنڈت لیکھرام خاص طور پر مرزا غلام احمد کی پیش گوئیوں کا موضوع بنے۔

مرزا غلام احمد لکھتا ہے: ''درحقیقت میرا صدق یا کذب آزمانے کے لئے یہی کافی ہیں۔'' (ازالہ اوہام حصہ۲ ص۴۳۵، خزائن ج۳ ص۴۴۳)

ضروری نہیں کہ جس قدر بطور نمونہ کے ہم نے پیش گوئیاں ذکر کی ہیں ایک ایک پیش گوئی کا جھوٹا ہونا ثابت کیا جائے۔ مرزا غلام احمد کی ایک پیش گوئی بھی جھوٹی نکلے تو یہ اس کے کاذب ہونے کے لئے کافی ہے۔ خود لکھتا ہے: ''اگر ثابت ہو کہ میری سو پیش گوئی میں سے ایک بھی جھوٹی نکلی تو میں اقرار کروں گا کہ میں کاذب ہوں۔''

(اربعین نمبر۴ ص۲۵، خزائن ج۱۷ ص۴۶۱ حاشیہ)

اب ہم پادری عبداللہ آتھم سے اس بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

۱...... عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد نے ۵؍جون ۱۸۹۳ء کو عبداللہ آتھم کی موت کی پیش گوئی کی اور کہا خدا نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے۔ مرزا غلام احمد اور پادری عبداللہ آتھم کا تحریری مناظرہ امرتسر میں ۲۲؍مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵؍جون ۱۸۹۳ء تک پندرہ دن رہا۔ اس میں حکیم نورالدین اور مولوی سید محمد احسن مرزا قادیانی کے معاون تھے۔ اسی مناظرے کی روئیداد جنگ مقدس کے نام سے شیخ نور احمد مالک ریاض ہند پریس امرتسر نے شائع کی۔

مرزا غلام احمد نے اپنی آخری تحریر میں لکھا: ''آج رات جو مجھ پر کھلا وہ یہ ہے کہ جب میں نے بہت تضرع اور ابتہال سے جناب الٰہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کر اور ہم عاجز بندے ہیں۔ تیرے فیصلہ کے سواء کچھ نہیں کر سکتے تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عمداً جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے

اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لے کر یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے …… میں اس وقت یہ اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیش گوئی جھوٹی نکلی ……تو میں ہر ایک سزا کے اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔

۱…… مجھ کو ذلیل کیا جاوے۔ ۲…… روسیاہ کیا جاوے۔

۳…… میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے۔ ۴…… مجھ کو پھانسی دی جاوے۔

ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ:

۱…… وہ ضرور کرے گا۔ ۲…… ضرور کرے گا۔

۳…… ضرور کرے گا۔ ۴……زمین آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔‘‘

(جنگ مقدس ص۱۸۸،۱۸۹، خزائن ج۶ ص۲۹۱،۲۹۲،۲۹۳)

اس پیش گوئی کے مطابق آتھم کی موت کا آخری دن ۵؍ستمبر ۱۸۹۴ء قرار پایا مگر دنیا گواہ ہے کہ وہ ۵؍ستمبر کو صحیح سلامت موجود تھا۔ اب عبداللہ آتھم کا خط بھی پڑھیں جو اس وقت کے اخبار ’’وفادار‘‘ لاہور میں شائع ہوا۔

’’میں خدا کے فضل سے تندرست ہوں اور آپ کی توجہ مرزا قادیانی کی کتاب نزول مسیح کی طرف دلاتا ہوں جو میری نسبت اور دیگر صاحبان کی موت کی پیش گوئی ہے…… اب مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ آتھم نے اپنے دل میں چونکہ اسلام قبول کر لیا ہے، اس لئے نہیں مرا۔ خیر ان کو اختیار ہے جو چاہیں سو تاویل کریں کون کسی کو روک سکتا ہے۔ میں دل سے اور ظاہراً پہلے بھی عیسائی تھا اور اب بھی عیسائی ہوں اور خدا کا شکر کرتا ہوں۔‘‘

یہ دل سے توبہ کرنے کا تصور بھی مرزا قادیانی کی نئی شریعت ہے قرآن شریف تو اس توبہ کو لائق قبول ٹھہراتا ہے جو کھول دی جائے۔ یہ اچھی توبہ ہے جو پیش گوئی کے جھوٹا نکلنے پر آتھم کے سر تھوپی جارہی ہے۔ قرآن کریم تو توبہ کے ساتھ اس کے بیان ہونے کو بھی لازم ٹھہراتا ہے۔ ’’اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْھِمْ‘‘ (البقرہ:۱۶۰)

(ترجمہ) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور (اپنے بگاڑ کی) اصلاح کی اور اسے

برسرعام بیان کیا وہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں۔

پھر اگر آتھم واقعی تائب ہو چکا تھا تو خداتعالیٰ نے مرزاقادیانی کو ۵رستمبر۱۸۹۴ء سے پہلے کیوں اطلاع نہ دے دی۔ شیخ یعقوب علی عرفانی ۵رستمبر۱۸۹۴ء کو اپنی جماعت کا حال ان لفظوں میں ذکر کرتا ہے: ''آتھم کی پیش گوئی کا آخری دن آ گیا اور جماعت میں لوگوں کے چہرے پژمردہ ہیں اور دل سخت منقبض ہیں۔ بعض لوگ ناواقفی کے باعث مخالفین سے اس کی موت پر شرطیں لگا چکے ہیں۔ ہر طرف سے اداسی اور مایوسی کے آثار ظاہر ہیں۔ لوگ نمازوں میں چیخ چیخ کر رو رہے ہیں کہ اے خداوند ہمیں رسوا مت کریو۔ غرض ایسا کہرام مچا ہے کہ غیروں کے رنگ بھی فق ہو رہے ہیں۔'' (سیرت مسیح موعود حصہ اوّل ص۹)

خود مرزاقادیانی کا حال اس دن کیا تھا؟ اسے ان کے بیٹے بشیراحمد کے بیان میں دیکھیں۔ آپ اس دن عملیات میں گھرے ہوئے تھے اور دانے پڑھوا رہے تھے۔

وہ لکھتا ہے: ''وظیفہ ختم کرنے پر ہم وہ دانے حضرت صاحب کے پاس لے گئے کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وظیفہ ختم ہونے پر یہ دانے میرے پاس لے آنا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ہم دونوں کو قادیان سے ...... باہر لے گئے اور فرمایا کہ یہ دانے کسی غیرآباد کنوئیں میں ڈالے جائیں گے اور فرمایا کہ جب میں دانے کنوئیں میں پھینک دوں تو ہم سب کو سرعت کے ساتھ منہ پھیر کر واپس لوٹ آنا چاہئے اور مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔''

(سیرت المہدی ج۱ ص۱۶۰ روایت ۱۵۶ قدیم، سیرت المہدی حصہ اوّل ص۱۶۲ روایت ۱۶۰ جدید)

یہ عملیات بتا رہے ہیں کہ مرزاغلام احمد آتھم کو اندر سے مسلمان ہوا نہ سمجھتا تھا۔ پھر معلوم نہیں خدا نے اسے مسلمان ہوا کیسے سمجھ لیا اور اس سے موت ٹال دی۔

مرزابشیرالدین محمود کا بیان بھی لائق دید ہے جو (الفضل قادیان ج۲۸ نمبر۱۶۳ ص۴ کالم نمبر۴، مؤرخہ ۲۰رجولائی ۱۹۴۰ء) میں چھپا ہے وہ کہتا ہے: ''جب آتھم کی پیش گوئی کا آخری دن آیا تو کتنے کرب واضطراب سے دعائیں کی گئیں ...... چیخیں سو سو گز تک سنی جاتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہ دعا جاری تھی کہ یااللہ آتھم مرجائے یااللہ آتھم مرجائے۔''

مگر افسوس کہ اس کہرام اور آہ وزاری کے نتیجے میں بھی آتھم نہ مرا۔

۲......محمدی بیگم سے نکاح کی پیش گوئی

یہ کمسن لڑکی ایک رشتہ سے مرزا قادیانی کی بھانجی، ایک رشتہ سے بھتیجی اور ایک رشتہ سے مرزا کی بیوی کی بھتیجی تھی اور آپ کی بہو کی بھی رشتہ کی بہن تھی۔ ہندوستان کے سماج میں یہ مرزا غلام احمد کی اولاد کے درجے کی تھی۔

غلام احمد لکھتا ہے:''ھذہ المخطوبۃ جاریۃ حدیثۃ السن عذراء و کنت حینئذ جاوزت خمسین'' (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۴، خزائن ج۵ ص ایضاً)

(ترجمہ) یہ جس کے نکاح کی طلب ہے ایک کمسن چھوکری ہے اسے کسی نے نہیں چھوا ہے اور میں اس وقت پچاس سال سے تجاوز کر چکا ہوں۔

مرزا غلام احمد کی اس پر بیٹی کی نظر کیوں نہ پڑی، بیوی کی نظر ہی کیوں پڑی ہم اس وقت اس پر بحث نہیں کرتے۔ مرزا غلام احمد نے ۲۵/ جولائی ۱۸۹۲ء کو ایک خواب میں دیکھا تھا:''چار بجے دن کے خواب میں دیکھا کہ ایک حویلی ہے اس میں میری بیوی والدہ محمود اور ایک عورت بیٹھی ہے ...... وہ عورت جو بیٹھی ہوئی تھی یکا یک سرخ اور خوش رنگ لباس پہنے ہوئے میرے پاس آگئی کیا دیکھتا ہوں کہ جوان عورت ہے...... میں نے دل میں خیال کیا کیا یہ وہی عورت ہے جس کے لئے اشتہار دیئے تھے اس کی صورت میری بیوی کی صورت معلوم ہوئی......اس نے کہا میں آگئی ہوں۔'' (تذکرہ ص۱۵۹ طبع چہارم)

مرزا کی خواہش ہوتی تھی کہ جو خواب دیکھے اسے ظاہراً بھی پورا کرے۔ مرزا کے چچازاد بھائی مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین اور مرزا کمال الدین، محمدی بیگم کے حقیقی ماموں تھے اور یہ مرزا قادیانی کی چچازاد بہن کی بیٹی تھی۔ اس چچازاد بہن کے رشتہ سے مرزا احمد بیگ مرزا غلام احمد کا بہنوئی لگا، یہ مرزا قادیانی کا ماموں زاد بھائی بھی تھا۔ مرزا غلام احمد کے بیٹے فضل احمد کی بیوی محمدی بیگم کی پھوپھی زاد بہن تھی۔ سو مرزا غلام احمد کے ہاں یہ کمسن لڑکی بہو کے برابر کی تھی۔

محمدی بیگم سے نکاح کی تحریک کیسے کی

مرزا امام الدین کا ایک بھائی مرزا غلام حسین بھی تھا، وہ مفقود الخبر ہو گیا تھا۔ اس

کی بیوی مرزا احمد بیگ کی بہن تھی۔ اس مفقود الخبر کی جائیداد بہن کے واسطہ سے مرزا احمد بیگ کو تب مل سکتی تھی کہ مرزا غلام حسین کے بھائیوں کی بھی اجازت ہو۔ احمد بیگ ان کا بہنوئی تھا، اس لئے وہ اس پر راضی تھے۔ جدی جائیداد ہونے کی وجہ سے برٹش لاء (British Law) میں مرزا غلام احمد کی اجازت بھی ضروری تھی۔ گو شرعاً اس کا اس پر حق نہ بنتا تھا۔ مرزا احمد بیگ (مرزا کا ماموں زاد بھائی) مرزا غلام احمد سے دستخط کرانے آیا تو مرزا نے یہ شرط لگا دی کہ اپنی کمسن بیٹی مجھ پچاس سال کے بوڑھے کو دے دے اور یہ زمین لے لے۔ احمد بیگ اس بوڑھے کی اس خواہش پر حیران رہ گیا۔ اسے غیرت آئی اور وہ واپس چلا گیا۔ مرزا غلام احمد نے مرزا احمد بیگ کو کہا کہ مجھے تو خدا نے وحی کی ہے کہ احمد بیگ سے یہ لڑکی مانگ۔

غلام احمد لکھتا ہے: ’’الھمت من اللّٰہ الباقی وانبئت من اخبار ماذھب وھلی قط الیھا وما کنت الیھا من المستد نین فاوحی اللّٰہ الیّ ان اخطب صبیۃ الکبیرۃ لنفسک. وقل لہ لیصاھرک اولاً ثم لیقتبس من قبسک. وقل انی امرتُ لاھبک ماطلبت من الارض وارضا اخریٰ معھا واحسن الیک باحسانات اخری علی ان تنکحنی احدی بناتک التی ھی کبیرتھا‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۲، خزائن ج۵ ص ایضاً)

(ترجمہ) اللہ الباقی کی طرف سے مجھے الہام کیا گیا اور مجھے وہ خبر دی گئی میرا خیال بھی کبھی اس طرف نہ گیا تھا اور نہ میں کبھی اس کا منتظر تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی کہ تو اس کی بڑی بیٹی کا رشتہ اپنے لئے مانگ اور اسے کہہ کہ وہ تجھے اپنی دامادی میں قبول کرے پھر تجھ سے وہ حصہ لے اور کہہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تیری مطلوبہ زمین تجھے ہبہ کردوں اور اس کے ساتھ اور زمین بھی اور میں تجھ پر اور بھی بہت سے احسانات کروں گا اس شرط سے کہ تو اپنی دختر کلاں میرے نکاح میں دے۔

مرزا غلام احمد نے پھر یہ بھی کہا: ’’اور اگر تو نے یہ بات نہ مانی تو جان لے کہ اللہ نے مجھے خبر دی ہے کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے اس کے لئے اور تیرے لے ہرگز مبارک نہ ہوگا...... تو نکاح کے بعد تین سال میں مرجائے گا...... اور اسی طرح اس کا خاوند ڈھائی سال کے اندر اندر مرجائے گا اور آخرکار یہ میرے نکاح میں آکر رہے گی۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۳ عربی ملخص، خزائن ج۵ ص ایضاً)

اور پھر یہ بھی یقین دہانی کرائی کہ میں تجھے بہت کچھ دوں گا: ''میں تیری بیٹی (محمدی بیگم) کو اپنی کل زمین اور اپنی ہر مملوکہ چیز کا تیسرا حصہ بطریق عطاء دوں گا اور تو جو بھی مانگے تجھے دوں گا...... یہ جو میں نے تجھے خط لکھا ہے اپنے رب کے حکم سے لکھا ہے۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۴ عربی ملخصاً ایضاً)

دیکھئے قادیانیوں کا رب اس نکاح کی خاطر کس طرح منتیں کر رہا ہے۔ جب مرزا احمد بیگ نے اپنی بیٹی مرزا سلطان محمد کے نکاح میں دے دی تو مرزا غلام احمد نے کہا: ''میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آ جائے گی۔''

(انجام آتھم ص۳۱ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص ایضاً)

کیا مرزا غلام احمد کو محمدی بیگم کی ضرورت تھی

پچاس سال کے بوڑھے کو اتنی کمسن بیوی کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ مرزا کو تو ۱۸۹۶ء کا اپنا خواب پورا کرنا تھا۔ جب وہ خواب میں اس کے پاس آئی تو وہ اب ظاہر میں بھی اس کے پاس آئے اور اس پر خدا کی وحی بھی آ گئی۔ ورنہ مرزا غلام احمد کو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اس نے مرزا احمد بیگ کو لکھا تھا: ''مجھے نہ تمہاری ضرورت تھی نہ تمہاری لڑکی کی۔ عورتیں اس کے سواء اور بھی بہتیری ہیں۔''

(آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۴، خزائن ج۵ اص ایضاً عربی سے ترجمہ)

مرزا سلطان محمد کی موت کی پیش گوئی

غلام احمد نے پیش گوئی کی تھی کہ اگر محمدی بیگم مرزا سلطان محمد سے بیاہی گئی تو مرزا سلطان محمد ڈھائی سال کے اندر اندر مر جائے گا اور یہ بھی کہا: ''اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہ ہوگی اور میری موت آ جائے گی۔'' (انجام آتھم ص۳۱، خزائن ج۱۱ ص۳۱ حاشیہ)

تاریخ گواہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی ۱۹۰۸ء میں موت آ گئی اور مرزا سلطان محمد زندہ رہا وہ ۱۹۱۴ء کی جنگ میں بھی شامل ہوا۔ اس کے سر پر گولی بھی لگی، مگر وہ نہ مرا۔ اس کے

پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں جو مرزا غلام احمد کے کذب کی چلتی پھرتی تصویریں تھے۔ غلام احمد اس کی موت کو تقدیر مبرم کہتا تھا مگر مرزا کی اپنی تقدیر بدل چکی تھی نہ محمدی بیگم مرزا کی زندگی میں بیوہ ہوئی نہ اس کے نکاح میں آئی اور یہ چلتا بنا۔

مرزا احمد بیگ کے داماد کی موت کی پیش گوئی اصل موضوع بحث نہیں۔ یہ غلام احمد کے کاذب ہونے کی ایک ضمنی شہادت ہے۔

اصل پیش گوئی مرزا غلام احمد کے محمدی بیگم سے نکاح کی تھی یہ بات ضمن میں آ گئی ہے کہ اگر مرزا احمد بیگ اپنی بیٹی کو کسی دوسری جگہ بیاہ دے تو انجام کار وہ بیوہ ہو کر مرزا کے نکاح میں آئے گی۔ سو مرزا احمد بیگ کے داماد کی موت محض ایک ضمنی پیش گوئی تھی مگر وہ بھی پوری نہ ہوئی۔

اصل پیش گوئی کی طرف پھر آئیں

''خدا تعالیٰ نے پیش گوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد گاماں بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں (محمدی بیگم) انجام کار تمہارے نکاح میں آئے گی...... خدا ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لاوے گا باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اس کام کو پورا کرے گا کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔'' (ازالہ اوہام ص ۳۹۶، خزائن ج ۳ ص ۳۰۵)

مرزا غلام احمد کو ایک دفعہ شک گزرا کہ شاید اس پیش گوئی کا مطلب کچھ اور ہو مگر بقول مرزا غلام احمد خدا تعالیٰ نے اس میں شک کرنے کا دروازہ بھی بند کر دیا۔

مرزا غلام احمد لکھتا ہے: ''اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی، یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا یہ پیش گوئی آنکھوں کے سامنے آ گئی (کہ ابھی تک محمدی بیگم سے نکاح نہیں ہوا)...... تب میں نے اس پیش گوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں نہیں سمجھ سکا تب اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا: ''الحق من ربک فلا تکونن من الممترین'' یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔''

(ازالہ اوہام ص ۳۹۸، خزائن ج ۳ ص ۳۰۶)

یعنی تیرا نکاح محمدی بیگم سے ہو کر رہے گا تو کیوں شک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں ٹلا نہیں کرتیں۔

مرزا غلام احمد کا اشتہار ۱۸۹۴ء

’’اس عورت کا اس عاجز کے نکاح میں آنا تقدیر مبرم ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کے لئے الہام الٰہی میں یہ فقرہ موجود ہے: ’’لا تبدیل لکلمات اللّٰہ‘‘ یعنی میری یہ بات ہرگز نہیں ٹلے گی۔ پس اگر ٹل جاوے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔‘‘

(اشتہار ۶/ستمبر ۱۸۹۴ء تبلیغ رسالت ج۳ ص۱۱۵، مجموعہ اشتہارات ج دوم ص۴۳)

ناظرین! غور فرمائیں کہ تقدیر مبرم اور لا تبدیل لکلمات اللہ کا کیا انجام ہوا۔ اب خدا کا یہ سات مرتبہ دہرانا بھی سن لیں وہ کس طرح مرزا قادیانی کو تسلی پر تسلی دے رہا ہے۔ یہ یکے بعد دیگرے سات الہامات پڑھیں انہیں سنیئے اور سر دھنئے۔

محمدی بیگم کے آنے کے سات الہامات

۱...... ’’فسیکفیکھم اللّٰہ ویردھا الیک‘‘
۲...... ’’امر من لدنا انا کنا فاعلین‘‘
۳...... ’’زوجنکھا‘‘
۴...... ’’الحق من ربک فلا تکوننّ من الممترین‘‘
۵...... ’’لا تبدیل لکلمات اللّٰہ‘‘
۶...... ’’ان ربک فعال لما یرید‘‘
۷...... ’’انا رادھا الیک‘‘ (انجام آتھم ص۶۰،۶۱، خزائن ج۱۱ ص۶۰،۶۱)

(ترجمہ) (۱) سو خدا ان کے لئے مجھے کفایت کرے گا اور اس عورت کو تیری طرف واپس لائے گا۔ (۲) یہ امر ہماری طرف سے ہے اور ہم ہی کرنے والے ہیں (۳) ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا۔ (۴) تیرے رب کی طرف سے یہ سچ ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے مت ہو۔ (۵) خدا کے کلمے بدلا نہیں کرتے۔ (۶) تیرا رب جس بات کو چاہتا ہے وہ بالضرور اس کو کر دیتا ہے (کوئی نہیں جو اس کو روک سکے)۔ (۷) ہم اس کو تیری طرف واپس لانے والے ہیں۔

مرزا قادیانی کی یہ پیش گوئی جو بار بار خدائی الہامات سے مرصع ہے، اتنی مرتبہ دہرائی گئی ہے کہ شاید ہی اور کوئی پیش گوئی اس کے ہم وزن ہو۔ مگر افسوس کہ مرزا قادیانی ہمیں اس پر طعنہ دیتے ہیں کہ تم اسی پیش گوئی پر کیوں زیادہ بحث کرتے ہو کیا تمہیں اور کوئی پیش گوئی نہیں ملتی۔ (تحفہ گولڑویہ ص۴۰، خزائن ج۱۷ ص۱۵۳ مفہوم)

اور بھی بہت سی پیش گوئیاں ہیں جو پوری ہوئیں۔ ایک اسی پیش گوئی پر کیوں بحث کی جاتی ہے۔ (پیغام صلح لاہور ۱۶/جنوری ۱۹۲۱ء)

''اگر ایک یا دو پیش گوئیاں اس کی کسی جاہل اور بدفہم اور غبی کو سمجھ میں نہ آئیں تو اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ وہ تمام پیش گوئیاں صحیح نہیں ہیں۔''

(تذکرۃ الشہادتین ص۴۱، خزائن ج۲۰ ص۴۳)

مرزا غلام احمد کی کوشش کہ خدا کی بات غلط نہ نکلے

قادیانی کہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد خدا کی محبت میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ وہ نہ چاہتا تھا کہ خدا کی خبریں غلط نکلیں اور اس کے الہامات پورے نہ ہوں۔ اس نے بہت کوشش کی کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ محمدی بیگم ضرور ان کے نکاح میں آجائے۔ مرزا نے اپنے بیٹے فضل احمد کو آمادہ کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ کیونکہ اس کے رشتہ دار محمدی بیگم کو اس کے نکاح میں نہیں دے رہے۔ چنانچہ فضل احمد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی پھر مرزا قادیانی نے فضل احمد کی ماں (اپنی پہلی بیوی) کو بھی جو محمدی بیگم کے خاندان میں تھی طلاق دی کہ ممکن ہے فریق ثانی ان طرح طرح کی ابتلاؤں سے تنگ آکر خدا کے الہامات کو پورا کر دیں۔ مرزا کی بیوی نصرت بھی خدا سے رو رو کر سوکن مانگتی رہی۔

مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: ''والدہ صاحبہ مکرمہ نے بارہا رو رو کر دعائیں کیں اور بارہا خدا کی قسم کھا کر کہا کہ گو میری زنانہ فطرت کراہت کرتی ہے مگر صدق دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں کہ خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوں۔''

(سیرت المہدی ج اوّل ص۲۵۹ روایت ۲۸۴ قدیم، سیرت المہدی ج اوّل حصہ اوّل ص۲۵۹ روایت ۲۸۹ جدید)

مگر تاریخ گواہ ہے کہ مرزا قادیانی اسی حسرت کو لے کر قبر میں چلے گئے اور محمدی بیگم ان سے (۵۸) اٹھاون سال بعد تک دنیا میں زندہ رہی اور قادیانی اپنی آخری چال میں بھی بری طرح ناکام ہوئے کہ محمدی بیگم کو کسی بہانے (ربوہ) چناب نگر کے بہشتی مقبرہ میں لا کر دفن کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ جو نکاح آسمان پر پڑھا گیا ہو اور خود خدا نے پڑھایا ہو وہ کسی نہ کسی شکل میں پورا ہو ہی گیا ہے۔ (یاد رہے محمدی بیگم ۱۹/ نومبر ۱۹۶۶ء کو لاہور میں فوت ہوئیں اور میانی صاحب کے قبرستان میں محو استراحت ہیں)

محمدی بیگم کی پیش گوئی پوری نہ ہونے پر مرزا غلام احمد کی سزا

مرزا غلام احمد نے خدا کے نام سے محمدی بیگم کے اپنے نکاح میں آنے کی پیش گوئی بار بار کی اور اس کے پورا نہ ہونے پر اپنی سزا یہ تجویز کی۔

ہمیشہ کی لعنتوں کی خبر

۱...... ’’اگر اے خداوند یہ پیش گوئیاں تیری طرف سے نہیں ہیں تو مجھے نامرادی اور ذلت (بہ مرض ہیضہ) کے ساتھ ہلاک کر...... اور ہمیشہ کی لعنتوں کا نشانہ بنا۔‘‘

(اشتہار ۲۷/ اکتوبر ۱۸۹۴ء، مجموعہ اشتہارات ج دوم ص ۱۱۶)

اس کا مطلب اس کے سواء کیا ہو سکتا ہے کہ لوگ مجھ پر ہمیشہ لعنت کرتے رہیں۔ مرزا کی یہ سزا محمدی بیگم سے نکاح نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

دس لاکھ آدمیوں میں رسوائی کا خوف

۲...... ’’یہ پیش گوئی اس عاجز کی ہزار ہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا کہ جو اس پیش گوئی پر اطلاع رکھتا ہو اور ایک جہاں کی اسی پر نظر لگی ہوئی ہے۔‘‘ (کلمہ فضل رحمانی ص ۱۲۴، خط ۱۷/ جولائی ۱۸۹۰ء)

دجال کی آمد کا یقین دلانا

’’اگر یہ پیش گوئی خدا کی طرف سے نہیں تو میں نامراد، ملعون، مردود، ذلیل اور دجال ہوں۔‘‘ (اشتہار ۲۷/ اکتوبر ۱۸۹۴ء، مجموعہ اشتہارات ج دوم ص ۱۱۶)

اب چاہئے کہ قادیانی مرزا قادیانی کے ان بیانات پر آمین کہیں تا معلوم ہو یہ اس کے مقتدی ہیں۔

کیا اس پیش گوئی کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے یہ دس لاکھ لعنتوں کا استقبال نہیں۔ اب جب یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی تو مرزا غلام احمد پر یہ سزا ضرور جاری کرنی چاہئے۔ مخالفین تو مرزا پر یہ سزا ہمیشہ جاری رکھتے ہیں لیکن یہ فرض اس کے لواحقین کا بھی ہے کہ وہ مرزا غلام احمد پر یہ سزائیں جاری کریں تا دنیا جان لے کہ مرزا کی بات جھوٹی نکلی اور یہ خدا کی بات نہیں تھی۔ وہ قادیانی جو مرزا کے ان الہامات کو پڑھتے خود خدا سے ہی بدگمان ہونے لگے تھے کہ وہ کیوں بار بار وہ چیز کہتا ہے جسے وہ کر نہیں سکتا۔ وہ بار بار کہتا ہے کہ محمدی بیگم کو تیرے نکاح میں لاؤں گا مگر وہ لا نہیں سکا۔ وہ خدا ہی کیا ہوا جو ایک کام کرنا چاہے اور اسے نہ کر سکے اور بار بار احمد بیگ کی منتیں کرے۔

یہ پیش گوئی کسی پر عذاب اترنے کی نہ تھی

یہ پیش گوئی کوئی انذاری پیش گوئی نہ تھی محمدی بیگم کے مرزا کے نکاح میں آنے کی خبر تھی اور اس کے تقدیر مبرم ہونے کا اعلان تھا۔ سو یہاں قادیانیوں کی یہ تاویل بھی نہیں چل سکتی کہ محمدی بیگم کے خاوند نے اپنے اس نکاح سے توبہ کر لی تھی اور محمدی بیگم کو فارغ کر دیا تھا۔ وہ پوری عمر مرزا غلام احمد کی چھاتی پر مونگ دلتا رہا اور مرزا قادیانی اپنی اس خواہش کو پورا کئے بغیر ہی قبر میں اتار دیئے گئے اور وہ مدت دراز تک بعد میں زندہ رہا۔ مرزا ۱۹۰۸ء میں مرا اور محمدی بیگم کے خاوند نے پورے چالیس سال بعد ۱۰/جنوری ۱۹۴۹ء کو لاہور میں وفات پائی اور میانی صاحب کے قبرستان احاطہ مغلاں پٹی میں دفن ہوئے۔ محمدی بیگم اور مرزا سلطان محمد دونوں میاں بیوی کی قبریں قریب قریب ہیں۔

جو پیش گوئی کسی کے صادق وکاذب ہونے کا معیار قرار دی گئی ہو اور اس کے پورا ہونے کا انتظار عوام وخواص دونوں کو برابر لگا ہوا ہو، اس میں کسی باریک تاویل کو راہ نہیں دی جاسکتی۔ یہ اس لئے کہ صادق وکاذب کی اس پہچان میں عوام کو بھی اسے پہچاننے کا برابر کا حق حاصل ہے۔ مرزا غلام احمد خود ہی بتائے کہ خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کو کس نے توڑا؟ مرزا سلطان محمد کی اتنی ہمت نہیں ہوسکتی کہ وہ خدا کا ارادہ توڑ دے۔

مرزا خود لکھتا ہے: ’’خدا کا ارادہ ہے کہ وہ دو عورتیں میرے نکاح میں لائے گا ایک بکر ہوگی اور دوسری بیوہ۔ چنانچہ یہ الہام جو بکر کے متعلق تھا پورا ہوگیا اور اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ چار پسر اس بیوی سے موجود ہیں اور بیوہ کے الہام کی انتظار ہے۔‘‘

(تریاق القلوب ص۳۴، خزائن ج۱۵ ص۲۰۱)

غلام احمد یہ بھی لکھتا ہے: ’’میرے خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ دو عورتیں تیرے نکاح میں لاؤں گا ایک کنواری ہوگی اور دوسری بیوہ۔‘‘

کیا کوئی قادیانی بتا سکتا ہے کہ وہ کون سی بیوہ عورت ہے جس سے مرزا قادیانی نے نکاح کیا مرزا سلطان محمد تو مرا نہیں اور نہ محمدی بیگم مرزا قادیانی کی زندگی میں بیوہ ہوئی۔ پھر کیا خدا نے مرزا قادیانی کو جھوٹی بشارت دی تھی؟ (معاذ اللہ) جیسا یہ نبی تھا ایسا ہی اس کا خدا نکلا۔ اس پیش گوئی کے پورا نہ ہونے کی ایک ہی وجہ ہے جو مرزا غلام احمد نے خود لکھ دی ہے: ’’جو شخص اپنے دعوے میں کاذب ہو، اس کی پیش گوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔‘‘

(آئینہ کمالات اسلام ص۳۲۲،۳۲۳، خزائن ج۵ ص۳۲۲،۳۲۳)

قادیانی مسلمانوں کے ذہنوں میں مہدی اور مسیح کے مسائل کیوں ڈالتے ہیں، محض اس لئے کہ مسلم عوام مرزا غلام احمد کی اس قسم کی باتوں پر غور نہ کریں نہ ان کو زیر بحث لائیں اور مرزا غلام احمد کے ان تھوک جھوٹوں پر پردہ پڑا رہے۔ اُردو خوان طبقے پر قادیانیت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اس سے بہتر کوئی راہ نہیں کہ مرزا کی ان پیش گوئیوں پر غور کریں کیا مہدی اور مسیح سے ان جھوٹوں کی توقع کی جاسکتی ہے؟

۳...... مرزا کے لئے رحمت کا نشان جو اس نے مانگا

مرزا غلام احمد کی بیوی نصرت جہاں بیگم حاملہ ہوئی تو مرزا قادیانی نے ۲۰/فروری ۱۸۸۶ء کو اشتہار دیا: ’’خدائے رحیم وکریم وبزرگ وبرتر نے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ جل شانہ وعزاسمہ مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا کہ: ’’میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا...... سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا...... وہ صاحب شکوہ اور عظمت ودولت ہوگا وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور

روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا وہ کلمۃ اللہ ہوگا...... ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج۱ص ۵۸تا۶۰، مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص ۱۰۰،۱۰۱)

مگر افسوس کہ اس حمل سے مرزا غلام احمد کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اسے لوگوں میں بڑی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب مرزا کی تاویلیں سنئے۔ اس نے کہا میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ رحمت کا نشان اسی حمل سے پیدا ہوگا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تو نے یہ پیش گوئی اس حمل کے موقع پر کیوں کی؟ اس سے پہلے کی ہوتی تو اسے کسی بھی حمل پر محمول کیا جاسکتا تھا، خاص موقع پر جو بات کہی جائے وہ اس خاص موقع کے لئے ہی ہوتی ہے۔

مرزا غلام احمد نے اس پیش گوئی کو (لڑکی پیدا ہونے کی وجہ سے) اگلے حمل پر ڈال دیا۔ نصرت جہاں بیگم پھر دسمبر ۱۸۸۶ء کو حاملہ ہوئی اور ۷/اگست ۱۸۸۷ء مرزا کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اور مرزا نے اعلان کیا: ’’اے ناظرین! میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ وہ لڑکا جس کے تولد کے لئے میں نے اشتہار ۸/اپریل ۱۸۸۶ء میں پیش گوئی کی تھی اور خدا سے اطلاع پا کر اپنے کھلے کھلے بیان میں لکھا تھا...... آج ۱۶/ذیقعدہ ۱۳۰۴ھ بمطابق ۷/اگست ۱۸۸۷ء میں بارہ بجے رات کے بعد ڈیڑھ بجے کے قریب وہ مولود مسعود پیدا ہوگیا ہے۔‘‘

(تبلیغ رسالت ج۱ص ۹۹،۱۰۰، مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص ۱۴۱)

مرزا نے اس لڑکے کا نام بشیر احمد رکھا اور قادیانی اس بچے کے سبب زمین کے کناروں تک پہنچنے کے خواب دیکھ رہے تھے مگر افسوس کہ وہ لڑکا سولہ مہینے زندہ رہ کر فوت ہوگیا اور مرزا قادیانی بہت گھبرائے کہ اب اس پیش گوئی کا کیا بنے گا؟ اب مرزا قادیانی کے موافقین کے دل بھی ڈولنے لگے تھے۔ ایسے وقتوں میں مرزا قادیانی کے رفیق راز حکیم نورالدین ہوتے تھے جو مرزا قادیانی کو مشورہ دیا کرتے تھے کہ اب کون سا دعویٰ کیا جائے اور کون سا نہ؟ مرزا غلام احمد نے اس پریشانی میں حکیم نورالدین کو لکھا: ’’میرا لڑکا بشیر تیس روز بیمار رہ کر آج بقضائے الٰہی رب عزوجل انتقال کر گیا ہے۔ اس واقعہ سے جس قدر مخالفین کی زبانیں دراز ہوں گی اور موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے۔ اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔‘‘

(مکتوبات احمدیہ ج۵ نمبر۲ ص۱۲۸ مکتوب ۴۶ قدیم، مکتوبات احمد ج دوم ص ۷۱ جدید مکتوب ۴۷ مؤرخہ ۴/نومبر ۱۸۸۸ء)

حکیم نورالدین نے مشورہ دیا کہ اس فوت شدہ لڑکے کو بشیر اوّل سے موسوم کرو۔ اس سے سمجھا جائے گا کہ اب بشیر دوم آئے گا جو اس پیش گوئی کو پورا کرے گا۔ اس پیش گوئی کو تیسرے حمل پر محمول کرنے سے لوگ ایسی پیش گوئیوں کو مذاق سمجھیں گے۔ اس کی بجائے بشیر اوّل اور بشیر دوم کی تاویل کچھ بہتر رہے گی۔ اب بشیر ثانی کو اس پیش گوئی کا مصداق بنانے میں زیادہ دقت نہ ہوگی۔

حکیم نورالدین بشیر احمد کی وفات سے اس قدر پریشان تھا کہ زندگی بھر اس نے ایسی پریشانی نہ دیکھی تھی۔ مرزا بشیرالدین محمود نے ۱۹۲۰ء کے ایک خطبہ میں حکیم صاحب کے اس مشورے کو اُگل دیا۔ مرزا محمود کہتا ہے، حکیم صاحب نے کہا تھا: ’’اگر اس وقت میرا بیٹا مر جاتا تو میں کچھ پروانہ کرتا۔ مگر بشیر اوّل فوت نہ ہوتا اور لوگ اس ابتلاء سے بچ رہتے۔‘‘

(الفضل ج۸ ص۱۵، مؤرخہ ۳۰/اگست ۱۹۲۰ء)

دیکھئے حکیم صاحب نے کس حکیمانہ پیرائے میں بشیر اوّل کی اصطلاح مرزا غلام احمد کے ذہن میں اتار دی۔ استاد شاگرد ایک دوسرے کے اشاروں کو خوب سمجھتے تھے۔ تاہم اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مرزا غلام احمد کی پیش گوئی دو دفعہ ان کی پوری جماعت کے لئے جگ ہنسائی کا موجب بنی اور بقول حکیم صاحب یہ قادیانیوں کے لئے ایک بہت بڑی ابتلاء تھی اور یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے بھی مرزا غلام احمد کی اس پیش گوئی کا مطلب وہی سمجھا ہو جو مخالفین نے سمجھا کہ مرزا قادیانی کی پیش گوئی جھوٹی نکلی تھی تو مرزا غلام احمد اس پیش گوئی کے جھوٹا نکلنے سے اپنے پیروؤں کے دلوں کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔ مرزا نے اپنے اس صدمے کی اطلاع حکیم نورالدین کو ان لفظوں میں دی تھی: ’’اس واقعہ سے جس قدر مخالفین کی زبانیں دراز ہوں گی اور موافقین کے دلوں میں شبہات پیدا ہوں گے۔ اس کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔‘‘

(مکتوبات احمدیہ حصہ پنجم نمبر۲ ص۱۲۸ مکتوب ۴۶ قدیم، مکتوبات احمد ج دوم ص۷۱ جدید مکتوب ۴۷ مؤرخہ ۶/نومبر ۱۸۸۸ء)

افسوس کہ مرزا غلام احمد حکیم نورالدین اور مرزا محمود میں سے کسی کا ذہن اس طرف منتقل نہ ہوا کہ خدا نے مرزا غلام احمد کو قبل از وقت ایسی بشارت ہی کیوں دی جس نے پوری جماعت کے سکون کو تہ وبالا کردیا۔ قادیانی اس کے جواب میں کہتے ہیں خدا سے کوئی ایسا سوال نہیں کرسکتا وہ جو چاہے کرے۔

۴...... ڈاکٹر عبدالحکیم خاں کی موت کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد کی کتاب چشمہ معرفت میں ایک یہ پیش گوئی بھی ملاحظہ کریں: ’’ایسا ہی کئی اور دشمن مسلمانوں میں سے میرے مقابل پر کھڑے ہوکر ہلاک ہوئے اور ان کا نام ونشان نہ رہا۔ ہاں! آخری دشمن اب ایک اور پیدا ہوا ہے جس کا نام عبدالحکیم خان ہے اور وہ ڈاکٹر ہے۔ ریاست پٹیالہ کا رہنے والا ہے جس کا دعویٰ ہے کہ میں اس کی زندگی میں ہی ۴/اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہوجاؤں گا اور یہ اس کی سچائی کے لئے ایک نشان ہوگا۔ یہ شخص الہام کا دعویٰ کرتا ہے اور مجھے دجال اور کافر اور کذاب قرار دیتا ہے۔ پہلے اس نے بیعت کی اور برابر بیس برس تک میرے مریدوں اور میری جماعت میں داخل رہا۔ پھر مرتد ہوگیا...... مگر خدا تعالیٰ نے اس کی پیش گوئی کے مقابل پر مجھے خبر دی کہ وہ خود عذاب میں مبتلاء کیا جائے گا اور خدا اس کو ہلاک کرے گا اور میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا...... بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی نظر میں صادق ہے۔ خدا اس کی مدد کرے گا۔‘‘

(چشمہ معرفت ص۳۲۱،۳۲۲، خزائن ج۲۳ ص۳۳۶،۳۳۷)

تاریخ گواہ ہے کہ مرزا غلام احمد ڈاکٹر عبدالحکیم کی پیش گوئی کے مطابق ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء (۴/اگست ۱۹۰۸ء سے پہلے پہلے) مرگیا اور ڈاکٹر عبدالحکیم خان ۱۹۱۹ء میں اس کے بہت بعد فوت ہوا۔

یہ مرزا غلام احمد کی آخری پیش گوئی تھی اور وہ بھی جھوٹی نکلی۔ مرزا غلام احمد کی اس پیش گوئی میں کئی امور لائق توجہ ہیں:

۱...... مرزا غلام احمد نے اپنے ان دشمنوں کو مسلمان تسلیم کیا ہے۔ معلوم ہوا وہ اپنے آپ کو اس وقت مسلمان نہیں سمجھتا تھا۔ مسلمان اس کے دشمن تھے۔ یہ کتاب چشمہ معرفت مرزا کے مرنے سے گیارہ دن پہلے ۱۵/مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی تھی۔

۲...... مرزا غلام احمد نے یہ بھی جھوٹ بولا کہ اس کے دشمن ہلاک ہوئے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مرزا احمد بیگ کا داماد جو مرزا قادیانی کی آسمانی منکوحہ کو اپنے گھر رکھے رہا۔ یہ سب زندہ اور موجود تھے۔

۳...... مرزا غلام احمد نے ڈاکٹر صاحب کے بالمقابل جو پیش گوئی کی وہ خدا کے نام پر کی اور اسے خدائی خبر کہا اور ظاہر ہے کہ خدائی خبر غلط نہیں ہوسکتی۔

۴...... یہ ڈاکٹر عبدالحکیم پہلے مرزا غلام احمد کی جماعت میں شامل تھا، پھر اس کا مخالف ہوگیا۔ قادیانی اب تک اسے مرتد لکھتے ہیں۔

(سلسلہ احمدیہ ج اوّل ص ۱۶۹ قدیم، سلسلہ احمدیہ ج اوّل ص ۱۶۳ جدید مصنفہ مرزا بشیر احمد ایم اے)

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد ان دنوں اپنے مخالفین سے کفر و اسلام کے فاصلے پر آ گیا تھا۔ ورنہ وہ ان لوگوں کو جو کلمہ اسلام پڑھتے تھے، اہل قبلہ تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے، کبھی مرتد نہ کہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان ہی رہے، یہ خود اسلام سے نکل کر مرتد ہوگیا تھا۔

۵......غلام احمد کی عمر کی پیش گوئی

مرزا غلام احمد نے دعویٰ کیا کہ خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ: ''ہم تجھے (۸۰) اسّی سال یا اس کے قریب قریب اچھی زندگی دیں گے۔'' (ازالہ اوہام ص ۶۳۵، خزائن ج ۳ ص ۴۴۳)

پھر مرزا قادیانی نے اس لفظ قریب قریب کی تعیین بھی خود ہی کر دی اور یہ بھی خدا کے نام سے کی: ''خدا تعالیٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی تھی کہ تیری عمر اسّی برس کی ہوگی اور یا یہ کہ پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۹۷، خزائن ج ۲۱ ص ۲۵۸)

مرزا قادیانی کی وفات بالاتفاق ۲۶/مئی ۱۹۰۸ء میں ہوئی۔ اب صرف یہ جاننا کافی ہوگا کہ ان کی پیدائش کس سن میں ہوئی تھی۔ مرزا خود لکھتا ہے: ''میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی۔''

(کتاب البریہ ص ۱۴۶، خزائن ج ۱۳ ص ۱۷۷ در حاشیہ)

ان تحریرات کی روشنی میں مرزا غلام احمد کی عمر ۶۸ سال کی ہوئی۔ مذکورہ خدائی الہامات کے تحت اس کی عمر زیادہ سے زیادہ ۸۶ سال اور کم از کم ۷۴ سال ہونی چاہئے تھی، مگر مرزا غلام احمد اس پیش گوئی کو پورا کئے بغیر ۶۸ سال کی عمر میں ہی قبر میں اتر گئے۔ مرزا غلام احمد کے پیرو تاریخ وفات ۱۹۰۸ء میں تو کوئی تبدیلی نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے تاریخ پیدائش

کو مقدم کرنے کی کوشش کی اور دعویٰ کیا کہ مرزا قادیانی نے کتاب البریہ میں اپنا سال پیدائش غلط لکھا ہے، وہ اس سے چھ سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ہم اس سلسلہ میں قادیانی مبلغین کے تمام دلائل اور شبہات کا تنقیدی جائزہ اپنے پرچہ جات ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں لے چکے ہیں۔ مولانا تاج محمد صاحب مدرس مدرسہ عربی فقیر والی بہاولنگر نے الفضل ربوہ اور دعوت لاہور کے سب جوابی مضامین ایک کتابی صورت میں جمع کر دیئے ہیں اور یہ کتاب ''مرزا غلام احمد کی عمر کی پیش گوئی'' کے نام سے چھپ چکی ہے جو صاحب اس پیش گوئی کے تفصیلی مطالعہ کے خواہشمند ہوں وہ اس کتاب میں ان مباحث کو دیکھ لیں۔

مرزا غلام احمد کا لین دین امانت و دیانت کے نقطہ نظر سے

دولت کی کس کو ضرورت نہیں اور کون ہے جو مادی وسائل کے بغیر اپنی دنیوی ضروریات پوری کر سکے لیکن جو لوگ زمین پر خدا کے نام پر آواز دیتے ہیں وہ اس آواز پر کوئی اجر نہیں مانگتے نہ اپنے گھرانے کے لئے زکوٰۃ لینا جائز جانتے ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کو اس کا حکم فرمایا: ''قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ'' (الانعام:۹۰)

(ترجمہ) آپ کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا وہ (یعنی قرآن) تو بس ایک نصیحت ہے جہان والوں کے لئے۔

مرزا غلام احمد جو اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی پیروی میں نبوت پانے والا کہتا رہا۔ اب اسے اس پہلو سے بھی دیکھیں کہ اس کا لین دین کیا واقعی کسی دیانت اور امانت کا آئینہ دار تھا اور کس پیرایہ میں اس میں شریعت کی پابندی پائی جاتی تھی۔ آج کی مجلس میں کچھ اس کا بیان ہوگا۔ واللہ هو الموفق لما یحبه و یرضیٰ به!

کتاب براہین احمدیہ کے اشتہارات

غلام احمد نے براہین احمدیہ کے لئے پہلا اشتہار اپریل ۱۸۷۹ء کو دیا اور اس میں لکھ دیا: ''بہ نیت خریداری کتاب پانچ پانچ روپیہ مع اپنی درخواستوں کے راقم کے پاس بھیج دیں۔ جیسی جیسی کتاب چھپتی جائے گی، ان کی خدمت میں ارسال ہوتی رہے گی۔''

(تبلیغ رسالت ج اوّل ص۸، مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۱۲)

لوگوں نے قیمت بھیج دی مگر مرزا قادیانی نے کتاب انہیں نہ بھیجی اور کتاب چھپی بھی نہ یہاں تک کہ مرزا قادیانی نے ۳؍دسمبر ۱۸۷۹ء کو ایک اور اشتہار نکال دیا: ''ناچار بصد اضطرار یہ تجویز سوچی گئی جو قیمت کتاب کی جو بنظر حیثیت کتاب کے بغایت درجہ قلیل اور ناچیز ہے، دو چند کی جائے...... قیمت اس کتاب کی بجائے پانچ روپیہ کے دس روپیہ تصور فرمائیں...... ان شاء اللہ! یہ کتاب جنوری ۱۸۸۰ء میں زیر طبع ہو کر اس کی اجراء اسی مہینہ یا فروری میں شائع اور تقسیم ہونی شروع ہو جائے گی۔'' (مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۱۴)

یہ دس روپیہ عام لوگوں کے لئے تھا خواص کے لئے اور دوسری قوموں کے لئے قیمت ۲۵ روپے رکھی گئی تھی۔ مرزا قادیانی نے اگلا اشتہار یہ دیا: ''مصارف پر نظر کر کے یہ واجب معلوم ہوتا تھا کہ آئندہ قیمت کتاب سو روپیہ رکھی جائے...... اور واضح رہے کہ اب یہ کام ان لوگوں کی ہمت سے انجام پذیر نہیں ہوسکتا کہ جو مجرد خریدار ہونے کی وجہ سے ایک عارضی جوش رکھتے ہیں بلکہ اس وقت کئی ایک عالی ہمتوں کی توجہات کی حاجت ہے۔''

(تبلیغ رسالت ج اوّل ص۲۴، مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۳۳)

مرزا غلام احمد قیمت بڑھانے کے ساتھ ساتھ صفحات بڑھانے کا بھی اعلان کرتا رہا۔ آخری عہد چار ہزار آٹھ سو صفحات کا رہا تھا۔ مگر مصنف نے ۵۶۲ صفحات میں براہین احمدیہ کی چار جلدیں شائع کر کے آئندہ اس سلسلہ میں چپ کا روزہ رکھ لیا۔ چوتھی جلد کے آخر میں اعلان کر دیا: ''ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی، اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً اور باطناً حضرت رب العالمین ہے۔''

(تبلیغ رسالت ج۱ ص۴۷، مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۵۶)

ظاہراً سے مراد یہ ہے کہ یہاں اس کا لین دین اور حساب بھی میرے ذمہ نہیں اور باطناً سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں بھی اب مجھ پر اس کا کوئی بوجھ نہ ہوگا۔

کتاب براہین احمدیہ تاریخ کے دوسرے دور میں

مرزا غلام احمد لکھتا ہے: ''اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بوجہ الہامات الٰہیہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جزو تک ضرور پہنچے

بلکہ جس طرح سے خدا تعالیٰ مناسب سمجھے گا کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرائط کے اس کام کو انجام دے گا کہ یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں اور اسی کے امر سے ہے۔''

(تبلیغ رسالت ج۱ ص۹۲، مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۱۳۳)

ظاہری کاروبار کو اس طرح خدا کے سپرد کرنا اور خود درمیان سے نکل جانا ایک ایسا عمل تھا جس سے خریداروں میں عجیب ہیجان پیدا ہوگیا اور انہوں نے مرزا قادیانی کو کیا کیا کہا، اسے خود مرزا قادیانی کے الفاظ میں دیکھیں:

غلط لین دین کے باعث مرزا اپنے عوام میں

مرزا اپنے عوام کے بارے میں لکھتا ہے: ''ان لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اس قدر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا کہ کوئی دقیقہ سخت گوئی کا باقی نہ رکھا۔ اس عاجز کو چور قرار دیا، مکار ٹھہرایا، مال مردم خور کر کے مشہور کیا، حرام خور کہہ کر نام لیا، دغا باز نام رکھا اور اپنے پانچ یا دس روپے کے غم میں وہ سیاپا کیا کہ گویا تمام گھران کا لوٹا گیا۔''

(تبلیغ رسالت ج۳ ص۳۴، مجموعہ اشتہارات ج اوّل ص۴۰۵)

یہ شکوے اور طعنے کسی ایک آدمی کے نہیں ایک جم غفیر کے ہیں اور ملک کے مختلف گوشوں سے ہیں اور اِدھر صرف مرزا غلام احمد تھا جس پر جان کی بن گئی تھی۔ ہم اس موقع پر یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کیا پہلے پیغمبروں میں بھی کوئی ایسا ہوا جس پر یہ الزامات لگے ہوں جو مرزا غلام احمد نے تسلیم کئے کہ واقعی اس پر لگے تھے؟ اگر نہیں تو کیا مرزا غلام احمد کا یہ بیان خود اس کی تردید نہیں کہ وہ واقعی کوئی ملہم ربانی اور مرسل یزدانی نہ تھا۔ مرزا کے پہلے دعوؤں میں جس طرح تدریج سے چندہ اکٹھا کرنے میں بھی وہ تدریج سے چلا۔ پانچ سے دس، دس سے پچیس، پچیس سے سو اور پھر ''سب بلا بر گردن ملا'' سارے چندے کا مہتمم اور متولی خدا کو بنا دیا۔

پھر مرزا قادیانی نے ۱۸۹۹ء میں یہ اعلان کیا، جو ایام الصلح میں طبع ہے: ''براہین احمدیہ کا بقیہ نہ چھاپنے پر اعتراض پیش کرنا محض لغو ہے۔ قرآن شریف بھی باوجود کلام الٰہی ہونے کے تئیس برس میں نازل ہوا۔ پھر اگر خدا تعالیٰ کی حکمت نے بعض مصالح کی غرض سے براہین کی تکمیل میں توقف ڈال دی تو اس میں کون سا حرج ہوا۔''

(ایام الصلح ص۱۷۳، خزائن ج۱۴ ص۴۲۱)

ہم اس پر یہ سوال کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ کیا خدا تعالیٰ نے بھی قرآن اتارنے سے پہلے لوگوں سے کوئی رقمیں وصول کی تھیں اور کوئی وعدے کئے تھے۔

براہین احمدیہ کے پانچویں حصے کی اشاعت

مرزا غلام احمد نے ۱۸۷۹ء میں براہین احمدیہ شروع کی تھی۔ ۱۸۸۴ء میں اس کا چوتھا حصہ شائع ہوا۔

(سیرت المہدی ج۲ ص۱۵۱ روایت ۴۶۷ قدیم، سیرت المہدی حصہ دوم ج اوّل ص۴۴۴، روایت ۴۷۰ جدید)

۱۸۸۷ء میں مرزا نے شحنۂ حق شائع کی اور اس میں براہین احمدیہ حصہ پنجم شائع کرنے کا اعلان کیا۔ یہ پانچواں حصہ مرزا کی وفات کے بعد اکتوبر ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔
مرزا غلام احمد اس پانچویں حصہ میں لکھتا ہے: ’’پہلے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ تھا، مگر پچاس سے پانچ پر اکتفاء کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے، اس لئے پانچ حصوں سے وہ وعدہ پورا ہوگیا۔‘‘ (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۷، خزائن ج۲۱ ص۹)

اس پر براہین احمدیہ کی طویل داستان اپنے آخری مرحلے میں داخل ہوگئی اور اب مصنف ہی سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔ اس لئے اب عوام کی طرف سے مرزا قادیانی کے خلاف کوئی عوامی سیاپا نہ ہوا نہ اب لوگوں کے کسی مطالبے کا ڈر رہا۔

براہین احمدیہ کی تالیف میں علماء سے علمی اعانت

سرسید احمد خاں کے حلقہ کے لوگوں میں مولوی چراغ علی حیدرآباد دکن میں ایک معروف شخصیت تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے کاغذات میں مرزا غلام احمد کے بھی کئی خطوط ملے ہیں۔

وہ خطوط مولوی محمد یحییٰ تنہاء نے سیر المصنّفین کی ج۲ ص۱۱۹ پر دے دیئے ہیں۔
مرزا غلام احمد کا ایک خط مولوی چراغ علی کے نام ملاحظہ ہو: ’’جب آپ سا اولوالعزم صاحب فضیلت دینی و دنیوی تہ دل سے حامی ہو اور تائید دین حق میں دلی گرمی کا اظہار فرمائے تو بلاشبہ و ریب اس کو تائید غیبی خیال کرنا چاہئے۔ ماسواء اس کے اگر اب تک کچھ دلائل یا مضامین آپ نے نتائج طبع عالی سے جمع فرمائے ہوں تو وہ بھی مرحمت ہوں۔‘‘

(سیر المصنّفین ج۲ ص۱۱۹، طبع مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی)

بابائے اُردو مولوی عبدالحق سیکرٹری انجمن ترقی اردو نے اپنی کتاب ''چند ہمعصر'' میں مولوی چراغ علی کا ذکر کیا ہے اور مرزا غلام احمد کے وہ خطوط بھی درج کئے ہیں جو ان کے نام ہیں۔ (کتاب چند ہمعصر ص۵۳ تا ۵۶) اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا غلام احمد اس کتاب کی تالیف میں دوسرے اہل علم حضرات سے علمی مدد لیتا تھا اور غلط کہتا تھا کہ یہ روحانی خزائن میرے ہی ہیں۔

مرزا غلام احمد نے گوجرخاں کے فضل محمد کی کتاب اسرار شریعت سے بھی مختلف علمی مباحث اپنی مختلف کتابوں میں بلاحوالہ دیئے ہیں اور وہ اپنی طرف سے بیان کئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا قادیانی کس طرح چھپے چھپے دوسرے اہل علم سے علمی مدد لیتا تھا۔ یہاں پہنچ کر انسان ورطہ حیرت میں ڈوب جاتا ہے کہ یہ کیسا ملہم ربانی اور مامور آسمانی ہے جو اہل زمین سے علمی مضامین لیتا ہے اور انہیں آسمانی عنایت بتلاتا ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب احکام اسلام عقل کی نظر میں اس اسرار شریعت سے کچھ مضامین لئے مگر پہلے لکھ دیا کہ وہ یہ باتیں کس دوسری کتاب سے لے رہے ہیں، انہیں اپنی کاوش نہ بتلایا۔ مگر افسوس کہ غلام احمد نے اس کتاب سے جو مضامین لئے، اس نے انہیں اپنا ظاہر کیا اور یہ نہ بتلایا کہ وہ انہیں اسرار شریعت سے لے رہا ہے۔ یہ بحث برأۃ تھانوی کے نام سے ماہنامہ ''الخیر'' اور ماہنامہ ''بینات'' نے مستقل رسالے کی صورت میں شائع کی ہے۔ بعض نادان قادیانیوں نے جب حضرت حکیم الامت کی اس کتاب میں وہ مضامین دیکھے اور انہیں وہ مرزا غلام احمد کی کتابوں میں بھی دیکھ چکے تھے تو انہوں نے سمجھا کہ شاید مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضامین غلام احمد سے لئے ہوں، ہم نے کتاب اسرار شریعت (جو تین حصوں میں ہے) کے ان مضامین پر ماہنامہ ''الخیر'' ملتان کی اشاعت میں تقابلی بحث کی ہے اور ثابت کیا کہ مرزا غلام احمد کس چھپے انداز میں وقت کے دیگر اہل علم سے علمی فیض لیتا رہا اور انہیں اپنے نام سے شائع کرتا رہا۔ کیا کوئی ملہم ربانی اس شرمناک انداز میں کسی علمی سرقے کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ ہم یہاں صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد جس طرح مالی لین دین میں صاف دامن نہ تھا۔ بقول اپنے عوام کے دغاباز اور چور تھا۔ علمی امور میں بھی وہ دوسروں کا برابر خوشہ چین رہا، مگر ملہم ربانی ہونے کے دعویٰ کی وجہ سے وہ کھلے

بندوں ان سے فیضیاب ہونے کا اقرار نہ کرسکا۔ (برأت حضرت تھانوی ''محاسبہ قادیانیت'' کی اگلی جلد میں ملاحظہ فرمائیں)

براہین احمدیہ میں مرزاغلام احمد کا حصہ

براہین احمدیہ کے لکھنے کی غرض غیر مسلموں کے اعتراض سے اسلام کا دفاع تھا۔ یہ کتاب مرزاغلام احمد کی اپنی شخصیت کے تعارف ودفاع کے لئے نہ لکھی گئی تھی۔ مرزاغلام احمد اس کی غایت تالیف ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

۱...... ''اس خاکسار نے ایک کتاب متضمن اثبات حقانیت قرآن وصداقت دین اسلام ایسی تالیف کی ہے جس کے مطالعہ کے بعد طالب حق سے بجز قبولیت اسلام اور کچھ نہ بن پڑے۔'' (اشتہار اپریل ۱۸۷۹ء تبلیغ رسالت حصہ اوّل ص۸، مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۱۱)

۲...... ''بڑی شکرگزاری سے لکھا جاتا ہے کہ حضرت مولوی چراغ علی خاں صاحب معتمد مدارالمہام دولت آصفیہ حیدرآباد دکن نے بغیر ملاحظہ کسی اشتہار کے خودبخود اپنے کرم ذاتی وہمت وحمایت وحمیت اسلامیہ سے بوجہ چندہ اس کتاب کے ایک نوٹ دس روپے کا بھیجا ہے۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۱۹)

۳...... ''میں اس اعلان مندرجہ حاشیہ صاحبوں کا بدل مشکور ہوں کہ جنہوں نے سب سے پہلے اس کتاب کی اعانت کے لئے بنیاد ڈالی اور خریداری کتب کا وعدہ فرمایا۔

۱...... نواب شاہجہان بیگم ریاست بھوپال

۲...... نواب ریاست لوہارو

۳...... خلیفہ محمد حسن وزیراعظم ریاست پٹیالہ

۴...... نواب فیروزالدین خاں وزیراعظم بہاول پور

۵...... نواب غلام قادرخاں وزیر ریاست نالہ گڑھ

۶...... نواب بہادر حیدرآباد دکن

۷...... نواب نظیرالدولہ بہادر بھوپال

۸...... نواب سلطان الدولہ بہادر بھوپال

۹...... نواب علی محمد خاں لدھیانہ

۱۰...... نواب غلام محبوب سبحانی رئیس اعظم لاہور

۱۱...... سردار غلام محمد خاں رئیس واہ

۱۲...... مولوی محمد چراغ علی خاں مدارالمہام حیدرآباد دکن۔'' (مجموعہ اشتہارات ج۱ ص۱۳،۱۴)

یہ بارہ حضرات امام زماں کے پیرو اور بیعت کنندہ تو نہ تھے یہ کس لئے مرزاغلام احمد کی مالی اعانت کررہے تھے۔ مصنف پہلے سے تو متعارف ہے نہیں اور نہ ہی ان تک کتاب کا اشتہار پہنچا پھر یہ کس طرح بارہ کے بارہ مرزاغلام احمد کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان حضرات کا انگریز حکومت کے وفاداروں میں شمار ہوتا تھا۔ اگر انگریزوں کے ہاں پہلے سے کوئی میٹنگ نہ ہوئی تھی کہ کسی شخص کو مسیح موعود کے نام سے آگے لایا جائے جو جہاد کو منسوخ کرے تو یہ سب کے سب کس طرح مرزاغلام احمد کی مالی امداد میں آگے آگئے۔

تاہم ظاہراً یہ کتاب اسلام کی حمایت اور حمیت کے لئے ترتیب دی جانی تھی مگر افسوس کہ مرزاغلام احمد نے لوگوں کی عقیدت اسلام سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کتاب میں اپنے آئندہ پروگرام کا بھی ایک جال بچھا دیا۔ علماء تو ویسے ہی اس کتاب کی حمایت پر تلے ہوئے تھے۔ اس نے اس میں اپنے الہامات بھی ڈال دیئے اور علماء کو خوش کرنے کے لئے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ بھی کھلے لفظوں میں درج کر دیا۔

اس کتاب کے علمی مضامین تو بے شک مرزاغلام احمد نے علماء حضرات سے حاصل کئے ہوں گے، لیکن آئندہ علماء کو اپنی گرفت میں لینے کے لئے اس نے اپنی زمین اسی میں ہموار کر لی اور اپنے الہامات اس میں ڈال دیئے اور یہ نہ سوچا کہ آئندہ اس کے معتقد اس مشکل کو کیسے حل کریں گے کہ یہ شخص ملہم ربانی اور مامور یزدانی ہو کر اس کتاب میں حیات مسیح کا کیوں اقرار کر گیا اور اتنی بڑی غلطی کیسے کر گیا جس کے خلاف قرآن کی تیس آیات بقول اس کے صریح شہادت دے رہی تھیں کہ عیسیٰ ابن مریم فوت ہو چکے۔

اب آپ ہی غور فرمائیں کہ لوگوں کو اس طرح اپنے داؤ اور پیچ میں لانا کیا اللہ والوں کا عمل ہوسکتا ہے؟ مگر غلام احمد اس پر خوش اور نازاں تھا کہ علماء اس کے پیچ میں پھنس گئے۔ مرزاغلام احمد اپنے ان الہامات کے بارے میں لکھتا ہے: ''وہ ایسے موقع پر شائع کئے

گئے جب کہ یہ علماء میرے موافق تھے۔ یہی سبب ہے کہ باوجود اس قدر جوشوں کے ان الہامات پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ایک دفعہ ان کو قبول کر چکے تھے اور سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ میرے دعویٰ مسیح موعود ہونے کی بنیاد انہی الہامات سے پڑی ہے اور انہی میں خدا نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور جو مسیح موعود کے حق میں آیتیں تھیں، وہ میرے حق میں بیان کر دیں۔ اگر علماء کو خبر ہوتی کہ ان الہامات سے تو اس شخص کا مسیح ہونا ثابت ہوتا ہے تو کبھی ان کو قبول نہ کرتے یہ خدا کی قدرت ہے کہ انہوں نے قبول کر لیا اور پیچ میں پھنس گئے۔''

(اربعین حصہ۲ ص۲۱، خزائن ج۱۷ ص۳۶۹)

یہ دوسروں کو پیچ میں پھنسانا کن لوگوں کا کام ہوتا ہے ہوشیار اور چالاک لوگوں کا یا سادے اور بھولے بھالے لوگوں کا؟ یہ فیصلہ آپ کریں۔

جب اس کتاب میں عقیدہ نزول عیسیٰ ابن مریم صحیح طور پر بیان کر دیا گیا تھا تو پھر کیا اس کا کسی کو وہم گزر سکتا تھا کہ یہ شخص خود مسیح موعود بنے گا اور ان الہامات کا مصداق وہ اپنے آپ کو ٹھہرائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا نے جب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تو اسے حیات مسیح کے عقیدہ سے دستبردار ہونا پڑا اور اس نے اپنے اس عقیدہ کو غلط ٹھہرایا جو اس نے نزول عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں براہین احمدیہ میں لکھا تھا۔ سو یہ مرزا غلام احمد کا ایک جھوٹ تھا جسے وہ یہاں پیچ کہہ رہا ہے۔

اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے کو وہ پہلے سے مشکل سمجھ رہا تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے علماء کو ایک پیچ میں پھانسا۔

وہ خود لکھتا ہے: ''میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت اور ایک وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔'' (نصرۃ الحق ص۵۳، خزائن ج۲۱ ص۶۸ درحاشیہ)

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا غلام احمد کے ذہن میں ''براہین احمدیہ'' کے شائع کرنے میں شروع سے وہ داؤ اور پیچ تھے جنہیں وہ وقت گزرنے پر آہستہ کھولتا رہا اور امت مسلمہ اس کے تدریجی دعوؤں سے اس کے خلاف تدریجاً مخالف ہوتی گئی۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ براہین احمدیہ کی اشاعت کے وقت اس کا ذہن شروع سے امانت و دیانت کے خلاف مجتمع اور خیانت و خدع میں گھرا ہوا تھا۔

حقوق العباد کے اجڑے دیار میں انسانی حقوق کا تماشہ

سب سے اہم شرائط جو لائق توفیہ ہیں جن سے دو انسان ایک زندگی میں داخل ہوتے ہیں۔ نکاح خاوند اور بیوی کا وہ جوڑ ہے جس سے دونوں کا ایک گھر بنتا ہے۔ حضرت عتبہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: ''احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج'' (صحیح بخاری ج۲ص۷۷۴باب الشروط فی النکاح)

(ترجمہ) جو شرطیں تم پورا کرو ان میں سب سے زیادہ حق ان شروط کا ہے جن سے تم نے کسی عورت کو اپنے لئے حلال کیا۔

غلام احمد کی پہلی بیوی ان کی ماموں زاد بہن تھی۔ اس کا نام حرمت بی بی تھا اور وہ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کی ماں تھی۔ یہ وہی فضل احمد ہے جس کا جنازہ غلام احمد نے نہ پڑھا تھا، کیونکہ وہ اس پر ایمان نہ رکھتا تھا۔ یہ ماں بیٹے مرزا قادیانی کے محرم راز اس پر ایمان نہ لانے کے مجرم قرار دیئے گئے تھے۔

مرزا غلام احمد دعویٰ کر چکا تھا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی موعود ہے اور لوگ اعتراض کررہے تھے کہ مہدی تو بنی فاطمہ میں سے ہوگا۔ یہ کیسا مہدی ہے جو مغلوں سے آ گیا۔ مرزا نے بنی فاطمہ سے جوڑ پیدا کرنے کے لئے چاہا کہ اس کی دوسری شادی سادات میں ہو جائے اس سے کچھ نسبت تو بنی فاطمہ سے ہو ہی جائے گی۔

مرزا لکھتا ہے: ''مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی اور اس میں سے اولاد ہوگی تا پیش گوئی حدیث: ''یتزوج و یولد لہ'' پوری ہو جائے یہ حدیث اشارہ کررہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندان سادات سے تعلق دامادی ہوگا۔''

(اربعین نمبر۲ص۳، خزائن ج۱۷ص۳۸۵)

مولانا محمد حسین بٹالوی کی نشاندہی پر مرزا غلام احمد نے میر ناصر نواب دہلوی کی بیٹی نصرت جہاں سے شادی کی اور ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین نے مرزا قادیانی کا نکاح پڑھا۔ مرزا قادیانی کی کتاب براہین احمدیہ شائع ہو چکی تھی۔ مرزا غلام احمد کے کرتے پر جو آسمانی چھینٹے دیکھے گئے، اس کے بعد یہ نکاح وجود میں آیا۔ مرزا بشیر احمد نے یہ سب واقعات ۱۸۸۴ء کے بتلائے ہیں۔

(سیرت المہدی ج۲ص۱۵۱روایت ۴۶۷قدیم، سیرت المہدی ج۱حصہ دوم ص۴۴۴روایت ۴۷۰جدید)

نصرت بیگم کے آنے پر حرمت بی بی پر کیا گزری

مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: ’’حضرت صاحب نے انہیں (حرمت بی بی کو) کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح ہوتا رہا، ہوتا رہا۔ اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے…… اب دو باتیں ہیں یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو میں تم کو خرچ دیئے جاؤں گا۔ انہوں نے (حرمت بی بی) کہلا بھیجا کہ اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لوں گی، بس مجھے خرچ ملتا رہے، میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔‘‘

(سیرت المہدی ج۱ ص۲۶ روایت ۴۰ قدیم، سیرت المہدی ج۱ حصہ ۱ ص۳۰ روایت ۴۱ جدید)

یہ حرمت بی بی آپ کی ماموں زاد بہن تھی۔ اس نے اب یہ خاموش زندگی اختیار کی اور بلا طلاق رہنا پسند کیا۔ اس کے دو بیٹے تھے، سلطان احمد اور فضل احمد۔ مرزا سلطان احمد اپنی والدہ کی ضروریات کا متکفل رہا، غلام احمد نے اسے کوئی باقاعدہ خرچہ دیا ہو، اس کا قادیانی لٹریچر میں کہیں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

محمدی بیگم سے نکاح کی کوشش میں حرمت بی بی کو طلاق

پھر جب مرزا غلام احمد نے محمدی بیگم سے نکاح کی خواہش کی اور محمدی بیگم کے والد مرزا احمد بیگ نے انکار کر دیا تو چونکہ حرمت بی بی انہیں کے عزیزوں میں سے تھی۔ (مرزا غلام احمد کی چچازاد بہن کی بیٹی تھی) مرزا غلام احمد نے مرزا احمد بیگ کو دھمکی دی کہ یا بیٹی دے دو ورنہ حرمت بی بی کو طلاق ہو جائے گی۔ یہ بڑھیا اس معرکہ میں کیا کر سکتی تھی، یہ آپ ہی سوچیں۔ اس بے بس عورت کو جو عرصہ سے معلّقہ کی طرح زندگی گزار رہی تھی۔ اسے مرزا قادیانی نے اس حال میں بھی رہنے نہ دیا اور بالآخر طلاق دے دی۔ انسانی حقوق کے ساتھ یہ تماشہ شاید ہی کہیں آپ کی نظر سے گزرا ہو۔ کیا بیوی پر شرعاً ضروری ہے کہ وہ کسی دوسری عورت کو اپنے خاوند کے نکاح میں آنے پر مجبور کرے یا اس کے والد کو کہے کہ وہ اپنی بیٹی کو میرے خاوند کے نکاح میں دو؟ اگر نہیں تو کیا خاوند کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی اس بے بس بیوی کو اپنے ان رشتہ داروں سے قطع تعلق پر مجبور کرے؟ کیا اسلام ان سفلی حرکات کی اجازت دیتا

ہے؟ کیا کوئی شریف آدمی اپنی بیوی سے اس قسم کے کام لیتا ہے؟ کیا عورتیں مکلّف ہیں کہ اپنے خاوند کو اس طرح اور لڑکیاں مہیا کریں؟ کوئی عالم دین اس بات کا فتویٰ نہ دے گا۔

پھر یہی نہیں کہ مرزاغلام احمد نے حرمت بی بی کو اس پر طلاق دی اس نے اپنے بیٹے سلطان احمد کو بھی مجبور کیا کہ وہ اپنی والدہ کے ان رشتہ داروں سے قطع تعلق کرے۔ سوال یہ ہے کہ کیا شرعاً اتنی بات پر اپنے بیٹے کو عاق اور محروم الارث کیا جاسکتا ہے؟

مرزاغلام احمد نے انہیں لکھا: ''اب تم اپنا آخری فیصلہ کرو، اگر تم نے میرے ساتھ تعلق رکھنا ہے تو پھر ان سے قطع تعلق کرنا ہوگا اور اگر ان سے تعلق رکھنا ہے تو پھر میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہ سکتا۔ میں اس صورت میں تم کو عاق کرتا ہوں۔''

(سیرت المہدی ج۱ص۲۲ روایت ۳۶ قدیم، سیرت المہدی ج۱ حصہ۱ص۲۶ روایت ۳۷ جدید)

کیا اس بات پر کہ ایک شخص کو مجبور کیا جائے کہ اپنی کمسن بیٹی کو ایک پچپن سال کے بوڑھے کے نکاح میں ضرور دے اور اس کے جو عزیز اسے مجبور نہ کرسکیں اور اس سے ملنا جلنا بند نہ کریں، ان میں کسی کو عاق کیا جاسکتا ہے؟ مرزاسلطان احمد اور فضل احمد دونوں بالغ تھے، شادی شدہ تھے۔ اپنے باپ سے علیحدہ رہ رہے تھے۔ انہیں اس بات پر عاق کرنا کہ وہ اپنے باپ کو یہ کمسن بچی نہ دینے والے باپ سے قطع تعلق کیوں نہیں کرتے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

مرزابشیر احمد لکھتا ہے: ''مرزاسلطان احمد کا جواب آیا کہ مجھ پر تائی صاحبہ کے احسانات ہیں، میں ان سے قطع تعلق نہیں کرسکتا۔ مگر مرزافضل احمد نے لکھا کہ میرا تو آپ کے ساتھ ہی تعلق ہے، ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ حضرت صاحب نے مرزافضل احمد کو جواب دیا کہ اگر یہ درست ہے تو اپنی بیوی بنت مرزاعلی شیر کو (یہ بھی محمدی بیگم کے خاندان میں سے تھی مرزااحمد بیگ کی بھانجی تھی) طلاق دے دو۔''

(سیرت المہدی ج۱ص۲۲ روایت ۳۶ قدیم، سیرت المہدی ج۱ حصہ۱ص۲۶ روایت ۳۷ جدید)

بڑھاپے میں ایک کمسن لڑکی کو اپنے نکاح میں لانے کے لئے اپنے بیٹے کے بستے گھر کو اجاڑنا اور لڑکی والوں پر ہر طرف سے دباؤ ڈالنا کیا یہ کردار کسی خدا سے ڈرنے والے کا ہوسکتا ہے؟ ناظرین خود اس پر غور فرمائیں:

لڑکی کے والد کو زمین دینے کا لالچ دینا

مرزا غلام احمد نے مرزا احمد بیگ کو لکھا: ’’آپ کی دختر کو اپنی زمین اور تمام جائیداد کا تہائی حصہ دوں گا اور بھی جو تم مانگو گے تم کو دوں گا...... میں نے یہ خط اللہ کے حکم سے لکھا ہے اور جو وعدہ زمین اور جائیداد دینے کا اس میں کیا ہے، وہ سب اللہ کی طرف سے ہے اور یہ خدا نے اپنے الہام سے مجھ سے کہلوایا ہے۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۳،۵۷۴، خزائن ج۵ ص ایضاً)

ناظرین! اس عبارت پر غور فرمائیں اور اپنے دل سے ان سوالوں کا جواب لیں۔

۱...... وہ خدا جو مرزا غلام احمد سے اس لڑکی کی خاطر اتنی منتیں کرا رہا ہے اور لڑکی کے والد کو اپنے الہام سے تسلی دے رہا ہے۔ کیا اس پر قادر نہ تھا کہ ’’کُنْ‘‘ کہہ کر لڑکی دینے کا ارادہ احمد بیگ کے دل میں ڈال دے اور یہ نکاح ہو جائے۔ ’’اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ‘‘ (یٰسین:۸۲) جب وہ کسی بات کا اردہ کر لے تو کہتا ہے ’’ہو جا‘‘ اور وہ بات ہو جاتی ہے۔

۲...... محمدی بیگم اگر مرزا کے نکاح میں آ جائے تو کیا وہ مرزا غلام احمد کی وفات پر اس کے وارثوں میں سے ہوگی یا نہ؟ اگر ہو تو بتلایئے کہ جائیداد کے تیسرے حصے کی کسی کے لئے وصیت کرنا، کیا اس کی اجازت کسی وارث کو بھی شامل ہے؟ کیا یہ وصیت کا تیسرا حصہ کسی وارث کو دیا جا سکتا ہے؟

۳...... حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو خطبہ حجۃ الوداع میں سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث‘‘ (ترمذی ج۲ ص۳۳ باب ماجاء لا وصیۃ لوارث)

(ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق (آیت میراث میں) دے دیا ہے سو اب کسی وارث کے حق میں کچھ اور نہیں دیا جا سکتا۔

اور اگر یہ تیسرا حصہ بطور وصیت نہیں بطور ہبہ دیا جا رہا ہے تو کیا کسی وارث کو کوئی حصہ دوسرے وارثوں کو اس طرح ہبہ کرنے کے بغیر دیا جا سکتا ہے؟ مرزا اگر یہ تیسرا حصہ محمدی بیگم کو دے رہا تھا تو کیا وہ ایسا ہی ایک تیسرا حصہ حرمت بی بی کو اور ایک نصرت جہاں بیگم کو بھی

دے رہا تھا۔ جائیداد کے اگر تین حصے تینوں بیویوں کو دے دیئے تو بیٹوں کے لئے جماعتی چندوں کے سواء اور کیا باقی رہ جائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو ان کے والد لے کر آئے اور انہیں ایک غلام ہبہ کرنا چاہا۔ حضور ﷺ نے آپ کے والد سے پوچھا کہ کیا تو نے اپنے سب بیٹوں کو اسی مقدار میں کچھ ہبہ کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر اسے بھی نہیں۔ یعنی شرعی حق سے زائد مال دے تو سب کو دے ایک کو نہیں دیا جاسکتا۔ جو تیسرا حصہ وصیت کرسکتا ہے وہ بھی وارث کو نہیں کسی دوسرے کو۔

’’عن النعمان بن بشیر انه قال ان اباه اتٰی به رسول اللّٰہ ﷺ فقال انی نحلت ابنی هٰذا غلاماً کان لی فقال رسول ﷺ اکل ولدک نحلته مثل هذا فقال لا فقال رسول ﷺ فارجعه‘‘

(صحیح مسلم ج۲ص۳۶ **باب کراهة تفضیل بعض الاولاد فی الهبة**)

(ترجمہ) حضرت نعمان کہتے ہیں انہیں ان کے والد حضور ﷺ کے پاس لے کر آئے اور کہا میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہبہ کردیا ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تو نے اپنے سب بیٹوں کو اتنا ہبہ کیا ہے؟ والد صاحب نے کہا نہیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا پھر اس سے بھی واپس لے لو۔

نکاح نہ ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو چوہڑا چمار کہہ دینا

مرزاغلام احمد کو جب معلوم ہوا کہ محمدی بیگم کا نکاح کسی اور جگہ ہونے والا ہے تو مرزا نے مرزا علی شیر بیگ کو (جو مرزا احمد بیگم کا بہنوئی تھا اور مرزا فضل احمد کا خسر تھا اور اسی کی بیٹی عزت بی بی مرزاغلام احمد کی بہو تھی) ۴؍مئی ۱۸۹۱ء کو یہ خط لکھا: ’’میں آپ کو ایک غریب طبع اور نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ عید کے دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے...... اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا تھا۔ کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی...... اب تو وہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں نے خط لکھے کہ پرانا رشتہ مت توڑو (مرزا نے تو

خود ان کی بہن حرمت بی بی کو اپنے سے فارغ کر کے ’’پھجے کی ماں بنا رکھا تھا‘‘ اب پھجے کے خسر کی یہ منت وسماجت کیوں؟) خدا تعالیٰ سے خوف کر و کسی نے جواب نہ دیا بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جوش میں آ کر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے؟ صرف عزت بی بی نام کے لئے فضل احمد کے گھر میں ہے۔ بے شک وہ طلاق دے دیوے، ہم راضی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہیں کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں...... یہ باتیں آپ کی بیوی کی مجھے پہنچی ہیں۔ بے شک میں ناچیز ہوں، ذلیل ہوں اور خوار ہوں، مگر خدا کے ہاتھ میں میری عزت ہے۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب جب میں ایسا ذلیل ہوں تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا حاجت ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک نہ دیں۔ میرا بیٹا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا...... اور اگر میرے لئے احمد بیگ سے مقابلہ کرو گے...... تو میں بدل وجان حاضر ہوں...... آپ کی لڑکی کی آبادی کے لئے کوشش کروں گا اور میرا مال ان کا مال ہوگا۔‘‘ (کلمہ فضل رحمانی ص۱۲۵،۱۲۶ طبع ملتان)

دیکھئے! اس لئے ایک کمسن لڑکی ایک بوڑھے کے نکاح میں کیوں نہیں آتی؟ کتنے پاپڑ بیلے جارہے ہیں اور کتنے گھر برباد کئے جارہے ہیں۔ اپنی بیوی حرمت بی بی کو طلاق دی جارہی ہے۔ بہو (عزت بی بی) کو طلاق دلوائی جارہی ہے۔ فضل احمد کو محروم الارث ہونے کی دھمکی دی جارہی ہے اور محمدی بیگم سے نکاح ہونے کا پھر بھی یقین کامل ہے۔ مرزا قادیانی نے پھر اگست ۱۹۰۱ء کو یہ حلفیہ بیان دیا، جو ان کے اخبار الحکم ۱۰؍اگست ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا۔

’’عورت (محمدی بیگم) اب تک زندہ ہے میرے نکاح میں وہ ضرور آئے گی۔ امید کیسی یقین کامل ہے یہ خدا کی باتیں ہیں ٹلتی نہیں ہو کر رہیں گی۔‘‘

(عدالت گورداسپور میں مرزا قادیانی کا حلفیہ بیان الحکم ج۵ نمبر۲۹ ص۱۵ کالم۱، مؤرخہ ۱۰؍اگست ۱۹۰۱ء)

مذہبی دنیا میں انسانی حقوق کا ایسا کریہ ڈرامہ شاید ہی کسی نے دیکھا ہو اور خدا کے نام پر ایسے صریح اور قطعی لفظوں میں شاید ہی کوئی جھوٹ باندھا گیا ہو۔ محمدی بیگم مرزا کی وفات کے بعد ۵۸ سال تک دنیا میں زندہ رہی اور اسلام پر اس کی وفات ہوئی اور اسے اور

اس کے خاندان کو ذلیل و رسوا ہونے کی دھمکیاں دینے والے قانون کی نگاہ میں سرعام غیرمسلم ٹھہرائے گئے۔ نصرت بیگم کی اولاد غیرمسلم ہوگئی اور محمدی بیگم کی اولاد مسلمانوں کی صف میں رہی یہ لوگ ایک اسلامی سلطنت کے آزاد شہری ٹھہرے اور نصرت جہاں بیگم کا پوتا مرزا طاہر مسلمانوں کی غلامی سے بھاگ کر لندن میں انگریزوں کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ یہ وہ بدنصیب ہیں جو ہمیشہ غیراسلامی سلطنتوں کے سایہ میں رہیں گے اور آزادی کا سانس انہیں کبھی نصیب نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی آزادی کو قائم اور دائم رکھے۔ یہ وہ تحفہ اور انعام الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مرزا غلام احمد کی مسیحیت کے منکرین کو ۱۹۴۷ء میں بخشا۔

ایک اور پیش گوئی ملاحظہ کرتے چلیں:

چھٹی پیش گوئی

جب کسی کو پیش گوئیوں کی عادت پڑ جائے تو وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ مرزا غلام احمد کو جب کبھی اطلاع ملتی کہ فلاں شخص کے ہاں امید ہوگئی ہے تو جھٹ ایک آدھ پیش گوئی اُگل دیتے اور پھر ایسے پہلودار لفظ بولتے کہ سننے والے وادی حیرت کو ٹٹولتے۔ قادیان میں ایک پیر جی تھے ان کے گھر امید ہوئی تو مرزا قادیانی نے ۱۹/فروری ۱۹۰۶ء میں ایک رؤیا دیکھا اور کہا: ''دیکھا ہے کہ منظور محمد کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا نام کیا رکھا جائے؟ تب حالت خواب سے الہام کی طرف چلی گئی اور یہ معلوم ہوا بشیرالدولہ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ وہ لڑکا خود اقبال مند اور صاحب دولت ہو لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب اور کس وقت یہ لڑکا پیدا ہوگا۔''

(بدرج ۲ نمبر ۸، مؤرخہ ۲۳/فروری ۱۹۰۶ء، تذکرہ ص۵۱۰،۵۱۱ طبع چہارم)

پھر ۷/جون ۱۹۰۶ء کو الہام ہوا: ''اس لڑکے کے دو نام ہوں گے۔ (۱) بشیر الدولہ (۲) عالم کباب۔ یہ ہر دو نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوئے۔'' (تذکرہ ص۵۳۳)

پھر الہام ہوا کہ: ''اس کے دو نام نہیں بلکہ چار ہوں گے ایک شادی خان اور دوسرا کلمۃ اللہ خان۔'' (تذکرہ ص۵۳۴)

پھر گیارہ دن بعد الہام ہوا کہ: ’’اس لڑکے کے نام چار نہیں نو ہوں گے۔‘‘

(تذکرہ ص۵۳۷ طبع چہارم)

مگر جب پیر جی منظور صاحب کے ہاں ۱۷؍جولائی ۱۹۰۶ء کو لڑکی پیدا ہوئی تو مرزا قادیانی چودہ دن گھر سے نہ نکل سکے اور گھر بیٹھے کباب کھاتے رہے کہ عالم کباب کیوں نہیں آیا، یہ کون آ گئی ہے؟ پہلے دو ناموں والا آ رہا تھا، پھر چار ناموں والا، پھر نو ناموں والا کل کتنے نام ہوئے (۱۵) معلوم نہیں اتنے ناموں والا بشیر الدولہ کیسے ہوگیا۔ اسے تو بشیر الاسماء ہونا چاہئے تھا۔ بہرحال حاصل اینکہ مرزا قادیانی اپنی اس پیش گوئی میں بھی چوک گئے اور اب انہیں اپنے مرنے کی فکر ہوگئی۔ مرزا قادیانی مایوس نہ ہوئے کہا کبھی تو بشیر الدولہ آئے گا کیا منظور کی بیوی زندہ نہیں اور کیا وہ پھر کبھی حاملہ نہ ہوگی۔ کچھ تو خدا سے ڈرو...... محمدی بیگم کے ہاں اس کے بعد بھی کوئی لڑکا پیدا نہ ہوا۔

ساتویں پیش گوئی بھی ملاحظہ فرمائیں

مرزا غلام احمد نے ۱۴؍جنوری ۱۹۰۶ء کو بوحی خداوندی اعلان کیا: ’’ہم مکہ میں مریں گے یا مدینہ میں۔‘‘ (تذکرہ ص۵۰۳ طبع چہارم)

مکہ جانا ان کے نصیب میں نہ تھا۔ مجبوراً اس الہام کی یہ تاویل کی: ’’اس کے معنی یہ ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی۔ جیسا کہ وہاں دشمن کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔ دوسرے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہوگی خودبخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہوجائیں گے۔‘‘ (ایضاً)

مرزا کے دشمن کب مغلوب ہوئے۔ ۱۹۰۸ء کو مر گیا اور مولانا ثناء اللہ امرتسری چالیس سال امرتسر میں نہایت عزت سے زندہ رہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم آف پٹیالہ گیارہ سال مزید زندہ رہے۔ ۱۹۱۹ء میں فوت ہوئے۔ محمدی بیگم کا خاوند مرزا سلطان محمد سالہا سال ۴۰ سال تک مرزا قادیانی کی آسمانی منکوحہ کو ساتھ لئے پھرتا رہا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی مرزا کی بددعا کے بعد کئی سال حیات رہے اور ایک دنیا آپ کے علوم وفیوض سے سیراب ہوتی رہی۔

مرزا قادیانی کی آٹھویں پیش گوئی ملاحظہ ہو

’’واذا العشار عطلت پوری ہوئی اور پیش گوئی حدیث:’’ولیترکن القلاص فلا یسعی علیھا‘‘ نے اپنی پوری چمک دکھلائی...... مدینہ اور مکہ کے درمیان جوریل طیار ہو رہی ہے۔ یہی اس پیش گوئی کا ظہور ہے جو قرآن وحدیث میں ان لفظوں سے کی گئی تھی جو مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے۔‘‘ (اعجاز احمدی ضمیمہ نزول مسیح ص۲، خزائن ج۱۹ ص۱۰۸)

دنیا گواہ ہے کہ مرزا غلام احمد کی موت کو نوّے سال ہو رہے ہیں اور اب تک مدینہ اور مکہ میں ریل نہیں چلی اور مسیح موعود کا یہ نشان ظہور میں نہیں آیا۔ مرزا کی پیش گوئی کے مطابق ۱۹۰۵ء میں یہ ریل چل جانی چاہئے تھی۔ (تحفہ گولڑویہ ص۶۴، خزائن ج۱۷ ص۱۹۵)

نوٹ: تحفہ گولڑویہ یکم رستمبر۱۹۰۲ء کی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ تین سال (ایضاً) یعنی ۱۹۰۵ء میں چل جانی چاہئے تھی، سو نہ چلی اور ملعون قادیان کی پیش گوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔ اب یہ ۲۰۲۱ء سے چلی ہے۔ ملعون قادیان کی پیش گوئی کی نحوست سے یہ ایک صدی پہلے چلنے والی اب صدی بعد (۱۹۰۵ء-۲۰۲۱ء) میں چلی ہے۔ مرزا نے پیش گوئی کی، اس کی نحوست سے تیار شدہ لائن اور منصوبہ بند ہو گیا اور اب سوا صدی بعد چلی ہے۔ کاشکے ترا مادر نہ زادے۔ (فقیر مرتب)

(۲) مرزا غلام احمد کے کھلے جھوٹ

آنحضرت ﷺ نے اپنے بعد آنے والے جن مدعیان نبوت کی خبر دی، ان کے بارے میں فرمایا وہ کذاب اور دجال ہوں گے، جن مسائل میں قرآن وحدیث کی بحثیں آئی ہیں۔ ان میں ان کا کردار دجل وفریب کا رہا اور ان کے علاوہ جو مباحث سامنے آئے، ان میں اس کے کھلے جھوٹ سامنے آئے۔ حضور کی اس پیش گوئی کے مطابق مرزا غلام احمد بھی اپنے مسیح موعود ہونے کے دعوے میں بے شک دجال ہے۔ لیکن ہم یہاں وہ باتیں علیحدہ پیش کریں گے جن میں وہ کذاب ہے اور کھلے جھوٹ کا مرتکب ہے:

جھوٹ نمبر۱: ’’تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ اور مدینہ اور قادیان یہ کشف تھا۔‘‘ (ازالہ اوہام حاشیہ ص۷۷، خزائن ج۳ ص۱۴۰)

یہاں یہ نہیں کہا کہ مذکور ہے بلکہ کہا درج ہے۔ مذکور ہونا کسی معنوی پیرائے میں بھی ہوسکتا ہے، درج ہونا خاص لکھے جانے کے معنی میں ہے۔اس میں شبہ نہیں کہ نبی کا کشف بھی ایک حقیقت ہے۔ مرزا غلام احمد جس طرح اپنی نبوت کو حضور کی بعثت کا ایک دوسرا ظہور کہتا رہا وہ اپنی وحی (جو تذکرہ کے نام سے ان کے ہاں تلاوت کی جاتی ہے) کو بھی قرآن کا تتمہ سمجھتا ہے۔تذکرہ میں بے شک یہ لفظ موجود ہے۔

مرزا کے دعوے سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کی طرح صرف ایک قرآن کا قائل نہیں۔ وہ تذکرے کو دوسرا قرآن سمجھتا ہے اور اسے اس قرآن کا تتمہ خیال کرتا ہے۔تبھی تو اس نے یہ بات کھل کر کہی ہے کہ قادیان کا نام قرآن مجید میں ہے۔آگے چلئے مرزا قادیانی قرآن کریم پر ایک دوسرا جھوٹ باندھتے ہیں۔

جھوٹ نمبر۲: ’’سورۂ تحریم میں صریح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ بعض افراد امت کا نام مریم رکھا گیا ہے اور پھر پوری اتباع شریعت کی وجہ سے اس مریم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے روح پھونکی گئی اور روح پھونکنے کے بعد اس مریم سے عیسیٰ پیدا ہوگیا اور اسی بناء پر خدا نے میرا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔‘‘ (براہین احمدیہ پنجم ص۱۸۹، خزائن ج۲۱ ص۳۶۱)

’’یہ بات سورۂ تحریم میں صریح طور پر ہے۔‘‘

قرآن کریم پر یہ ایک صریح جھوٹ ہے۔

پھر قرآن پاک پر یہ جھوٹ بھی باندھا:

وقد قیل منکم یا تین امامکم وذاک فی القرآن نبأ مکرر

(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول مسیح ص۷۵، خزائن ج۱۹ ص۱۸۸)

(ترجمہ) روایت میں یہ چیز آ گئی تھی کہ تمہارا امام تم میں سے ہوگا اور یہ خبر قرآن میں دو دفعہ دی گئی ہے۔

حدیث میں تو ہے:’’کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم واما مکم منکم‘‘ (بخاری ج۱ ص۴۹۰ باب نزول عیسیٰ بن مریم)

لیکن یہ قرآن میں کہیں نہیں۔قرآن کریم پر یہ الزام ایک کھلا جھوٹ ہے۔

آگے قرآن وحدیث پر ایک اور جھوٹ بولا گیا دیکھیں۔

جھوٹ نمبر۳: ’’لیکن ضرور تھا کہ قرآن شریف اور احادیث کی وہ پیش گوئیاں پوری ہوتیں جس میں لکھا تھا کہ مسیح موعود جب ظاہر ہوگا تو:

۱...... اسلامی علماء کے ہاتھ سے دکھ اُٹھائے گا۔

۲...... وہ اس کو کافر قرار دیں گے۔

۳...... اور اس کے قتل کے لئے فتوے دیئے جائیں گے۔

۴...... اور اس کی سخت توہین کی جائے گی۔

۵...... اور اس کو دائرہ اسلام سے خارج اور دین کا تباہ کرنے والا خیال کیا جائے گا۔ سو ان دنوں میں وہ پیش گوئی انہی مولویوں نے اپنے ہاتھوں سے پوری کی۔‘‘

(اربعین حصہ۳ ص۱۷، خزائن ج۱۷ ص۴۰۴)

یہ بات نہ قرآن کریم میں ہے نہ احادیث میں۔ مرزاغلام احمد نے یہاں جی بھر کر جھوٹ بولا ہے۔ مسیح موعود کی یہ صفات کہیں کسی روایت میں موجود نہ ملیں گی۔

جھوٹ نمبر۴: ’’مرزاجی نے ہندوستان کے کرشن کنہیا کو نبی ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث گھڑی کہ آنحضرت نے یہ فرمایا: ’’**کان فی الھند نبیاً اسود اللون اسمہ کاھنا**‘‘ یعنی ہند میں ایک نبی گزرا ہے جو سیاہ رنگ کا تھا اس کا نام کاہن تھا یعنی کنہیا جس کو کرشن کہتے ہیں۔‘‘ (ضمیمہ چشمہ معرفت ص۱۰، خزائن ج۲۳ ص۳۸۲)

یہ حدیث کہیں ان الفاظ سے پائی نہیں گئی۔

قرآن کریم پر ایک اور جھوٹ

جھوٹ نمبر۵: ’’اس آخری زمانے کی نسبت خداتعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ خبریں بھی دی تھیں کہ کتابیں اور رسالے بہت سے دنیا میں شائع ہو جائیں گے اور قوموں کی باہمی ملاقات کے لئے راہیں کھل جائیں گی اور دریاؤں میں سے بکثرت نہریں نکلیں گی اور بہت سی نئی کانیں پیدا ہو جائیں گی اور لوگوں میں مذہبی امور میں بہت سے تنازعات پیدا ہوں گے اور ایک قوم دوسری قوم پر حملہ کرے گی اور اسی اثنا میں آسمان سے ایک صور پھونکی جائے

گی۔ یعنی خدا تعالیٰ مسیح موعود کو بھیج کر اشاعت دین کے لئے ایک تجلی فرمائے گا تب دین اسلام کی طرف ہر ایک ملک میں سعید الفطرت لوگوں کو ایک رغبت پیدا ہو جائے گی اور جس حد تک خدا کا ارادہ ہے تمام زمین کے سعید لوگوں کو اسلام پر جمع کرے گا تب آخر ہوگا۔ سو یہ تمام باتیں ظہور میں آ گئیں۔'' (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۸، خزائن ج۲۱ ص۳۵۹)

یہاں قرآن کے حوالے سے یہ باتیں کہی گئی ہیں۔

۱...... آسمان سے صور پھونکا جانا اور مسیح موعود کا زمانہ ایک ہی ہے۔ اس پر دنیا کا آخر ہوگا۔ اس عبارت میں الفاظ: ''تب آخر ہوگا'' قابل غور ہیں۔ اگلے الفاظ بھی غور سے سمجھیں کہ: ''یہ سب باتیں ظہور میں آ گئیں'' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسیح موعود کی صدی آخری صدی ہے اور اس پر دنیا کا آخر ہے اور وہ وقت آن پہنچا ہے جب قیامت قائم ہوگی۔

۲...... ''مسیح موعود کے دور میں تمام سعید الفطرت لوگ اسلام پر جمع ہو جائیں گے۔'' مسیح موعود کے باعث پوری دنیا میں ہدایت پھیل جائے گی اور لوگ اسلام پر جمع ہو جائیں گے۔

قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ دریاؤں سے نہریں نکلیں گیں اور چودھویں صدی آخری صدی ہوگی اور اس پر دنیا کا آخر ہوگا اور اس میں تمام سعید الفطرت لوگ اسلام پر جمع ہو جائیں گے۔ مرزا قادیانی نے یہ قرآن پر جھوٹ بولا ہے۔

<u>جھوٹ نمبر۶:</u> اب آیئے آگے چلیں۔ مرزا قادیانی آگے احادیث کے نام سے یہ جھوٹ بولتے ہیں: ''ایسا ہی احادیث صحیحہ میں آیا تھا کہ وہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا۔ سو یہ تمام علامات بھی اس زمانے میں پوری ہو گئیں۔'' (براہین احمدیہ پنجم ص۱۸۸، خزائن ج۲۱ ص۳۵۹)

کسی حدیث میں چودھویں صدی کا ذکر نہیں، نہ یہ کہ یہ صدی آخری ہوگی مرزا غلام احمد نے اپنے کو مسیح موعود منوانے کی خاطر حدیث کے نام پر یہ جھوٹ بولا ہے۔ حدیث صحیح کیا کسی حدیث ضعیف میں بھی چودھویں صدی کا ذکر نہیں۔ یہ بات بھی مرزا غلام احمد کا آنخضرت ﷺ پر جھوٹ باندھنا ہے کہ: ''آنخضرت ﷺ نے مہدی کے ظہور کے لئے چودھویں صدی ہی قرار دی تھی۔'' (تحفہ گولڑویہ ص۳۳، خزائن ج۱۷ ص۱۴۳)

جھوٹ نمبر۷: مرزا غلام احمد کا ایک اور جھوٹ ملاحظہ فرمائیں یہ کسی ایک نبی کے حوالے سے نہیں سب انبیاء گزشتہ کے نام سے یہ بات کہی گئی ہے: ’’انبیاء گزشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مہر لگادی کہ وہ (مسیح موعود) چودھویں صدی کے سر پر پیدا ہوگا اور نیز کہ یہ پنجاب میں ہوگا۔‘‘ (اربعین نمبر۲ص۲۳، خزائن ج۱۷ص۳۷۱)

(دوسرے ایڈیشن میں انبیاء کا لفظ ’’اولیاء‘‘ سے بدل کر خیانت کی اب خزائن جو قادیانی کتب کا مجموعہ شائع کیا ہے، اس میں سے دوسرے ایڈیشن کے حاشیہ کی عبارت بھی حذف کردی۔ یہ خیانت اور خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔ از چنیوٹی)

انبیاء کرام علیہم السلام کیا کسی ایک نبی سے بھی ثابت نہیں کہ اس نے کبھی لفظ پنجاب اپنی زبان سے ادا کیا ہو۔ غلام احمد نے یہ انبیاء کرام پر جھوٹ باندھا ہے نہ کسی نبی نے چودھویں صدی کو آخری صدی کہا نہ کسی نے کبھی لفظ پنجاب بولا۔ قادیانیوں کو جب احساس ہوا کہ یہ صریح جھوٹ ہے تو انہوں نے اگلے ایڈیشنوں میں لفظ انبیاء کو اولیاء سے بدل دیا۔ لیکن انہیں اگلے الفاظ بدلنے یاد نہ رہے۔ وہ الفاظ کیا تھے: ’’اس بات پر قطعی مہر لگادی۔‘‘

۱...... کسی بات پر قطعی مہر انبیاء سے لگتی ہے اولیاء سے نہیں، انبیاء پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے گناہ ان کی طرف راہ نہیں پاتا۔ اولیاء کی بات شرعی حجت نہیں ہوتی نہ ان کا الہام دوسروں کے لئے شرعی حجت بنتا ہے۔ یہاں صرف لفظ مہر نہیں قطعی مہر کے الفاظ ہیں۔ اخبار میں مہر تصدیق صرف پیغمبروں کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔

۲...... اولیاء کی بات مرزا غلام احمد پہلے نقل کر آیا ہے وہ اس آنے والے کی خبر نہ دے رہے تھے، اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ولی انتظار کرتے ہیں اور نبی تصدیق کرتے ہیں وہ پہلی عبارت یہ ہے: ’’اس صدی میں جس پر امت کے اولیاء کی نظریں لگی ہوئی تھیں، اس میں بقول تمہارے ایک چھوٹا سا مجدد بھی پیدا نہ ہوا اور محض ایک دجال پیدا ہوا۔‘‘

(اربعین نمبر۲ص۲۳، خزائن ج۱۷ص۳۷)

سو عبارت کا اصل لفظ انبیاء ہے، اولیاء نہیں اور یہ بات مرزا قادیانی کا صریح جھوٹ ہے کہ انبیاء گزشتہ نے اس پر مہر تصدیق لگائی کہ مسیح موعود چودھویں صدی میں آئے گا اور نیز یہ کہ پنجاب میں آئے گا۔ ’’سبحانک ھذا بھتان عظیم‘‘

(۳) مرزا غلام احمد کی سفہیات

یوں تو غلام احمد بہت ہوشیار اور چالاک تھا منصوبے پہلے سے اس کے ذہن میں ہوتے تھے اور وہ ان کے لئے مناسب وقت کا منتظر رہتا تھا اور اس کی کہی بات کتنی صریح غلط کیوں نہ نکلے، اس کے پاس اس میں تاویلات کی کمی نہ ہوتی تھی۔ براہین احمدیہ اس کی پہلی کتاب ہے جو اس نے دوسرے علماء سے مدد لے کر تالیف کی۔ تاہم اس نے اس میں اپنے روزمرہ کے امور میں اس سے سفہیات بھی بہت ظاہر ہوتی رہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ دینوی امور میں وہ کوئی روشن دماغ اور اچھی درایت اور سمجھ والا آدمی نہ تھا۔ عام دیکھنے والا ہمیشہ اس کی آنکھوں میں شراب کا نشہ محسوس کرتا تھا۔

جو لوگ واقعی مامور من اللہ ہوتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ اچھا ذہن اور اچھی درایت عطاء فرماتے ہیں اور وہ لوگ اپنے مریدوں کے سواء دوسرے لوگوں میں بھی اچھے سمجھدار اور باعزت سمجھے جاتے ہیں۔

مرزا قادیانی لکھتا ہے: ’’مسیحیت یا نبوت وغیرہ کا دعویٰ کرنے والا اگر درحقیقت سچا ہے تو یہ امر ضروری ہے کہ اس کا فہم اور درایت اور لوگوں سے بڑھ کر ہو۔‘‘

(ایام الصلح ص۸۵ حاشیہ،خزائن ج۱۴ص۳۲۱)

اب اس کے برعکس غلام احمد کی چند وہ سفہیات (بے وقوفیاں) ملاحظہ فرمائیں جن کو پڑھ کر ہر سلیم الفطرت اس کی عقل اور شعور پر حیران رہ جاتا ہے۔

سر درد کے لئے مرغا ذبح کر کے سر پر باندھنا

’’ایک دفعہ مرزا نظام الدین صاحب کو سخت بخار ہوا جس کا دماغ پر بھی اثر تھا۔ اس وقت کوئی اور طبیب یہاں نہیں تھا۔ مرزا نظام الدین کے عزیزوں نے حضرت کو اطلاع دی اور آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور مناسب علاج کیا۔ علاج یہ تھا کہ آپ نے مرغا ذبح کرا کر سر پر باندھا۔‘‘

(سیرت المہدی ج۳ص۲۷روایت ۵۱۱ قدیم،سیرت المہدی ج۱حصہ۳ص۵۲۲ روایت نمبر۵۱۱ جدید)

مرغا پیٹ چاک کر کے باندھا یا اس طرح پروں سمیت باندھا، اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔

کیا مرغا خود ذبح نہ کرسکتے تھے

مرغا اس لئے کسی سے ذبح کرایا کہ خود اس جرأت سے خالی تھے۔ایک دفعہ چارونا چار چوزہ ذبح کیا اوراپنی انگلی کاٹ لی۔

''حضرت اقدس مسیح موعود عصر کی نماز کے وقت .... سے تشریف لائے۔ بائیں ہاتھ کی انگلی پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔اس وقت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے پوچھا کہ حضور نے یہ پٹی کیسے باندھی ہے۔تب حضرت اقدس نے ہنس کر فرمایا ایک چوزہ ذبح کرنا تھا ہماری انگلی پر چھری پھر گئی۔''

(سیرت المہدی ج۳ص۶ روایت۷۴۲ قدیم، سیرت المہدی ج۱حصہ۳ص۴۹۷ روایت۷۴۲ جدید)

جولوگ اعتقاداً جہاد کو حرام سمجھتے ہیں، ان سے چوزہ بھی ذبح نہیں ہو پاتا۔بس اپنی ہی انگلیاں کاٹتے ہیں۔وہ اس صف کے لوگ ہیں جس میں زلیخا کے زمانہ کی عام عورتیں تھیں۔

دوا کی بجائے بیٹی کو تیل کی شیشی پلادینا

''حضرت مسیح موعود کی اولاد میں آپ کی لڑکی عصمت ہی صرف ایسی تھی جو قادیان سے باہر پیدا ہوئی اور باہر ہی فوت ہوئی ...... اسے ہیضہ ہوا تھا اس لڑکی کو شربت پینے کی عادت پڑ گئی تھی یعنی وہ شربت کو پسند کرتی تھی۔حضرت مسیح موعود اس کے لئے شربت کی بوتل ہمیشہ اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔رات کو وہ اٹھا کر کہتی ابا شربت پینا ہے۔آپ فوراً اُٹھ کر شربت بنا کر اسے پلادیا کرتے تھے۔ایک دفعہ لدھیانہ میں اس نے اسی طرح رات کو اُٹھ کر شربت مانگا حضرت صاحب نے اسے شربت کی جگہ غلطی سے چنبیلی کا تیل پلادیا جس کی بوتل اتفاقاً شربت کی بوتل کے پاس ہی پڑی تھی۔''

(سیرت المہدی ج۳ص۲۵۹ روایت۸۷۹ قدیم، سیرت المہدی ج۱حصہ۳ص۷۷۵ روایت۸۷۹ جدید)

(۴) مرزا غلام احمد کے تضادات

۱...... جب حرمت بی بی بوڑھی ہوگئی اور مرزا قادیانی نے نصرت جہاں بیگم سے نکاح کرنا چاہا تو مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث کا حوالہ دیا: ’’یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہ‘‘ کہ مسیح آئے گا تو نکاح بھی کرے گا اور اس کی اولاد بھی ہوگی۔ پہلا نکاح دعویٰ مسیحیت سے پہلے کا ہے، وہ اس حدیث کا مصداق نہیں اور اب نصرت بیگم سے جو نکاح ہوگا، اس کی اس حدیث میں خبر دی گئی ہے: ’’مجھے بشارت دی گئی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی اور اس میں سے اولاد ہوگی تا پیش گوئی حدیث: ’’یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہ‘‘ پوری ہوجائے اور یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندان سیادت سے تعلق دامادی ہوگا۔ کیونکہ مسیح موعود کا تعلق جس سے وعدہ ’’یُوْلَدُلَہ‘‘ کے موافق صالح اور طیب اولاد پیدا ہو اعلیٰ اور طیب خاندان سے چاہئے۔‘‘

(اربعین نمبر۲ ص۳۶ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۳۸۵)

مگر جب مرزا قادیانی نے محمدی بیگم سے نکاح کرنا چاہا تو پھر انہیں یہی حدیث یاد آگئی اور آپ نے اسی حدیث کا حوالہ دیا: ’’یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُلَہ‘‘ غلام احمد نے لکھا: ’’اس پیش گوئی (محمدی بیگم سے نکاح) کی تصدیق کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے بھی پہلے سے ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ ’’یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہ‘‘ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا اور نیز صاحب اولاد ہوگا۔‘‘ (ضمیمہ انجام آتھم ص۵۳ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۳۳۷)

اگر مرزا غلام احمد کے عقیدہ کے مطابق حضور کی یہ پیش گوئی نصرت بیگم کے نکاح سے پوری ہوچکی تھی اور اس سے مرزا کی اولاد بھی ہوچکی تھی تو پھر محمدی بیگم کو اس حدیث: ’’یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہ‘‘ کا مصداق ٹھہرانا کیا یہ اپنے آپ سے ٹکراؤ نہیں۔ تاریخ بنی آدم میں مخالفوں سے ٹکرانا تو چلا آتا ہے لیکن یہ اپنے آپ سے ٹکرانا صرف اس شخص کے بارے میں صحیح ہوسکتا ہے جو مخبوط الحواس ہو یا اسے نصرت بیگم کی اولاد کے بارے میں اپنی اولاد ہونے کا یقین نہ ہو۔ معلوم نہیں قادیانی اس میں کونسی شق کو تسلیم کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں بہت سی باتوں کا آپس میں ٹکراؤ ہوتا۔

''لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا'' (النساء:۸۲)

حدیث میں یولدلہ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ یہ مسیح موعود کی پہلی اولاد ہوگی ورنہ ہر تزوج پر عام طور پر تولد ہو ہی جاتا ہے پھر اسے خصوصی طور پر بیان کرنے کے کیا معنی؟

۲...... غلام احمد نے اپنی پہلی بیوی حرمت بی بی سے ترک تعلق کیوں کر رکھا تھا؟ مرزا بشیر احمد کا بیان ہے کہ والدہ سلطان احمد اپنے بے دین اقرباء کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی جب مرزا غلام احمد نے اسے نکال دیا تو وہ اپنے بھائی مرزا علی شیر بیگ کے ہاں جا بیٹھی ظاہر ہے کہ بھائی بھی ایسا ہی بے دین ہوگا جیسی بہن تھی۔

مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: ''مرزا نظام الدین و مرزا امام دین وغیرہ پرلے درجے کے بے دین اور دہریہ طبع لوگ تھے اور مرزا احمد بیگ مذکوران کے سخت زیر اثر تھا اور انہیں کے رنگ میں رنگین رہتا۔''

(سیرۃ المہدی حصہ اص۱۱۴ روایت نمبر۱۲۷ قدیم، سیرت المہدی ج۱ حصہ اص۱۰۲ روایت ۱۲۷ جدید)

''یہ لوگ سخت دنیادار اور بے دین تھے۔''

(ایضاً ص۳۱ روایت نمبر۳۸ قدیم، سیرت المہدی ج۱ حصہ اص۲۸ روایت نمبر۳۸ جدید)

''حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور اس (حرمت) بی بی کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود نے ان سے مباشرت ترک کر دی تھی۔''

(ایضاً ص۳۳ روایت ۴۱ قدیم، سیرت المہدی ج۱ حصہ اص۳۰ روایت ۴۱ جدید)

اب ظاہر ہے کہ یہ بے دین لوگ ہرگز مرزا قادیانی کے مزاج کے نہ ہوں گے، ان میں مرزا احمد بیگ (جس کے نکاح میں مرزا غلام احمد کی چچا زاد بہن تھی) اور مرزا علی شیر بیگ (جس کے نکاح میں مرزا احمد بیگ کی بہن تھی) سرفہرست تھے مرزا کی بیوی حرمت بی. بی اسی علی شیر بیگ کی بہن تھی۔

اب جب مرزا قادیانی کو محمدی بیگم کی طلب ہوئی تو یہ حضرات مرزا قادیانی کی نظر میں یکایک نیک ہوگئے۔ مرزا قادیانی، مرزا احمد بیگ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''آپ کے

دل میں گو اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل بکلی صاف ہے اور خدائے قادر مطلق سے آپ کے لئے خیر و برکت چاہتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا میرے دل کی محبت اور خلوص اور ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے آپ پر ظاہر ہو جائے۔'' (خط ۱۷؍جولائی ۱۸۹۰ء بروز جمعہ)

(کلمہ فضل رحمانی ص۱۲۴، طبع مجلس ملتان)

اس سے دو سال پہلے ۱۵؍جولائی ۱۸۸۸ء کے خط میں مرزا قادیانی مرزا احمد بیگ کو بدعتی، بے دین، مستوجب قہر خدا قرار دے چکے تھے مگر اب دیکھئے ایک لڑکی کے لالچ میں آپ مرزا احمد بیگ کے حضور کس خوشامدی زبان پر آ گئے۔

مرزا قادیانی نے جو خط مرزا علی شیر بیگ کو لکھا جس کے ہاں مرزا قادیانی کی بیوی حرمت بی بی فروکش تھی، اسے بھی ملاحظہ فرمائیں۔ یہ سب خوشامد صرف اس لئے کی گئی کہ کسی طرح مرزا علی شیر بیگ اپنے بہنوئی مرزا احمد بیگ کو محمدی بیگم کے مرزا قادیانی سے نکاح کرنے پر مجبور کرے اور اس کی بیوی اپنے بھائی احمد بیگ سے اس نکاح کے لئے لڑ پڑے۔ بہرحال مرزا قادیانی کا مرزا علی شیر بیگ کے حق میں یہ خوش آمدانہ لہجہ ملاحظہ ہو۔

''مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ''

السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح سے فرق نہ تھا اور میں آپ کو ایک غریب طبع اور ایک نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں...... اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا۔ کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی بلکہ وہ تو اب تک ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور اپنے بھائی کے لئے مجھے چھوڑ دیا اور اب اس لڑکی کے نکاح کے لئے سب ایک ہو گئے۔'' (خط مرزا غلام احمد از لدھیانہ ۲؍مئی ۱۸۹۱ء، کلمہ فضل رحمانی ص۱۲۵)

مرزا غلام احمد نے یہاں یہ تسلیم کیا ہے کہ آپ کے یہ سب مخالفین اسلام پر قائم ہیں اور مرزا کے کسی آسمانی دعوے کا انکار کر کے وہ اسلام سے نکل نہیں گئے۔

کیا مرزا غلام احمد اپنے ان قریبی رشتہ داروں کے بارے میں کھلے تضاد کا مرتکب نہیں؟

غلام احمد نے ایک نوکر سے قرآن پڑھا

۳...... ’’بچپن کے زمانے میں میری تعلیم اس طرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا، جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔‘‘

(کتاب البریہ ص۱۴۹، خزائن ج۱۳ ص۱۸۰ حاشیہ)

اپنے اس بیان کے غلط ہونے پر حلف اٹھانا

’’سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہ ہے کہ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔‘‘

(ایام الصلح ص۱۴۷، خزائن ج۱۴ ص۳۹۴)

۴...... باخدا لوگ زن مرید نہیں ہوتے

آنحضرت ﷺ نے اطاع الرجل امراتہ کو علامات قیامت میں ذکر کیا ہے کہ گھر میں بیوی کی چلے اور ماں کی نہ چلے۔

خود مرزا غلام احمد بھی لکھتا ہے: ’’خدا کا یہ منشاء نہیں کہ بالکل زن مرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ۔‘‘ (ملفوظات احمد تقاریر حضرت مسیح موعود ص۴ مرتبہ منظور الٰہی طبع قادیاں ۱۹۲۵ء)

مولوی عبدالکریم سیالکوٹی نے اپنی کتاب سیرت مسیح موعود میں لکھا ہے: ’’انہیں عورتوں سے بہ تواتر خبر پہنچی کہ حضرت صاحب زن مرید تھے۔‘‘

مرزا بشیر احمد لکھتا ہے: ’’اندرون خانہ کی خدمت گار عورتوں کو میں نے بارہا خود حیرت سے کہتے سنا ہے کہ مرجا بیوی دی گل بڑی من دا اے۔‘‘ (مرزا اپنی بیوی کی بات بہت مانتا ہے)

(سیرت المہدی ج اوّل ص۲۷۶ روایت ۲۸۹ قدیم، سیرت المہدی ج۱ حصہ ا ص۲۵۸ روایت ۲۸۹ جدید)

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ گھر کی خدمتگار عورتوں میں (جیسے عائشہ، زینب اور مائی فجو منشیانی وغیرہ) مرزا غلام احمد کی کوئی خاص عزت نہ تھی وہ اسے عام مرجا یا مرزا کہہ کر

ذکر کرتیں کبھی کوئی تعظیمی کلمہ ساتھ نہ ہوتا تھا۔

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ مرزا غلام احمد بیوی کی بات بہت مانتا تھا مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اور بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس تعارض اور تضاد کو اٹھانے کی ایک صورت یہ ہے کہ مرزا غلام احمد زن مرید تو بے شک تھا لیکن ضروری نہیں کہ اسے خود بھی اپنے زن مرید ہونے کا پتہ ہو، شراب پینے والوں کے ہوش اکثر اُڑے رہتے ہیں۔

(۵) مرزا غلام احمد کی فحش پسندی کے چند نمونے

جس طرح صحابہ کرام آنحضرتﷺ کے بارے بڑے فخر و اعزاز سے کہتے تھے کہ آپ کا مزاج ہرگز فحش پسندانہ نہ تھا: ’’**لم یکن النبیﷺ فاحشا ولا متفحشا هذا حدیث حسن صحیح ......وفی روایته ما کان الفحش فی شی الا شانه**‘‘

(جامع ترمذی ج۲ص۱۹ باب ما جاء فی الفحش)

مرزا غلام احمد باوجود اس دعویٰ کہ میں نے حضور کی پیروی سے یہ نئی قسم کی نبوت حاصل کی ہے اور حضورﷺ یقیناً فحش پسند نہ تھے مگر وہ (مرزا) فحش پسند تھا۔ اللہ تعالیٰ سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کافروں کا پرمیشر بھی وہی ایک ہے۔

مگر مرزا غلام احمد کہتا ہے: ’’آریوں کا پرمیشر ناف سے دس انگل کے فاصلے پر بھی ہے۔‘‘ (سمجھنے والے سمجھ لیں) (چشمہ معرفت ص۱۱۳، خزائن ج۲۳ص۱۲۱)

پھر مرزا قادیانی ہندو لالہ جی کے بارے میں لکھتے ہیں:

لالہ صاحب بھی کیسے احمق ہیں — ان کی لالی نے عقل ماری ہے
گھر میں لاتے ہیں اس کے یاروں کو — ایسی جورو کی پاسداری ہے
اس کے یاروں کو دیکھنے کے لئے — سر بازار ان کی باری ہے
ہے قوی مرد کی تلاش انہیں — خوب جورو کی حق گذاری ہے

(حاشیہ متعلقہ ص۴۳ آریہ دھرم ص۱، خزائن ج۱۰ اص۷٦)

ہندو وید پر جرح اپنی جگہ لیکن کسی شریف آدمی کو بے حیائی کے یہ چٹخارے کبھی زیبا

نہیں۔ کیا یہ زبان اور یہ انداز کسی آسمانی رہنما کا ہوسکتا ہے جو اپنے آپ کو اس کا ظل کہے جس کا پاؤں جہاں پڑتا وہاں بھی کبھی بے حیائی کا چھینٹا نہ گرتا تھا۔

ایک ہندو عورت رام دائی کو جو ساری رات پنڈت سے منہ کالا کراتی رہی، لالہ کس طرح تسلی دیتا ہے، اسے غلام احمد کے الفاظ میں پڑھیں: ''لالہ دیوث بولے اگر حمل خطاء گیا تو میں کھڑک سنگھ کو جو اسی محلّہ میں رہتا ہے، نیوگ کے لئے بلالاؤں گا۔ عورت نہایت غصہ سے بولی کہ اگر کھڑک سنگھ بھی کچھ نہ کرسکا تو پھر کیا کرے گا؟ لالہ بولا کہ تو جانتی ہے کہ نرائن سنگھ بھی ان دونوں سے کم نہیں، اس کو بلالاؤں گا۔ پھر اگر ضرورت پڑی تو جیمل سنگھ، لہنا سنگھ، بوڑ سنگھ، جیون سنگھ، صوبا سنگھ، خزان سنگھ، ارجن سنگھ، رام سنگھ، کشن سنگھ، دیال سنگھ سب اس محلّہ میں رہتے ہیں اور زور اور قوت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ میرے کہنے پر یہ سب حاضر ہوسکتے ہیں۔'' (آریہ دھرم ص۲۸، خزائن ج۱۰ ص۳۳)

کیا یہ زبان اور پیرایہ بیان کسی شریف آدمی کا ہوسکتا ہے؟ چہ جائیکہ کسی ملہم ربانی اور مامور یزدانی کا۔ عام آوارہ لڑکے بھی ایسی کہانی جوڑنی پسند نہیں کرتے اور مرزاغلام احمد ہے کہ اس سے کم پر رہتا ہی نہیں۔

(چشمہ معرفت ص۱۱۳، خزائن ج۲۳ ص۱۲۱) پر اسے اس خاص عضو کا نام لیتے شاید کچھ شرم آگئی ہو لیکن تذکرۃ المہدی میں مرزائیوں نے کھل کر وہ پنجابی لفظ کہا جسے ہم نقل نہیں کر سکتے۔ صرف اس کا وزن بتلانے کے لئے اُردو کا ایک فعل ماضی لکھ دیتے ہیں ''دوڑا'' سمجھنے والے سمجھ لیں۔ (تذکرۃ المہدی ص۱۵۷ اور ۳۳۲)

مرزابشیرالدین محمود اسے اُردو میں اسی طرح منہ میں لایا کرتا تھا۔ نکاح کی ایک تقریب میں اس نے مولانا محمد حسین بٹالوی کا ذکر کیا اور کہا: ''ان کے والد کا جس وقت نکاح ہوا، اگر ان کو مسیح موعود کی حیثیت معلوم ہوتی اور وہ جانتے کہ میرا ہونے والا بیٹا...... وہی کام کرے گا جو آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں ابوجہل نے کیا تھا تو اپنے آلہ تناسل کو کاٹ دیتا اور اپنی بیوی کے پاس نہ جاتا۔'' (الفضل قادیان ج۱۰ نمبر۳۵ ص۶ کالم۳، مؤرخہ۲/نومبر۱۹۲۲ء)

معلوم ہوتا ہے ان لوگوں کی اس کے بغیر تسلی نہیں ہوتی تھی اور وہ یہ فحش الفاظ اپنی زبان پر لانے میں مجبور تھے۔

مولانا سعد اللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اولاد نہ تھی۔ اسے اب مرزا غلام احمد کی زبان سے سنیے: ''خدا تعالیٰ نے اس کی بیوی کے رحم پر مہر لگادی۔''

(تتمہ حقیقت الوحی ص۱۳، خزائن ج۲۲ ص۴۴۴)

یہ رحم پر مہر لگنا کتنی کھلی اور ننگی بات ہے۔

مولانا عبدالحق غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو طعنہ دیتے ہوئے مرزا غلام احمد لکھتا ہے: ''اب تک اس کی عورت کے پیٹ سے ایک چوہا بھی پیدا نہ ہوا۔''

(ضمیمہ انجام آتھم ص۳۳ حاشیہ، خزائن ج۱۱ ص۳۱۷)

یہ تو نقطہ تھا۔ اب (ب) اور (ج) بھی ملاحظہ فرمائیں:

(ب) ''کیا اب تک عبدالحق اور عبدالجبار وغیرہ مخالف مولویوں نے بھی نجاست کھائی۔'' (ضمیمہ انجام ص۴۵، خزائن ج۱۱ ص۳۲۹)

(ج) ''کیا اب تک عبدالحق کا منہ کالا نہیں ہوا؟ کیا اب تک غزنویوں کی جماعت پر لعنت نہیں پڑی؟'' (ضمیمہ انجام آتھم ص۵۸، خزائن ج۱۱ ص۳۴۲)

قارئین کرام! کچھ تو سوچیں یہ پیرایہ بیان کیا کسی شریف آدمی کا ہوسکتا ہے؟ کسی کا نام لے کر اس کے سامنے یہ شرافت سوز زبان استعمال کرنے سے تو شاید بازاری عورتیں بھی شرم کریں، مگر افسوس صد افسوس کہ مرزا غلام احمد کو تمام مسلمانوں کو بازاری عورتوں کی اولاد کہنے میں بھی پردے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور اس نے کھلے بندوں انہیں ''ذریۃ البغایا'' کہا یعنی بازاری عورتوں کی اولاد۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۸، خزائن ج۵ ص۵۴۸)

یہاں ہم ان کی دی ہوئی گالیوں کا محاسبہ نہیں کر رہے۔ یہاں صرف ان کی فحش زبان کا گلہ پیش نظر ہے۔ یہ زبان کبھی اللہ والوں کی نہیں ہوسکتی اور سنیے اور سر دھنئے۔

''جھوٹے آدمی کی یہ نشانی ہے کہ جاہلوں کے روبرو تو بہت لاف وگزاف مارتے ہیں مگر جب کوئی دامن پکڑ کر پوچھے کہ ذرا ثبوت دے کر جاؤ تو جہاں سے نکلے تھے وہیں داخل ہوجاتے ہیں۔'' (حیات احمد ج۱ نمبر۳ ص۲۵ مرتبہ یعقوب علی عرفانی طبع نومبر ۱۹۲۸ء...... پریس امرتسر)

کیسی شرمناک زبان ہے: ''جہاں سے نکلے تھے وہیں داخل ہوجاتے ہیں'' کیا یہ زبان ان لوگوں کی ہوسکتی ہے جو دنیا کو شرافت اور تہذیب کا سبق دینے آئے ہوں؟ ہرگز نہیں!

کسی کو معیّن کر کے اس پر لعنت کرنا کبھی کسی معاشرے میں پسند نہیں کیا جاتا۔ ہاں! عام پیرائے میں آپ لعنت اللّٰہ علی الکاذبین کتنی دفعہ کیوں نہ کہیں یہ کوئی برا نہیں مناتا لیکن کسی کو مخاطب کر کے کہنا اے حرامزادے! یہ تہذیب وشرافت کا خون کرنا ہے۔ غلام احمد اس سے بھی باز نہ آیا اور اس نے حضرت مولانا سعد اللّٰہ لدھیانوی کو سرعام کہا:

اذیتنی خبثاً فلست بصادق ان لم تمت بالخزی یا ابن بغای

(تتمہ حقیقت الوحی ص۵۱، خزائن ج۲۲ ص۴۴۶)

(ترجمہ) تو نے مجھے اپنی خباثت سے بہت دکھ دیا ہے میں سچا نہیں ہوں گا اگر ذلت کے ساتھ تیری موت نہ ہو، اے کنجری کے بیٹے۔

کتنے ہی لوگ اس سے غلام احمد کو چھوڑ گئے۔ بدتہذیبی کو گوارا کرنا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے۔ بددعا کا کلمہ کہا جائے تو یہ خلاف شرافت نہیں۔ جیسے تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ اس میں خلاف تہذیب اور خلاف شرافت کوئی لفظ نہ ملے گا۔

مرزا غلام احمد نے پیر مہر علی شاہ کے نام سے سرزمین گولڑہ پر لعنت کی۔ کیا ایسے شخص کو مہدی (ہدایت پایا ہوا) کہا جاسکتا ہے۔

فقلت لک الویلات یا ارض جولرہ لعنت بملعون فانت تدمر

(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول مسیح ص۷۵، خزائن ج۱۹ ص۱۸۸)

(ترجمہ) پس میں نے کہا اے گولڑہ کی زمین تجھ پر لعنت تو ایک ملعون کے سبب لعنتی ہوگئی ہے تو قیامت کو ہلاکت میں پڑے گی۔

ان عبارات میں انسانی شرافت کی کیا کچھ بھی جھلک ملتی ہے۔ مونث کے لئے تدمرین کی بجائے تدمر کا صیغہ لانا قادیانیوں کے ہاں مرزا قادیانی کا اعجاز شمار ہوتا ہے۔

شیعہ کو خوش کرنے کے لئے مرزا نے کہا کہ یہ پاک دامن عورتوں کی اولاد ہیں، شاید متعہ کی طرف اشارہ کرنا ہوگا۔ مرزا قادیانی کی فحش زبان یہاں بھی نمایاں ہوکر رہی یہ خود ہی لکھتے ہیں: ''کیا کوئی شیعہ راضی ہوسکتا ہے کہ اس کی پاک دامن ماں ایک زانیہ کنجری کے ساتھ سوئے۔'' (نزول المسیح ص۴۷، خزائن ج۱۸ ص۴۲۵)

اپنے مخالفین کو سوروں اور کتیوں کی اولاد کہنا

خنازیر اور کتے مختلف النوع حیوان ہیں۔ کبھی کسی نے سور کو کتیا سے دوستی کرتے نہ دیکھا ہوگا لیکن مرزاغلام کو اپنے مخالفین سوروں اور کتیوں کی اولاد دکھائی دیئے۔ کیا یہ خلاف فطرت کارروائی نہیں؟ کتیا میں اور خنزیر میں جفتی کیسی؟

مگر غلام احمد کہتا ہے:

ان العدی صاروا خنازیر الفلا　　ونساء هم من دونهن الاکلب

(ترجمہ) ''دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہوگئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ کر ہیں۔'' (نجم الہدیٰ ص۵۳، خزائن ج۱۴ص۵۳)

جب انسان میں حیا نہ رہے تو ایمان بھی جاتا رہتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''الحیاء من الایمان والایمان فی الجنة والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار'' (رواہ الترمذی عن ابی ہریرہ ج۲ص۲۲ باب ماجاء فی الحیاء)

(ترجمہ) حیا انسان میں ایمان کی وجہ سے آتی ہے اور ایمان جنت میں لے جانے والا ہے اور بازاری گفتگو ظلم ہے اور ظلم کا ٹھکانہ آگ ہے۔ (او کما قال النبی ﷺ)

ہم نے قادیانی لٹریچر سے قصر قادیانیت میں جھانکنے کی محتاط کوشش کی ہے اور اس کی مختلف کھڑکیوں سے مرزاغلام احمد کو نئی نئی اداؤں میں قلابازیاں کھاتے دیکھا ہے۔ ہمارے وسیع تجربے میں قادیانیت پر غور کرنے کی یہ آسان ترین راہ ہے۔ ختم نبوت اور نزول عیسیٰ بن مریم علمی مسائل ہیں اور ان کے لئے عربی علوم میں درک ضروری چیز ہے۔ قادیانیوں نے ان مسائل کو دجل کی تاریک راہوں میں اتنا اُلجھا دیا ہے کہ پوری توجہ اور محنت کے بغیر اس ڈور کو سلجھایا نہیں جاسکتا۔ قادیانی تو ان مباحث میں اس لئے آتے ہیں کہ لوگوں کی توجہ مرزاغلام احمد اور اس کی زندگی پر نہ جاسکے۔ حالانکہ یہ سب اختلافات اسی کے آنے سے پیدا ہوئے تو کیا یہ آسان ترین راہ نہیں کہ پہلے اس قسم کے واقعات پر غور کرلیا جائے کہ مرزاغلام احمد شراب پیتا تھا یا نہیں اور غیر محرم عورتوں سے اس کا اختلاط تھا یا نہیں۔ مرزاغلام احمد کی پیش گوئیاں وہ غیبی واقعات ہیں جن میں اللہ رب العزت کی لاٹھی غلام احمد پر بے دریغ برسی ہے۔

علمی مسائل میں مہارت علماء کو ہی ہوسکتی ہے۔ وہی ان ابواب میں قادیانی دجل وفریب کو تارتار کر سکتے ہیں۔ عامۃ الناس کے لئے قادیانیت کو صرف ان راہوں سے بے نقاب کیا جاسکتا ہے جن میں مرزاغلام احمد ۶۸ سال تک چلا۔

امام العصر حضرت مولانا انورشاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اوران کے تلامذہ نے اس محاذ پر بڑا علمی کام کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے شاگردوں میں گوجرانوالہ کے مولانا محمد چراغ صاحب مؤلف ''العرف الشذی'' پنجاب کے رہنے والے تھے اور فتنہ قادیانیت یہیں سے اُٹھا تھا۔ مولانا محمد چراغ رحمۃ اللہ علیہ نے قادیانیت کو اس راہ سے دیکھنے کی طرح ڈالی۔ آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد حیات قادیان میں دفتر ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ بنے اور تقسیم ملک تک آپ قادیان میں ہی مقیم رہے۔ تقسیم ملک پر مرزابشیرالدین محمود نے اعلان کیا کہ اب قادیان دارالامان نہیں رہا، اب ہم پاکستان میں مسلمانوں کی ماتحتی میں رہیں گے۔ مولانا ظفرعلی خاں نے قادیانیوں کو پاکستان آتے دیکھا تو کہا:

آج ان کی چاپلوسی کیوں ہوگئی ضروری ذریۃ البغایا کل تک تھا نام جن کا

قادیان سے قادیانیوں کے نکلنے کے بعد وہاں کے مسلمانوں نے مولانا محمد حیات کو فاتح قادیانیت کا خطاب دیا اور اب آپ بھی وارد لاہور ہوئے اور الہلال فونڈری لاہور میں قیام فرمایا۔

مرزابشیرالدین محمود کو متحدہ پنجاب کے آخری گورنر نے ضلع جھنگ میں آباد ہونے کے لئے ایک وسیع رقبہ دیا اور مرزابشیرالدین نے اس کا نام ''ربوہ'' (چناب نگر) رکھا کہ یہ دوسرے مسیح کے پیروؤں کی پناہ گاہ ہے۔ دارالامان سے نکلے تو اب خدا نے انہیں ''ربوہ'' میں پناہ دی انہیں اس وقت علم نہ تھا کہ یہ جگہ بھی ان کے لئے پناہ گاہ نہ رہے گی۔ قادیان دارالامان سے تو دن کے وقت نکلے تھے۔ یہاں ''ربوہ'' کی پناہ گاہ سے انہیں رات کی تاریکی میں نکلنا پڑے گا اور پھر ربوہ بھی جب ''ربوہ'' نہ رہے تو یہ الہام نگر بھی ''چناب نگر'' کہلائے گا اور ایک وقت آئے گا کہ پھر چناب بھی ان سب کو بہالے جائے گا۔

پاکستان میں قادیانیوں کے بارے میں سب عوام مسلمان نکلے

پاکستان آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت میں معرض وجود میں آیا تھا اور پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ ظفر اللہ خاں قادیانی تھے۔ قادیانیوں کا دعویٰ تھا کہ مرزا غلام احمد کے خلاف صرف مولوی حضرات ہیں، عوام نہیں۔ مرزا غلام احمد اسی لئے علماء کو’’بدذات فرقہ مولویاں‘‘ کہتا رہا۔ قادیانیوں کا خیال تھا کہ مسلمان عوام اس مسئلے میں اپنے مولویوں کے ساتھ نہیں ہیں، وہ شاید کس قدر ان کا ساتھ دیں گے۔

لیکن یہ ایک اسلام کا اعجاز تھا کہ باوجودیکہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں مسلم لیگ کی حکومت نے قادیانیوں کی بہت پردہ پوشی کی لیکن آنے والے وقت میں سب عام مسلمان وہ دین کا علم رکھتے ہوں یا نہ اور سیاسی طور پر وہ کسی گروپ سے کیوں نہ ہوں، سب قادیانیوں کے بارے میں یک زبان نکلے اور سب نے کہا ہم کسی سیاسی مصلحت پر اپنے ایمان کو قربان نہیں کرنا چاہتے۔

۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں سب مسلمان ممبران نے عقیدہ ختم نبوت کی حمایت میں ہاتھ اُٹھایا اور بلا کسی سیاسی تفریق کے سب نے محدث العصر مولانا سید محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود (رحمۃ اللہ علیہم) کا ساتھ دیا اور ایک ممبر بھی ایسا نہ تھا جو کسی درجے میں قادیانیوں کے لئے کسی رعایت کا خواہاں ہو۔ سب ممبران کہتے تھے کہ سیاست تو یہیں دھری کی دھری رہ جائے گی۔ ہم حضور خاتم النّبیین ﷺ کی شفاعت کیسے پاسکیں گے، اگر ہم نے ختم نبوت جیسے قطعی عقیدہ اسلام سے وفا نہ کی۔

یہ اسلام کا اعجاز ہے جس نے پاکستان میں ربع صدی کے اندر اندر یہ فضاء پیدا کر دی اور پھر ۱۹۹۹ء میں جب پاکستان اپنی تاریخ میں نصف صدی طے کر چکا، پنجاب اسمبلی نے قادیانی مرکز کا نام’’ربوہ‘‘ اس لئے بدلا کہ اس سے قادیانی قرآن کریم کی ایک آیت میں الحاد کی راہ چل رہے تھے اور لوگوں کو ایک مغالطہ دے رہے تھے۔ الحمدللہ! اسمبلی کے تمام مسلمان ممبروں نے وہ حکومت کے ہوں یا اپوزیشن کے سب نے اس قرارداد کی حمایت کی کہ قادیانیوں کو اپنی بستی کا نام قرآن کریم کے کسی لفظ پر رکھنے کا حق نہیں ہے۔

جدید تعلیم یافتہ نامور شخصیتوں میں علامہ اقبال کے بعد سابق جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ ہیں، جنہوں نے طالب علموں سے لے کر اپنی ریٹائرمنٹ تک ہمیشہ ختم نبوت کا جھنڈا اُٹھایا۔ اس راہ میں انہیں بڑی قربانیاں بھی دینی پڑیں۔ آپ انگلینڈ کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں بھی تشریف لائے اور مسلمانان یورپ سے مسئلہ قادیانیت پر ایمان افروز خطاب فرمایا: ''یہ ختم نبوت کا اعجاز ہے کہ آج وہی تارڑ صاحب مملکت خداداد پاکستان کے صدر ہیں اور وہ پاکستان جس کا آغاز ظفر اللہ خان قادیانی وزارت خارجہ سے ہوا تھا۔ آج ان پورے حکومتی ایوانوں میں قادیانیوں کا کوئی نام لینے والا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اب اپنے تاریخی انجام کو پہنچ چکے ہیں۔''

قادیانیت کے تابوت میں آخری میخ

قادیانی سربراہ مرزا طاہر ربوہ ختم ہونے سے پہلے ہی ربوہ سے نکل چکا تھا۔ اسے ربوہ کے ختم ہونے کا دلفگار منظر نہ دیکھنا پڑا۔ یہ بدقسمت گھڑی اس کے یہاں کے نائب مرزا مسرور احمد کے لئے مقدر تھی۔ یہ اس پر کیسے گزری، یہاں کے لوگوں نے ۳۰/اپریل ۱۹۹۹ء کو مرزا مسرور احمد کو ہتھکڑیوں میں دیکھا۔ تاریخ قادیانیت میں یہ پہلا موقعہ تھا جب مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندان کو ہتھکڑیوں میں دیکھا گیا۔ کجا وہ وقت جب مرزا غلام احمد کے والد کو انگریزی دربار میں کرسی ملتی تھی اور کجا یہ وقت کہ قادیانیت پر ابھی پہلی صدی بھی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ کرسی نشین کا بدقسمت پڑپوتا ان لوگوں کے سامنے جنہیں مرزا غلام احمد ''ذریۃ البغایا'' کہتے مرا، ملزموں کے کٹہرے میں دیکھا گیا۔ اگر سوسال میں ترقی یہی ہے تو اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس ترقی سے بچائے۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

نصرت الاسلام

(روئیداد مناظرہ مال روڈ لاہور ستمبر ۱۹۶۲ء)

جسٹس (ر) حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا خاتم النبیین لا نبی بعدی (ترمذی جلد۲ ص۴۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر

کامیاب مناظرہ

مسمّی بہ

نصرت الاسلام

یہ اس مناظرہ کی مفصل روئیداد ہے جو ۱۸ستمبر ۱۹۶۲ء کو ماں روڈ پر قادیانی تبلیغی مرکز کے متصل انعقاد پذیر ہوا۔ رب العزت نے اسلام کو نہایت واضح فتح عطا فرمائی اور قادیانی حضرات بری طرح ناکام ہوئے اس عبرتناک شکست کی ذلت مٹانے کے لئے قادیانی حضرات پھر ۲۳ستمبر کو آئے اور دوبارہ تاریخی شکست کھائی۔

بتاریخ ۱۸ستمبر مابین

علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی و قاضی نذیر احمد سابق صدر جامعہ ربوہ

بتاریخ ۲۳ستمبر مابین

علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی و جلال الدین شمس سابق مبلغ مرزائیت لندن

مرتبہ

فاضل جلیل حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد الیاس صاحب خطیب جامع مسجد پٹولیاں لاہور

شائع کردہ حافظ طالب حق ناظم تنظیم اہل سنت۔ لاہور

ملنے کا پتہ:۔ دفتر ہفت روزہ دعوت ۱۴۔ بی شاہ عالم۔ لاہور

قیمت [illegible]

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ اس مناظرہ کی مفصل روئیداد ہے جو ۱۸؍ستمبر ۱۹۶۲ء کو مال روڈ لاہور پر قادیانی مرکز کے متصل انعقاد پذیر ہوا۔ رب العزت نے اسلام کو نہایت واضح فتح عنایت فرمائی اور قادیانی بری طرح ناکام ہوئے۔ اس عبرت ناک شکست کی ذلت سمیٹنے کے لئے قادیانی پھر ۲۳؍ستمبر ۱۹۶۲ء کو آئے اور پھر دوبارہ تاریخی شکست کھائی۔

تعارف

مال روڈ کے تاریخی مناظرے کی یہ روئیداد غالباً اوائل اپریل ۱۹۶۳ء میں آپ حضرات کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ ختم نبوت کے اس کامیاب مناظرے کی پوری کارروائی مناظرے کے فوراً بعد ہی طباعت سے آراستہ ہوکر ہندوپاکستان کی علمی اور تحقیقی حلقوں سے خراج تحسین حاصل کر چکی تھی۔ ۱۸؍ستمبر ۱۹۶۲ء اور ۲۳؍ستمبر ۱۹۶۲ء کو قاضی نذیر احمد صاحب اور جلال الدین شمس سے یہ مناظرہ اور گفتگو ہوئی اور تنظیم اہل سنت کے آرگن ہفت روزہ ''دعوت'' نے اپنی ۲۸؍ستمبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں ہی اس کی پہلی قسط بڑی آب وتاب سے شائع کر دی۔ پھر آٹھ طویل قسطوں تک یہ سلسلہ چلتا گیا اور ہر شمارہ باقاعدہ ایڈیٹر ''الفضل'' کے نام ربوہ (چناب نگر) پہنچتا رہا۔ مگر قادیانی حضرات ایسے مہر بلب ہوئے اور اس کے جواب میں ان کے قلم ایسے یکسر ٹوٹے کہ انہیں صحیح جواب دینے کی توفیق تو درکنار جوابی کارروائی کرنے کی بھی ذرا جرأت نہ ہوئی۔ اسی دوران میں ان کا سالانہ جلسہ بھی ربوہ (چناب نگر) میں منعقد ہوا اور اس جلسہ کے دنوں میں ہی اس مناظرے کی مفصل کارروائی چنیوٹ کی سالانہ ختم نبوت کانفرنس میں سنائی گئی، مگر ان قادیانی مبلغین کو ایسا سانپ سونگھ گیا ہے کہ اب تک نفیاً اثباتاً کچھ کہنے کی جسارت نہیں کر رہے۔ اپریل ۱۹۶۳ء میں اس مناظرے کو تقریباً سات ماہ ہو رہے ہیں۔ جب کہ یہ روئیداد دوبارہ چھپ رہی ہے۔ مگر یہ حضرات اپنی اس عاجزانہ خاموشی سے جہاں اس ساری کارروائی پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں، وہاں اپنی اس عبرتناک شکست پر بھی نہایت پراسرار طریق سے پردہ ڈال رہے ہیں۔

''اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتنزل من تشاء بیدک الخیر. انک علی کل شئی قدیر''

راقم الحروف قارئین کرام کو یہ یقین دلانے میں مسرت اور اطمینان محسوس کرتا ہے کہ قادیانی ارباب سلسلہ مع اپنے خلفاء اور مبلغین کے اس کا جواب دینے سے عاجز ہیں اور ہمیشہ عاجز رہیں گے۔

آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت پر کامیاب مناظرہ

مال روڈ لاہور پر قادیانی قوم کا ایک مرکز ہے جس کے ساتھ مشہور قادیانی ایڈووکیٹ منور لطف اللہ کا دفتر ہے۔ منور صاحب ایڈووکیٹ ہی نہیں ہیں بلکہ اپنے مذہب کے نہایت ہی پرجوش اور سرگرم مبلغ بھی ہیں۔ انہوں نے اس مناظرہ کی تحریک کی جسے محترم اے.آر بھٹی صاحب سپرنٹنڈنٹ کریسنٹ انشورنس کمپنی نے منظور کرلیا۔ مال روڈ پر ایک ہال کمرے میں ختم نبوت کے موضوع پر یہ مناظرہ قرار پایا۔ مسلمانوں کی طرف سے مولانا عبدالقادر روپڑی صاحب (اہل حدیث) مناظر قرار پائے۔ لیکن قادیانی حضرات اپنے مناظر کا نام ظاہر کئے بغیر اچانک اپنے سب سے بڑے چوٹی کے عالم قاضی نذیر احمد سابق صدر مدرس جامعہ احمدیہ ربوہ (چناب نگر) کو لے آئے۔ مولانا عبدالقادر صاحب روپڑی کو کسی مجبوری کی وجہ سے پنڈی جانا پڑ گیا۔ لیکن قادیانی حضرات بروقت مقام مناظرہ پر آپہنچے۔ اہل حدیث حضرات نے فیصلہ کیا کہ بتواسطہ راقم السطور (مولانا محمد الیاس) حضرت علامہ (خالد محمود) صاحب کو بلایا جائے اور علامہ صاحب کے آنے تک جناب حافظ عبدالرحمٰن صاحب روپڑی برادر حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی مناظرہ کریں۔ چنانچہ مناظرہ چار بجے شروع ہوگیا۔ فریقین کی دو دو تقریریں ہوچکی تھیں کہ علامہ (خالد محمود) صاحب دعوت ملتے ہی معہ کتابوں کے تشریف لے آئے اور پھر رات کے دس بجے تک مناظرہ ہوتا رہا۔ حق تعالیٰ نے اسلام کی نصرت فرمائی اور حضور اکرم ﷺ کی ختم نبوت کا بول بالا ہوا۔ قادیانی مناظر سے کہا گیا کہ کسی فیصلے پر پہنچنے کے بغیر مناظرہ ہرگز بند نہیں ہوگا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں اب جانے دو، ہم یوں بھی جاسکتے ہیں، ہم کسی کے قیدی نہیں، ہم ساری رات کے لئے تیار ہو کر تھوڑا ہی آئے تھے؟ اس پر انہیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

کارروائی

قاضی نذیر احمد قادیانی مناظر

''یٰبنی آدم اما یأتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی'' (اعراف:۳۵)

حضرات! اس آیت میں قرآن حکیم نے امت محمدیہ کو یہ خبر دی ہے کہ میری طرف سے تمہارے پاس رسول آتے رہیں گے، تم ان کی پیروی کرنا۔ پس نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ مولانا! خداتعالیٰ فرماتے ہیں: ''من یطع اللہ والرسول فاؤلئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النّبیین'' (النساء:۶۹)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے، اے خدا! ان لوگوں کے ساتھ کر دیتے ہیں جن پر خدا کا انعام ہوا اور وہ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہیں اور کامل رفاقت یہ ہے کہ خدا انہیں مرتبہ میں رفاقت دے۔ لہٰذا آنحضرت کی اطاعت سے انسان نبی ہوسکتا ہے۔ صدیق بھی، شہید بھی اور صالح بھی۔ مولانا آپ تو یہ مانتے ہیں کہ انسان صدیق، شہید اور صالح ہوسکتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نبی نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ کی اطاعت سے نبوت کا مرتبہ بھی مل سکتا ہے۔

۳...... ''ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ''(حم السجدۃ:۳۰)

مولانا اس فرمان خداوندی سے پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی خدا کے برگزیدہ بندوں پر فرشتے اتر سکتے ہیں۔ نبوت کا سلسلہ کوئی بند نہیں ہوگیا۔ ہاں! محترم مولانا! یہ نبوت جو جاری ہے، یہ وہی ہے جو حضور ﷺ کی کامل پیروی سے ملتی ہے۔ وہ نبوت جو نئی شریعت پیش کرے، اس کا سلسلہ ہم بھی ختم مانتے ہیں کہ حضور ﷺ پر ختم ہوچکا ہے۔ یہ کامل اطاعت سے ملنے والی نبوت ایک اور قسم کی نبوت ہے جو پہلے نہ تھی یہ نبوت صرف آنحضرت ﷺ کا ہی ایک فیضان ہے۔

حافظ صاحب روپڑی

مولوی صاحب نے سب آیات بے محل پڑھی ہیں، وہ ثبوت کے لئے نہیں ہیں۔ ''یا بنی آدم اما یأتینکم '' (الاعراف:۳۵) کا خطاب مسلمانوں کو نہیں کہ یوں سمجھا جائے کہ اس امت میں اور نبیوں کے آنے کی یہ خبر دی جارہی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو یوں ہوتا:

’’یا ایھا الذین آمنوا‘‘ پھر مولانا نے حضور ﷺ کی اطاعت پر نبوت ملنے کا جو استدلال کیا ہے وہ بھی ٹھیک نہیں۔ اگر اطاعت پر نبوت ملتی تو پھر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کیوں نبی نہ ہوئے۔ جن کی اطاعت نبوی ہر کسی کو تسلیم ہے اور پھر اس سے نبوت کو کسبی بھی ماننا پڑے گا۔ حالانکہ یہ خدا کی ایک اپنی عطاء ہے جس میں انسان کی اپنی محنت کا کوئی دخل نہیں اور اگر اطاعت سے نبوت ملنا مان لیا جائے تو پھر عورتوں کو بھی نبوت مل سکے گی۔ حالانکہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ ’’من یطع اللہ‘‘ میں من شرطیہ ہے جس میں مرد عورت سب شریک ہیں۔ نبوت کا سلسلہ حضور ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے وخاتم النّبیین اس کی قرأتیں ہیں، خَاتَم بھی (تاء پر زبر) خَاتِم بھی (تاء پر زیر)

پھر مولانا! نبی ﷺ فرماتے ہیں: ’’مثلی و مثل الانبیاء‘‘

(مشکوٰۃ:۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین ﷺ الفصل الاوّل)

اس حدیث میں نبوت کے محل کا ذکر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کی آخری اینٹ ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ہمارے لئے نبی ﷺ کا یہ ارشاد کافی ہے۔ ہم ادھر ادھر کی باتیں نہیں جانتے۔ پھر معیّت سے مراد جماعت اور مجلس میں شرکت ہے۔ مرتبہ ملنے کی یہاں کوئی بشارت نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب‘‘ (ایضاً، باب مناقب عمر، الفصل الثانی)

اگر نبی ہونا ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے مرزا قادیانی نہ ہوتے۔ لو محال کے لئے آتا ہے: ’’لم یبق من النبوۃ الا المبشرات‘‘ میں مبشرات کے باقی رہنے کا بیان ہے نبوت کا نہیں۔ ورنہ سب صحابہ نبی ہو جاتے۔

قادیانی مناظر قاضی نذیر احمد

مولانا خاتم النّبیین سے مراد یہ ہے کہ تشریعی نبی کوئی نہیں آئے گا۔ مشہور اہل حدیث بزرگ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھی یہی فرماتے ہیں۔ اسی طرح ملاّ علی قاری کہتے ہیں کہ خاتم النّبیین سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا نبی نہ آئے گا جو آنحضرت ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ جس قصر نبوت کی حضور آخری اینٹ ہیں، وہ محل کہاں ہے؟ مولانا

آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ محل کہاں ہے؟ وہ محل قرآن شریف ہے جو مکمل ہے۔ اب کوئی نئی شریعت نہ آئے گی۔ مبشرات صحابہ کرام کو بھی حاصل تھیں اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ سب میں نبوت تھی مگر ان میں سے نبی کا لفظ کسی کے لئے نہیں آ سکتا اور یہ لفظ صرف کامل اطاعت پر ہی آئے گا۔ جزئی اطاعت کے لئے نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود کے علاوہ کسی پر نبی کا اطلاق نہیں۔ حضور فرماتے ہیں: ''لیس بینی وبینہ نبی'' حضرت مولانا ''امّا یأتینکم'' نص قطعی ہے اور اس میں حکم عام ہے۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے عقیدہ میں بھی آئیں گے۔ معلوم ہوا کہ نبی آ سکتا ہے۔ مبشرات اجزاء نبوت میں سے ہیں جہاں یہ پائے جائیں گے نبوت ہوگی۔ پھر قرآن کہتا ہے کہ: ''وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض'' (النور:۵۵)

اس آیت میں فرمایا: اس امت میں بھی خلیفے اسی طرح آئیں گے جس طرح پہلے آتے تھے۔ پہلے نبیوں کی خلافت بھی ہوتی تھی۔ پس اس امت میں بھی خلافت کے طور پر نبی آ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر عیسیٰؓ مسیح ناصری پھر آئیں تو ''کما استخلف الذین من قبلہم'' میں وہ مشبّہ بہ ہوں گے اور اس امت میں آنے کے اعتبار سے وہ مشبہ ہوں گے اور بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مشبہ مشبہ بہ کا غیر ہوتا ہے۔ پس وہ مسیح ناصری آ ہی نہیں سکتے۔ پس لازمی طور پر حدیث کا موعود کوئی اور ہوگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ''لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا'' اگر ابراہیمؓ زندہ رہتے تو وہ صدیق نبی ہوتے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے بعد بھی نبی آ سکتا ہے۔

ہاں! یہ ضروری ہے کہ وہ نبی تابع ہوکر آئے اور اس کو حضور ﷺ کی تابعداری میں نبوت کا مرتبہ بھی ملے۔ تشریعی نبی آنے کے سلسلہ کو ہم بھی حضور ﷺ پر ختم مانتے ہیں اور ہمارا بھی ختم نبوت کے اس معنی پر ایمان ہے۔

حافظ صاحب روپڑی

مولانا صاحب آپ بے محل آیتیں اور حدیثیں پیش کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ

کے بعد نبی آنے کی ایک دلیل بھی آپ نے پیش نہیں کی ملّا علی قاری اور نواب حسن خاں صاحب کے اقوال سے حجت پیش نہ کیجئے۔ نبی ﷺ کی حدیث کوئی ہے تو بتاؤ ہم ادھرادھر نہیں جاتے۔''لو عاش ابراھیم''میں بھی حرف لومحال پرداخل ہے۔حضور کے بعد کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔(پھرآپ نے''مثلی ومثل الانبیاء من قبلی''والی حدیث پڑھی اوراس کا ترجمہ کر کے بتایا کہ حضور قصر نبوت کے آخری اینٹ ہیں۔

مرزاخود کہتا ہے:''ہر نبوت رابروشداختتام''

مولانا صاحب بے موقع آیات نہ پڑھئے میں حافظ قرآن ہوں۔اس سے زیادہ آیتیں پڑھ سکتا ہوں۔حضرت مسیح کی آمد ختم نبوت کے خلاف ہرگز نہیں وہ تو حضور ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں۔

قاضی نذیراحمد قادیانی مناظر

حضرت مولانا یہ ٹھیک ہے کہ لومحال پرآتا ہے لیکن یہاں لو کالفظ عاش پرداخل ہے۔ ان کے نبی ہوسکنے پرنہیں۔حضرت ابراہیم کازندہ رہنا محال تھا۔کیونکہ ان کی موت مقدر ہوچکی تھی۔اس لئے وہ نبی نہ ہوسکے۔یہ محال ہونا ان کی زندگی کے بارے میں ہے۔''لکان صدیقا نبیا''کی جزاسے متعلق نہیں۔پس نبوت میں رکاوٹ ان کی موت ہے نہ آیت خاتم النّبیین بلکہ بناءفرض حیات ان کی نبوت لازم آجاتی ہے۔مولوی صاحب آیت:''من یطع اللہ والرسول''کی روسے اطاعت محمدی سے نبوت مل سکتی ہے۔یہ کیا وجہ ہے کہ صدیقیت، شہادت اورصالحیت کے مرتبےتو کھلے ہوں اورنبوت کادروازہ بندہوجائے۔

مولوی صاحب حدیث قصرنبوت پڑھتے ہوئے آپ مثلی اورمثل الانبیاء کے ساتھ من قبلی کے الفاظ کیوں چھوڑ جاتے ہیں۔یہ توصرف ان نبیوں کے محل کی تعمیر مکمل ہورہی ہیں جوحضور سے پہلے آئے تھے۔بعد میں آنے والے نبی کی تویہاں بحث نہیں مگرافسوس کہ مولانا من قبلی کے الفاظ حذف کرگئے۔مولانا نبی آتے رہیں گے۔''امّا یأتینکم رسل منکم''ہاں!کوئی صاحب شریعت نبی نہیں آسکتا۔نیابت کے طورپرآسکتا ہے۔

(اب حافظ روپڑی کی بجائے علامہ خالد محمود صاحب تشریف لاتے ہیں)

علامہ خالد محمود صاحب

الحمد ﷲ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

خصوصا علیٰ سید الرسل و خاتم الانبیاء. اما بعد!

فریق مخالف کی طرف سے بار بار کہا جارہا ہے کہ: ’’ہم صرف ایسے نبیوں کی آمد کے قائل ہیں جو نئی شریعت نہ لائیں۔ حضورﷺ کے امتی ہوں تشریعی نبیوں کی آمد کا سلسلہ ہم بھی ختم مانتے ہیں۔‘‘

حضرات فریق مخالف کا دعویٰ خاص ہے کہ صرف غیرتشریعی نبی ہی آسکتے ہیں۔ تشریعی نہیں اور جو دلائل یہ اپنے حق میں پیش کررہے ہیں۔ جیسے: ’’یا بنی آدم امّا یأتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی‘‘ (الاعراف:۳۵)

وہ عام ہیں جن میں تشریعی اور غیرتشریعی سب داخل ہیں۔ ان کا دعویٰ خاص ہے اور دلیل عام۔ بس دعوے اور دلیل میں مطابقت نہیں۔ جس دلیل سے یہ تشریعی نبیوں کی آمد اس آیت سے مستثنیٰ کریں گے، ہم اسی دلیل سے غیرتشریعی نبیوں کی آمد بھی ختم کر دکھائیں گے۔ قاضی صاحب دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کیجئے۔ ثانیاً: یہ آیت قرآنی عالم ارواح کا ایک خطاب ہے جو امت محمدیہ کے لئے اب حکایۃً دہرایا گیا ہے۔ جیسے قرآن پاک میں کئی وقائع ماضیہ مذکور ہیں۔

’’ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ‘‘ (حم السجدۃ:۳۰)

میں جو فرشتوں کا برگزیدہ انسانوں پر اترتا ہے وہ بہ پیرایہ وحی ہرگز نہیں۔ ورنہ تمام ربنا اللہ کہنے والے اور دین پر استقامت سے رہنے والے سب بزرگ نبی ہوتے۔ قاضی صاحب یہ تو نیکوکاروں کو موت کے وقت جنت کی بشارت دینے والے فرشتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے ساتھ ہی یہ بھی مرقوم ہے۔

’’وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون‘‘ (حم السجدۃ:۳۰)

(ترجمہ) اور تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اگر مطلق فرشتے کا اترنا ہی وحی اور نبوت ہے تو پھر سب انسان نبی ہیں۔ کیونکہ جب کوئی انسان مرتا ہے تو ملک الموت تو آخر ہر ایک پر اترتا ہی ہے نا۔

’’من یطع اللہ والرسول‘‘ (النساء:۶۹)

قاضی صاحب نے جو تشریح کی ہے وہ غلط ہے اور تفسیر بالرائے ہے، وہ آیات قرآنیہ کے مختلف مقامات کے ٹکڑے ٹکڑے ملا کر خیالی باتیں کر رہے ہیں۔ کسی حدیث صحیح سے اس آیت کی یہ تفسیر دکھائیں جو وہ یہاں کر رہے ہیں۔

مرزا غلام احمد خود لکھتا ہے: ’’جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہوا، وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے۔ غرض اتم اور اکمل طریق معنی کرنے کا تو یہ ہے لیکن اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث صحیح مرفوع متصل نہ مل سکے تو ادنیٰ درجہ استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے معنی دوسری آیات بینات سے کئے جاویں۔‘‘

(تبلیغ رسالت ج۴ ص۱۹ حاشیہ، مجموعہ اشتہارات ج۲ ص۱۵۱ حاشیہ)

قاضی صاحب آپ بھی اس آیت کی اپنی پیش کردہ تفسیر کسی صحیح حدیث سے اسی طرح پیش کیجئے جس طرح کہ میں اپنے عقیدہ ختم نبوت پر خود حضورﷺ کا ارشاد پیش کرتا ہوں۔

حضورﷺ نے فرمایا: **’’سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلّھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النّبیین لا نبی بعدی‘‘**

(ترمذی ج۲ ص۴۵، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، طبع سعید کراچی)

(ترجمہ) میری امت میں سے تیس کذاب اٹھیں گے جو نبوت کا دعویٰ کریں گے حالانکہ میں خاتم النّبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔ ایک روایت میں دجالون کا لفظ بھی آتا ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوا کہ وہ کذاب اور دجال قسم کے مدعیان نبوت سب امتی نبی کہلائیں گے۔ جیسا کہ حدیث میں صریح طور پر امتی کا لفظ ہے۔ بس اگر صرف تشریعی نبوت ختم ہوتی اور غیر تشریعی جاری ہوتی تو حضور ان امتی نبی کہلانے والوں کو کذاب اور دجال نہ کہتے اور نہ ان کے اس امتی نبی ہونے کے دعوے کو اپنے خاتم النّبیین ہونے کے خلاف قرار دیتے۔

قاضی صاحب یہ تیس کذاب اور دجال مدعیان نبوت وہی ہوں گے جو حضورﷺ کی رسالت کا اقرار کر کے اور تابع نبی کہلا کر نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو

حضور ﷺ انہیں لفظ دجال سے ذکر نہ فرماتے۔ کیونکہ دجال وہی ہوتا ہے جو حق اور باطل میں تلبیس کرے۔ ’’**من یخلط الحق بالباطل**‘‘ اور اگر وہ حضور ﷺ کی شریعت کو ہی نہ مانے اور تابع نبی نہ کہلائے پھر تو دجال ہونے کو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مرزاغلام احمد لکھتا ہے: ’’دجال کے لئے ضروری ہے کہ کسی نبی برحق کا تابع ہوکر پھر سچ کے ساتھ باطل ملادے۔‘‘ (تبلیغ رسالت ج۳ص۲۰۰، مجموعہ اشتہارات ج۲ص۱۳۱)

قاضی صاحب آپ کا یہ کہنا کہ تشریعی نبی کا دعویٰ تو خاتم النّبیین کے خلاف ہے لیکن حضور کی نیابت اور ماتحتی کے ساتھ کسی نبی کا مبعوث ہونا ختم نبوت کے خلاف نہیں، بالکل غلط ہے۔ یہ لیجئے! مرزا کا اپنا منظور شدہ فیصلہ: ’’اب کوئی نبی نیا یا پرانا اسرائیلی بطور خلافت کے بھی نہیں آسکتا۔‘‘

اور حدیث میں امتی کا لفظ اور پھر دجال کا لفظ یہ سب بتارہے ہیں کہ حضور نے ’’خاتم النّبیین‘‘ اور ’’لا نبی بعدی‘‘ کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ امتی کہلانے والے اور میرے تابع نبی کہلانے والے مدعیان نبوت میری ختم نبوت کے خلاف ہیں۔ قاضی صاحب جس طرح میں نے لفظ ’’خاتم النّبیین‘‘ کی تفسیر خود لسان شریعت سے دکھائی ہے، پھر ’’لا نبی بعدی‘‘ کے معنی کہ ’’غیر تشریعی نبی بھی نہ آئے گا‘‘ ثابت کیا ہے، اسی طرح آپ اپنی پیش کردہ آیات میں کسی ایک کی تفسیر حدیث صحیح مرفوع متصل سے پیش کریں۔ ورنہ تسلیم کرلیں کہ آپ کے استدلال بقول مرزاصاحب بہت ادنیٰ درجے کے ہیں۔ (علامہ صاحب بہت تیز مقرر ہیں۔ وہ دس منٹ میں یہ سب کچھ بیان فرماگئے)

قاضی نذیر احمد مرزائی مناظر

(گھبراہٹ اور بوکھلاہٹ کا مرقع بنے کانپتے ہوئے کھڑے ہوئے رنگ بدل چکا تھا اور علامہ صاحب کی پہلے تقریر سے ہی اسلام کا بول بالا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ لوگ تالیاں بجانے کو تھے کہ بھٹی صاحب نے انہیں اس بات سے روک دیا اور اس طرح پھر قاضی صاحب کو ذرا سہارا ملا)

مولانا! آپ نے ابھی تک ملاّ علی قاری کی عبارت کا جواب نہیں دیا۔ ہمارا اور

آپ کا اصل میں کوئی اختلاف نہیں۔ آپ بھی حدیث کی رو سے ایک مسیح کا آنا مانتے ہیں ہم بھی ایک مسیح کی آمد کے قائل ہیں۔ جس پر نبی اللہ کا لفظ آتا ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود حضرت مرزا ہیں۔ لیکن آپ انہیں نہیں مانتے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ تشریعی نبی تو حضور خاتم النّبیین کے بعد نہیں آسکتا۔ لیکن امتی نبی جو حضور ﷺ کی شریعت کے تابع ہوکر رہے اور اسے حضور ﷺ کی تابعداری میں ہی نبوت ملے، وہ آسکتا ہے۔ اگر آیت: ''**یا بنی آدم امّا یأتینکم**'' اور''**ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ**'' تشریعی اور غیرتشریعی دونوں قسم کے نبیوں پر شامل ہیں اور آپ کہتے ہیں کہ دعوے اور دلیل میں مطابقت نہیں، تو آیت: ''**من یطع اللہ والرسول ...... فاؤلئک مع الذین انعم اللہ علیہم**'' (النساء:۶۹) تو خاص اسی نبوت کے متعلق ہے جو تابعداری کے ساتھ ملے۔ میری یہ دلیل تو دعویٰ کے مطابق ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ میں نے اس آیت کی تفسیر حدیث صحیح مرفوع متصل سے نہیں کی اور آپ کہتے ہیں کہ یہ ادنیٰ درجہ کا استدلال ہے تو حضرت مولانا! میری بیان کردہ تفسیر کے مقابلہ میں حافظ صاحب (حافظ صاحب روپڑی) نے بھی تو اس آیت کی تفسیر میں کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل پیش نہیں کی۔ اگر میں حدیث نہیں پیش کرسکا تو عوض معاوضہ گلہ ندارد۔ آپ نے جو تیس مدعیان نبوت کے جھوٹا ہونے کی حدیث پیش کی ہے، یہ وہ ہیں جو آنحضرت ﷺ اور مسیح موعود کے مابین آئیں گے اور یہ پورے ہوچکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود اس حدیث کے تحت نہیں آتے۔ مولانا! آپ نے ابھی تک ملّا علی قاری کی عبارت کا جواب نہیں دیا۔ حضرت مولانا! آپ کا اور ہمارا ختم نبوت کے عقیدہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ آپ بھی ختم نبوت کے باوجود ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا مانتے ہیں اور ہم بھی مسیح موعود کے آنے کو حق سمجھتے ہیں۔ حدیث میں اس آنے والے کو نبی اللہ کہا گیا ہے اور آنے والے مسیح موعود سے نبوت ہرگز سلب نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کسی کو نبوت دے کر پھر سلب نہیں فرماتے تو جب آپ بھی ایک کے منتظر ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ جس ایک نے آنا تھا وہ آگیا تو ہمارا اختلاف صرف یہی ہے کہ مرزا مسیح موعود ہیں یا کہ نہیں۔ ختم نبوت کے موضوع میں ہم یوں ہی وقت ضائع کررہے ہیں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب مناظر اسلام

حضرات الحمدللہ! کہ قاضی صاحب نے اجرائے نبوت کی بحث میں اپنی پیش کردہ آیتوں کو چھوڑ دیا کہ وہ ان کے دعوے کے مطابق نہیں۔ کیونکہ وہ تشریعی اور غیرتشریعی دونوں قسم کے نبیوں پر مشتمل ہیں اور قاضی صاحب صرف ایسی نبوت کے اجراء کے قائل ہیں جو محض غیرتشریعی ہو۔ باقی رہا قاضی صاحب کا اپنی پیش کردہ تیسری آیت پر اصرار کہ اطاعت سے نبوت ملتی ہے اور یہ نبوت ملنا باقی ہے۔ سو یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔

اوّلاً: قاضی صاحب نے اس آیت کی تفسیر لسان نبوت سے کوئی پیش نہیں کی اور بقول مرزا استدلال کے ادنیٰ درجہ سے کام لے رہے ہیں۔ اگر حافظ صاحب روپڑی اس کے جواب میں حدیث صحیح نہیں پیش کر سکے تو اس سے حافظ صاحب پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ اس لئے کہ اس باب میں مدعی قاضی صاحب ہیں۔ حافظ صاحب روپڑی مدعی نہ تھے۔ فقط مجیب تھے اور مدعی مجیب کی بیان کردہ دلیل میں فقط دوسرے احتمالات بھی دکھا دے تو مدعی کا دعویٰ ٹوٹ جاتا ہے۔ حافظ صاحب کے ذمہ فقط قادیانی تفسیر پر نقض کرنا تھا سو انہوں نے کر دکھایا۔ ان کے ذمہ اس آیت سے خود کوئی استدلال نہ تھا۔ مگر قاضی صاحب تو مدعی تھے۔ ان کے ذمہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر یا تو حدیث صحیح مرفوع متصل سے پیش کریں یا تسلیم کریں کہ وہ بقول مرزا قادیانی ادنیٰ درجہ کے استدلال سے کام لے رہے ہیں۔

ثانیاً: یہ آیت قاضی صاحب کے استدلال کی روشنی میں بھی قاضی صاحب کے دعوے کے مطابق نہیں۔ قاضی صاحب اس آیت سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ غیرتشریعی نبوت باقی ہے جو اطاعت سے ملتی ہے۔ حالانکہ اس محال شرعی کو (کہ اطاعت سے نبوت مل سکتی ہے) تسلیم کرنے کی صورت میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غیرتشریعی نبوت باقی ہے۔ کیونکہ اطاعت سے اگر (قادیانی استدلال کے مطابق) غیرتشریعی نبوت مل سکتی ہے تو تشریعی نبوت بھی تو مل سکتی ہے۔ قاضی صاحب کے دعوے اور دلیل میں پھر مطابقت نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالاتفاق صاحب شریعت اور صاحب کتاب نبی تھے جنہیں انجیل دی گئی۔ انہیں بھی نبوت بقول مرزا قادیانی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے ملی تھی۔

مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: ’’ایک بندہ خدا کا عیسیٰ نام جس کو عبرانی میں یسوع کہتے ہیں۔ تیس برس تک موسیٰ رسول اللہ کی شریعت کی پیروی کر کے خدا کا مقرب بنا اور مرتبہ نبوت پایا۔‘‘ (چشمہ مسیحی ص ۶۷ حاشیہ، خزائن ج ۲۰ ص ۳۸۱،۳۸۲)

پس اگر اطاعت سے نبوت کا ملنا مان بھی لیا جائے تو پھر تو دونوں دروازے کھلے ہیں تشریعی بھی اور غیرتشریعی بھی۔ جس دلیل سے فریق مخالف ایک دروازے کو بند کرے گا کہ تشریعی نبی کوئی نہیں آسکتا تو اسی دلیل سے ہم دوسرے دروازے کو بھی بند کر دکھائیں گے کہ غیرتشریعی نبی بھی کوئی نہیں آسکتا۔ قادیانی مناظر میں اگر کوئی ہمت اور صداقت ہے تو قرآن پاک کی کوئی ایک آیت ایسی پیش کریں جو ان کے دعوے (غیرتشریعی نبوت کے اجراء) کے مطابق ہو یہ کیا کہ دعویٰ کچھ اور دلیل کچھ۔ ہاں! قادیانی استدلال ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ثالثاً: اس آیت شریفہ: ’’من یطع اللہ والرسول فاولٰئک مع الذین‘‘ (النساء:۶۹) میں آخرت کی بشارت دی جارہی ہے کہ جو خدا اور اس کے رسول کی سچی اطاعت کریں گے۔ ان کی آخرت ایسی ہوگی۔ یہ آخرت کسی نیک رفاقت کا بیان ہے۔ دنیا میں درجات ملنے کا بیان نہیں۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میرا عمل صحیح ہو تو کیا جنت میں مجھے آپ کی رفاقت حاصل ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’انت مع من احببت‘‘ اور ترمذی شریف میں ہے: ’’من احبّنی کان معی فی الجنۃ‘‘ اس سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت کے محاورے اور اسلام کے اسلوب میں جہاں بھی معیت کی بشارت ہو۔ اس سے مراد آخرت کی رفاقت ہے۔ میں قاضی صاحب سے سوال کرتا ہوں کہ پورے قرآن میں ’’الحمد‘‘ سے لے کر ’’والناس‘‘ تک ایک آیت پیش کریں۔ جس میں:

۱...... اطاعت پر کسی اجر ملنے کا بیان ہو۔

۲...... وہ اجر ایک معاتی حیثیت کا نہ ہو بلکہ ایک معیّت کی بشارت ہو۔

۳...... اور اس کا محل وقوع یہ دارالعمل ہو دارالجزاء نہ ہو۔

قاضی صاحب آپ ایک تو ایسی آیت پیش کریں جو آپ کے دعوے کے مطابق ہو۔ آپ کے استدلال اب سب ختم کیوں ہوگئے۔

حضرات میں نے ختم نبوت کی تفسیر خود لسان نبوت سے یہ پیش کی تھی کہ:''لا نبی بعدی''اوراس کے معنی یہ بتائے تھے کہ حضورﷺ کے بعد کوئی امتی نبی اور تابع نبی بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ قاضی صاحب آپ نے میرے استدلال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ کا یہ کہنا ہے کہ وہ تیس جھوٹے مدعیان نبوت مرزا قادیانی سے پہلے پہلے کے ہیں اور یہ کہ ان کا عدد پورا ہو چکا ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں مرزا قادیانی خود فرماتے ہیں کہ یہ تیس قیامت تک کے دور کے لئے ہیں۔''آنحضرتﷺ فرماتے ہیں کہ دنیا کے آخیر تک قریب تیس کے دجال پیدا ہوں گے۔'' (ازالہ اوہام ص۱۹۹، خزائن ج۳ ص۱۹۷)

اور پھر آپ جو گنتی کر رہے ہیں حضرت قاضی صاحب! گنتی اس طرح پوری نہیں ہوتی۔ یہ تیس وہ ہیں جنہیں اپنے وقت میں کچھ شوکت اور قوت بھی نصیب ہوگی۔

(دیکھو فتح الباری ج۶ ص۴۵۵، طبع دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

محدثین نے اس کے معنی یہی بیان کئے ہیں۔ آپ شوکت اور قوت کی اس قید کے ساتھ تیس کی گنتی شمار کرائیں۔ نہیں تو پھر اس میدان میں آنے سے توبہ کیجئے۔

باقی آپ کا یہ کہنا کہ ختم نبوت پر ہمارا اصلی نزاع نہیں ایک مسیح کا آنا تو آپ بھی مانتے ہیں۔ یہ اصل موضوع سے فرار ہے۔ جب تک آپ ختم نبوت کے اسلامی معنوں کا اقرار نہ کرلیں یا اپنی شکست کا اقرار نہ لکھ دیں۔ مسیح موعود کے موضوع پر ہم قطعاً الجھنے کو تیار نہیں۔ آپ پہلے مناظرہ میں آپ اپنی شکست کا اعلان کردیں۔ پھر میں اسی مجلس میں اس دوسرے موضوع پر بھی مناظرہ کرنے کو تیار ہوں۔

قاضی نذیر احمد قادیانی

مولانا! آپ اب لوگوں سے تالیاں لگوا کر ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش نہ کریں۔ آپ نے ابھی تک ملا علی قاریؒ کی عبارت کا جواب نہیں دیا۔ آپ یوں ہی خواہ مخواہ مرزا قادیانی کی عبارات پیش کر رہے ہیں۔

(قادیانی ایڈووکیٹ منور لطف اللہ) مداخلت کرتے ہوئے:''آج کے مناظرہ کے لئے شرط یہ ہے کہ استدلال صرف قرآن وحدیث سے ہوگا۔ اس لئے مرزا قادیانی کی کتابیں پیش نہیں ہوسکتیں۔''

علامہ خالد محمود صاحب: اس شرط کے باوجود مرزا قادیانی کی کتابیں پیش ہوسکتی ہیں۔ اس لئے کہ حدیث کسے کہتے ہیں؟ حدیث کہتے ہیں کلام پیغمبر کو۔ اگر مرزا قادیانی خدا کے پیغمبر تھے تو یہ سب کتابیں آپ کے لئے احادیث ہیں جس جس شخصیت کو ہم پیغمبر مانتے ہیں۔ ان کا کلام ہمارے لئے حدیث اور جس جس کو آپ پیغمبر مانیں، ان کا کلام آپ کے لئے حدیث اور حجت۔ ہاں! آپ ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے کوئی استدلال نہیں کرسکتے۔ کیونکہ وہ کسی کے نزدیک نبی نہیں۔ آج کے مناظرہ میں یہ شرط ہے کہ استدلال صرف قرآن وحدیث سے ہوگا۔

پھر قاضی صاحب یوں گویا ہوتے ہیں:

حضرات! ختم نبوت کے موضوع پر ہم یوں ہی وقت ضائع کررہے ہیں۔ جب ہم دونوں فریق مانتے ہیں کہ ختم نبوت کے بعد بھی ایک نبی آسکتا ہے۔ آپ اس مسیح ناصری کا آنا مانتے ہیں اور ہم مرزا کو ان احادیث کا مصداق سمجھتے ہیں جن میں ایک آنے والے کی خبر دی گئی ہے۔ میں تو ختم نبوت کے عقیدے میں دونوں فریق کو ایک ہی طرح سمجھتا ہوں۔ اب صرف نبوت کے اجزاء باقی ہیں۔ ’’لم یبق من النبوۃ الا المبشرات‘‘ جس میں کامل طور پر پائے جائیں گے وہ نبی ہوگا۔ باقیوں میں نبوت تو ہوگی لیکن ان کے لئے حدیث میں نبی کا لفظ نہیں آتا۔ کیونکہ ان میں کامل اجزاء نہ تھے جس مسیح نے آنا تھا وہ آگئے اور وہ حضرت مرزا تھے۔ اگر اسی مسیح ناصری نے آنا ہو تو قرآن کہتا ہے: ’’وعداللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنّھم‘‘ (النور:۵۵) اور اس صورت میں حضرت مسیح مشبہ میں بھی داخل ہیں اور مشبہ بہ میں بھی۔ حالانکہ مشبہ مشبہ بہ کا غیر ہوتا ہے۔ میری اس دلیل کا ابھی تک جواب نہیں دیا گیا۔ حضرات! حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو صاحب انجیل تھے، انہوں نے اب نہیں آنا وہ فوت ہوچکے ہیں۔ پس جس موعود کی خبر احادیث میں ملتی ہے۔ وہ حضرت مرزا ہی ہیں جو حضور کے تابع ہیں اور امتی نبی ہیں۔ خاتم النّبیین کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شریعت والا نبی نہیں آسکتا۔ اگر کسی نبی کے آنے کا امکان ہی نہ تھا تو حضور نے کیوں فرمایا: ’’لوعاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً‘‘ حافظ صاحب روپڑی کہہ رہے تھے کہ

حرف لومحال پر آتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ لفظ ’’لــــو‘‘ عاش پر داخل ہے۔ ان کی نبوت پر نہیں۔ حضرت ابراہیم کا زندہ رہنا محال تھا۔ کیونکہ موت ان کے لئے مقدر ہوچکی تھی۔ ان کا بناء بر زندگی نبی ہونا محال نہ تھا۔ میری اس بات کا روپڑی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ چونکہ آپ ان کی وکالت کررہے ہیں۔ اس لئے اس کا جواب بھی آپ کے ذمہ ہے۔

حضرات! جس نے آنا تھا وہ آ گیا اور خاتم النّبیین کے بعد ایک ہی کے آنے کا وعدہ تھا اور وہ مسیح موعود ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: قاضی صاحب نے اپنی پوری تقریر میں یہی ایک فقرہ صحیح کہا ہے کہ: ’’ہم وقت ضائع کررہے ہیں۔‘‘

قاضی نذیر! بے شک آپ وقت ہی ضائع کررہے ہیں۔ کیونکہ دلائل کے باب میں تو آپ کے ڈھول کا پول کھل چکا۔ آپ کا یہ کہنا کہ مسیح کی آمد کا انتظار تھا وہ آچکا اور وہی مرزا قادیانی ہیں یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ مرزا قادیانی پر وہ علامات پوری نہیں اترتی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کے متعلق صحیح احادیث میں موجود ہیں اور آپ کے نزدیک بھی ممکن اور بہت ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں اور مسیح بھی آجائے۔

مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: ’’ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں کوئی ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ بھی صادق آسکیں۔ کیونکہ یہ عاجز اس دنیا کی حکومت اور بادشاہت کے ساتھ نہیں آیا۔‘‘ (ازالہ اوہام ص۲۰۰، خزائن ج۳ ص۱۹۷)

یہ میرے ہاتھ میں آئینہ کمالات اسلام ہے۔ اس میں مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ: ’’عیسائیوں کی غلط تعلیمات اور ان کے دجل وفریب کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت کو دوبارہ جوش آیا اور اس نے مثالی طور پر دنیا میں دوبارہ اپنا نزول چاہا جو موجودہ فتنوں کے لحاظ سے اپنی جگہ کافی ہے۔ لیکن دنیا میں جب پھر فساد اور شرک وظلم عود کرے گا تو تیسری مرتبہ پھر مسیح کی روحانیت سخت جوش میں آکر جلالی طور پر اپنا نزول کرے گی۔ تب ایک قہری شبیہ میں اس کا نزول ہوگا تب آخر ہوگا اور دنیا کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح کی امت کی نالائق کرتوتوں کی وجہ سے مسیح کی روحانیت کے لئے یہ ہی مقدر تھا کہ تین مرتبہ دنیا میں نازل ہو۔‘‘ (آئینہ کمالات اسلام ص۳۴۵،۳۴۶، خزائن ج۵ ص ایضاً)

قاضی صاحب! جب بقول مرزا قادیانی ابھی اور انتظار باقی ہے اور وہ مسیح اب بھی منتظر ہے جس پر احادیث منطبق اتر سکیں تو آپ خواہ مخواہ مرزا قادیانی کو درمیان میں کیوں لا رہے ہیں۔ وہ اگر اپنے دعوے میں سچے بھی ہوں تو صرف اپنے وقت کے لئے تھے، ہمیشہ کے لئے نہیں۔ خود لکھتے ہیں: ''میرے نزدیک ممکن ہے کہ آئندہ زمانوں میں میرے جیسے اور دس ہزار بھی مثیل مسیح آجائیں۔ ہاں! اس زمانہ کے لئے میں مثیل مسیح ہوں۔''

(ازالہ اوہام ص۱۹۹، خزائن ج۳ ص۱۹۷)

بہرحال آپ مرزا قادیانی کے مسیح موعود ہونے کی بحث میں نہ پڑیں۔ اگر اس پر بحث کرنی ہے تو پھر کریں۔ اب تو ختم نبوت کا موضوع ہے، اس پر اگر آپ کچھ کہہ سکتے ہیں تو کہیں۔ آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس مسئلہ میں، میں دونوں فریقوں کو ایک جیسا سمجھتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ دونوں کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے ہیں (قاضی نذیر کی ایک آنکھ بھی مرزا قادیانی کی طرح بھینگی بھی تھی۔ محمد الیاس غفرلہ) لیکن یہ دھوکا اور مغالطہ ہے کہ آپ حضور ﷺ کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔

''لم یبق من النبوۃ الّا المبشرات'' کی رو سے صرف اجزاء مبشرات کا بقاء ثابت ہے۔ نبوت کا اجراء قطعاً نہیں۔ چینی بے شک شکنجبین کا جزو ہے۔ کیونکہ شکنجبین پانی، لیموں، چینی اور برف سے بنتی ہے۔ لیکن ہم چینی کو شکنجبین نہیں کہہ سکتے کہ بوریوں میں چینی جا رہی ہو اور ہم کہیں کہ بوریوں میں شکنجبین جا رہی ہے۔ اگر چینی کی بوریاں شکنجبین کہلا سکتیں تو فقط سچے خواب نبوت بھی نہیں کہلا سکتے۔

مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: ''کنجریاں بھی جو سخت ناپاک فرقہ دنیا میں ہیں سچی خوابیں دیکھا کرتی ہیں۔'' (تحفہ گولڑویہ ص۴۸ حاشیہ، خزائن ج۱۷ ص۱۶۸)

پھر لکھتے ہیں کہ: ''راقم کو اس بات کا تجربہ[۱] ہے کہ اکثر پلید طبع اور سخت گندے اور ناپاک اور بے شرم اور خدا سے نہ ڈرنے والے اور حرام کھانے والے فاسق بھی سچی خوابیں دیکھ لیتے ہیں۔'' (ایضاً)

۱؎ ناظرین لفظ ''تجربہ'' میں غور کریں۔ یہ مشاہدہ سے کچھ مختلف ہے جو دوسروں کے لئے آتا ہے اور پھر خواب جیسے معاملہ میں جس میں کہ کوئی کسی کو نہیں دیکھتا کہ وہ کیا خواب دیکھ رہا ہے، مشاہدہ نہیں ہو سکتا ان ابواب میں عام طور پر ذاتی تجربہ ہی ہوتا ہے۔ یہ سوچنا چاہئے کہ مرزا قادیانی اسے اپنا تجربہ سے کیسے کہہ رہیں۔ محمد الیاس غفرلہ!

معلوم ہوا کہ محض سچے خوابوں کو نبوت قطعاً نہیں کہا جاسکتا اور ایک جزو کے تحقق سے کل کا وجود تسلیم کر لینا ہرگز صحیح نہیں۔ اگر کہیں آکسیجن گیس ہو تو ہم اسے پانی بالکل نہیں کہیں گے۔ حالانکہ وہ پانی کا جزو ہے۔ پانی اسے ہی کہیں گے جو پورا پانی ہوگا۔ خواہ وہ ایک چلّو بھر ہو یا ایک پورا دریا۔

مسیح ناصری کا آنا آیت: ’’**وعداللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصالحات**‘‘ (النور:۵۵) کے خلاف ہرگز نہیں اور مشبہ مشبہ بہ کی مغائر کے لئے افراد کا تغائر ضروری نہیں صفات کا تغائر بھی کافی ہے جو ایک فرد واحد پر ہی مختلف وقتوں میں پوری اتریں۔ حضرت مسیح جس حیثیت سے مشبہ بہ میں داخل ہیں وہ اور اعتبار ہے اور جس حیثیت سے وہ مشبہ میں داخل ہوں گے وہ اور اعتبار ہے۔ ’’**لولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ**‘‘

ہاں! یہ کہنا کہ جس طرح پہلی امتوں میں خلافت نبیوں میں ہی چلتی تھی، اس امت میں بھی اس طرح چلے گی۔ یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ مشبہ مشبہ بہ میں ہر اعتبار سے مشابہت ضروری نہیں ہوتی۔ زید کو اگر شیر کہیں تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کی دم بھی ہے۔ مشبہ مشبہ بہ میں کسی ایک مشابہت سے بھی ارادہ تشبیہ پورا ہو جاتا ہے۔ ہر جہت سے مشابہت کا تقاضا علم بلاغت میں عدم بلاغت ہے۔ باقی قاضی صاحب کا یہ استدلال کہ: ’’**لو عاش ابراھیم لکان نبیاً**‘‘ یہ بھی صحیح نہیں۔

اوّلاً: یہ حدیث عقائد کے باب میں کمزور ہے۔ عقیدہ جیسے اہم باب میں اس سے استدلال صحیح نہیں۔ اس کے راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ میں کلام ہے۔ امام احمد ابن عبدالبر نے اس کی تضعیف کی ہے۔ سید جمال الدین محدث نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ عینی نے تو ’’**متفق علیٰ ضعفہ**‘‘ بھی فرمادیا ہے۔ پھر اصل الفاظ جو بخاری میں موقوفاً مروی ہیں، ان میں لو حرف شرط ’’ابراہیم کے زندہ رہنے‘‘ پر داخل نہیں، بلکہ ’’ان کے نبی ہو سکنے‘‘ پر داخل ہے اور لو چونکہ محال پر آتا ہے۔ اس لئے معنی یہ ہوئے کہ صاحبزادہ ابراہیم کو نبوت ملنا ہی ممکن نہ تھا۔ کیونکہ نبوت ملنا حضورﷺ پر ختم ہو چکا۔ اصل حدیث بخاری میں یوں ہے جو ابن ابی اوفی سے منقول ہے: ’’**لو قضی ان یکون بعد محمد ﷺ نبی عاش ابنہ ولکن لا نبی بعدہ**‘‘ (بخاری ج۲ ص۹۱۴ باب من سمی باسماء الانبیاء وقال انس قبل النبی ابراہیم یعنی ابنہ الیٰ آخرہ)

اگر یہ ہوسکتا کہ حضور کے بعد کوئی نبی ہو تو آپ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا۔ لیکن حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حدیث: ’’لانبی بعدی ‘‘ کا معنی صحابہ کرامؓ کے نزدیک کیا تھا۔ اگر انقطاع سلسلۂ نبوت کے اس اعلان کا مطلب یہی ہوتا کہ ایک قسم کی تشریعی نبوت ختم ہے اور غیر تشریعی باقی ہے تو حضرت ابن ابی اوفی اسے استدراک کے طور پر صاحبزادہ ابراہیم کے نبی ہوسکنے کے خلاف ہرگز قرار نہ دیتے۔ کیوں یہ احتمال رہتا ہے کہ شاید وہ غیر تشریعی نبی ہوجائیں۔ اس صورت میں ’’لانبی بعدی ‘‘ سے کوئی تعارض نہ تھا لیکن ابن ابی اوفی کا انداز بیان ہر قسم کی نبوت کو حدیث: ’’لانبی بعدی ‘‘ کے خلاف بتلا رہا ہے۔ ورنہ سیاق وسباق میں کوئی ربط نہیں رہتا۔

قاضی صاحب میں نے آپ کے تمام اعتراضات کا نام لے لے کر جواب دے دیا ہے۔ اب آپ میں اگر کچھ ہمت اور کچھ بھی علم ہے تو میرے جوابات پر ایک ایک کر کے جرح کریں۔ ورنہ حضور ﷺ کو صحیح اسلامی مفہوم میں خاتم النّبیین تسلیم کرلیں۔

قاضی نذیر احمد قادیانی

ہم بھی حضور کو خاتم النّبیین مانتے ہیں بایں معنی کہ آپ پہلے سب نبیوں کے مصدق تھے۔ مگر افسوس کہ آپ نے ابھی تک ملّا علی قاری کی عبارت کا کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ ابن ابی اوفی کی بات لیتے ہیں۔ ہم ملّا علی قاری کی پس غیر انبیاء کی بات سے حجت پکڑنے میں ہم دونوں برابر ہوگئے۔

ہم یقیناً حضور ﷺ کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ اس طرح کہ آپ ﷺ پہلے کے سب نبیوں کے مصدق تھے اور آپ ﷺ کے بعد واقعی کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ ﷺ کی شریعت منسوخ کرے۔ مسیح موعود کا آنا دونوں فریقوں میں مسلّم ہے۔ آپ ہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح ناصری آسمان سے اتریں گے۔ حالانکہ آسمان سے اترنے کا کہیں ذکر نہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود اسی امت کا ایک فرد ہے جس میں حقیقت عیسوی اتری ہوگی۔ پس جس طرح آپ خاتم النّبیین کے بعد بھی ایک نبی کی آمد جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ختم نبوت کے خلاف

نہیں تو ہم مسیح موعود کو نبی اللہ مان کر ختم نبوت کے مخالف کیسے ہوگئے۔ خاتم النّبیین کا معنی ہی یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ ﷺ کی امت میں سے نہ ہو۔ یہی معنی ملاّ علی قاری نے موضوعات کبیر میں کئے ہیں۔ اگر آپ ابن ابی اوفی کے ہم اعتقاد ہو کر ختم نبوت کے منکر نہیں تو ہم ملاّ علی قاری کے ہم خیال ہو کر ختم نبوت کے منکر کیسے ہوگئے۔ ہمت ہے تو ملاّ علی قاری کو اپنا ہم خیال ثابت کریں۔

حضرات! حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو تشریعی نبی تھے جب وہ آپ کے اعتقاد کے مطابق قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے تو کیا ان کی نبوت سلب ہو جائے گی یا وہ اس وقت بھی نبی ہوں گے۔ اگر نبی ہوں گے تو ان کی نبوت کیا ختم نبوت کے خلاف نہ ہوگی۔ بخلاف اس کے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسی امت کا ایک فرد مسیح موعود کا مقام پائے گا۔ اس صورت میں وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا۔ کیونکہ وہ امتی نبی ہے، مستقل شریعت والا مسیح ناصری نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی

حضرات! فریق مخالف کی طرف سے بار بار یہ کہا جارہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی ختم نبوت کے خلاف کیوں نہیں؟

حضرات! پہلے ہمارا عقیدہ سن لیجئے۔ پھر مسئلہ زیر بحث پر غور کیجئے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جو آنحضرت ﷺ سے پہلے کے پیغمبر ہیں وہ قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرمائیں گے اور ان کی یہ آمد علامات قیامت میں سے ہوں گی۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو وہ نبی تو بدستور ہوں گے، ان سے نبوت ہرگز مسلوب نہ ہوگی لیکن اس وقت ان کی نبوت یہاں نافذ نہ ہوگی بلکہ اس لئے کہ یہ دور دور محمدی ہے۔ وہ حضور ﷺ کی شریعت کے تابع ہوں گے اور اس طرح امتی بن کر رہیں گے۔ مثال یوں سمجھئے کہ جس طرح ضلع منٹگمری کا ڈپٹی کمشنر کسی سرکاری کام کے لئے لاہور آجائے تو وہ ڈپٹی کمشنر بدستور ہوگا۔ اسے ڈپٹی کمشنر کی مراعات اور تکریمات بھی حاصل ہوں گی۔ لیکن اس کی ڈپٹی کمشنری یہاں لاہور میں نافذ نہ ہوگی۔ بلکہ وہ یہاں ڈپٹی کمشنر کے احکامات کے تابع ہوگا۔ اسی طرح یقین کیجئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اللہ تو ہوں گے مگر ان کی نبوت اس آمد ثانی پر نافذ نہ ہوگی بلکہ وہ حضور ﷺ کی شریعت کے تابع اور امتی ہو کر رہیں گے۔

قاضی نذیر کا یہ کہنا کہ مسیح ناصری کی آمد ختم نبوت اور حدیث: ’’لانبی بعدی‘‘ کے خلاف ہے صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ختم نبوت اور حدیث: ’’لا نبی بعدی‘‘ کی رو سے حضور ختمی مرتبت ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور کسی کو نبوت ملے گی نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو حضور ﷺ سے پہلے پیدا ہوئے اور پہلے ہی مبعوث ہوئے وہ بھی سب کے سب مر چکے ہیں اور ان میں سے اگر کوئی زندہ ہو تو حضور ﷺ کی ختم نبوت قائم نہیں رہتی۔ جس طرح اس ہال میں لوگ باری باری آئے اور کئی جاتے بھی رہے تو جو آخر میں داخل ہوا وہ خاتم الداخلین تو ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے آنے والے سب مر چکے ہیں۔ اس کے آخر میں آنے کو ان امور میں سے کوئی لازم نہیں۔ مرزا غلام احمد خود اپنے ماں باپ کی آخری اولاد تھے۔

چنانچہ لکھتے ہیں: ’’میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا نام جنت تھا اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد اس کے میں نکلا تھا اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں ہوا اور میں ان کے لئے خاتم الاولاد تھا۔‘‘

(تریاق القلوب ص۱۵۷، خزائن ج۱۵ ص۴۷۹)

تو مرزا قادیانی کے خاتم الاولاد ہونے کا اگر یہ مطلب نہیں کہ ان کے پہلے کے سب بھائی بہن مر چکے تھے اور وہ والدین کے پاس پھر آتے جاتے نہ تھے۔ تاکہ مرزا قادیانی کا خاتم الاولاد ہونا غلط نہ ہو جائے تو حضور خاتم النّبیین ﷺ کی ختم نبوت کا یہ مطلب کیسے نکل آیا کہ اگر حضور ﷺ سے پہلے کا کوئی نبی زندہ ہو اور اس کا پھر آنا جانا بھی ہو تو اس سے ختم نبوت قائم نہ رہے گی۔ ہاں! آنے جانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی اپنی نبوت نافذ نہ ہو بلکہ وہ تابع ہو کر رہے۔ یاد رکھئے کہ خاتم النّبیین اور ’’لانبی بعدی‘‘ کا مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور پہلوں سے اگر کوئی آپ کی سلطنت میں آجائے تو وہ بھی تابع ہو کر رہے گا۔ قاضی نذیر احمد بار بار ملّا علی قاری کا نام پیش کر رہے ہیں۔ ہم ملّا علی قاری سے ہی یہ مطلب دکھاتے ہیں کہ: ’’لانبی بعدی‘‘ کا مطلب ہے کہ کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا۔ ملّا علی قاری لکھتے ہیں: ’’فالمعنی انہ لایحدث بعدہ نبی لانہ خاتم النّبیین السابقین‘‘ (مرقات ج۱۱ ص۳۳۶ باب مناقب علیؓ بن ابی طالب الفصل الاوّل)

(ترجمہ) پس معنی یہی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ آپ سب پہلے نبیوں کے خاتم ہیں۔ (نماز مغرب کا وقفہ)

قاضی نذیر احمد قادیانی مناظر

مولانا یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہی مسیح ناصری آسمان سے اتریں گے۔ آسمان سے اترنے کا آپ نے کوئی ثبوت نہیں دیا۔ حضرت وہ اسی امت میں پیدا ہوں گے اور مسیح موعود امتی نبی ہوں گے۔

حضرت مولانا! آپ نے ابھی تک ملاّ علی قاری کی موضوعات کبیر والی عبارت کا جواب نہیں دیا۔ آنحضرت فرماتے ہیں: ''**لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً** ''اگر ابراہیم زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے۔ حضرات! اس کی تشریح ملاّ علی قاری نے یہ کی ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے اور نبی ہوتے تو وہ امتی نبی بن کر رہتے۔ پس یہ خاتم النّبیین کے خلاف نہیں۔ کیونکہ خاتم النّبیین کا معنی یہ ہے کہ: ''**لا یأتی نبی بعدہ ینسخ ملتہٗ ولم یکن من امتہٖ**'' (موضوعات کبیر ص۵۹، حرف اللام طبع مجتبائی دہلی)

(ترجمہ) آپ ﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپ ﷺ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ ﷺ کی امت میں سے نہ ہو۔

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی شریعت آخری شریعت ہے۔ اب کوئی ایسا نبی ہرگز نہیں آسکتا جو آپ ﷺ کی شریعت منسوخ کرے۔ لیکن آپ ﷺ کی تابعداری سے اگر نبوت ملے تو وہ امتی نبی ہوگا، مرزا قادیانی کا دعویٰ یہی تھا کہ میں امتی نبی ہوں وہ صاحب شریعت نبی ہرگز نہیں اور انہیں نبی تسلیم کرنے سے ختم نبوت نہیں ٹوٹتی۔

علامہ خالد محمود صاحب

قاضی صاحب! آپ موضوع سے فرار کیوں کر رہے ہیں۔ اصل موضوع ختم نبوت ہے مسیح ناصری کی آمد ثانی نہیں، مگر آپ چونکہ بار بار اسی پر اصرار کر رہے ہیں کہ مسیح موعود کا آسمان سے اترنا کسی جگہ ثابت نہیں بلکہ وہ اس امت میں پیدا ہوں گے۔ اس لئے ضمناً یہ بھی بیان کئے دیتا ہوں۔

لیجئے! مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: ''مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں جو یہ لفظ موجود ہے

کہ حضرت مسیح علیہ السلام جب آسمان[1] سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا اس لفظ کو ظاہری لباس پر حمل کرنا کیسا لغو خیال ہے۔'' (ازالہ اوہام ص۸۱، خزائن ج۳ ص۱۴۲)

آپ کو ملاّ علی قاری کی موضوعات پر بڑا ناز ہے۔ قاضی صاحب ملاّ علی قاری تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر حضرت ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہوتے تو وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام کی طرح حضور ﷺ سے پہلے کے نبی ہوتے اور حضور ﷺ کے بعد تک ان کا زندہ رہنا مقدر ہوتا تو پھر وہ حضور ﷺ کے تابع ہی ہوکر رہتے۔ قاضی صاحب اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل آیا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہوسکتا ہے۔...... جب ہم ابراہیم کے زندہ رہنے کو فرض کرلیں اور اس پر ان کی نبوت بھی متفرع کرلیں تو ضروری نہیں کہ اس میں حضرت ابراہیم اپنے سارے تشخصات کے ساتھ ملحوظ ہوں کہ وہ حضور کے بیٹے بھی ہوں اور حضور ﷺ کے بعد ہی پیدا بھی ہوئے ہیں۔ یہ سارا بیان چونکہ محض فرضی صورت میں واقع ہے۔ اس لئے اس میں حضرت ابراہیم کے لئے جو بھی امکان نبوت متفرع ہوگا وہ ان کے تمام تشخصات سے قطع نظر محض بربیان امکان مبنی ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ مقدر ہوتا کہ وہ نبی ہوں تو اللہ تعالیٰ انہیں حضور ﷺ سے پہلے حضرت عیسیٰ، خضر اور الیاس علیہم السلام کی طرح کا نبی بناتا۔ اس میں یہ ضروری نہ تھا کہ پھر حضرت ابراہیم حضور ﷺ کے بیٹے بھی ہوتے۔ حضرت ابراہیم پر یہ حکم اور تفریع انہیں ان کے جمیع تشخصات سے جدا کرکے محض بناء بر امکان لگایا جارہا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اگر نبی ہوتے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہوتے کہ ان کی بعثت بھی حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کی ہوتی اور ان کا امت محمدیہ

[1] صحیح مسلم میں یہ آسمان کے الفاظ ہرگز موجود نہیں۔ یہ امام مسلم پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ ہاں! آسمان سے اترنے (من السماء) کے الفاظ (کتاب الاسماء والصفات البیہقی ص۳۰۱ مطبوعہ الٰہ آباد) میں ضرور موجود ہیں۔ کنزالعمال میں بھی من السماء کے الفاظ کی تائید موجود ہے۔ جس طرح مرزا غلام احمد نے یہاں امام مسلم پر بہتان باندھا ہے، اسی طرح (ازالہ ص۴۴، خزائن ج۳ ص۱۲۴،۱۲۵) میں خود آنحضرت ﷺ کی ذات پر یہ جھوٹ باندھا ہے کہ آپ نے حدیث میں فرمایا تھا: ''بل ھو امامکم منکم'' حالانکہ یہ کسی روایت میں موجود نہیں ہے کوئی حق پسند مرزائی جو یہ الفاظ کسی کتاب حدیث میں دکھائے یا مرزائیت ترک کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہوجائے۔

میں بقاء بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بقاء اوران کی آمد ثانی کی طرح ایک امتی کی حیثیت میں ہوتا۔ چنانچہ سیدنا ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح بھی کردی ہے۔

’’کعیسٰی والخضر والیاس‘‘(موضوعات کبیرص۵۸حرف اللام طبع مجتبائی دہلی)

(ترجمہ) حضرت ابراہیم اگر نبی ہوتے تو عیسیٰ، خضراور الیاس علیہم السلام کی طرح ہوتے (جومبعوث بھی حضور سے پہلے کے تھےاوران کا بقاء بھی حضور ﷺ کے امتی ہونے کی حیثیت میں ہے)

پھرہمیں اس کی تائید بھی اس حدیث سے ملتی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی (اس عالم دنیامیں) زندہ ہوتے توانہیں میری اتباع سے چارہ نہ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت حضور ﷺ سے پہلے کی تھی۔ پس بنابر تقدیر نبوت حضرت ابراہیم وہ یقیناً حضور ﷺ سے پہلے ہی مبعوث ہوتے۔

حضرات! یہ ساری بحث جس حدیث پر مبنی ہے وہ خود ضعیف ہے:’’لو عاش ابراهیم لکان صدیقاً نبیاً‘‘ کومحدثین باطل اور بے اصل قرار دے چکے ہیں۔ افسوس کہ قاضی صاحب کے پلّے میں کوئی بھی ٹھوس بات نہیں۔

قاضی نذیراحمد قادیانی

مولانا مجھےاس سے بحث نہیں کہ حدیث:’’لو عاش ابراهیم لکان صدیقاً نبیاً‘‘ صحیح ہے یاضعیف۔ میں تو یہ بیان کررہاہوں کہ ملاّ علی قاری نے کیا کہاہےاوران کا عقیدہ کیا ہے۔ حضرات! ملاّ علی قاری کے نزدیک آنحضرت کے بعدکسی ایسے نبی کا آنا جو صاحب شریعت نہ ہو، عقیدہ ختم نبوت کے خلاف نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:’’خاتم النّبیین کا معنی یہ ہے کہ آنحضرت کے بعدکوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جوآپ کی شریعت کومنسوخ کرے اورآپ کی امت میں سے نہ ہو۔‘‘

علامہ خالدمحمودصاحب:(ٹوکتے ہوئے) قاضی صاحب! یہ عبارت پیچھے سے پڑھیں۔

قاضی نذیراحمد: آپ کومیری باری میں بولنے کاکوئی حق نہیں۔اپنی باری جوچاہیں کہیں۔

علامہ خالدمحمودصاحب: مجھے آپ کی باری میں تصحیح حوالہ کے لئے پوچھنے کا حق ہے۔آپ عبارت پیچھے سے پڑھیں۔

قاضی نذیر احمد: میں عبارت پیچھے سے پڑھنے کے لئے قطعاً تیار نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: آپ پیچھے سے عبارت پڑھنے کے لئے تیار نہیں تو میں آپ کو آگے چلنے دینے کے لئے بھی تیار نہیں۔

قادیانی مبلغ مولوی عبداللطیف مولوی فاضل: تو کیا آپ کے کہنے پر ہم ساری کتاب پیچھے سے پڑھیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: نہیں ساری کتاب نہیں بلکہ جہاں سے یہ مبحث شروع ہوتا ہے، وہاں سے تو پڑھیں۔

قاضی نذیر احمد: حضرات! آپ میری بھی تو سنیں میں نے کہہ دیا ہے کہ میں عبارت پیچھے سے ہرگز نہیں پڑھوں گا۔

(سامعین تالیاں بجانے لگتے ہیں۔ مگر انہیں روک دیا جاتا ہے)

قاضی نذیر احمد: اپنی بات جاری رکھتے ہوئے۔

حضرات! ہم بھی آنحضرت کو خاتم النّبیین مانتے ہیں اور ملّا علی قاری بھی لفظ خاتم النّبیین کے یہی معنی بتاتے ہیں۔ پھر جو فتویٰ ہم پر لگایا جاتا ہے، وہی ملّا علی قاری پر بھی لگنا چاہئے۔ حضور ﷺ کی سچی اطاعت سے نبوت مل سکتی ہے۔ مگر نبی کا اطلاق صرف مسیح موعود کے لئے ہی کیا گیا ہے اور حدیث میں اسے نبی اللہ کہا گیا ہے۔

مولانا! آپ جو مرزا قادیانی کے حوالے پیش کر رہے ہیں، کیا آپ ہمیں گالیاں دلوانا چاہتے ہیں؟ یہ کیا شرافت ہے کہ میں بات کرتا ہوں لوگ ہنستے ہیں۔ کیا یہی اخلاق اسلام نے پیش کئے ہیں۔ حضرات! ہم دونوں فرقوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح موعود نے ضرور آنا ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب مناظر اسلام: حضرات! قاضی نذیر بار بار ملّا علی قاری کی عبارت پیش کر رہے ہیں اور خود انہیں اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ موضوعات کبیر کی پیش کردہ عبارت پیچھے سے پڑھیں، جہاں سے کہ مضمون شروع ہو رہا ہے۔ کیا یہ بددیانتی اور خیانت نہیں؟ حضرات! یہ ساری بحث جس حدیث کے متعلق ہے وہ ’’لو عاش ابراهیم لکان صدیقا نبیاً‘‘ ہے اور اسی سے قاضی نذیر نے پہلے استدلال بھی کیا تھا اور اسی کے ضمن میں وہ عبارت ہے جسے قاضی صاحب سیاق وسباق سے کاٹ کر اپنے غلط معنی کی حمایت میں پیش

کرر ہے ہیں۔ قاضی صاحب! لائیے موضوعات کبیر (اس پر قادیانی اپنی کتاب موضوعات کبیر علامہ صاحب کے پاس لے کر آتے ہیں اور کتاب انہیں پکڑا دیتے ہیں) حضرات! یہ میرے ہاتھ میں موضوعات کبیر ہے اور اس کا یہ (ص۵۸ حرف اللام طبع مجتبائی دہلی) ہے۔ یہاں ملاّ علی قاری نے ایک فصل قائم کر کے یہ بحث شروع کی ہے۔ دیکھئے شروع میں ہی ملاّ علی قاری فرماتے ہیں: ''امام احمد اس حدیث کو باطل قرار دے چکے ہیں۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں میں اس حدیث کو جانتا ہی نہیں۔'' ....الخ

حضرات! اس حدیث کی جرح کو برقرار رکھتے ہوئے (کیونکہ ملاّ علی قاری نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ ''وغرابته لا یخفی '' کہہ کر اس کی تائید ہی کی ہے) ملاّ علی قاری اپنے اصل مقام سے اتر کر علیٰ سبیل التنزل فرماتے ہیں کہ ان جوابات کے ساتھ ایک جواب یہ بھی ہے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نبوت مقدر بھی ہوتی اور وہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ بھی پا لیتے تو ان کی نبوت یقیناً حضرت عیسیٰ، خضر اور الیاس علیہم السلام کی طرح ہوتی (کہ ان کو نبوت بھی حضور ﷺ سے پہلے کی مل چکی ہوئی ہوتی اور عہد محمدی پانے کی صورت میں وہ حضور ﷺ کے تابع اور امتی ہو کر بھی رہتے) اور حضرت ابراہیم کا اس طرح کا نبی ہونا آیت خاتم النّبیین کے مخالف نہیں اس کی تقویت حضور ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

اگر موسیٰ علیہ السلام بھی اب (زمین پر) زندہ ہوتے تو انہیں میری اتباع سے چارہ نہ تھا۔ حضرات! اس عبارت کا وہ حصہ جو قاضی نذیر احمد نے دانستہ طور پر چھوڑ دیا تھا وہ آپ کے سامنے آچکا تاہم مزید وضاحت کے لئے حضرت ملاّ علی قاری کا عقیدہ ختم نبوت جو ان کی دوسری کتابوں اور عبارات سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔ سن لیجئے! پھر اس کی روشنی میں اسی عبارت کو حل کیجئے جو موضوعات کبیر سے پیش کی جارہی ہے۔ آپ جب اسے محکم عبارات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کریں گے تو پھر موضوعات کبیر کا الجھاؤ بھی آپ کے سامنے خود ہی حل ہو جائے گا۔ لیجئے! ملاّ علی قاری ملحقات (ص۱۸۳) پر اہل کذب و تلبیس کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''وقد یکون فی ھٰؤلاء من یستحق القتل کمن یدعی النبوة بمثل ھٰذہ الخزعبیلات او یطلب تغیر شیٔ من الشریعة ونحو ذالک''

(ترجمہ) اور کبھی ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو دعویٰ نبوت کریں۔ اس طرح کی بے ہودہ لغویات کے ساتھ یا شریعت کی کسی شئی میں تبدیلی کرنے کے ساتھ۔

اس عبارت میں ملاّ علی قاری اس دعوے نبوت کو بھی مستحق قتل قرار دے رہے ہیں جو غیر تشریعی ہو صرف اس میں چند لغویات کا ہی مظاہرہ ہو، یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ کسی طبقہ کا ارتکاب لغویات مؤجب قتل ہرگز نہیں ہوتا۔ یہ باتیں اپنی جگہ بری تو ضرور ہیں لیکن ایسی بھی نہیں کہ ان کی سزا قتل ہی ہو۔ پس یہاں حکم قتل ارتکاب لغویات پر نہیں بلکہ دعویٰ نبوت پر ہے جس کی دو صورتیں تھیں (۱) ایک غیر تشریعی جس کا مقصد محض ارتکاب لغویات ہو (۲) دوسرا تشریعی جس میں شریعت محمدی کو منسوخ کہا جائے۔

حضرات! ملاّ علی قاری دونوں نظریات کی تردید کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ملاّ علی قاری کے عقیدہ ختم نبوت میں آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کے پیدا[۱] ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اب جب کہ ملاّ علی قاری خود اپنا عقیدہ اتنی صراحت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں تو ضروری ہے کہ موضوعات کبیر کی عبارات کو اسی کی روشنی میں سمجھا جائے۔ پس موضوعات کی اس عبارت کا مطلب یہی ہوگا جو ہم نے بیان کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے موجودہ تشخصات سے قطع نظر آنحضرت ﷺ کے پہلے نبیوں میں سے ہوتے۔ جیسے حضرت عیسیٰ، خضر اور الیاس علیہم السلام اور پھر آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد تک رہتے اور اس طرح حضور ﷺ کی ختم نبوت کے منافی نہ ہوتے۔

پھر ملاّ علی قاری ایک دوسرے مقام پر ابن مقاتل کی تردید کرتے ہیں جس کا سیاق وسباق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہم کو ایک دفعہ مکہ معظّمہ اور بصرہ میں بیک وقت دیکھا گیا۔ اس پر ابن مقاتل نے کہا کہ جو اس کے جائز ہونے کا یقین کرلے وہ کافر ہے کیونکہ یہ معجزات میں سے ہے اور ختم نبوت کے بعد معجزے کا تصور تک نہیں ہوسکتا۔

۱؎ پیدا ہونے کی قید اس لئے ہے کہ ملاّ علی قاری نے حدیث:’’لانبی بعدی‘‘ کا معنی یہی بیان کیا ہے:’’فالمعنی لایحدث بعده نبی‘‘ (مرقات ج۱۱ ص۳۳۶ باب مناقب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب الفصل الاوّل) معلوم ہوا کہ کسی پچھلے نبی کا آنحضرت کے زمانے تک زندہ اور موجود رہنا حدیث:’’لانبی بعدی‘‘ کے ہرگز مخالف نہیں۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی کا آیت:’’خاتم النّبیین‘‘ اور حدیث:’’لانبی بعدی‘‘ سے کوئی تصادم نہیں رہتا۔

اس کے جواب میں ملاّ علی قاری فصول عمادی اور فصول استروشی سے نقل کرتے ہیں کہ بیک وقت دوجگہ دیکھا جانا (ایک جگہ وجود حقیقی سے اور دوسری جگہ جسد مثالی سے) کرامات میں سے ہے۔ معجزات میں سے نہیں کیونکہ معجزہ میں تحدی (دوسرے کے مقابلے میں غلبہ پانے کا دعویٰ) شرط ہے جو یہاں نہیں پس کفر نہ ہوگا۔ اس کے بعد ملاّ علی قاری لکھتے ہیں: ’’واقول التحدی فرع دعوی النبوۃ بعد نبیناﷺ کفر بالاجماع‘‘ (ملحقات ص۲۰۱)

(ترجمہ) میں کہتا ہوں کہ تحدی دعویٰ دعوئے نبوت کی ایک شاخ ہے اور ہمارے نبیﷺ کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ اجماعی کفر ہے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ خرق عادت امور میں دوسروں پر غلبے کا دعویٰ جس طرح تشریعی نبوت میں ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر تشریعی نبوت میں بھی ہوسکتا ہے۔ (چنانچہ مرزا قادیانی کے اپنے بیسیوں دعاوی تحدی اس پر شاہد ہیں) اور اسی دعویٰ نبوت کو جو دونوں پہلوؤں کو شامل ہے۔ ملاّ علی قاری کفر قرار دے رہے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ملاّ علی قاری کے نزدیک ختم نبوت کے بعد ہر دعویٰ نبوت کفر ہے خواہ تشریعی ہو اور غیر تشریعی۔

حضرات! ان تصریحات اور واضح عبارات کا تقاضا ہے کہ موضوعات کبیر کی زیر بحث عبارت کا وہی مطلب سمجھا جائے جو ملاّ علی قاری کی دوسری عبارات کے مطابق ہو اور وہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا ہے نہ یہ کہ وہ جو قادیانی بتارہے ہیں۔

یاد رکھئے: ’’تصنیف را مصنف نیکو کند بیان‘‘

قاضی نذیر احمد قادیانی مناظر

حاضرین! مولانا صاحب نے حدیث: ’’لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً‘‘ کے متعلق کہا ہے کہ ملاّ علی قاری اس پر ’’وغرابتہ لایخفی‘‘ کا حکم لگاتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا غرابت سے کوئی حدیث صحیح نہیں رہتی؟

حضرات! غرابت صحت کے منافی نہیں۔ ترمذی میں کئی جگہ آتا ہے: ’’ھٰذا حدیث صحیح غریب‘‘ اب میں یہ بتاتا ہوں کہ محدثین کے نزدیک حدیث غریب کسے کہتے ہیں، حدیث غریب وہ ہے جو صحابی سے لے کر آخر تک صرف ایک سند سے آئے اور

ظاہر ہے کہ یہ اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں اور اگر یہ حدیث غریب ہے تو حافظ صاحب روپڑی صاحب نے میرے خلاف جو حدیث پیش کی ''**لو کان بعدی نبی لکان عمر**'' وہ بھی تو غریب ہے۔ یہ دیکھو ترمذی میں صاف لکھا ہے تو جہاں آپ کی غریب پیش ہوسکتی ہے، وہاں ہماری غریب بھی پیش ہوسکتی ہے۔

مولانا! آپ جو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث پر محدثین نے جرح کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ملاّ علی قاری نے اس جرح کو قبول کیا ہے یا رد کیا ہے۔

مولانا! ملاّ علی قاری نے اسے رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کی رو سے اگر حضرت ابراہیم زندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے اور ان کا نبی ہونا آیت: ''خاتم النّبیین'' کے خلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ آیت: ''خاتم النّبیین'' کا معنی یہ ہے کہ حضورﷺ کے بعد کوئی ایسا نبی نہ آئے گا جو حضورﷺ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے ہوکر نہ رہے۔ پھر آپ کہتے ہیں کہ حدیث: ''**لو عاش ابراھیم لکان صدیقاً نبیاً**'' ضعیف اور باطل ہے، اسے ملاّ علی قاری نے رد کیا ہے۔ مولانا! ملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس حدیث کی تائید میں کہا ہے: ''**ویقوّیہ حدیث لو کان موسیٰ حیاً لما وسعہٗ الّا اتباعی**''

(موضوعات کبیر ص۵۹ حرف اللام طبع مجتبائی دہلی)

اس حدیث کی تقویت حضورﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع سے چارہ نہ ہوتا۔

مولانا! آپ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آیت: ''خاتم النّبیین'' میں تاویل کرتے ہیں اور ہم بھی کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ پرانا آئے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ نیا بھی آسکتا ہے۔ بشرطیکہ آنحضرت کے تابع ہوکر رہے۔ آنحضرت کی سچی اطاعت سے نبوت مل سکتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضورﷺ کی اطاعت حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی دل وجان سے کی۔ مگر نبی کا لفظ صرف اس کے لئے آئے گا جو اطاعت کے تمام پہلوؤں میں مکمل ہو اور وہ مسیح موعود ہے جس کے لئے حدیث میں نبی کا لفظ موجود ہے۔ یہ لفظ اور کسی کے لئے نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب مناظر اسلام

حضرات! ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارات میں نے پیش کیں اور موضوعات کبیر کی عبارت کو جس طرح میں نے حل کیا ہے۔ قاضی نذیر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور یہ میرے دلائل سے عاجز آ کر اب ضمنی مباحث میں اپنے لئے پناہ گاہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ قاضی نذیر نے اب پھر اپنی اشک شوئی کے لئے موضوعات کبیر کی عبارت کو چھوا ہے۔ اگرچہ اب اصل محل استشہاد کی بجائے وہ ادھر ادھر ہی میں گھوم رہے ہیں اور اصل مبحث میں وہ بالکل عاجز آچکے ہیں۔ حضرات! قاضی نذیر نے اب اس عبارت کے باب میں کئی غلطیاں کی ہیں۔

نمبر۱...... ملا علی قاری نے ''وغرابته لا یخفی'' کہ اس کی غرابت واضح ہے) کا جملہ اس حدیث کے معنوی اعتبار کے بارے میں کیا ہے۔ قاضی نذیر نے اس معنوی غرابت کو اسنادی غرابت سمجھ لیا ہے۔ یہ ان کے علم کا حال ہے۔

غلطی نمبر۲...... جو غریب صحیح ہونے کے منافی نہیں وہ وہ ہے جسے کسی امام حدیث نے ضعیف اور باطل وغیرہ نہ کہا ہو اور نہ ہی اس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس کا حافظہ یا اس کی دیانت داغ دار ہو لیکن وہ حدیث غریب جسے امام احمد جیسے امام فن باطل قرار دے دیں۔ اس کی غرابت کو پہلی مذکورہ غرابت پر قیاس کرنا یہ فن سے ناواقفی نہیں تو اور کیا ہے۔

غلطی نمبر۳...... حدیث: ''لو کان بعدی نبی لکان عمر'' جس کے اور بھی کئی طرق موجود ہیں، اسے اس سند پر منطبق کرنا جس کی سند میں ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ جیسے راوی موجود ہیں۔ یہ بھی فن سے بے خبری کی دلیل ہے۔

غلطی نمبر۴...... امام ملا علی قاری نے سابق محدثین کی جرح کو رد نہیں کیا۔ بلکہ ''قلت ومع ھٰذا'' کہہ کر ان سب کو قبول کیا ہے اور آگے علی سبیل التنزل اس کا ایک اور جواب تجویز کیا ہے۔ اسے سابق جرحوں کا رد سمجھ لینا یہ بھی قاضی نذیر کی جہالت ہے۔

غلطی نمبر۵...... ملا علی قاری کی اس عبارت میں: ''فلا یناقض قوله تعالیٰ خاتم النّبیین اذالمعنی انه لایاتی نبی بعده ینسخ ملته'' ''اذا المعنی'' سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نبی ہو سکنے کا معنی ومفہوم ہے (کہ وہ قطع نظر اپنے تشخصات کے

ایسے نبی ہوتے جو آپ کی ملت کو حضرت عیسیٰ، خضر اور الیاس علیہم السلام کی طرح منسوخ نہ کرتے) نہ کہ آیت خاتم النّبیین کا معنی۔ آیت تو اپنے اسی معنی پر ہے جو امت نے سمجھا۔ یہاں تناقض اٹھا کر وہ نبوت زیر بحث کا مطلب بیان کررہے ہیں نہ کہ لفظ خاتم النّبیین کا معنی۔ قاضی نذیر نے یہاں پھر علمی دھوکہ کھایا ہے کہ: ''اذالمعنی'' سے آیت کا معنی مراد سمجھ لیا۔

غلطی نمبر۶...... ''ویقویّہ حدیث لو کان موسیٰ حیاً'' الحدیث میں مراد حدیث: ''لوعاش ابراھیم کان صدیقاً نبیاً'' کی تقویت سمجھ لیا اور ضمیر کا مرجع بھی اسی حدیث کو قرار دے لیا۔ حالانکہ عبارت دیکھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کے حضرات عیسیٰ، خضر اور الیاس علیہم السلام کی طرح کا نبی ہوسکنے کی تائید اس حدیث: ''لو کان موسیٰ حیا'' سے بھی ہوتی ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ کی نبوت حضور ﷺ سے پہلے کی ہے لیکن بناء بر تجویز حیات دنیوی ایشاں وہ بھی تابع ہوکر رہتے۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کی نبوت بھی ان چاروں نبیوں کی نبوت کی طرح حضور ﷺ سے پہلے کی نبوت ہوتی اور بنا بر امکان وہ تابع ہوکر رہتے اور ان کی نبوت ناقد ہرگز نہ ہوتی۔

ان چھ علمی غلطیوں کی نشان دہی کے بعد پھر کہتا ہوں قاضی نذیر نے ملاّ علی قاری کی عبارت میں ''کعیسیٰ والخضر والیاس'' کی تشبیہات کا جواب کوئی نہیں دیا اور نہ ہی ملاّ علی قاری کی ملحقات کی عبارات کو وہ سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی وہ عبارت جس سے ہم کماحقہ فارغ اور بری الذمہ ہوچکے اور قاضی صاحب کے اجرائے نبوت کے کمزور بے بنیاد اور غلط دلائل کے ڈھول کا پول بھی ظاہر ہوگیا۔ اب میں اپنے باقی دومنٹوں میں اپنے عقیدہ ختم نبوت پر مزید دلائل پیش کرتا ہوں۔

<u>قادیانی معین مناظر مولوی عبداللطیف ٹوکتے ہوئے</u>: آپ کا وقت ختم ہوگیا ہے۔

<u>قادیانی ایڈووکیٹ منور لطف اللہ</u>: ہم آپ کو اور وقت دیتے ہیں۔ ہم آپ کے دلائل سننا چاہتے ہیں۔ اب فریقین کے لئے وقت کی کوئی قید نہیں۔ فریقین اب آدھا آدھا گھنٹہ لے لیں۔

حضرت علامہ خالد محمود صاحب مناظر اسلام

حضرات! قاضی نذیر احمد قادیانی کے اجرائے نبوت کے جملہ وسوسے میں نے دور

کر دیئے ہیں اور جتنے حوالے بھی انہوں نے پیش کئے سب کے جوابات دیئے جا چکے ہیں۔
اب آنحضرتﷺ کی ختم نبوت پر کچھ ہمارے دلائل بھی سن لیجئے۔ قاضی نذیر میں بھی اگر کچھ بھی ہمت ہے تو جواب دیں اور پھر جواب الجواب بھی سن لیں۔ میرے استدلال کا رخ اسی طرف ہوگا کہ حضورﷺ تاج دار ختم نبوت کے بعد کوئی ایسا نبی بھی ہرگز نہیں آسکتا کہ جو غیر تشریعی ہو لیجئے۔ دیکھئے کہ:

۱...... حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’**انه سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلهم یزعم انه نبی وانا خاتم النّبیین لا نبی بعدی**‘‘
(ہذا حدیث صحیح جامع ترمذی ج۲ ص۴۵ باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتیٰ یخرج کذابون طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

الف: اس حدیث میں حضورﷺ نے تصریح فرمائی کہ جھوٹے مدعیان نبوت امتی اور محمدی ہونے کے مدعی ہوں گے۔ چنانچہ لفظ فی امتی سے ظاہر ہے اور ان کے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ: ’’حالانکہ میں خاتم النّبیین ہوں۔‘‘ پس واضح ہوا امتی نبی ہونے کا دعویٰ بھی آیت: ’’خاتم النّبیین‘‘ کے خلاف ہے۔ پس حضورﷺ کے بعد کوئی تشریعی نبی بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

ب: آپ نے جھوٹے مدعیان نبوت کے جھوٹا ہونے کی دلیل یوں بیان فرمائی کہ وہ اپنے آپ کو نبی گمان کرے گا۔ حالانکہ میں خاتم النّبیین ہوں۔ معلوم ہوا کہ ان کے دجال اور کذاب ہونے کی سب سے بڑی دلیل ان کا مدعی نبوت ہونا ہے کسی اور دلیل کی حاجت ہی نہیں۔

ج: آپ نے آیت خاتم النّبیین کا معنی یہی بیان فرمایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ لفظ ’’خاتم النّبیین‘‘ جس سیاق وسباق میں وارد ہے، اس کے معنی ’’آخری نبی‘‘ کے سواء ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر یہ معنی کیا جائے کہ: ’’میرے بعد تیس دجال وکذاب امتی نبی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ حالانکہ میں نبیوں کی مہر ہوں جس سے میری امت میں نبی بنیں گے۔‘‘

تو کلام کس قدر لغو اور بیہودہ ہو جائے گا کہ اس میں اسی چیز کو ثابت کیا جارہا ہے۔ جسے رد کیا جارہا ہے۔ چہ جائے کہ: ’’افصح العرب والعجم‘‘ کی طرف منسوب کیا جاسکے۔ پس واضح ہوا کہ حضورﷺ کے نزدیک خاتم النّبیین کا معنی یہ ہے کہ کوئی امتی نبی بھی نہیں آئے گا۔

د: آپ نے آیت: ’’خاتم النّبیین‘‘ کی تفسیر جملہ ’’لانبی بعدی ‘‘ کے ساتھ بیان فرمائی۔ پس ’’لانبی بعدی ‘‘ کے معنی بھی متعین ہوگئے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی امتی نبی نہیں آئے گا۔ یادرکھئے! مرزا قادیانی خود فرماتے ہیں: ’’لانبی بعدی میں نفی عام ہے۔‘‘ (ایام الصلح ص۱۴۶، خزائن ج۱۴ص۳۹۳)

۲...... آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ: ’’یا رسول اللہ! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ چلے ہو۔‘‘

تو آپ نے انہیں یوں مطمئن فرمایا: ’’اما ترضٰی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسٰی الّا انه لا نبوة بعدی‘‘

(صحیح مسلم ج۲ص۲۷۸ باب من فضائل علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب)

(ترجمہ) ’’اے علیؓ! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔‘‘

اب یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام شریعت جدیدہ والے نبی نہ تھے۔ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے ماتحت تھے، ان کے ذکر کے بعد آپ کا ’’لانبی بعدی ‘‘ فرمانا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ حدیث: ’’لانبی بعدی ‘‘ کے معنی ہیں: ’’میرے بعد کوئی امتی نبی بھی نہیں آئے گا۔‘‘

۳...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے نقل فرماتے ہیں: ’’کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی وانه لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون قالوا فما تأمرنا یا رسول الله قال فوا ببیعة الاوّل فالاوّل الحدیث ‘‘

(صحیح بخاری ج۱ص۴۹۱ باب ماذکر عن بنی اسرائیل طبع قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم ج۲ص۱۲۶ باب وجوب الوفاء ببیعة الخلیفة الاوّل فالاوّل، مسند احمد ج۲ص۲۹۷ طبع المکتب الاسلامی بیروت)

بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کرتے تھے جب ایک نبی کی وفات ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے نبی کو اس کے بعد بھیج دیتے لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا یکے بعد دیگرے ہر بیعت پر وفا کرو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس امت میں ایسے نبی بھی نہیں ہوں گے، جیسے بنی اسرائیل کی سیاست کے لئے آتے تھے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کس قسم کے انبیاء تھے۔ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: ’’**انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی ونور یحکم بھا النّبیون**‘‘ (المائدہ:۴۴)

ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔ بعد کے انبیاء اس کے ساتھ حکم کیا کرتے تھے یعنی وہ انبیاء شریعت جدیدہ لے کر نہ آتے تھے بلکہ شریعت تورات کو ہی اپناتے تھے اور اسی کے مطابق حکم اور سیاست کیا کرتے تھے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں: ’’**تسوسھم الانبیاء ای انھم کانوا اذا ظھر فیھم الفساد بعث اللّٰہ لھم نبیًا یقیم لھم امرھم ویزیل ما غیّروا من احکام التوراۃ**‘‘

(ج۶ص۳۶۰ باب ماذکر عن بنی اسرائیل طبع دارالمعرفۃ بیروت لبنان)

(ترجمہ) جب بنی اسرائیل میں کوئی فساد ظاہر ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کے لئے کوئی نبی بھیج دیتے تھے جو ان کے معاملے کو درست کرے اور ان تحریفات کو دور کرے جو انہوں نے تورات میں کی ہوتی تھیں۔

الف: اس سے ثابت ہوا کہ یہ انبیاء بنی اسرائیل شریعت جدیدہ لے کر نہ آتے تھے بلکہ شریعت موسویہ کی اتباع میں تورات کو ہی نافذ کرتے تھے۔ پس ان کے ذکر کے بعد ’’**لانبی بعدی**‘‘ کا اعلان خود اس بات کی دلیل ہے کہ حضور ﷺ کی مراد اس حدیث سے یہی تھی کہ میرے بعد کوئی امتی نبی بھی نہیں آئے گا۔

ب: یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ آنحضرت نے صرف انقطاع نبوت کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ اس چیز کو بھی بیان فرمادیا جو بنی اسرائیل کی اس غیرتشریعی نبوت کے قائم مقام ہوگی یعنی خلافت جس سے مراد یہ ہے کہ اب غیرتشریعی انبیاء کی بجائے خلفاء ہوں گے۔

پس اگر کسی قسم کی نبوت باقی ہوتی تو آپ بجائے خلفاء کے ان نبیوں کا ذکر فرماتے۔ اپ کا صرف منصب خلافت کو باقی رکھنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد کوئی غیرتشریعی نبی بھی نہیں ہے۔

۴...... حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنٰی بنیاناً فاحسنہٗ واجملہٗ الّا موضع لبنۃ من زاویۃ من زوایاہ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ ویقولون ھلّا وضعت ھٰذہٖ اللبنۃ قال فانا اللبنۃ وانا خاتم النّبیین‘‘ (صحیح مسلم ج۲ص۲۴۸ باب ما ذکر کونہ ﷺ خاتم النّبیین، صحیح بخاری ج۱ص۵۰۱ باب خاتم النّبیین، مسند احمد ج۲ص۳۹۸ طبع المکتب الاسلامی بیروت، ترمذی ج۲ص۲۰۲ باب حدثنا محمد بن بشارنا...... الخ!)

(ترجمہ) میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے گھر بنایا اور اس کو بہت آراستہ وپیراستہ کیا، مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ پس لوگ اسے دیکھنے آئے اور خوش ہوئے اور کہتے کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ پس میں نے اس خالی جگہ کو پر کردیا اور میں خاتم النّبیین ہوں۔

اس تمثیل کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان سب انبیاء ہیں۔ آنحضرتﷺ کے تشریف فرما ہونے سے پہلے سارا محل تعمیر ہوچکا تھا اور صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی تھی۔ آنحضرتﷺ تشریف لائے تو قصر نبوت کی تکمیل فرمادی۔

الف: آنحضرتﷺ نے ’’مثل الانبیاء من قبلی‘‘ (جس میں انبیاء کا عموم بتلایا گیا ہے اور جس میں سب انبیاء شامل ہیں) ارشاد فرما کر آخر میں اپنے خاتم النّبیین ہونے کا اعلان فرمایا۔ پس واضح ہوگیا کہ جس طرح آپﷺ شریعت جدیدہ والے نبیوں کے خاتم ہیں، اسی طرح امتی نبیوں کے بھی آپ خاتم ہیں اور آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا کہ آپ سب کے خاتم النّبیین ہیں۔

ب: مکان کی آخری اینٹ سے تشبیہ دے کر آپ نے خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی متعین فرمادیئے۔

ج: قصر نبوت میں وہ انبیاء بھی شامل ہیں جن پر شرائع کا دارومدار ہے اور وہ بھی جو دوسرے انبیاء کی شرائع کی رونق ہیں یعنی امتی نبی۔ کیونکہ حضورﷺ نے اسے جس محل سے تشبیہ دی اس کی بھی دونوں چیزوں کا ذکر فرمایا۔ مکان بناء (بنی بنیاناً) اور اس کی تزئین (فاحسنہٗ واجملہٗ) اور حضور اس ساری تعمیر کی آخری اینٹ ہیں اور اسی معنی کے لئے آپﷺ نے آخر میں فرمایا کہ: ’’میں خاتم النّبیین ہوں۔‘‘

د: حضور ﷺ نے قصر نبوت کی آخری اینٹ ہونے کی دلیل یہ فرمائی کہ: ’’میں خاتم النّبیین ہوں۔‘‘ پس واضح ہوگیا کہ حضور کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا نہ شریعت جدیدہ والا اور نہ امتی۔

۵...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض طھوراً ومسجدا وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النّبیون‘‘ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۹۹ کتاب المساجد وموضع الصلوٰۃ)

مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی۔

۱...... مجھے جوامع الکلم عطاء ہوئے۔

۲...... میری مدد مجھے رعب عطاء کر کے کی گئی۔

۳...... مال غنیمت میری شریعت میں حلال کیا گیا۔

۴...... میرے لئے ساری زمین مسجد اور سامان تیمّم بنائی گئی۔

۵...... میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

۶...... اور انبیاء مجھ پر ختم کر دیئے گئے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ پہلی پانچ فضیلتیں جس طرح آپ ﷺ کو شریعت جدیدہ والے نبیوں پر حاصل ہیں۔ بطریق اولیٰ شریعت سابقہ کے امتی نبیوں پر بھی حاصل ہیں اور نبی کریم ﷺ ان فضائل میں افضل علی الاطلاق ہیں جن میں انبیاء کے تشریعی اور غیرتشریعی ہونے کی کوئی تفریق نہیں۔ پس لازم آیا کہ چھٹی فضیلت بھی اسی نوع کی ہو کہ آپ ﷺ پر ان سب انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا جن پر آپ ﷺ کو پہلی پانچ فضیلتیں حاصل تھیں۔ یعنی آپ ﷺ کی ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ پر شریعت جدیدہ والے اور شریعت سابقہ کے ماتحت رہنے والے سب نبیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا اور سیاق میں اگر ’’ختم بی النبیون‘‘ کا یہ معنی کیا جاوے کہ مجھ پر شریعت جدیدہ والے نبیوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تو حدیث کے پہلے حصہ کے ساتھ یہ کلام لغو ہو جائے گا۔ نہ کوئی ربط رہے گا اور نہ کوئی مناسبت جائے کہ اسے صاحب جوامع الکلم کی طرف منسوب کرسکیں۔ معاذ اللہ!

۶...... آنحضرتﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں یہ سوال ہوں گے: ’’من ربک، من نبیّک، ما دینک ‘‘ اور یہ حدیث متفق علیہ ہے اس میں صراحت ہے کہ وہاں نبوت کے متعلق سوال ہوگا تو یہی ہوگا کہ: ’’من نبیّک ‘‘ (تیرا نبی کون ہے) یہاں نبی واحد ہے جس کی جمع انبیاء آتی ہے۔ پس اگر اس امت کے لئے ایک سے زائد انبیاء مقدر ہوتے تو صورت سوال یوں ہوتی کہ: ’’تیرے نبی کون کون ہیں۔‘‘ پس جب ایسا نہیں تو ثابت ہوگیا کہ ہمارے لئے بس ایک اور ایک ہی نبی ہیں اور وہ تاجدار ختم نبوت آنحضرتﷺ ہیں۔ قاضی نذیر احمد قادیانی قبر میں اس موقع پر کیا جواب دیں گے کہ وہاں تو ایک ہی نبی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اگر حضورﷺ کا نام لیا تو مرزا قادیانی سے گئے اور مرزا قادیانی کا نام لیا تو حضورﷺ سے گئے۔

ضدان تفترقان ای تفرق

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ مرزا غلام احمد قادیانی تو غیر تشریعی کیا خود تشریعی نبوت کے بھی دعوے دار تھے۔ یہ میرے ہاتھ میں مرزا قادیانی کی کتاب تریاق القلوب ہے۔ اس کے ساتھ (ص۱۳۰) کے حاشیہ پر خود لکھتے ہیں۔

(صغریٰ) ’’یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے دعویٰ کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا یہ صرف ان نبیوں کی شان ہے جو خداتعالیٰ کی طرف سے شریعت اور احکام جدیدہ لاتے ہیں، لیکن صاحب شریعت کے ماسواء جس قدر ملہم اور محدث ہیں گو وہ کیسی ہی جناب الٰہی میں اعلیٰ شان رکھتے ہیں اور خلعت مکالمہ الٰہیہ سے سرفراز ہوں ان کے انکار سے کوئی کافر نہیں بن جاتا۔‘‘ (تریاق القلوب ص۱۳۰ حاشیہ، خزائن ج۱۵ ص۴۳۲)

(کبریٰ) اپنے نہ ماننے والوں پر فتویٰ کفر ملاحظہ ہو:

۱...... ’’ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔‘‘ (مکتوب مرزا غلام احمد بنام ڈاکٹر عبدالحکیم مندرجہ الذکر الحکیم نمبر۴ ص۲۳ تسلیم کردہ حقیقت الوحی ص۱۶۳، خزائن ج۲۲ ص۱۶۷)

۲...... ’’کفر دو قسم پر ہے۔ ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو نہیں مانتا اور اس کو باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے۔‘‘

اور آخر میں لکھا ہے: ’’اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں۔‘‘ (حقیقت الوحی ص۱۷۹، خزائن ج۲۲ص۱۸۵)

ان تصریحات سے واضح ہوا کہ مرزاغلام احمد نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر کہہ کر اپنے تریاق القلوب والے قول کے مطابق خود صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کو (حقیقت الوحی ص۱۵۹، خزائن ج۲۲ص۱۶۳) میں مرتد اور حضرت علامہ اقبال مرحوم کے والد کو (سیرت المہدی ج۳ص۲۴۹ روایت نمبر۸۵۸ قدیم، سیرت المہدی ج اوّل حصہ سوم ص۷۶۴ روایت نمبر۸۵۸ جدید) پر اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کا جرم صرف اتنا ہی تھا کہ انہوں نے مرزاقادیانی کے تعلق سے اپنے آپ کو پاک کر لیا تھا۔

اب ذرا مرزابشیرالدین محمود کو بھی سن لیجئے:

۳…… ’’دوسرا سوال آپ کا کفر کے متعلق ہے کہ بعض جگہ حضرت مسیح موعود (مرزا) نے علماء کے کفر کا فتویٰ لگانے کی وجہ سے غیراحمدیوں کو کافر قرار دیا ہے اور دوسری جگہ اپنے نہ ماننے کی وجہ سے انہیں کافر ٹھہرایا ہے۔ اس میں کوئی تناقض نہیں۔ یہ دونوں باتیں ایک ہی وقت میں جمع ہوسکتی ہیں۔ مؤمن کو کافر کہنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے اور ماموریت کے نہ ماننے کی وجہ سے بھی۔ حضرت مسیح موعود (مرزاقادیانی) امتی نبی تھے۔ امتی کو کافر کہہ کر بھی غیراحمدی کافر ہوگئے اور آپ کو نبی نہ مان کر بھی کافر۔‘‘

(اخبار الفضل قادیان ج۱۷ نمبر۷۷ ص۶ کالم نمبر۲، مؤرخہ ۴؍اپریل ۱۹۳۰ء)

اس تصریح سے ثابت ہوا کہ مرزاغلام احمد کا دعویٰ صاحب شریعت نبی ہونے کا تھا۔ مرزاقادیانی نے اگر شریعت محمدیہ میں کوئی تغیر نہ کیا ہوتا تو وہ زکوٰۃ کے علاوہ چندہ ماہواری کو اپنی امت پر فرض کیوں قرار دیتے۔ حالانکہ شریعت محمدیہ میں یہ مسئلہ قطعاً نہیں۔ مرزاقادیانی نے اس کے لئے نہ کوئی نصاب مقرر کیا۔ بلکہ ہر شخص پر اپنی یہ خودساختہ شریعت نافذ کر دی اور دعویٰ پھر بھی یہی ہے کہ میں نے شریعت نہیں بدلی۔

مرزاقادیانی کا اپنا لکھا ہوا اشتہار (لوح الہدیٰ، لنگرخانہ کے انتظام کے لئے) اس پر درج ہے: ’’ہر شخص کو چاہئے کہ اس نئے انتظام کے بعد نئے سرے سے عہد کر کے اپنی

خاص تحریر سے اطلاع دے کہ وہ فرض حتمی کے طور اس قدر چندہ ماہواری بھیج سکتا ہے۔ مگر چاہئے کہ...... فضول گوئی اور دروغ کا برتاؤ نہ کرے۔ ہر ایک شخص جو مرید ہے اس کو چاہئے کہ اپنے نفس پر کچھ ماہواری مقرر کردے خواہ ایک پیسہ ہو خواہ ایک دھیلہ اور جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا اور نہ جسمانی طور پر اس سلسلہ کے لئے کچھ بھی مدد دے سکتا ہے۔ وہ منافق ہے۔ اب اس کے بعد وہ اس سلسلہ میں نہیں رہ سکے گا۔''

(المشتہر مرزا غلام احمد مسیح قادیان مجموعہ اشتہارات ج سوم ص ۴۶۸، ۴۶۹)

قاضی نذیر احمد قادیانی مناظر

مولانا! آپ نے اپنی تقریر میں ۳۵ منٹ لئے ہیں۔ حالانکہ اصل ۱۵-۱۵ منٹ تھے۔ یہ ہمارے ایڈووکیٹ منور لطف اللہ نے جو ۲۰-۲۰ منٹ زیادہ کا نظام العمل تجویز کرلیا۔ یہ ان کی اپنی طرف سے تھا۔ میرے مشورہ سے ہرگز نہیں۔ اب میں بھی ۲۰ منٹ زیادہ لوں گا اور آپ کے اعتراضات اور دلائل کا جواب دوں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے بعد مناظرہ بند ہوگا۔ آپ اس کا جواب الجواب نہ دیں میں اپنی تقریر کرنے کے فوراً بعد چلا جاؤں گا۔ میں ابتداء میں مدعی تھا اور حافظ روپڑی صاحب مدعا علیہ تھے۔ آخری تقریر مدعی کی ہوتی ہے اور میں اپنی اسی تقریر کو آخری تقریر قرار دیتا ہوں۔

علامہ خالد محمود صاحب مناظر اسلام: (بات ٹوکتے ہوئے)

قاضی صاحب! ہم آپ کو اس طرح ہرگز نہیں جانے دیں گے۔ اگر آپ نے میرے دلائل کا جواب دیا تو پھر آپ کو جواب الجواب بھی سننے کے لئے تیار رہنا پڑے گا، مسئلہ مانیں اور یا منائیں اس طرح ہم مجلس برخواست نہ کریں گے۔ اگر آپ ہمارے دلائل سے جان چھڑانا چاہتے ہیں تو اپنی شکست کا واشگاف الفاظ میں اقرار کریں۔ اس کے بغیر ہم آپ کو ہرگز بھاگنے نہ دیں گے۔ قاضی صاحب! اگر آپ کو بھوک لگ رہی ہے تو ہم کھانا منگوا دیتے ہیں۔ اگر تھک گئے تو پندرہ منٹ آرام کرلیں لیکن ہم آپ کو بھاگنے نہیں دیں گے۔

قاضی نذیر احمد: میں کوئی قیدی ہوں جو یہاں سے جا نہیں سکتا، میں جاؤں گا۔

قادیانی ایڈووکیٹ لطف اللہ: حضرات! میں اس مناظرے کا ثالث ہوں قاضی

نذیر احمد اب جوابی تقریر کریں گے اور اس کے بعد مناظرہ بند ہوگا۔ قاضی صاحب کو جانے سے نہ روکا جائے۔

(حضرت مولانا) محمد الیاس: آپ یوں ہی خود بخود ثالث بن گئے۔ آپ تو اس مناظرہ میں فریق ہیں۔ بھلا کبھی کوئی فریق بھی ثالث ہوا ہے۔ آپ بلا کسی کے بنانے کے خود ہی ثالث بن رہے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: (بات کاٹتے ہوئے) جب لوگ نبی بھی خود ہی بن جاتے ہوں تو ثالث خود بخود بننا کیا مشکل ہے۔

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

ایڈووکیٹ منور لطف اللہ قادیانی: یہ بات اصول کی ہے کہ آخری تقریر مدعی کی ہوتی ہے۔ ہم مدعی تھے، لہٰذا آخری تقریر ہماری ہوگی۔ اب قاضی نذیر کی تقریر ہوگی۔ اس کے فوراً بعد ہم چلے جائیں گے۔ جوابی تقریر ہم ہرگز نہیں سنیں گے۔ ہم ساری رات کے لئے تیار ہوکر نہیں آئے تھے بلکہ ہمارے گھروں پر تو اطلاع بھی نہیں۔ لہٰذا ہم ضرور جائیں گے۔ کوئی ہمیں نہیں روک سکتا۔

علامہ خالد محمود صاحب: (بات ٹوکتے ہوئے) ایڈووکیٹ صاحب! یہ صحیح ہے کہ آخری تقریر مدعی کی ہوتی ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے کہ فریقین کی تقریروں کی تعداد اور اوقات کی تقسیم اور کل وقت کی تحدید پہلے سے مقرر ہو جب پہلے سے پتہ ہو کہ ہماری اتنی تقریریں ہوں گی تو وہ اپنی آخری تقریروں کو اسی مناسبت سے ترتیب دیتے ہیں اور ان میں مضامین اسی انداز میں آتے ہیں۔ گویا کہ یہ آخری باتیں ہیں اور مدعا علیہ کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد مجھے جواب الجواب کا موقع نہیں ملے گا۔ اس لئے وہ مدعی کو پابند کرتا ہے کہ وہ اپنی آخری تقریر میں کوئی نئی دلیل اور کوئی نئی بات پیش نہ کرسکے بلکہ صرف مدعا علیہ کی تقریر پر تنقید ہی کرے وغیرہ وغیرہ۔ نیز آخری تقریریں عموماً ۵-۵ منٹ کی ہوتی ہیں۔ یہ کیا کہ پہلے وقت ۱۵ منٹ سے بھی بڑھا کر ۳۵ منٹ کرایا اور اب اس ۳۵ منٹ کی تقریر کو آخری قرار دے کر خود ہی مناظرہ بند کر رہے ہیں۔ مناظرہ جاری رہے گا اور خواہ ساری رات جاری

رہے۔آخری تقریر تب ہوگی جب پہلے سے فیصلہ ہو کہ آخری تقریر کب ہوگی اور اس سے پہلے فریقین کی کتنی کتنی تقریریں ہوں گی۔ قاضی صاحب! آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔اب بھی ختم نبوت کا اسلامی عقیدہ تسلیم کرلیں، بھاگنے پر کیوں آمادہ ہوئے بیٹھے ہیں۔

قادیانی ایڈووکیٹ منور لطف اللہ: (بات ٹوکتے ہوئے) ہم ساری رات کے لئے تیار ہوکر نہیں آئے۔ میں ایڈووکیٹ ہوں مجھے عدالت کے کیس بھی تیار کرنے ہیں۔

علامہ صاحب بات ٹوکتے ہوئے: ’’آپ بے شک جاسکتے ہیں۔اپنے کیس تیار کرتے رہیں۔لیکن قاضی نذیر یہاں رہیں اور مناظرہ جاری رہے گا۔

قاضی نذیر احمد قادیانی مناظر: میں یہاں کیوں رہوں، میں جاؤں گا۔ میں کوئی قیدی ہوں مجھے کون روک سکتا ہے۔

اس کے بعد قاضی نذیر سر جھکائے ہوئے نہایت شکست خوردہ صورت میں پسپا ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے کتابوں کے بنڈل ان کی عبرت ناک شکست پر اور بوجھ دکھائی دیتے ہیں اور ان کی زبان حال یوں نغمہ سرا ہوتی ہے:

بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچہ سے ہم نکلے

اس کے بعد علامہ خالد محمود صاحب، حافظ روپڑی صاحب اور دوسرے علماء اور نوجوانان اسلام آپس میں آدھ گھنٹہ تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور ازاں بعد اہل اسلام کا فاتح قافلہ اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ (۱۸؍ستمبر ۱۹۶۲ء کا مناظرہ ختم نبوت یوں کامیابی سے ختم ہوا)

۲۳؍ستمبر ۱۹۶۲ء کا پرآشوب منظر

۱۸؍ستمبر ۱۹۶۲ء کو قادیانی حضرات قاضی نذیر احمد قادیانی کے ہاتھوں جس طرح بدنام ہوئے، اس سے قادیانیوں کو بہت ندامت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ چنانچہ اس ندامت کو سمیٹنے کے لئے وہ ۲۳؍ستمبر ۱۹۶۲ء کو اپنے مشہور مبلغ جلال الدین شمس کو لے کر پھر مال روڈ کے اسی مقام پر آگئے۔

حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی، حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی،

مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیر پوری اور مولانا حافظ ثناء اللہ صاحب بھی مقام مناظرہ پر بروقت آ پہنچے۔ جلال الدین قادیانی کو اصرار تھا کہ مناظرہ ختم نبوت پر ہو۔ مگر اہل حدیث احباب مصرّ تھے کہ ختم نبوت کا مناظرہ ۱۸؍تاریخ کو مکمل ہو چکا ہے۔ اب مرزا قادیانی کے صدق وکذب پر مناظرہ ہو۔ فریقین ایک دوسرے کے بالمقابل اسٹیج لگائے بیٹھے تھے اور قاصد ایک دوسرے کے پاس آجا رہے تھے، مگر مناظرہ کا آغاز نہ ہوا۔ اتنے میں اہل اسلام کے داعی بھٹی صاحب کے نمائندے راقم محمد الیاس غفرلہ کے ساتھ علامہ خالد محمود صاحب کے پاس گئے اور انہیں صورت حال سے مطلع کیا۔ علامہ صاحب اسی وقت تشریف لے آئے اور اس موضوع پر مناظرہ شروع ہو گیا کہ مناظرہ کس موضوع پر ہو۔ اس کے ضمن میں مسلمانوں اور مرزائیوں کے اختلافات کی حدود، مسائل کا تعین اور مختلف فیہ نظریات بڑی تفصیل سے زیر بحث آئے اور آخرکار اس موقع پر بھی امت مرزائیہ کو شکست فاش نصیب ہوئی۔

علامہ صاحب تشریف لاتے ہی سٹیج پر آ گئے۔ ان کے بائیں طرف حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی اور حافظ عبداللہ صاحب روپڑی بیٹھے تھے اور دائیں طرف مولانا حافظ ابراہیم کمیر پوری اور راقم (حضرت مولانا) محمد الیاس غفرلہٗ تھے۔

علامہ صاحب نے اسٹیج پر آتے ہی مناظرے کا آغاز کر دیا۔

علامہ صاحب: الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید المرسلین وخاتم الانبیاء امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

جلال الدین شمس: (اعوذ باللہ سے تڑپتے ہوئے نہایت غصے میں) آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں۔ حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی مناظرہ کریں۔ آپ اس وقت نہ مناظر ہیں نہ صدر اور یہ بات طے ہو چکی ہے کہ صدر اور مناظر کے سواء کسی کو تقریر کرنے کا حق نہیں۔

علامہ صاحب: آپ میری بات تو سنیں۔ اگر واقعی مجھے بولنے کا حق نہیں تو یہی بات آپ اپنی باری میں کہہ دیں۔ اب تو میری بات سنیں۔ آپ جو اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ مناظرہ ختم نبوت پر ہو۔ کیوں اس موضوع پر تو مناظرہ ۱۸؍ستمبر۱۹۶۲ء کو اسی جگہ ہو چکا ہے۔ آپ کے اور ہمارے عقائد ودلائل عوام کے سامنے آچکے ہیں۔ گھنٹوں اسی مسئلہ پر بحث ہوتی

رہی ہے۔اب یا تو آپ یہ تسلیم کریں کہ اس دن آپ کو شکست فاش ہوئی تھی اور آج محض اس دن کی ندامت سمیٹنے کے لئے آپ آئے ہیں۔ اس صورت میں ہم پھر ختم نبوت پر مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔لیکن جب تک آپ اپنی اس دن کی شکست کا اقرار نہ کرلیں۔ ہمارا مطالبہ یہی ہے کہ آج کے مناظرہ کا موضوع مرزا قادیانی کا صدق وکذب ہوگا۔

جلال الدین شمس: (بات کاٹتے ہوئے) آپ کو قطعاً بولنے کا حق نہیں اس وقت مناظر حافظ عبدالقادر ہیں وہ بولیں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہی کہ میں اپنی باری میں اس پر اعتراض کروں۔میری اور آپ کی کوئی باری مقرر نہیں اور میرے ذمہ آپ کی کسی بات کا جواب نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: (بات کاٹتے ہوئے) یہ بات بھی آپ اپنی باری میں کہیں۔اب میری باری ہے۔میری بات سن تو لیں۔

جلال الدین شمس: میرے ذمہ آپ کی کسی بات کا جواب نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: تو آپ اب میری بات کا کیوں جواب دے رہے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ آپ کے ذمہ میری کسی بات کا جواب نہیں۔ یہ خود میری ایک بات کا جواب ہے، اگر آپ کے ذمہ میری کسی بات کا جواب نہیں تو آپ میرے جواب میں اب بار بار کھڑے کیوں ہورہے ہیں۔ اگر آپ کے ذمہ کوئی جواب ہے تو آپ نے میری اصولی حیثیت تسلیم کرلی۔لہٰذا اب میری باری ہے اور آپ میری بات سنیں۔

جلال الدین شمس: اچھا دونوں فریق پانچ پانچ منٹ لے لیں۔لیکن مناظرہ حیات مسیح پر ہوگا۔حضرت مسیح موعود کی صداقت پر نہیں۔جب آپ کا پہلے سے ہی عقیدہ ہے کہ مسیح ناصری آسمان پر زندہ ہیں اور وہی نازل ہوں گے تو حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر ہم کتنے ہی دلائل دیں۔آپ انہیں قطعاً تسلیم نہ کریں گے۔ کیونکہ آپ کا بنیادی عقیدہ ہی حضرت مسیح کے آسمان پر ہونے کا ہے۔ پہلے یہ فیصلہ ہوجائے کہ حضرت مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں یا نہیں؟ پھر ختم نبوت پر دوبارہ مناظرہ ہوگا۔اس دن کے ۱۸؍ستمبر کے مناظرہ میں موجود نہیں تھا۔آپ جو کچھ کہتے ہیں کہ اس دن ہم احمدی شکست کھا گئے۔اگر ہم شکست کھا کر بھاگے ہوتے تو آج پھر کیوں آتے۔ ہمارا خود آنا

ہی دلیل ہے کہ ہم بھاگے ہرگز نہ تھے۔ اس ختم نبوت کے مناظرے کے بعد پھر حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر مناظرہ ہوگا۔ اب فریقین لکھ دیں کہ جو فریق مناظرہ کے لئے نہ آئے گا۔ ایک ہزار روپیہ دوسرے فریق کو ہرجانہ ادا کرے لیکن یاد رکھئے کہ ہم مرزا صاحب کے صدق وکذب پر پہلے مناظرہ ہرگز نہیں کریں گے۔

علامہ خالد محمود صاحب

حضرات! جلال الدین شمس کے بیان پر ذرا غور فرمائیے کہ فریقین لکھ دیں کہ جو فریق مناظرہ میں نہ آئے وہ ایک ہزار روپیہ ہرجانہ دوسرے فریق کو ادا کرے۔ حضرات ہم تو مناظرہ کے لئے آئے ہیں اور ابھی مناظرہ ہوگا۔ پھر نئی مجلس مناظرہ منعقد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم مناظرہ کے لئے ہی آئے ہیں اور اب مناظرہ کر کے ہی جائیں گے۔ دوستو! اگر قادیانی حضرات نے اب بھاگنے کی نیت نہ کی ہوئی ہو اور وہ اس وقت گریز پائی کے اسباب نہ تلاش کر رہے ہوں تو یہ جملہ ان کی زبان پر کیسے آیا کہ جو فریق مناظرہ میں نہ آئے پھر وہ یوں کہتے ہیں کہ جو فریق مناظرہ نہ کرے۔ جلال الدین شمس صاحب کا یہ فقرہ خود زبان حال سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ آج بھی ۱۸؍ستمبر کے مناظرہ ختم نبوت کی طرح قادیانی بوکھلائے ہوئے ہیں۔

پھر شمس قادیانی کا یہ کہنا کہ ۱۸؍ستمبر کو اگر ہمارے مناظر قاضی نذیر احمد بھاگے ہوتے تو آج پھر وہ یہاں کیوں آتے۔ شمس صاحب! اگر وہ آج پھر آئے ہیں تو دیکھئے تو سہی کس طرح چپ چاپ سرنگوں بیٹھے ہیں۔ آج کیوں نہیں بول رہے۔ آج پھر آئے ہیں تو آپ کو لے کر آئے ہیں اور اپنی بلا آج آپ کے گلے میں ڈال کر اب آپ کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ بھی ان کی امیدوں پر پورے نہیں اترے وہ تو چھ سات گھنٹہ مناظرہ کر کے بھاگے تھے اور آپ نے تو ابتداء ہی میں بھاگنے کی ٹھان لی اور کہہ دیا (کہ جو مناظرہ میں نہ آئے……الخ) اب آپ کو ہرگز بھاگنے نہ دیا جائے گا اور ختم نبوت پر مناظرہ صرف اسی صورت میں ہوگا کہ آپ اس دن کی شکست فاش مان لیں، وگرنہ آج کا مناظرہ مرزا قادیانی کے کذب وصدق پر ہوگا۔ کیونکہ آپ کی مجوزہ ترتیب میں بھی ختم نبوت کے بعد اسی موضوع کی باری ہے۔

قادیانی مناظر جلال الدین شمس

حضرات! مناظرہ پہلے حیات مسیح پر ہونا چاہئے۔ پھر حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر۔ اگر ثابت ہو جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں تو ہم مرزا صاحب کو چھوڑ دیں گے اور اگر یہ ثابت ہو کہ وہ فوت ہو چکے ہیں تو پھر ہم مرزا صاحب کی صداقت پر کہ وہ مسیح موعود ہیں، بحث کرنے کو تیار ہوں گے۔ ہاں اگر علامہ صاحب لکھ دیں کہ اس امت میں امتی نبی پیدا ہو سکتا ہے تو پھر ہم ابھی مرزا صاحب کی صداقت پر بحث کرنے کو تیار ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب مناظر اسلام

حضرات! اگر ہم یہ مطالبہ کریں کہ پہلے مرزا قادیانی کے صدق وکذب پر اس اعتبار سے بحث ہوگی کہ وہ مسیح موعود ہیں یا نہ؟ پھر قادیانی حضرات کو یہ حق پہنچتا ہے کہ پہلے حیات مسیح کا مسئلہ یعنی اسی مسیح ناصری کے آسمانوں پر زندہ ہونے کا مسئلہ طے ہو جانا چاہئے جو مریم طاہرہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے لیکن ہم جو مرزا قادیانی کے صدق وکذب پر مناظرہ کرنے کا کہہ رہے ہیں وہ یہ نہیں ہوگا کہ مرزا قادیانی مسیح موعود ہیں یا نہیں بلکہ مبحث یہ ہوگا کہ وہ ایک سچے اور شریف انسان اور پابند شریعت مسلمان بھی تھے یا نہیں اور ان پر وعدوں سے پھرنے، آبائی وراثت کو شریعت کے خلاف تقسیم کرانے، پابند رواج ہونے، غیر محرم عورتوں سے آزادانہ اختلاط کرنے، انگریزوں کی ایجنٹی کرنے، افیون کھانے، مخالفوں کو گالیاں دینے اور شراب وغیرہ حاصل کرنے کے الزامات کی تحقیق ہوگی اور یہ بھی زیر بحث آئے گا کہ ان کی پیش گوئیاں کیسے ہوائی فائر ہوتے تھے اور پھر ان کا کیا حشر ہوتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اگر ہم اس پر اصرار کریں کہ تو مناظرہ ان کے دعوے مسیحیت کے صدق وکذب پر ہوگا۔ پھر تو شمس قادیانی کا استدلال صحیح ہے کہ پہلے مسئلہ حیات مسیح اور پھر مرزا قادیانی کا صدق وکذب۔ لیکن ہم تو مرزا قادیانی کے صدق وکذب کو دوسرے پہلوؤں سے زیر بحث لانا چاہتے ہیں اور اسی میں قادیانی حضرات مناظرہ سے فرار کر رہے ہیں۔

جلال الدین شمس

حضرات میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ہم مرزا قادیانی کی صداقت پر قطعاً مناظرہ

نہیں کریں گے۔ مناظرہ ہوگا تو حیات مسیح پر اور پھر ختم نبوت پر دوبارہ ہوگا۔ ۱۸ر تاریخ کے مناظرہ میں، میں موجود نہ تھا۔ اس کا حوالہ میرے سامنے نہ دیں۔ مرزا صاحب کے صدق وکذب کو میرے سامنے زیر بحث نہ لائیں۔ ہاں اگر آپ لکھ دیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں اور اب مسیح موعود اسی امت میں پیدا ہونا تھا تو پھر بے شک مرزا صاحب کی صداقت پر مناظرہ کرلیں اور وہ بھی اسی حد تک کہ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود ہیں یا نہیں۔ یہ آپ نے کیا مبحث چھیڑ دیا کہ وہ ایک شریف انسان بھی تھے یا نہ؟ معاذ اللہ! ایک نبی اللہ کے متعلق آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب

اچھا ہم اپنے مختلف فیہ مسائل پر اسی ترتیب سے مناظرہ کیوں نہ کرلیں جس ترتیب سے کہ مرزائیت کی تحریک دنیا میں پیش ہوئی اگر مرزا قادیانی نے کسی قسم کے ملہم ربانی اور مامور یزدانی ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات یا اجرائے نبوت کے مسائل دنیا میں پیش کر رکھے تھے تو پھر بے شک ترتیب یہی ہو کہ پہلے وفات مسیح، پھر جریان نبوت، پھر مرزا قادیانی کا صدق وکذب۔ لیکن اگر مرزا غلام احمد کی تحریک مذہب ان کی اپنی وحی اور ان کے اپنے ملہم ربانی ہونے کے دعوؤں سے شروع ہوتی ہے اور پھر اس قادیانی وحی اور انگریزی الہامات کی روشنی میں حیات مسیح اور ختم نبوت کے مسئلوں میں ترمیم کی جاتی ہے تو پھر ترتیب وہی رکھیں جس ترتیب سے مرزائیت دنیا میں وجود پذیر ہوئی۔

لیجئے! یہ میرے ہاتھ میں مرزا قادیانی کی کتاب آئینہ کمالات اسلام ہے۔ اس کے (ص۵۵۲، خزائن ج۵ص ایضاً) پر خود لکھتے ہیں: ’’**وکنت اعلم ان وفات المسیح حق ثابت بالنصوص البینة القطعیة القرآنیه والحدیثیه واعلم ان الھامی لاغبار علیه ولا تلبیس ولا تخلیط ومع ذالک کان یقینی بان اعتقاد المسلمین فی نزول المسیح حق لا شبھة فیه ولا ریب**‘‘

(ترجمہ) میں جانتا تو تھا کہ وفات مسیح حق ہے۔ قرآن وحدیث کے قطعی دلائل سے ثابت ہے اور یہ بھی جانتا تھا کہ میرے اس الہام میں کوئی غبار اور تلبیس نہیں۔ مگر اس کے

باوجود میرا اعتقاد یہی تھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ نزول مسیح کے مسئلہ میں بالکل حق ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ نہیں۔

اور پھر یہ میرے ہاتھ میں حقیقت الوحی ہے اس کے (ص۱۵۰، خزائن ج۲۲ ص۱۵۳) پر مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: ''خداتعالیٰ کی وحی بارش کی طرح میرے پر نازل ہوئی۔ اس نے مجھے اس عقیدہ پر نہ رہنے دیا اور صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔''

پھر مرزا بشیرالدین محمود اپنے خطبہ جمعہ ستمبر۱۹۴۱ء میں کہتے ہیں: ''حقیقت الوحی کے حوالے نے واضح کر دیا کہ نبوت اور حیات مسیح کے متعلق آپ کا عقیدہ پہلے عام مسلمانوں کی طرح تھا۔ مگر پھر دونوں میں تبدیلی فرمائی۔''

(اخبار الفضل قادیان ج۲۹ نمبر۲۰۵ ص۴ کالم نمبر۴، مؤرخہ ۶؍ستمبر۱۹۴۱ء خطبہ جمعہ)

پھر آگے اسی خطبہ جمعہ میں ہے: ''دعوے مسیحیت کی بابت بھی تبدیلی جبراً بذریعہ وحی ہوئی اور نبوت کے متعلق بھی سابقہ عقیدہ میں وحی نے جبراً تبدیل کرائی۔''

(الفضل قادیان ج۲۹ نمبر۲۰۵ ص۴ کالم نمبر۳، مؤرخہ ۶؍ستمبر۱۹۴۱ء)

پس جب مرزائیت کا سلسلہ پہلے مرزا قادیانی کی اپنی وحی اور ان کے اپنے مامور وملہم ہونے کے دعوؤں سے شروع ہوتا ہے اور پھر ان کے مطابق حیات مسیح اور ختم نبوت کے مسئلوں میں ترمیم کی جاتی ہے تو ضروری ہے کہ ہم اسی ترتیب سے موضوعات مختلفہ اپنے سامنے لائیں جس ترتیب سے کہ مرزائیت دنیا میں پیش ہوئی تھی۔

شمس صاحب! آپ اس ترتیب سے آج پیچھا کیوں چھڑا رہے ہیں۔ مرزائیت اسی ترتیب سے تو عہد انگریزی میں آئی تھی۔

قادیانی مناظر جلال الدین شمس

حیات مسیح کا مسئلہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور اس پر دلائل قطعیہ ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا صاحب کی وحی سے پہلے بھی یہ مسئلہ قطعی طور پر ثابت تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں، اس میں کوئی اخفاء نہ تھا۔ مگر مرزا قادیانی کی وحی نے اس کی طرف محض توجہ کرائی تھی۔ مرزا قادیانی پر وحی آتی یا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہرحال فوت ہوچکے

تھے اور یہی عقیدہ قرآن اور حدیث نے بیان کیا تھا اور جو لوگ اس کے خلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں۔ وہ قرآن وحدیث کی رو سے مجرم اور گنہگار ہیں۔ اس عقیدہ کے غلط ہونے کے لئے مرزا قادیانی کی وحی ہی کوئی سبب نہیں نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوچکے اور آپ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب پہلے ان غلط عقیدوں پر کیوں تھے یہ کوئی قابل اعتراض نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت پر بھی جب تک خدا کی وحی نہ آتی انہی عقیدوں پر اعتقاد رکھتے جو اہل کتاب میں معروف ومشہور چلے آتے تھے۔

علامہ خالد محمود صاحب

جلال الدین شمس نے کہا ہے کہ وفات مسیح کا عقیدہ قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں۔

شمس صاحب! آپ ذرا نص قطعی کی تعریف تو کریں میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آپ کو نص قطعی کی تعریف نہیں آتی عوام پر رعب ڈالنے کے لئے یوں ہی ایسے الفاظ بول رہے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ وفات مسیح کے مسئلہ میں کوئی اخفاء نہ تھا۔ یہ مرزا قادیانی کے اپنے بیان کی رو سے خود غلط ہے۔ یہ میرے ہاتھ میں آئینہ کمالات اسلام ہے۔ اس میں مرزا قادیانی وفات مسیح کے متعلق لکھتے ہیں: ’’**مافهم المسلمون حقيقة لان الله تعالىٰ اراد اخفاء**‘‘ (آئینہ کمالات ص۵۵۲، خزائن ج۵ ص ایضاً)

مسلمان اس مسئلہ کی حقیقت نہ سمجھے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس کے اخفاء کا ارادہ کر رکھا تھا۔

ب: بتایئے شمس صاحب! کہ اس مسئلہ میں اخفاء تھا یا نہیں تو پہلے اسی موضوع پر (کہ مرزا قادیانی سچے ہیں یا جھوٹے) مناظرہ کیوں نہ ہو جس ترتیب سے کہ مرزائیت دنیا کے سامنے آئی پھر آپ کا یہ کہنا کہ مرزا قادیانی کی وحی ہوتی یا نہ، حیات مسیح کا عقیدہ پھر بھی غلط تھا اور ایسا عقیدہ رکھنے والے گنہگار تھے۔

یہ لیجئے مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں: ’’**انّ الذين خلوا من قبلی لا اثم عليهم وهم مبرّؤن**‘‘ (استفتاء ضمیمہ حقیقت الوحی ص۴۲، خزائن ج۲۲ ص۶۶۴)

بے شک جو لوگ مجھ سے پہلے اس عقیدہ حیات مسیح پر گزر چکے ان پر ایسا عقیدہ رکھنے کا کوئی گناہ نہیں اور وہ بالکل بری ہوں گے۔

آگے پھر لکھتے ہیں: ’’الذین خلوا من قبلی فھم عند ربھم معذرون‘‘

(استفتاء ص۴۴، خزائن ج۲۲ ص۶۶۶ مطبوعہ قادیان)

اس عقیدہ پر مجھ سے پہلے گزرنے والے اپنے پروردگار کے ہاں معذور ہوں گے۔

شمس صاحب! اگر وہ لوگ معذور ہوں گے تو ان کا عذر آخر یہی تو ہوگا کہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث میں واضح نہ تھا۔ ورنہ ان کے معذور ہونے کے اور کیا معنی۔ پھر آپ کا یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ وفات مسیح نص قطعی سے ثابت ہے آپ کو تو نص قطعی کی تعریف بھی نہیں آتی۔

باقی آپ نے صحیح بخاری کا جو حوالہ دیا ہے وہ پیش کریں کہ آنحضرت ﷺ پر جب تک خداتعالیٰ کی وحی نہ آتی اہل کتاب کے عقیدوں کے ہی پابند رہتے۔

جلال الدین شمس: (ٹوکتے ہوئے) یہ حدیث ہے اور صحیح بخاری میں ہے۔

حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی (حافظ عبداللہ صاحب روپڑی سے استفسار کرنے کے بعد) یہ حضور ﷺ پر جھوٹ ہے۔ یہ حدیث کہیں نہیں۔ آپ اس حدیث کو پیش کریں اور عقیدے کا لفظ دکھائیں۔

جلال الدین شمس: میں نے عقیدے کا لفظ ہی نہیں کہا پھر اس کا مطالبہ مجھ سے کیوں کرتے ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب: (ٹیپ ریکارڈ لگانے والے کو مخاطب کر کے) بھائی! جلال الدین شمس کی پہلی تقریر کا ریکارڈ دوبارہ لگائیں۔ (ٹیپ ریکارڈر...... پھر عقیدے کا لفظ دہراتا ہے اور جلال الدین شمس بہت ہی شرمندہ ہوجاتے ہیں۔ آنکھ اوپر نہیں اٹھ سکتی، رنگ اڑ جاتا ہے اور شرم کے مارے سر نہیں اٹھاتے لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ مگر علماء اسلام نے انہیں منع کردیا۔ پھر علامہ خالد محمود صاحب نے ایک فقرہ بول کر اپنی باری پوری کردی)

علامہ خالد محمود صاحب: پس جب حیات مسیح اور ختم نبوت کے عقیدے میں مرزائی حضرات نے مرزا قادیانی کو ملہم ومامور ماننے کے بعد تبدیلی کی اور وہ تبدیلی بھی قرآن

وحدیث کی روشنی میں نہیں بلکہ مرزا قادیانی کی وحی کے اندھیرے میں اور پھر وہ بھی جبراً تو مرزائی حضرات سے ہمارا پہلا موضوع مناظرہ یہی ہونا چاہئے کہ مرزا قادیانی ایک سچے انسان تھے یا جھوٹے۔

قادیانی مناظر جلال الدین شمس: مجھے نص قطعی کی تعریف آتی ہے بیان اس لئے نہیں کررہا کہ یہ علمی مباحث عوام کے نہیں میں ان فنی اصطلاحات میں نہیں جانا چاہتا۔ آپ خواہ مخواہ ان علوم وفنون کو سامنے لاکر عوام کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں۔

حافظ ثناء اللہ صاحب: (ٹوکتے ہوئے) آپ نص قطعی کی تعریف کریں۔

جلال الدین شمس: نص قطعی وہ ہے جس میں دوسرے معنی کا کوئی احتمال نہ ہو۔

راقم محمد الیاس: (ٹوکتے ہوئے) یہ تو قطعی کی تعریف ہوئی اور نص کی تعریف اور آپ چھوڑ ہی گئے۔

جلال الدین شمس: مجھے نص کی تعریف آتی ہے مگر یہاں عوام زیادہ ہیں۔ ان کے سامنے ان علمی باتوں کا کیا فائدہ؟

حدیث میں ہے: ''کلموا النّاس علی قدر عقولھم ''لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو۔ حضرات! آپ نے اگر مناظرہ کرنا ہے تو میں پہلے حیات مسیح پر ہی کروں گا۔ پھر آپ جس موضوع پر چاہیں مناظرہ ہوگا۔ میں حضرت مرزا صاحب کے صدق وکذب پر پہلے مناظرہ کرنے کو قطعاً تیار نہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب

حضرات دیکھئے شمس صاحب خود ہی کہہ رہے ہیں کہ اس مجمع میں عوام زیادہ ہیں۔ ان کے سامنے ان علمی باتوں کا کیا فائدہ۔ حدیث میں ہے: ''کلّموا الناس علیٰ قدر عقولھم ''لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو۔ شمس صاحب کا یہ بیان اگرچہ اس وجہ سے ہے کہ انہیں اس وقت نص قطعی کی تعریف نہیں آرہی اور وہ اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ انداز استدلال اختیار کررہے ہیں تاہم ہمارا پھر بھی اس میں فائدہ ہے اور حقیقت میں یہ ہمارے مؤقف کی ہی تائید ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ آج موضوع مناظرہ مرزا قادیانی کا

صدق وکذب ہوگا ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں بیشتر مرزا قادیانی کی اپنی کتابیں ہی پیش ہوں گی جوکہ زیادہ تر اردو میں ہی ہیں اور ہمارے اس موضوع کا مدار استدلال بھی چونکہ مسائل کی نسبت زیادہ تر واقعات ہی ہوں گے۔ اس لئے یہ موضوع عوام کی سمجھ کے بہت قریب ہوگا۔ اس میں مسائل عالیہ اور ان کے ضمن میں علوم آلیہ کچھ کم ہی زیر بحث آئیں گے ادبی اور تفسیری مباحث بھی کم ہی چھیڑیں گے اور سب سامعین اس موضوع مناظرہ سے برابر کے لطف اندوز ہوں گے۔ شمس صاحب نے نص قطعی کی تعریف سے بچنے کے لئے جس بات کا سہارا لیا ہے کہ مجمع میں عوام زیادہ ہیں، ان کے سامنے علمی باتوں کا کیا فائدہ۔ اسی اصول کی بنیاد پر میں پھر عرض کرتا ہوں کہ آج کا موضوع مرزا قادیانی کا صدق وکذب ہی ہونا چاہئے۔ مجمع عوام کا ہے ان کے سامنے علمی باتوں سے کیا فائدہ: عطائے تو بہ لقائے تو

جلال الدین شمس

حضرات مجھے نص قطعی کی تعریف آتی ہے۔ آپ مجھ پر یقین کریں اسی طرح ہم مرزا صاحب کی صداقت پر بھی بحث کر سکتے ہیں اور اس کے لئے ہمارے پاس بڑے مضبوط دلائل موجود ہیں۔ مگر آج ہم ان کو پیش نہیں کریں گے بلکہ آج کا موضوع حیات مسیح ہی ہوگا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں تو آپ بالکل سچے قرار پاتے ہیں اور ہم غلط اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات آسمانی ہی ثابت نہ ہوتو پھر مرزا صاحب یقیناً سچے ہیں میں تو صدق وکذب کے موضوع پر آج مناظرہ ہرگز نہ کروں گا۔

حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی: (بات کاٹتے ہوئے) اچھا ہم آپ کو اس طرح بھی بھاگنے نہیں دیں گے۔ آپ پہلے حیات مسیح پر ہی مناظرہ کرلیں مگر شرط یہ ہے کہ پھر مرزا قادیانی کے صدق وکذب پر بھی آپ کو مناظرہ کرنا پڑے گا۔ ایک ایک گھنٹہ دونوں تینوں موضوعات پر مناظرہ رکھ لیں۔ موضوع پورا ہو یا نہ ایک ایک گھنٹہ کی بحث کے بعد اسے چھوڑ کر دوسرا موضوع اختیار کرنا ضروری ہوگا اور ان دوسرے موضوعات پر بحث کرنے کے بغیر کوئی فریق جانے میں حق بجانب نہ ہوگا۔

جلال الدین شمس: مگر اس کی صورت یہ ہوگی کہ حیات مسیح میں آپ لوگ مدعی

ہوں گے اور مرزاصاحب کی صداقت کے ہم لوگ مدعی ہوں گے۔ آپ اس مبحث میں صرف مدعا علیہ ہوں گے۔

علامہ خالد محمود: ایسا ہرگز نہیں انصاف یہ ہے کہ جس جس موضوع پر جس جس فریق نے اصرار کیا ہے اور دوسرے سے باصرار اس موضوع کو منوایا ہے وہ اس اس موضوع میں مدعی ہو وفات مسیح کا موضوع آپ کا پیش کردہ ہے۔ اس میں مدعی آپ ہوں گے اور ہم مجیب۔ پھر بعدازاں مرزا قادیانی کے کذب کے ہم مدعی ہوں گے اور آپ مدعا علیہ۔ کذب مرزا قادیانی ہمارا موضوع ہے۔ آپ اس میں مدعی نہیں ہوسکتے۔ آپ کا کام اس مبحث میں فقط ہمارے دلائل توڑنا ہے۔ اپنی طرف سے مرزا قادیانی کی صداقت پر دلیل نہیں لانا۔ ہاں! اگر آپ ہمارے دلائل نہ توڑ سکنے کا اقرار کرلیں تو اس اقرار عجز کے بعد آپ کو معارضے کے طور پر مرزا قادیانی کی صداقت پیش کرنے کا حق ہوگا۔ مگر اس کے بغیر میں جواب بالمعارضہ کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ اس سے مبحث خلط ملط ہوجاتا ہے۔

جلال الدین شمس: میں اس طرح ہرگز مناظرہ نہ کروں گا کہ آپ مرزا قادیانی کے کذب پر دلائل دیتے رہیں اور میرے ذمہ صرف ان دلائل کا توڑنا ہی ہو اور مجھے خود مرزا صاحب کی صداقت پر دلائل پیش کرنے کا حق نہ ہو۔ یہ کیا استدلال ہے کہ جو جو موضوع کسی فریق نے پیش کیا ہے، وہی اس میں مدعی ہو یہ ٹھیک ہے کہ وفات مسیح کے موضوع پر میں نے ہی اصرار کیا تھا لیکن میں اس میں مدعی نہیں بننا چاہتا۔ اسی طرح صدق وکذب کا موضوع جو آپ کا پیش کردہ ہے، اس میں ہم مدعی بننا چاہتے ہیں۔ ہم مرزاصاحب کی صداقت کے مدعی ہوں گے اور آپ فقط معترض ہوں گے اور ہمارے دلائل توڑنا آپ کے ذمہ ہوگا۔

علامہ خالد محمود صاحب

یہ عجیب طریقہ ہے کہ موضوع کسی کا پیش کردہ ہو اور اس میں مدعی کوئی دوسرا بن بیٹھے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ شمس صاحب ہر مبحث میں مدعی وہی ہوگا جس نے کہ باصرار وہ موضوع دوسرے سے منوایا ہے۔ ہم مرزا قادیانی کے کذب پر دلائل پیش کریں گے۔ اگر ہمارے استدلال میں کوئی غلطی ہوگی تو آپ اسے ظاہر کریں گے۔ اس سے مسئلہ اور واقعہ کھل کر

سامنے آسکے گا اور اگر آپ ہمارے دلائل کو توڑنے کی بجائے اس کے برعکس مرزا قادیانی کی صداقت پر دلائل پیش کرنا شروع کردیں تو اس سے ہمارے حاضرین کا ذہن اور الجھ کر رہ جائے گا اور حقیقت حال پھر پس پردہ رہ جائے گی۔ جب تک فریق مقابل پہلے فریق کے پیش کردہ دلائل توڑ نہ لے اس وقت تک اسے اس کے خلاف اپنے نئے دلائل پیش کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں! اگر مجیب اصل دلیل نہ توڑ سکنے کے عجز کا اقرار کرلے تو پھر جواب لمعارضہ کی بھی اجازت ہوگی۔ یہ کیا کہ اگر میں یہ ثابت کروں کہ مرزا قادیانی نے فلاں جگہ سے شراب منگوا لی تھی اور یہ کہ غیر محرم عورتوں کا ان سے آزادانہ اختلاط تھا اور یا یہ کہ وہ انگریزوں کے پولیٹکل ایجنٹ تھے اور یہ کہ ان کی پیشتر پیش گوئیاں محض ہوائی فائر ہوتے تھے تو میرے ان دلائل کو توڑنے کے لئے آپ یہ ثابت کرنا شروع کردیں کہ مرزا قادیانی بڑے نمازی تھے، بڑے مصنف تھے، بڑے نعت خواں تھے تو کیا ان باتوں سے بناء بر تقدیر ثبوت میرے اصل دلائل غلط ثابت ہوجائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ پس میرا مطالبہ یہی ہے کہ شمس صاحب! آج ہمارے ’’مرزا قادیانی کے کذب‘‘ کے دلائل توڑیں اور سامعین کے سامنے بھی کوئی حقیقت کھلے۔

جلال الدین شمس: آپ بار بار کہہ رہے ہیں کہ ہمیں جواب بالمعارضہ کا حق نہیں ہوگا یہ قواعد کے خلاف ہے معارضہ دوسرے کی دلیل توڑنے کے لئے ہی ہوتا ہے۔ میں نے بڑے بڑے مناظرے کئے ہیں۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی، مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی ان بڑے بڑے لوگوں سے میرے مناظرے ہوئے ہیں۔ آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ معارضے کے ساتھ دوسرے کی دلیل پر نقض وارد نہیں ہوتا۔

علامہ خالد محمود صاحب: (بات کاٹتے ہوئے) شمس صاحب! آپ کو معارضے کی تعریف تک کا پتہ نہیں۔ فرمائیے! آپ معارضہ بالقلب چاہتے ہیں یا معارضہ بالمثل کے مدعی ہیں۔ معارضے کی تعریف کیجئے۔

جلال الدین شمس: مجھے معارضے کی تعریف آتی ہے معارضہ یہ ہے: ’’اتیان الدلیل علیٰ خلاف ومدعیٰ المدّعی‘‘

علامہ خالد محمود صاحب: (بات کاٹتے ہوئے) یہ غلط ہے۔ معارضہ کی تعریف یہ

ہے:''اقامة الدليل علٰی خلاف ما اقام الدليل عليه الخصم '' یہ ہرگز نہیں جو شمس قادیانی بیان کررہے ہیں۔

جلال الدین شمس: نہیں غلط یہ ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔اقامۃ الدلیل نہیں بلکہ اصل اتیان الدلیل ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب

(فن مناظرہ کی اصولی کتاب رشیدیہ سے اس مبحث کو نکال کر کتاب ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کا (ص۳۰) کھول کر) حضرات! یہ ہے میرے ہاتھ میں رشیدیہ جو مطبع مجتبائی دہلی کی طبع شدہ ہے اس کے (ص۳۰) پر معارضہ کی تعریف یہ لکھی ہے:''والمعارضة اقامة الدليل على خلاف ما اقام الدليل عليه الخصم''

شمس صاحب! یہ دیکھ لیجئے یہ آپ کے پیش کردہ الفاظ اتیان الدلیل ہیں یا یہ میرے پیش کردہ''اقامة الدليل''کے الفاظ ہیں۔

(جلال الدین شمس کا رنگ اب بالکل ہی اڑ جاتا ہے شرم چھپنے کا موقع نہیں دیتی عوام وخواص کے سامنے علمی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے اور مرتب روئیداد''واذالشمس کورت''کے پیش نظر علامات قیامت کا تصور باندھتا ہے۔عوام تالیاں بجانے لگتے ہیں۔مگر انہیں پھر روک دیا جاتا ہے)

حضرات! شمس قادیانی جو ابھی تک حضرت مولانا مرتضٰی حسن صاحب، مولانا ثناء اللہ صاحب اور مولانا ابراہیم صاحب کے مناظروں کو نہیں بھولے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مناظروں میں بھی ان قادیانی حضرات کو وہ زک اٹھانی پڑی تھی اور اتنی ذلت سمیٹنی پڑی تھی کہ اب تک یہ مناظرے ان کو بھول نہیں رہے۔ اگر ان مناظروں نے قادیانی امت کے سر کو واقعی نہیں چکرا دیا تھا تو اب تک ان کی دہشت اور اہمیت ان کی نظر وفکر پر کیوں مستولی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب ان بزرگوں کے نمائندے اور وارث کون ہیں...... وہی......جنہیں دیکھ کر آج انہیں مولانا ثناء اللہ صاحب کا نقشہ یاد آرہا ہے۔

جلال الدین شمس: آپ لوگ خواہ مخواہ ہمیں تنگ کررہے ہیں ہم اس طرح اوران شرطوں سے مناظرہ کرنے کو قطعاً تیار نہیں۔ اگر مناظرہ کرنا ہے تو ہمارے پیش کردہ موضوع میں آپ مدعی بنیں اورآپ کے پیش کردہ موضوع میں ہم آپ کے مدعی ہوں گے۔

(عوام میں سے ''الٹی منطق الٹی منطق'' کی آوازیں اٹھتی ہیں اورقاضی نذیر احمد اورمولوی عبداللطیف قادیانی مبلغ اپنی مرزائی سٹیج کی کتابیں باندھنا شروع کردیتے ہیں)

نمائندہ مرزائیت محمد اشرف: حضرات! میں احمدیوں کی طرف سے اور بھٹی صاحب غیراحمدیوں کی طرف سے ہم دونوں مل کر علامہ خالد محمود صاحب اورمولانا جلال الدین صاحب شمس کے ساتھ علیحدگی میں کوئی بات چیت کرلیں؟

(عوام اس کی اجازت دیتے ہیں اورچاروں حضرات ایک دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ پانچ منٹ کے بعد یہ حضرات باہر آتے ہیں)

علامہ خالد محمود صاحب

حضرات! ان حضرات کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ ہمارا پروگرام اتنے وسیع اجتماع میں تبادلہ افکار کا نہ تھا۔ اب چونکہ یہاں اس کثیر تعداد میں لوگ جمع ہوگئے ہیں، اس لئے ہم اس صورت میں مناظرہ نہیں کرنا چاہتے۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ یہاں علیحدگی میں ہم چاروں مل کر تبادلہ خیالات کرتے رہیں۔ میں نے اسے منظور نہیں کیا اوریہی کہا ہے کہ مناظرہ ہوگا تو ان سب حضرات کے سامنے ہوگا جو صبح سے یہ تمہیدی مناظرہ سن رہے ہیں۔ ورنہ مناظرہ ہوگا ہی نہیں۔ اگر آخر میں یہی کرنا تھا تو صبح سے یہ مناظرہ کیوں شروع کررکھا تھا۔ (پانچ گھنٹے کی اس عبرتناک شکست کے بعد مرزائی مبلغین قاضی نذیر احمد کی قیادت میں پسپا ہوتے ہیں اورپھر مجلس برخاست ہوتی ہے)

اسلام زندہ باد ختم نبوت زندہ باد

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء سے متعلق

دس سوالات

کے

جوابات

جسٹس (ر) حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفصیلی فہرست

سوال نمبر۱	۴۳۳
سوال نمبر۲	۴۳۶
افہام وتفہیم کے مراحل	۴۳۷
سوال نمبر۳	۴۴۱
سوال نمبر۴	۴۴۲
سوال نمبر۵	۴۴۳
سوال نمبر۶	۴۴۵
سوال نمبر۷	۴۴۷
سوال نمبر۸	۴۴۸
سوال نمبر۹	۴۴۹
سوال نمبر۱۰	۴۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمیں کینیڈا سے اقبال شاہد اکیڈمی ٹورنٹو کا ایک مراسلہ موصول ہوا، جس میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے بارے میں دس سوال اس کے سیاسی اور واقعتی پہلوؤں سے کئے گئے ہیں۔ پہلے سوال نقل کیا جاتا ہے اور پھر اختصار کے ساتھ اس کا جواب سپرد قلم ہے۔

سوال نمبر۱:

اگر یہ تحریک مذہبی تحریک تھی تو سچی ہمدردی، پرخلوص سیاسی سپرٹ اور روحانی واخلاقی اقدار کی حامل ہوگی۔ برائے مہربانی بتائیں کہ ان اوصاف کا تحریک میں کتنا عملی حصہ تھا؟

جواب: ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کا مقصد، جیسا کہ واقعات سے معلوم ہے۔ اسلام کے ارفع واعلیٰ عقیدہ ختم نبوت کو پاکستان کی تعمیر میں واقعی ایک ایسی اساس مہیا کرنا تھا، جس کے تحت واقعی ایک اسلامی مملکت بن سکے اور آئندہ یہاں پاکستان میں نفاذ اسلام کا عمل اپنی پوری بہار پر آسکے، جو افراد، کارکن اور جماعتیں اس میں شریک ہوئیں۔ ان کے اخلاص اور ان کے خالص دینی جذبات کے لئے حسب ذیل شواہد موجود ہیں۔

۱...... مجلس احرار اسلام کے قائدین جو سابقاً اپنی مستقل سیاسی سوچ رکھتے تھے، انہوں نے یہاں کے مسلمانوں کی متاع ایمان بچانے اور پاکستان کی اندرونی اسلامی تعمیر کے لئے اپنی سیاسی حیثیت علی الاعلان ختم کی۔ کھلم کھلا اپنی سیاسی شکست تسلیم کی تاکہ ختم نبوت کی آئندہ محنتوں میں کوئی سیاسی آلودگی ساتھ نہ ہو۔ اس وقت کے سیاسی قائدین یا بعض افسران انتظامیہ اگر ان کے اس جذبہ اخلاص کو پالیتے اور وہ ختم نبوت کے تقدس کو مجلس احرار اسلام کی مطالبہ پاکستان کی سابقہ مخالفت سے بار بار نہ جوڑتے تو پاکستان کے ان حالات کا رخ یقیناً ان حالات سے مختلف ہوتا جو بعد ازاں واقع ہوئے۔

۲...... پاکستان کے متعدد مذہبی فرقے جو آپس میں ایک دوسرے سے بہت دور ہیں، انہیں پاکستان کی آئندہ دینی تعمیر اور ایک ملّی وحدت کے لئے ایک دوسرے کے قریب کرنا اور نفرتوں کے باہمی فاصلوں کو کم کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں ملک کے مختلف الخیال ۳۱ علماء کرام کراچی میں جمع ہوئے اور ایک مشترکہ اسلامی سلطنت کی تشکیل کے خدوخال طے

کئے گئے۔ ان میں سب کے اتفاق سے قادیانی شامل نہ کئے گئے۔ سو مسلمانوں کے مختلف الخیال مکاتب فکر کا یہ پہلا فیصلہ تھا کہ پاکستان میں قادیانی بطور مسلمان کے ہمارے کسی دائرہ اور شعبہ میں داخل نہیں۔ اب ختم نبوت پر جمع ہوئے بغیر ان کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کی اور کوئی صورت نہ تھی۔ یہ ان جماعتوں کا انتہائی اخلاص تھا کہ اپنے باہمی اختلافات کے باوجود وہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوگئیں۔ اگر یہ تحریک شروع نہ کی جاتی تو پاکستان کو ایک اسلامی سلطنت بنانے کا وہ مشترکہ خاکہ کلیتہً رد ہو جاتا۔ جن حضرات نے ۱۹۵۱ء کی وہ میٹنگ بلائی اور قادیانیوں کو ملت اسلامیہ سے کلیتہً علیحدہ رکھا۔ ان کے اس مؤقف کی موافقت میں تحریک ختم نبوت شروع کرنا کسی بدنیتی یا سیاسی غرض مندی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

نیز انکوائری رپورٹ میں مسلمانوں کے سب طبقوں کا ختم نبوت کی اس تحریک کی حمایت کرنا ان الفاظ میں ملتا ہے۔ ’’اس شورش کو جماعت اسلامی، اہل سنت والجماعت، اہل حدیث اور شیعوں کی حمایت حاصل ہے۔ پھر صاحب گولڑہ شریف (ضلع راولپنڈی)، پیر صاحب سیال شریف (ضلع سرگودھا)، پیر صاحب علی پور سیداں (ضلع سیالکوٹ)، پھر شوکت حسین (سجادہ نشین پیر صاحب ملتان) اور بعض دیگر حضرات نے اس شورش کو برکت کی دعا دی ہے۔‘‘ (منیر انکوائری رپورٹ ص۱۴۴)

اس فہرست میں مجلس احرار اسلام کا ذکر نہیں۔ گو وہ بھی ان میں شامل تھی۔ یہ اس لئے کہ اصلاً یہ تحریک ایک خالص مذہبی تحریک تھی۔ مجلس احرار کی وجہ سے اسے حکومت اور انتظامیہ کا سیاسی رنگ دینا محض ایک چال تھی۔ حکومت اور انتظامیہ کا ایک مصلحتی انداز تھا۔ واقعات حکومت کے اس مؤقف کی تائید نہیں کرتے۔

۳...... تحریک ختم نبوت کے قائدین اور کارکنوں نے جیسا کہ منیر انکوائری رپورٹ سے پتہ چلتا ہے، اپنے اس مؤقف کی بناء پاکستان کے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی کتاب ’’الشہاب‘‘ پر رکھی تھی۔ مولانا عثمانی بلاشبہ تحریک پاکستان کے صف اوّل کے قائد تھے۔ اس لئے ’’الشہاب‘‘ کے بیان کردہ مضامین پاکستان کے خلاف کسی طرح شمار نہیں کئے جاسکتے۔ اگر اس تحریک کا مقصد پاکستان میں کوئی سیاسی ناہمواری پیدا کرنا ہوتا تو اس کی اساس مولانا عثمانی کے مذکور رسالہ پر کیوں رکھی جاتی۔ حکومت اور انتظامیہ نے اس رسالہ پر پابندی لگادی

تھی۔ اس صورتحال سے پتہ چلتا ہے کہ تحریک کے قائدین تو اپنے مطالبات میں پورے اخلاص سے کام کررہے تھے۔ حکومت اور انتظامیہ ان کی روک تھام میں مخلص نہ تھی۔ اس نے اصولوں کو طاقت سے دبانے کی غلط پالیسی اختیار کر کے ملک کو فسادات میں جھونک دیا تھا۔

۴...... ۱۹۵۰ء میں مسٹر انور علی ڈی.آئی.جی، سی.آئی.ڈی نے جو رپورٹ گورنر پنجاب کو پیش کی اس میں نمبر۴ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔ ''بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان احرار لیڈروں کی نیت پر اعتراض کریں یا ان سے اتنا ہی پوچھ لیں کہ آخر وہ ان احمدیوں کے خلاف اتنا شور کیوں مچا رہے ہیں۔'' (منیرانکوائری رپورٹ ص۲۱)

حکومتیں رائے عامہ کا ہمیشہ احترام کرتی ہیں۔ حکومت اور افسران مسلمانوں کے ان مطالبات پر محض اس لئے سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ ان کے خیال میں اس تحریک کے بعض راہنما پہلے تقسیم ملک کے خلاف تھے اور عامۃ الناس قادیانیوں کی قابل اعتراض سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ یہ دیانتدارانہ رائے رکھتے تھے کہ احرار لیڈر مسلمانوں کا دین وعقیدہ بچانے کے لئے اس دینی مہم میں مخلص ہیں۔

انتظامیہ کی رپورٹوں میں بار بار اس مؤقف کو بیان کیا گیا کہ اگر ان راہنماؤں کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کی گئی تو اس کا عوام پر اچھا اثر نہ پڑے گا۔ وزیر داخلہ نے کہا: ''اگر موجودہ مرحلے پر جماعت احرار اور اس کے کارکنوں کے خلاف اقدام کیا گیا تو ان کی ہردلعزیزی کئی گنا بڑھ جائے گی۔'' (منیرانکوائری رپورٹ ص۲۲)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں اس وقت رائے عامہ یہی تھی کہ یہ تحریک خالص مذہبی تقدس کی حامل ہے اور حکومت کے بعض افسران قادیانیوں کی اندرونی انگیخت پر احرار کے سابق سیاسی مؤقف سے جوڑ رہے ہیں۔ ان افسران کا قادیانیوں سے یہ رازدارانہ تعلق نہ ہوتا تو چیف سیکرٹری پنجاب نے ۲۸؍فروری ۱۹۵۳ء کو ڈپٹی کمشنروں کو جو ہدایات دیں، ان میں ضلع کے قادیانی سربراہوں کو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ ''ان سے خاص طور پر یہ کہہ دیا جائے کہ حکومت کے موجودہ اقدامات پر اظہار مسرت سے بھی محترز رہیں۔ کیونکہ ایسے اظہار سے حکومت کے خلاف جانب داری کا غلط احساس پیدا ہوسکتا ہے۔'' (منیرانکوائری رپورٹ ص۱۵۱)

چیف سیکرٹری صاحب کو جو بات یہاں کھٹک رہی ہے، اس کا عامۃ الناس پر اثر یہی تھا کہ علماء اپنے مطالبات کو سنجیدگی سے اور دین ومملکت کی بہتری کے لئے پیش کر رہے تھے اور حکومت میں ایسے بہت سے افسران تھے، جو ان پیش آمدہ حالات میں مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے تیار نہ تھے اور اسے خواہ مخواہ تقسیم ملک کے سیاسی موضوع سے جوڑ رہے تھے۔

۵...... قائدین تحریک ختم نبوت کے اخلاص اور نرمی کی اس سے بڑی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ انہوں نے قادیانیوں کے بارے میں وہ مؤقف اختیار کیا جو ایک غیر مسلم حکومت (انگریز حکومت) کے تحت مسلمانوں کے حقوق کو قادیانی دستبرد سے بچانے کے لئے ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے پیش کیا تھا کہ قادیانیوں کو ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور ان کے حقوق اور ذمہ داریاں مسلمانوں سے علیحدہ طے کی جائیں۔ اب جب کہ پاکستان ایک اسلامی حکومت بنا تو اس میں قادیانیوں کا وجود خلاف قانون قرار دیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن علماء نے یہاں نرم ترین مؤقف اختیار کیا کہ شاید اس راہ سے قادیانیوں کو پھر مسلمان ہونے کا موقعہ مل سکے۔

۶...... تحریک کے اخلاص اور تقدس کا ایک کھلا نشان یہ بھی ہے کہ متعدد حالات اور حکومتوں سے گزرنے کے باوجود اس کا تقدس مجروح نہ ہوا۔ مطالبات باقی رہے اور چلتے رہے اور ۱۹۷۴ء میں بالآخر یہ تحریک کامیاب ہوکر رہی۔ اس سے بڑھ کر اس کے ابتدائی قائدین کے خلوص اور حسن نیت کا اور کیا آسمانی نشان ہوگا؟

سوال نمبر۲:

ایک ارفع مقصد کے حصول کے لئے نظم وضبط افہام وتفہیم اور ضابطہ اخلاق کی جتنی ضرورت ہوتی ہے، کیا تحریک کو وہ سب حاصل تھے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ ان کے بغیر تحریک کیوں شروع کی گئی تھی؟

جواب: ایک خالص دینی مقصد کے حصول کے لئے جس قسم کے نظم وضبط کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بلاشبہ اس تحریک میں موجود تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قائدین کے پاس وہ آئینی قوت موجود تھی جو حکومت اور انتظامیہ کے پاس فوج اور پولیس کی شکل میں موجود ہوتی ہیں۔ حکومت اگر غلط فیصلہ کرے اور تحریک کو دبانے کے لئے پولیس اور فوج کا

غلط استعمال کرے اور نہتے عوام اس صورتحال کا مقابلہ نہ کرسکیں تو اس کا یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ قائدین تحریک کے پاس نظم وضبط کی قوت نہ تھی اور وہ اس کے بغیر تحریک چلا رہے تھے۔ عوام میں سے بھی کچھ لوگ نظم وضبط سے بھٹک جائیں تو اس سے قائدین تحریک مجروح نہیں ہوتے۔ جس طرح جنگ احد میں بعض لوگوں کے درّہ چھوڑنے سے آنحضرت ﷺ کی جنگی تیاری مجروح نہیں کی جاسکتی، نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا نظم وضبط پر مکمل کنٹرول نہ تھا۔

نظم وضبط قائم رکھنے سے اگر یہ مراد ہے کہ جن مختلف الخیال مسلمانوں نے اس تحریک کو اٹھایا وہ آخر تک اپنے اس مؤقف پر قائم رہے یا نہ؟ تو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ دیوبندی اہل سنت، بریلوی اہل سنت، اہل حدیث اور شیعہ اس وقت سے لے کر اب تک اس بات پر پختگی سے قائم ہیں کہ قادیانی غیرمسلم ہیں اور انہیں مسلمانوں کے حقوق میں سے کسی حق میں حصہ دار نہیں بنایا جاسکتا۔ ان کی سیٹیں اور ان کے حقوق مسلمانوں سے علیحدہ بطور ایک اقلیت ترتیب پائیں گے۔

اور اگر نظم وضبط سے یہ مراد ہے کہ کیا تمام جماعتیں اور علماء آخر دم تک اس تحریک کے ساتھ رہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی عالم دین کا ساتھ نکلنا یا نہ نکلنا یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ اس کا تعلق جس فرقہ سے ہے اس کی نمائندگی آخر تک اس تحریک کے ساتھ رہی۔ سوائے ایک آدھ سیاسی جماعت کے کسی دینی جماعت نے قادیانیوں کے خلاف ان کئے گئے مطالبات سے سرمو انحراف نہیں کیا۔

افہام وتفہیم کے مراحل

علماء کرام نے قادیانیوں کی سرگرمیوں اور مسلمانوں کے آئینی تقاضوں سے مرکزی اور صوبائی حکومت کو خبردار کرنے کے لئے متعدد ملاقاتیں کیں۔ تحریک یونہی اچانک بےخبری میں شروع نہیں کردی گئی۔ اس کے لئے ہرممکن انسانی بساط تک ارکان حکومت اور عوام کو مطلع کیا جاتا رہا ہے۔

۱...... مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے وزیراعظم خان لیاقت علی خان سے سمبڑیال (ضلع سیالکوٹ) ریلوے اسٹیشن پر ان کے ریل کے سیلون میں ملاقات کی اور

وزیراعظم پاکستان کو قادیانی عقائد، ان کے عزائم اور ان کی فحش زبانی سے مطلع کیا۔ خان لیاقت علی خان نے دوسری ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ مگر قاضی صاحب ساتھ نہ جاسکے۔ البتہ قاضی صاحب نے اس کے لئے کراچی آنے کا وعدہ کرلیا۔

۲...... قاضی صاحب نے پھر خواجہ ناظم الدین وزیراعظم سے ملاقات کی اور ان کی توجہ قادیانی سرگرمیوں کی سنگینی کی طرف مبذول کرائی۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی بھی اس ملاقات میں ساتھ تھے۔ یہ ملاقات ۳؍مارچ ۱۹۵۰ء کو ہوئی۔ (منیر انکوائری رپورٹ اردو ص۱۲۷) پر اس کا ذکر موجود ہے۔

۳...... پھر مجلس عمل کا ایک وفد ۱۳؍اگست اور پھر ۱۶؍اگست کو وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ملا۔ ۱۶؍اگست کی ملاقات میں سردار عبدالرب نشتر اور مسٹر مشتاق احمد گورمانی بھی موجود تھے۔

۴...... مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش، شیخ حسام الدین اور مولانا داؤد غزنوی نے ۲۹؍ستمبر ۱۹۵۲ء کو چیف منسٹر پنجاب سے ملاقات کی اور قادیانیوں کے بارے میں انہیں قوم کے احساسات اور اپنے مؤقف سے مطلع کیا۔

۵...... پھر ۲۲؍جنوری ۱۹۵۳ء کو مجلس عمل کا ایک وفد مولانا عبدالحامد بدایونی کی قیادت میں وزیراعظم خواجہ ناظم الدین سے ملا۔ یہ حکمران طبقے سے افہام وتفہیم کے مراحل تھے۔ ان ملاقاتوں کے علاوہ اور بھی متعدد مواقع پر صوبائی اور مرکزی حکومتوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان سے تین سو نوّے (۳۹۰) میٹنگیں کیں۔ (منیر انکوائری رپورٹ ص۱۰۰) کے مطابق ۱۶۷ مجلس احرار اسلام اور ۲۲۳ دوسرے عام مسلمانوں کے انصرام سے منعقد ہوئیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام مسلمان مجلس احرار کی نسبت اس میں زیادہ فعّال تھے۔

ان پبلک میٹنگوں میں قائدین تحریک کا انداز عمل کیا تھا۔ اسے چیف منسٹر پنجاب نے اپنے ڈائریکٹر تعلقات عامہ سے دریافت کیا۔ (منیر انکوائری رپورٹ ص۹۰) کے مطابق میر نور احمد نے چیف منسٹر کو اطلاع دی کہ: ’’احراری لیڈر حکومت کے ساتھ تصادم سے بچنے اور اپنی تحریک کو آئینی طریقے سے جاری رکھنے کے خواہش مند ہیں۔‘‘

جہاں تک قادیانیوں سے افہام وتفہیم کا تعلق ہے علماء کرام نے اس موضوع پر ایک ہزار سے زیادہ تالیفات کی ہیں، جن میں مرزا غلام احمد قادیانی کے جملہ شبہات کو تارتار

کر کے دکھایا گیا ہے۔ ان میں کئی کتابوں کے انگریزی ترجمے بھی ساتھ ساتھ ہیں اور یہ کتابیں اردو، عربی، فارسی، انگریزی مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ اس سے بڑھ کر مسئلہ قادیانیت کی اور کیا تشریح کی جاسکتی تھی۔ ان سب صالح کوششوں کے باوجود قادیانیوں کی ضد اور حکمرانوں کی حقیقت حال نہ سمجھنے کی ناعاقبت اندیشی ہی دو وجوہ ہیں، جنہوں نے حالات کو ابتر بنادیا۔ پھر اسی پر بس نہیں۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے یہاں تک کیا کہ خواجہ نذیر احمد کو اپنا خاص نمائندہ بنا کر ربوہ بھیجا اور مرزا بشیر الدین سے کہلوایا کہ اگر وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے نبوت سے نیچے کسی اور منصب کے مدعی ہو جائیں تو وہ علماء سے ان کے اس مؤقف کو نرم کرنے کی گزارش کرسکیں گے اور حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔

اس درجہ تک کی مصالحانہ کوششوں کے باوجود قادیانی اپنے عقیدہ اور عزائم سے ذرا پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ملک کی وفادار کوئی حکومت ایسے نازک موڑ پر کہ پاکستان کو معرض وجود میں آئے ابھی چند سال ہی ہوئے ہیں اور اسے اسّی لاکھ مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ درپیش ہے۔ غذائی بحران، قحط کی زد میں آچکا ہو۔ پھر وہ عوام سے اس ناعاقبت اندیشی سے ٹکر لے اور ملک کے مذہبی احساسات کو جن کے بل بوتے پر یہ ملک بنا ہے، انہیں اس طرح جنرل اعظم کے مارشل لاء کے ذریعے کچلے پاکستان کی تاریخ میں حکومت کا یہ غلط اقدام ایک ایسا سیاہ دھبہ ہے جو شاید ہی کبھی دھل سکے۔

وزیراعظم خواجہ ناظم الدین کی وزارت الٹی اور نئے وزیراعظم محمد علی بوگرہ کی کابینہ میں ظفر اللہ خان کے نہ ہونے سے کیا پاکستان معاذ اللہ! ختم ہوگیا تھا اور کیا امریکہ نے ہمیشہ کے لئے گندم بند کردی تھی؟ پاکستان خدا کے فضل سے اب بھی موجود ہے اور ظفر اللہ خان کی بساط وزارت اور سیاست سے ہٹنے کے باوجود زندہ ہے اور زندہ رہا تو کیا ان حالات نے خود نہیں بتادیا کہ اس وقت کی حکومت کا یہ مؤقف کہ اگر ان مطالبات کو قومی سطح پر تسلیم کرلیا گیا تو پاکستان چل نہیں سکے گا۔ ہرگز صحیح نہ تھا۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں ایک سوال خود پیدا کریں اور ساتھ ہی اس کا جواب بھی عرض کردیں۔ سوال یہ ہے کہ منیر انکوائری رپورٹ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قائدین تحریک قادیانیوں کے خلاف بہت نامناسب اور فحش زبان استعمال کرتے رہے اور

انہیں برسرعام گالیاں دیتے رہے۔ افہام وتفہیم کے مراحل میں اس انداز بیان کو پسند نہیں کیا جاسکتا۔ جواب یہ ہے کہ رپورٹ مرتب کرنے والوں نے اس باب میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ قادیانی لٹریچر میں مسلمانوں کے خلاف جس فحش بیانی، بازاری زبان اور غیراخلاقی انداز کو اختیار کیا گیا ہے۔ علماء جب بھی اسے عوام کی عدالت میں لاتے رپورٹ لکھنے والے اسے علماء کے نام سے لکھتے اور پھر افسران بالا مکھی پر مکھی مارتے ہوئے اسے علماء کے کھاتے میں ڈال دیتے۔ ہم یہاں اس کی صرف دو مثالیں سامنے لاتے ہیں۔

۱...... (منیرانکوائری رپورٹ ص۱۶) پر ایک جلسہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس جلسہ میں جو تقریریں کی گئیں ان کا ایک نمونہ مولوی محمد حیات کی تقریر کی روداد میں ملے گا۔ آپ نے کہا: ''اگرچہ یہ مرزاغلام احمد قادیانی جھوٹا تھا۔ لیکن ہم اس کو الزام نہیں دیتے۔ کیونکہ وہ صرف کبھی کبھی زنا کرتا تھا۔ ہمارا اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے جو ہر روز زناکاری کا مرتکب ہوتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ یہ قادیانیوں کے پرچہ (الفضل قادیان مؤرخہ ۳۱؍اگست ۱۹۳۸ء) کی رپورٹ ہے۔ مرزابشیرالدین محمود نے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ تحریر کسی پیغامی (قادیانیوں کی لاہوری جماعت کے جماعتی آرگن کا نام پیغام صلح تھا) کی معلوم ہوتی ہے۔ اصل الفاظ ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کریں کہ منیرانکوائری رپورٹ میں کس خلاف احتیاط انداز میں قادیانیوں کی فحش زبانی علمائے اسلام کے ذمہ لگادی گئی۔ ''اس کی سلسلہ سے محبت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ ایک خط جس کے متعلق اس نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اسی کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر یہ تحریر کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود ولی اللہ تھے اور ولی اللہ بھی کبھی کبھی زنا کرلیا کرتے ہیں اور اگر انہوں نے کبھی کبھار زنا کرلیا تو اس میں حرج کیا ہوا۔ پھر لکھا ہے ہمیں حضرت مسیح موعود پر اعتراض نہیں۔ کیونکہ وہ کبھی کبھی زنا کیا کرتے تھے۔ ہمیں اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے۔''

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان ج۲۶ ص۶ نمبر۲۰۰، مؤرخہ ۳۱؍اگست ۱۹۳۸ء)

۲...... ایک اور حوالہ لیجئے۔ (منیرانکوائری رپورٹ ص۲۲) پر ہے: ''احراری مقررین نے بارہا کہا ہے کہ مہاتما گاندھی اور احمدیوں کے خلیفہ ہم بستر ہوئے تھے۔ اس قسم کی نفرت انگیز اور مکروہ ترین ظرافت علی الخواص ایک اسلامی مملکت میں ہرگز قابل برداشت نہیں ہونی

چاہئے۔'' یہ قصہ احراری مقررین کی ایجاد نہیں۔ مرزابشیرالدین کا ایک اپنا خواب ہے، جس کو ان کے جماعتی آرگن ''الفضل'' نے ۱۲؍اپریل ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں اس طرح نقل کیا ہے: ''فرمایا آج رات میں (مرزامحمود) نے سحری سے پہلے ایک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جگہ میرا بستر بچھایا جارہا ہے یا بچھایا جانے والا ہے اور کوئی شخص مجھے آکر کہتا ہے کہ گاندھی جی آپ سے ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی شرط یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر سوئیں گے۔ پہلے تو مجھے یہ شرط سن کر نفرت سی ہوئی۔ پھر میں نے یہ خیال کر کے کہ اس طرح اگر صلح کی کوئی صورت ہوتی ہو تو کیا حرج ہے۔ کہا کہ اچھا مجھے منظور ہے۔ چنانچہ وہ آگئے اور ایک ہی بستر پر وہ بھی لیٹ گئے اور میں بھی لیٹ گیا اور ان کا جسم کچھ موٹا سا معلوم ہوتا ہے اور اوپر کے دھڑ پر بھی کپڑا ہے۔ (ان کی عادت کے خلاف) اس کے بعد ایک یا ڈیڑھ منٹ لیٹ کر ہی وہ اٹھ بیٹھے۔'' (الفضل قادیان ج۳۵ نمبر۸۷ ص۲)

سوال نمبر۳:

علماء پاکستان نے نیک نیتی اور جذبہ خیرخواہی سے کام لے کر احمدیوں کے غلط عقیدے کی اصلاح کے لئے کیا کوششیں کیں؟ کتنی ملاقاتیں کی گئیں اور ان ملاقاتوں کا نتیجہ کیا نکلا؟

جواب: علماء کرام قادیانیت کے آغاز ہی سے نیک نیتی اور جذبہ خیرخواہی کے ساتھ اسلام کی اعتقادی سرحدوں کا پہرہ دیتے رہے اور قادیانیوں کو قرآن وحدیث کی معنوی تحریف سے روکتے رہے اور انہیں خداتعالیٰ کے آخری دین کی طرف دعوت دیتے رہے۔ ان کی مساعی کا سلسلہ بہت کامیاب رہا اور کروڑوں مسلمان ان کے جال میں جانے سے بچ گئے اور اب تک مسلمانوں میں یہ محنت جاری ہے۔ سینکڑوں سعید ارواح نے بھٹک جانے کے بعد بھی حق کی آواز کو اپنے دل کی پکار جانا اور اصل دین کی طرف لوٹ آئے۔ قادیانیت کی راہ پر آنے والوں نے جب بھی علماء کرام کی دعوت کا سنجیدگی اور تدبر سے جائزہ لیا ہے۔ اس نتیجہ پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی کہ قادیانیت پرانے اسلام سے ایک کلی مقاطعہ ہے اور یہ راہ جہنم سے ہوکر گزرتی ہے۔ آنکھوں دیکھے مکھی نہیں نگلی جاسکتی۔ ایسے لوگوں نے جلد ہی فطرت کی آواز پر لبیک کہا اور حضرت محمد خاتم النّبیین ﷺ کے دین کو اختیار کرلیا۔ قادیانیت کے خلاف سب سے بڑے مناظر حضرت مولانا لال حسین صاحب اختر بھی

قادیانیوں ہی سے صف اسلام میں آئے تھے۔ جنہوں نے مسلمان ہوکر ’’ختم نبوت‘‘ کی تبلیغ میں ساری عمر گزار دی۔ علماء اسلام نے قادیانی الحاد کی اصلاح کے لئے اردو، عربی فارسی اور انگریزی میں متعدد کتابیں لکھیں۔ متعدد مجالس میں ان سے باہمی اختلافی امور پر گفتگو کی۔ افسوس کہ قادیانی مبلغین اپنی ضد پر اڑے رہے۔ پھر علماء کرام نے قادیانی سربراہ کو مباہلہ تک کی دعوت دی۔ جسے قادیانیوں نے یکسر نظر انداز کر دیا۔ اس سے زیادہ اور کیا کارروائی ہوسکتی تھی، جس سے ان کے غلط عقائد کی اصلاح کی جاتی۔ قادیانیوں کی اس ضد نے مسلمانوں کو اس پر مجبور کیا کہ اب انہیں آئینی طور پر اپنے سے علیحدہ رکھنے کے لئے ان کے غیر مسلم اقلیت ہونے کی تحریک چلائی جائے۔

سوال نمبر۴:

یہ تحریک اس وقت کیوں شروع کی گئی، جب پاکستان کو معرض وجود میں آئے محض چار پانچ سال ہوئے تھے؟ اور اسے ۸۰ لاکھ مہاجرین کی آبادکاری کا مرحلہ درپیش تھا اور غذائی بحران قحط کی زد میں آچکا تھا اور قوم کا مورال جوناگڑھ، مانا ودر اور حیدرآباد پر بھارتی قبضہ کے باعث بے حد گر چکا تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ دشمن کشمیر میں پاکستان سے نبرد آزما تھا؟

جواب:

۱...... یہ ملک اسلام کے نام پر بنا تھا اور ابھی قوم میں اسلامی جذبات پوری قوت سے کارفرما تھے اور ایسے وقت اسے اسلامی بنانے کے لئے ہر اقدام عوام میں جلدی لائق قبول بنایا جاسکتا تھا۔ اس لئے اس میں دیر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھی۔

۲...... کشمیر کی آزادی کے لئے مسلمانوں میں جذبہ جہاد کا استحکام اور اس کی دینی حیثیت کا اجراء ازبس ضروری تھا۔ قادیانی اپنے عقیدے کی رو سے جہاد کو بدترین مسئلہ سمجھتے تھے۔ ان حالات میں قادیانی عقائد کو مسترد کئے بغیر مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا پہرہ نہیں دیا جاسکتا تھا۔

۳...... قادیانی سربراہ اپنے قیام قادیان میں یہ اعلان کر چکا تھا کہ تقسیم ملک عارضی ہوگی۔ اگر یہ لوگ مسلمانوں میں ملے جلے رہیں تو عام مسلمانوں میں پاکستان کے عدم استحکام اور تقسیم ملک کے عارضی ہونے کے خیالات عام ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے تحریک جلد شروع کرنی ضروری تھی۔ قادیانیوں نے پاکستان آکر صاف کہا کہ ہم مجبوراً یہاں آئے

ہیں۔ اگر ہمیں مار مار کر نہ نکالا جاتا تو ہم یہاں نہ آتے۔ (روزنامہ الفضل لاہور ج۲ ش۱۱۸ ص۲)

۴...... قائدین ختم نبوت کے پیش نظر اپنے مطالبات تسلیم کر کے ملک کو استحکام اور مسلمانوں کی اسلامی قدروں کو فروغ مہیا کرنا تھا اور ان کا قادیانی نظریات وعقائد سے تحفظ کرنا تھا۔ ہنگامہ آرائی ان کے مقاصد میں نہ تھی۔ یہ ذمہ داری حکومت اور انتظامیہ کی تھی کہ وہ ان خالص دینی مطالبات کو تسلیم کر کے رعایا کو مطمئن رکھتی اور کسی طرح کا ہنگامہ واقع نہ ہونے دیتی۔ یہ سوال تو اس وقت کے سیاستدانوں اور حکمرانوں سے ہونا چاہئے تھا کہ انہوں نے اس وقت نوزائیدہ ملک میں عوام سے ٹکر لینے اور خود اسلام سے ٹکرانے کا یہ خطرہ کیوں مول لیا۔

۵...... قادیانی افسر جو مختلف کلیدی عہدوں پر کام کر رہے تھے۔ پاکستان کی نئی آبادکاری میں مسلمانوں کے حقوق دبا کر قادیانیوں سے ہر مرحلے میں ترجیحی برتاؤ کرتے تھے۔ الاٹمنٹوں اور تقرریوں میں ہر قادیانی افسر قادیان پرستی کے نشہ میں سرشار تھا۔ ان نازک حالات میں پاکستان کے طول وعرض سے قائدین ختم نبوت کو خطوط ومراسلات ملتے۔ وفود کے وفود آتے۔ ان حالات میں عوام کی خاموشی خود اپنی خودکشی کے مترادف تھی اور ظاہر ہے کہ کوئی زندہ قوم اسے برداشت نہیں کرتی۔

۶...... بیرون ملک پاکستانی سفارت خانے قادیانیت کے تبلیغی اڈے بن گئے تھے۔ ان حالات میں پاکستان کو اسلامی ممالک میں کبھی ہمدردی اور برادری کے نقطۂ نظر سے نہ دیکھا جاسکتا تھا۔ بیرون ملک اسلامی قومی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے وزارت خارجہ کو قادیانی سربراہی سے بچانا ضروری تھا۔

سوال نمبر۵:

وزیراعظم کہتے تھے میں ظفراللہ کو کیسے نکال دوں۔ انہیں قائداعظم نے اس منصب پر فائز کیا تھا۔ دوسرا جواب یہ تھا کہ اگر ظفراللہ خان کو نکال دیا گیا تو امریکہ سے گندم کا ایک دانہ بھی پاکستان کو نہ ملے گا۔ تیسرا جواب یہ تھا کہ ظفراللہ خان کو ہٹانے سے ہندوستان دریاؤں کا رخ بدل دے گا اور پاکستان کی زمین بنجر اور ویران ہو جائے گی۔

جواب:

۱...... قائداعظم کی سیاسی شخصیت بہت اونچی تھی اور ان کی نظر دوررس تھی۔ ان کے

ہوتے ہوئے شاید ظفراللہ خان بیرون ملک قادیانیت نہ چلا سکتے۔ قائداعظم نے اگر اسے نامزد کیا تھا تو اپنے سامنے کام کرنے کے لئے نامزد کیا تھا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ میرے بعد بھی تم اس پر اعتماد بحال رکھو۔ ثانیاً: اس وقت ہندوستان اور پاکستان دونوں کی سیاسی مصلحت اس میں تھی کہ کچھ وقت کے لئے انگریزوں کے کسی نہ کسی ایجنٹ کو ساتھ رکھیں۔ گاندھی اور پنڈت نہرو نے اس کے لئے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو چنا اور قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خان کو چنا۔ چوہدری ظفراللہ خان قادیانی ہونے کی حیثیت سے برطانیہ کا ایک خود کاشتہ پودا تھا۔ سو اگر قائداعظم نے اس وقت مصلحت اس میں سمجھی کہ انگریزوں کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ ساتھ رکھا جائے تو یہ ایک وقتی مصلحت تو ہوسکتی ہے۔ یہ نہیں کہ پاکستان ایک اسلامی سلطنت ہونے کے باوجود ایک غیرمسلم کو اپنے بیرونی تعارف کا ذریعہ سمجھے۔

۲...... بین المملکتی تعلقات میں اصولی حیثیت ہمیشہ ریاست کی ہوتی ہے، افراد کی نہیں۔ دومملکتوں کے باہمی روابط ایک آدھ فرد کے آنے جانے سے متأثر نہیں ہوا کرتے۔ اس سوال کا جواب تو خود قادیانیوں کو فراہم کرنا چاہئے کہ آخر امریکہ کو ظفراللہ خان سے کیا دلچسپی تھی کہ اس کے جانے کے بعد وہ پاکستان کو گندم کا ایک دانہ بھی نہ دے گا اور خواہ پاکستان خوفناک قحط سے دوچار ہو جائے امریکہ اپنے اور اپنے حلیف ملک کے تمام مفادات محض ایک فرد کی وجہ سے قائم رکھے اور اس کے ہٹنے یا مرنے سے اس سے دستبردار ہو جائے۔ اس طرح وہ گندم جو ظفراللہ جیسے قادیانی کی بدولت مسلمانوں کو ملے اپنے اندر یقیناً کوئی گہری سازش رکھتی ہوگی۔ ان گندم نما سازشی جوفروشوں سے ملک کی اساسی حیثیت اور مسلمانوں کے ایمان اور ملی بقاء کے تحفظ کے لئے ضروری تھا اور یہ ایسا ضروری تھا کہ مسلمان معاشی خطرہ مول لے کر بھی متاع ایمان کی حفاظت کرنے کے مکلّف تھے۔ علامہ اقبال مرحوم نے ایسے ہی مواقع کے لئے کہا ہے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

۳...... یہ کہنا کہ ظفراللہ خان کو ہٹانے کی صورت میں بھارت دریاؤں کا سارا پانی ہندوستان منتقل کر دے گا۔ اس سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ظفراللہ اپنے قادیانی پیشروؤں کے گھناؤنے منصوبے کہ پاکستان پھر اکھنڈ بھارت میں جا ملے گا کے لئے کام کر رہا تھا۔ قائدین تحریک ختم نبوت کا مؤقف بھی یہی تھا کہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے ہمدردی کبھی نہ تھی اور نہ ہے۔ پھر اگر ظفراللہ وزارت میں رہے تو بھارت پاکستان کو پانی دے گا، وگرنہ

نہیں۔ اس فیصلہ کے مضمرات جاننا کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو ظفراللہ پاکستان میں ہندوؤں کے مفادات کا محافظ تھا۔ اسے ہٹانے کی صورت میں بھارت کو پاکستان کی پشت میں چھرّا گھونپنے کے لئے اور کوئی شخصیت نہ مل سکتی تھی اور اسی لئے پانی بند کرنے کی دھمکی دی گئی۔ یہ بھی قائدین تحریک ختم نبوت کی کرامت سمجھئے کہ اس وقت کے حکمران نے یہ سوال کر کے بالواسطہ یہ اعتراف کیا کہ چوہدری ظفراللہ خان کے اسلام اور پاکستان کے دشمن نمبرایک بھارت کے ساتھ کتنے گہرے رابطے ہیں؟ جن میں ظفراللہ کلیدی کردارادا کر رہا تھا۔ سواب اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ پاکستان کو امریکہ، بھارت اور قادیانیت کی تثلیث وتلبیس سے بچانے کے لئے ظفراللہ کو ہٹانا ضروری تھا۔ ایک نظریاتی ریاست کا تنخواہ دار ملازم جب اس ریاست کے اساسی مقاصد سے انحراف وبغاوت رکھتا ہوتو اس کی سزا، سزائے بغاوت ہے۔ جب کہ مسلمانوں نے بہت نرمی کی اور اسے صرف وزارت سے ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ آئین اور اخلاق کے اعتبار سے اس مستحسن بلکہ مسلمانوں کے ملّی وجود پر قادیانیت کے منڈلاتے ہوئے خطرے کے پیش نظر ضروری مطالبہ پر مسلمانوں ہی کو موردطعن ٹھہرانا چور ہوکر کوتوال کو ڈانٹنا ہے۔

سوال نمبر۶:

مذکورہ حالات کے تناظر میں کیا ہم یہ سمجھیں کہ تحریک ختم نبوت، پاکستان پر آخری ضرب لگانے کے لئے جاری کی گئی تھی۔ تاکہ ملک خانہ جنگی کے باعث ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ اگرنہیں تو تحریک کے مثبت مضمرات پر روشنی ڈالیں۔

جواب: قادیانیت کے موضوع پر ملک کبھی خانہ جنگی کا شکارنہیں ہوسکتا۔ یہ تصور وہی کر سکتا ہے جسے قادیانیوں کی موجودہ پوزیشن کا کوئی علم نہ ہو۔ ہاں! ایک صورت میں اس کا احتمال ہوسکتا تھا کہ فوج میں موجود قادیانی اپنے آپ کو اپنے کمانڈر کے حکم کی بجائے اپنے ربوہ کے سربراہ کے تحت سمجھیں۔ اگر فوج کے کسی حصہ میں ان کی پوزیشن مضبوط ہوتو بے شک اس سے خانہ جنگی کا احتمال پیدا ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کا سدباب خاموشی نہیں بلکہ ہر محکمہ میں ان کی افراد اور کلیدی پوزیشنوں پر کڑی نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ ملک مسلمانوں نے اسلام کے نام پر بنایا ہے۔ اس میں قادیانی اگر اس طرح گھسیں کہ ہر ہر محکمہ میں وہ اپنی پوزیشن قوی کرنے

لگیں۔ یہاں تک کہ ان جیسی سازشوں کے ذریعے وہ پاکستان پر چھا جانے کا منصوبہ بنائیں تو کیا مسلمان محض اس لئے منہ دیکھتے رہ جائیں کہ ان کو ہاتھ ڈالنے سے ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ ۱۹۵۳ء کی اس تحریک اور چوہدری ظفر اللہ خان کی علیحدگی سے اب یہ اس پوزیشن میں قطعاً نہیں آسکتے کہ ان کے باعث کسی خانہ جنگی کا اندیشہ ہو۔ ہاں! قادیانی سربراہ کا ہمارے دفاتر اور محکموں کو اس نقطہ سے دیکھنا یقیناً ایک اُمڈ آنے والے فتنے کا مؤجب ہوسکتا تھا۔

(منیر انکوائری رپورٹ ص۲۱۳) میں ہے: ''مرزا بشیر الدین محمود کے ایک خطبے کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو الفضل مؤرخہ ۱۱؍جنوری ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا اور جس میں احمدیوں کو ترغیب دی گئی تھی کہ صرف ایک ہی محکمہ یعنی فوج ہی میں جمع نہ ہوں، بلکہ تمام دوسرے محکموں میں بھی پھیل جائیں۔'' اور اس کا مقصد منیر انکوائری رپورٹ کے الفاظ میں یہ تھا: ''تاکہ جو لوگ اب تک منکر رہے ہیں، وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت کے آغوش میں آجائیں۔''

(منیر انکوائری رپورٹ ص۲۱۳)

پھر مرزا بشیر الدین محمود نے کوئٹہ میں جو تقریر کی اس کا ذکر منیر انکوائری رپورٹ میں اس طرح کیا گیا ہے: ''کوئٹہ میں مرزا بشیر الدین محمود احمد نے جو تقریر کی وہ نہ صرف نامناسب بلکہ غیر مآل اندیشانہ اور اشتعال انگیز تھی اس تقریر میں انہوں نے پورے صوبے کو احمدی بنالینے اور اس صوبے کو مزید جدوجہد کے مرکز کی حیثیت سے استعمال کرنے کی علی الاعلان حمایت کی۔'' (منیر انکوائری رپورٹ ص۲۸۰)

پاکستان میں انہی سالوں میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے، جنہیں بجا طور پر کسی خفیہ ہاتھ کا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً (۱) لیاقت علی خان کا قتل عین اس وقت جب قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی انہیں قادیانی عقائد وعزائم سے تفصیلاً آگاہ کر چکے تھے۔ (۲) فوج میں پنڈی سازش کیس اور میجر جنرل نذیر کا کردار، (۳) جداگانہ انتخابات کی تجویز اور قادیانیوں کو مسلمانوں کے ساتھ شامل کرنے کا فیصلہ، (۴) قادیانی سربراہ کا بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنانے کی سازش (۵) اور ربوہ کے قادیانی سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کا یہ اعلان کہ ۱۹۵۲ء تک پوری مسلم آبادی قادیانی بن جائے (۶) اور قادیانی افسروں کا بزور مسلمانوں کو قادیانی بنانا یہ وہ بواعث تھے جو دردمند حساس مسلمانوں کو اس مؤقف پر لانے کا موجب ہوئے۔ ان حالات میں اگر علماء کرام نہ اٹھتے تو پاکستان ضرور کسی نہ کسی جہت سے

قادیانی سازش کی بھینٹ چڑھ چکا ہوتا۔ سو یہ بات صحیح نہیں کہ یہ تحریک پاکستان پر کسی ضرب کاری کے لئے شروع کی گئی تھی۔ بلکہ منیر انکوائری رپورٹ کے مطابق خود قادیانی سرگرمیاں اس کا موجب ہوئی تھیں کہ مسلمان یہ تین مطالبات لے کر اٹھے تھے۔

۱...... قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲...... چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ کے عہدے سے برطرف کیا جائے۔

۳...... قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

سوال نمبر۷:

قائد اعظم کو کافر اعظم اور پاکستان کو ’’بازاری عورت‘‘ کس نے کہا تھا اور کس شخص نے اپنی شعلہ آفرین تقریروں کے ذریعے عوام کو اتنا مشتعل کیا تھا کہ عام خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

جواب: تقسیم ملک سے پہلے کے سیاسی اختلافات میں ہر فریق نے ایک دوسرے کے بارے میں جو کچھ کہا، اسے پاکستان بننے پر نئے سرے سے اچھالنا کسی طرح درست نہیں، نہ یہ کسی محبّ وطن کا کام ہوسکتا ہے۔ یہ انداز سوال بتا رہا ہے کہ سوال کرنے والا ایک جذباتی اختلاف کی آگ نئے سرے سے بھڑکانا چاہتا ہے۔ حالانکہ پاکستان بننے کے بعد ان لوگوں کی پاکستان سے وفاداریاں جو پہلے تقسیم کے خلاف نظریہ رکھتے تھے۔ دوسرے کسی پاکستانی سے کم نہیں۔ پاکستان کو ’’بازاری عورت‘‘ کسی نے نہیں کہا۔ یہ محض بہتان ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ پاکستان بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو مرزاغلام احمد قادیانی نے بازاری عورتوں کی اولاد کہا ہے۔ ہوسکتا ہے کسی مقرر نے یہ حوالہ پیش کیا ہو اور نقل کرنے والے نے اسے مقرر کے ذمہ لگا دیا ہو۔ اس قسم کی خلاف احتیاط نقول منیر انکوائری رپورٹ میں کئی جگہ موجود ہے۔ ان میں سے دو نمونے ہم دوسرے سوال کے جواب کے ذیل میں افہام وتفہیم کے مراحل کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

مرزاغلام احمد قادیانی نے مسلمانوں کو جو بازاری عورتوں کی اولاد کہا ہے۔ یہ بایں جہت زیادہ محل اعتراض ہے کہ قادیانی پاکستان میں بھی یہ لٹریچر لئے پھرتے ہیں اور مسلمانوں کو برسرعام بازاری عورتوں کی اولاد کہنے کی اشاعت کی جاتی ہے۔ مرزاغلام احمد قادیانی کی

یہ تحریر (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹) پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اب یہ کہاں کا انصاف ہے کہ قادیانیوں کی یہ گالی اور فحش گوئی کی یہ زبان قائدین تحریک ختم نبوت کے ذمہ لگادی جائے۔

تحریک سے کچھ عرصہ پہلے ایک پرجوش تقریر مرزابشیرالدین محمود نے کی تھی، جس سے ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ اس کا ذکر (منیرانکوائری رپورٹ ص۲۱۳) میں بایں عبارت موجود ہے۔ ''اس خطبہ میں انہوں نے اپنے پیروؤں سے پرجوش اپیل کی تھی کہ اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز تر کردیں۔ تاکہ اب تک جولوگ منکر رہے ہیں وہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک احمدیت کے آغوش میں آجائیں'' حالات بتاتے ہیں کہ مرزابشیرالدین نے فسادات کی جوآگ بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ پھروہ فضاء بن کر رہی۔

سوال نمبر۸:

ایک اور شخص جس نے قائداعظم کو اپنی ایک تصنیف میں رجل فاجر کی گالی دی تھی اور جس نے فسادات کے خاتمہ کے لئے حکومت کی امن کی اپیل پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ کیا یہ وہی تو نہیں تھے جنہوں نے کشمیر میں پاکستان کی فوجی کارروائی کے خلاف فتویٰ جاری کیا تھا اور جن کے فتویٰ کو بھارتی ریڈیو نے زبردست پروپیگنڈا کے طور پر اچھالا تھا۔

جواب: کسی سیاسی شخصیت کا کسی دوسرے سیاسی قائد کو رجل فاجر کہنا، اس کی قیادت کا انکار نہیں، جس طرح ''صلوا خلف کل بر وفاجر'' کا حکم کسی کی امامت کی نفی نہیں کرتا۔ اس قسم کے الفاظ کا استعمال گونا پسندیدہ سہی لیکن اس سے ملکوں کے قومی فیصلے کبھی متاثر نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص سیاسی سطح پر جہاد کے سلسلہ میں اس قسم کی بات نہیں کہتا۔ اعتقادی حیثیت سے کہتا ہے تو بے شک اس کا یہ فتویٰ قومی سطح پر خطرناک ہوگا اور اس کے عملی زندگی پر گہرے اثرات ہوسکتے ہیں۔ اگر کسی قائد نے کسی سیاسی معاہدہ کے باعث جہاد کشمیر کا انکار کیا تو یہ بات ایک سیاسی سطح سے زیادہ درجہ نہیں رکھتی۔ لیکن اگر کوئی شخص اعتقادی طور پر یہ سمجھتا ہے کہ اب جہاد منسوخ اور حرام ہے تو اس قسم کے اعتقاد کے حامل واقعی ملک کے لئے عظیم خطرہ ہیں۔ اگر انہیں دستور میں صاف لفظوں میں غیرمسلم رکھا جائے تو پھر یہ لوگ ملک کے

لئے اتنا گھناؤنا خطرہ نہیں رہتے۔ علماء اسلام نے اسی خطرہ سے بچنے کے لئے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ کیونکہ یہ لوگ جہاد کو منسوخ حرام اور بدترین مسئلہ سمجھتے ہیں۔ (ریویو آف ریلیجنز ج۱ ش۲ ص۳۹)

سوال نمبر۹:

تحقیقاتی رپورٹ کے مصنّفین نے اپنی اس رائے کا بار بار ذکر کیا ہے کہ آئینی دائرے میں کام کر کے اسمبلی کے ذریعے تحریک کے مطالبات کو منوایا جاسکتا تھا۔ لیکن تحریک کے لیڈروں نے آئینی ذرائع کو استعمال کرنے کی بجائے فسادات اور جنگ وجدل کا راستہ اختیار کیا جو غداری کے مترادف تھا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ عدالت کے ججز کی رائے حتمی طور پر درست ہے اور کیا آپ بھی تحریک کے لیڈروں کو وطن کا غدار قرار دینے کے لئے تیار ہیں؟

جواب: تحریک کے لیڈروں پر فسادات اور جنگ وجدل کا راستہ اختیار کرنے کا الزام واقعات طور پر غلط ہے۔ قائدین تحریک ختم نبوت کے مطالبات اوّلاً اتنے معقول، حقیقت پسندانہ اور مبنی بر دلائل تھے کہ کسی انصاف پسند شخص کو ان سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔ ثانیاً: انہیں منوانے کے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا، وہ عصر حاضر کی جمہوری روایات کے عین مطابق تھا۔ تمام جمہوری ممالک میں عوام اپنے مطالبات ہمیشہ جلسوں جلوسوں اور احتجاجی مظاہروں کے ذریعے ہی حکمرانوں تک پہنچاتے ہیں اور انہیں کسی بھی ملک میں جنگ وجدال اور فسادات سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ قائدین تحریک ختم نبوت اپنے مطالبات سے وزیراعظم کو بالمشافہ آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ حکومت نے ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں گرفتار کر لیا۔ واقعات کی ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ انتظامیہ کے بعض ذمہ دار لوگ یہ نہیں چاہتے تھے کہ علماء کرام وزیراعظم سے براہ راست ملاقات کر کے اپنے مطالبات میں کسی قسم کی کامیابی حاصل کریں۔

اگر انتظامیہ قائدین تحریک ختم نبوت کو گرفتار کرنے کا عاجلانہ اقدام نہ کرتی تو توقع تھی کہ قائدین افہام وتفہیم سے اس مسئلہ کو حل کروانے میں کامیاب ہو جاتے۔ ملک کو فساد میں جھونکنے اور اشتعال انگیزی کی ابتداء بھی قادیانیوں کی جانب سے ہوئی۔

(منیر انکوائری رپورٹ ص۲۸۰) میں ہے: ’’کوئٹہ میں مرزا بشیر الدین محمود نے جو تقریر کی وہ نہ صرف نامناسب بلکہ غیر مآل اندیشانہ اور اشتعال انگیز تھی۔ اس تقریر میں انہوں نے بلوچستان کے صوبے کی پوری آبادی کو احمدی بنالینے اور اس صوبے کو مزید جدوجہد کے مرکز کی حیثیت سے علی الاعلان استعمال کرنے کی حمایت کی۔ اس طرح جب انہوں نے اپنے پیروؤں کو یہ ہدایت کی کہ تبلیغ احمدیت کے پروپیگنڈا کو مزید تیز کردیں تاکہ ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی احمدیت کی آغوش میں آجائے تو گویا مسلمانوں کو تبدیل مذہب کے متعلق سرگرمیوں کا کھلا نوٹس دے دیا اور جب مرزا غلام احمد قادیانی کو نہ ماننے والوں کے متعلق ’’دشمن‘‘ یا ’’مجرم‘‘ یا محض ’’مسلمان‘‘ کے لفظ استعمال کئے گئے تو جن لوگوں کی توجہ ان اشارات کی طرف مبذول کرائی، ان کا مشتعل ہونا لازمی تھا۔ احمدی افسروں کی لوگوں کو احمدی بنانے کی مہم میں ازسرتاپا مصروف ہوجانا اپنا مذہبی فریضہ خیال کیا۔ ان کے اس امر کی وجہ سے احمدیوں کو اس امر کا حوصلہ ہوا کہ جہاں کہیں انہیں افسروں کی حمایت حاصل تھی یا حاصل ہونے کی توقع تھی، وہاں اپنے مقصد کے حصول میں زوروشور سے مصروف ہوجائیں۔‘‘

۱۷، ۱۸ر مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں جس جلسہ سے ظفر اللہ خان کی تقریر کی وجہ سے تحریک کا آغاز ہوا، اس میں ظفر اللہ خان روکے جانے کے باوجود تقریر کرنے سے باز نہ آیا اور حکومت کو یہ جواب دیا۔

’’اس جلسہ میں تقریر کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اگر اس کے باوجود بھی وزیراعظم اس بات پر مصر ہوں کہ مجھے جلسہ میں شامل نہ ہونا چاہئے تو میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے تیار ہوں۔‘‘ (منیر انکوائری رپورٹ ص۷۷)

منیر انکوائری رپورٹ کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ:

الف…… اشتعال انگیز تقریروں کی ابتداء مرزا بشیر الدین محمود اور ظفر اللہ کی طرف سے ہوئی۔

ب…… قادیانیوں نے بلوچستان صوبہ کی پوری مسلم آبادی کو قادیانی بنانے کا ناپاک سازشی منصوبہ بنایا۔

ج...... ۱۹۵۲ء کے آخر تک پوری مسلم آبادی کو قادیانی بنالینے کے عزم کا برملا اعلان کیا۔

د...... قادیانی افسروں نے سرتاپا خود کو قادیانیت کی تبلیغ کے لئے وقف کر دیا۔

قادیانیوں کے ان خطرناک ارادوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے قائدین تحریک ختم نبوت کو سخت ترین مطالبات کا حق پہنچتا تھا۔مگران کے مطالبات کس قدر منصفانہ تھے،ایک نظر ملاحظہ ہوں۔

۱...... قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

۲...... چوہدری ظفر اللہ کو وزارت خارجہ کے عہدے سے الگ کیا جائے۔

۳...... تمام قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے۔

قادیانیوں کے عزائم اور مسلمانوں کے مطالبات پر نظر کرتے ہوئے یہ فیصلہ مشکل نہیں کہ جارحیت تشدد اور اشتعال انگیزی کی ابتداء کس جانب سے ہوئی؟ اور دستوری وجمہوری اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے مطالبات سے حکمرانوں کو آگاہ کرنے کا پرامن راستہ کس نے اختیار کیا؟

سوال نمبر۱۰:

اگر یہ تحریک صرف اور صرف اسلام کی سربلندی اور احمدیوں کے غلط عقیدوں کے خلاف تھی تو ہادی اسلام ﷺ کے اس قول کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ میری امت کے ۷۳ فرقے ہوں گے۔ ۷۲ دوزخی اور ایک جنتی ہوگا۔ آپ بتائیں کہ ۷۲ اور ایک شرح کے مطابق کتنا حصہ دوزخی اور کتنا جنتی ہے۔تحریک نے احمدیوں کو ناٹ مسلم قرار دلوایا ہے۔ احمدی کہتے ہیں خدا کا شکر ہے ہم محض ’’ناٹ مسلم‘‘ ہیں۔ دوزخی نہیں ہیں اور ہمیں ان لوگوں نے ناٹ مسلم قرار دیا ہے، جن کے خلاف قرطاس ابیض شائع ہوا اور جنرل ضیاء نے جنہیں غیر مسلم قرار دیا تھا جس پر مسٹر بھٹو نے سپریم کورٹ میں احتجاج کیا تھا۔ علماء بتائیں کہ بخشش کے زیادہ قریب کون ہوسکتا ہے۔ ناٹ مسلم یا دوزخی؟

جواب: حدیث افتراق امت جس میں ۷۳فرقوں کی خبر دی گئی ہے، یہ یہود ونصاریٰ کی فرقہ بندی کے مقابلہ میں ذکر کی گئی ہے۔سو غیر مسلم اقوام جیسے یہود ونصاریٰ، ہنود ومجوس اور بدھ وقادیانی وغیرہ ان میں شامل نہیں۔ یہ امت دعوت کے بیان میں نہیں امت اجابت کے بیان میں ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک وقت میں ۷۲جہنمی فرقے موجود ہوں گے۔ایک ملت کے یہ گمراہ فرقے بنتے اور مٹتے اور پھر بنتے اور مٹتے رہیں گے۔کل گنتی ۷۲تک پہنچے گی۔ ہاں! اہل حق برابر ہر دور میں موجود رہیں گے اوراس کی ضمانت حدیث شریف میں دی گئی ہے اور یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ یہ ناجی فرقہ ہمیشہ سواداعظم رہے گا۔حضورﷺ نے ان کی علامت یہ بتلائی: ’’ما انا علیه واصحابی‘‘ آپﷺ نے اپنے بعد انہیں صحابہؓ کا پیرو بتلایا ہے۔

قادیانی جماعت کا آغاز مرزاغلام احمد قادیانی کے آنے کے بعد ہوا ہے۔ حضورﷺ کے زمانے سے نہیں۔ یہ لوگ اپنے عقیدے میں حضورﷺ کے بعد مرزاغلام احمد قادیانی کے پیرو ہیں۔یہی ان کی پہچان ہے۔’’ما انا علیه واصحابی‘‘ ان کی پہچان نہیں۔حدیث میں ان لوگوں کا بیان ہے جو حضورﷺ کے بعد آپ کے صحابہؓ کی پیروی سے ممتاز ہوں گے۔جہنمی فرقوں کی پہچان حضورﷺ کی رسالت کے اقرار کے بعد صحابہؓ کی پیروی کی بجائے اپنے نفس اوراپنی اغراض کے پیچھے چلنا ہے۔

اس روش کے لوگ جہنم میں جائیں گے۔قدری، جبری، معتزلی، مرجیہ، خوارج وغیرہ سب ان میں آتے ہیں۔ جولوگ حضور خاتم النّبیینﷺ کے بعد کسی متنبّی کے پیرو ہوں وہ اپنی گمراہی میں ان ۷۲ سے بہت آگے نکل گئے ہیں اوروہ بالکل علیحدہ ملت ہوگئے ہیں۔ یہ ۷۲فرقے ایک ملت کے راہ گم کردہ لوگ ہیں۔علیحدہ ملت نہیں اورایک فرقہ جو تعداد میں سواداعظم ہے وہ ناجی فرقہ ہےاورقادیانی کوئی فرقہ نہیں۔ بالکل ایک علیحدہ ملت اور’’ناٹ مسلم‘‘ ہیں۔ یہ کوئی فرقہ ہرگز نہیں کہ انہیں ان ۷۳ میں کوئی جگہ دی جاسکے۔ یہ ان ۷۲گمراہ فرقوں سے بھی آگے ایک بدترین گمراہ غیر مسلم ملت ہیں۔ (تحریک ختم نبوت ج۱ص ۶۳۵ تا ۶۴۷طبع عالمی مجلس ملتان)

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی

میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں

قادیانیوں کی نئی نسلوں اور نوجوانوں کے نام دردبھرا پیغام واپسی

اپنے موجودہ سربراہ کے بیان پر گہری نظر کریں

جسٹس (ر) حضرت ڈاکٹر علامہ خالد محمود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آپ امت مسلمہ سے نکلی ہوئی نئی جماعت ہیں اور مسلمان آپ کی (Parent Body) ہیں، جس طرح سکھ ہندوؤں سے نکلی ہوئی ایک قوم ہیں اور ہندو ان کی (Parent Body) ہیں۔ سو اس نقطہ نظر سے ہمارے اور آپ کے تاریخی رشتے ہیں۔ آپ پر جو بھی تکلیف آئے ہمیں وہ بہت گراں محسوس ہوتی ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ قادیانیت سے نکل کر اپنی (Parent Body) میں واپس آجائیں۔ دن کا بھولا شام کو واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

آپ استخارہ کر کے صرف ان دو باتوں پر غور فرمائیں۔

ا...... (الف) آپ کے والدین یا ان کے والدین قادیانیت میں ایک جلد بازی سے داخل ہوئے تھے۔ (ب) کہیں غلط فہمی تھی کہ چودھویں صدی آخری صدی ہوگی اور اس صدی میں مسیح موعود آنا چاہئے۔ (ج) کہیں ملک میں طاعون پھیلی تھی اور مرزا قادیانی نے لوگوں تسلی دی تھی کہ جو ان کی جماعت میں آجائے گا۔ طاعون سے بچا رہے گا۔ کئی نادان اس میں بلیک میل ہوگئے۔

(د) مذہبی احساس رکھنے والے اس بات سے خوش تھے کہ صلیب ٹوٹنے والی ہے اور خنزیروں کا کھایا جانا ختم ہونے والا ہے۔ وہ ان خوشیوں کی امید میں مرزا قادیانی کی بیعت میں چلے گئے۔ (ھ) کچھ لوگ اچھی ملازمتوں اور اعلیٰ عہدوں کے لالچ میں قادیانی سلسلے میں داخل ہوئے۔ کیونکہ قادیان کا یہ پورا خاندان شروع سے انگریزوں کا وفادار تھا اور انگریزی عہد میں قادیانیوں کے لئے دنیوی ترقی کے زیادہ مواقع تھے۔

اب جب حالات بدل گئے اور انگریز بھی برصغیر پاک و ہند سے چلے گئے اور مرزا غلام احمد کو دنیا سے گئے سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے اور برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں امت مسلمہ اب تک انہی حالات میں ہے جو مرزا قادیانی سے پہلے کے تھے اور اس پورے طویل دور میں عالمی حالات میں کچھ فرق نہیں آیا۔ نہ صلیب ٹوٹی نہ اسرائیل مسلمانوں میں آشامل ہوئے۔ نہ خنزیروں کا کھایا جانا ختم ہوا۔ نہ ساری دنیا ایک ملت ہوئی۔

جب مرزا قادیانی کے آنے سے دنیا میں کوئی عالمی انقلاب نہیں آیا تو آپ سوچیں کہ تمہارے والدین اور اجداد جلد بازی میں قادیانی ہوئے تھے۔ کیا انہوں نے غلطی نہ کی تھی؟ جب اب تک کچھ بھی نہیں ہوا تو بہتر یہ ہے کہ آپ پھر اپنی (Parent Body) میں واپس آجائیں۔

۲...... آپ کے موجودہ سربراہ مرزا مسرور نے جو حالیہ بیان دیا ہے اور وہ آپ کے یوکے کے رسالہ انصار الدین میں بھی چھپا ہے۔ اس میں مرزا مسرور احمد نے کہا ہے کہ: ''الٰہی جماعتوں کی ہمیشہ مخالفت ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ ہمیشہ اپنے پیاروں کو ہی کامیاب کرتا ہے۔''

اس میں مرزا مسرور نے آپ کو ہمیشہ تکلیفوں میں رہنے کی خبر دی ہے اور پھر امید دلائی ہے کہ قادیانی آخر میں فتح یاب ہوں گے۔ آپ ایک منٹ بھی اس پر غور کریں تو آپ کے اندر سوال ابھرے گا کہ جب ہم ہمیشہ تکلیفوں میں رہیں گے تو پھر وہ کامیابی کی مبارک گھڑی کب آئے گی؟ سو سال تو ہو چکے اور کتنی صدیاں ہم در بدر پھرتے رہیں گے۔ قادیان ہمارا دارالامان تھا۔ وہ بھی ہمیں امان نہ دے سکا۔ پھر ہم نے ربوہ میں پناہ لی۔ ربوہ میں بھی احراری آگئے اور انہوں نے وہاں اپنی مسجدیں اور مدرسے بنالئے۔ پھر ربوہ سے بھی ہمیں مرکز تبدیل کرنا پڑا اور پھر ہم یہاں لندن چلے آئے۔

مسلمانوں نے اپنی ابتداء میں صرف تیرہ سال مصائب دیکھے تھے اور پھر ان کی اپنی ایک آزاد سلطنت مدینہ منورہ میں قائم ہوگئی۔ پھر دیکھتے دیکھتے مسلمان خلافت راشدہ میں روم وایران اور مصر وشام پر چھاگئے۔

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے مظالم سے نکل کر دریا پار کر گئے اور فرعون وہیں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ زیادہ دیر نہ لگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک مختصر مدت بسر کرنے کے بعد ''قادیانی عقیدے کی رو سے'' کشمیر چلے گئے اور ان کا وہ دور مصائب ختم ہوگیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے سامنے مخالفین کو ڈوبتے دیکھا بات اگلی نسل تک نہ چھوڑی۔

عزیزان گرامی! آپ مرزا مسرور احمد سے پوچھیں کہ ایک صدی تو ہم پر اس طرح گزر چکی ہے۔ اب اور کتنی صدیاں ہم ان حالات میں گزاریں گے۔ مرزا مسرور قادیانی موصوف جو آپ کو تسلی دے رہے ہیں کہ آخری فتح ہماری ہوگی۔ وہ ہمارا دور کامیابی کب آئے گا؟ وہ دور اگر ہم نہ دیکھ پائیں اور ہماری آئندہ نسل بھی نہ دیکھ سکے تو ہمیں ہمارا سربراہ اس موہوم کامیابی کی تسلی کے لئے دے رہا ہے؟

کیا یہ صرف اس لئے نہیں کہ ہماری محنتوں اور قربانیوں پر ہمارا ایک شاہی خاندان لندن میں چلتا اور پلتا رہے۔ کیا خلافت اس خاندان میں ہی بند رہے گی:

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن — ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

اے قادیانی نوجوانو اور طالب عالمو!

ہم امت مسلمہ کے اس پلیٹ فارم سے آپ کو واپس امت میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں، جس پر آپ کے دادا پردادا اور آپ کے پہلے آباؤ اجداد تھے۔ ہم ایک امت ہیں اور کعبہ ہمارا مرکز اور قبلہ ہے۔ قادیانیوں کی اپنی کہیں مرکزیت نہیں، ان کا اپنا کلمہ اردو میں ہے اور ان کے ہاں مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ خشک ہو چکا ہے۔ معاذ اللہ!

یاد رکھئے! باپ دادا کی ایک پہلی غلطی پر ڈٹے رہنا ہرگز کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ آپ کو آپ کے سربراہ اور مربی ہمیشہ مہدی اور مسیح کی بحثوں میں الجھائے رکھتے ہیں تاکہ آپ اس عالمی تناظر میں قادیانیت پر کچھ غور نہ کر پائیں کہ اب تک اس بڑی تحریک سے دنیا میں کوئی نمایاں تبدیلی کیوں واقع نہیں ہوئی۔ سوچو کہ کیا تبدیلی آئے گی اور کب آئے گی؟

اگر آپ اس اشتہار کی روشنی میں مرزا مسرور احمد اور اپنے مربیوں سے یہ سوالات کرتے جائیں کہ اب تک تو ہمیں اس سلسلے سے سوائے چندے دینے اور قربانیاں دینے کے کچھ نہیں ملا۔ اب کیا ملے گا؟ اور کب ملے گا؟ یاد رکھئے آپ کے یہ انتظار کے لمحے کبھی ختم نہ ہوں گے۔ گو قادیان کی ایک صدی پہلے کی آواز اب روز روشن کی طرح دنیا میں غلط ثابت ہوگئی ہے۔ مرزا محمود کا کہنا کہ:

یہ قادیان ہے نبی کی بستی — یہ تخت گاہ رسول حق ہے
خدائے قادر کا ہے یہ وعدہ — یہ بلدہ دارالاماں رہے گا

سکھوں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ خدا کے اس وعدے کو توڑ کر مرزا بشیر الدین محمود کو لاہور کی طرف چلنے پر مجبور کرتے اور قادیان دارالامان نہ رہتا۔ مگر ایسے ہوا معلوا ہوا۔ مرزا محمود نے خدا تعالیٰ کے نام پر اپنی قوم سے غلط بیانی کی تھی۔

حسرت ہے اس مسافر بے بس کے حال پر — جو تھک کے رہ جائے ہے منزل کے سامنے

قادیانی نئی نسلوں اور نوجوانوں کے حقیقی خیر خواہ!

(خالد محمود عفا اللہ عنہ)

مطبوعات عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

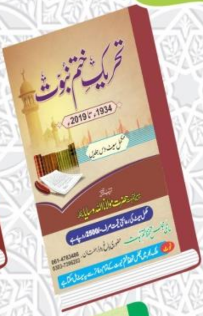

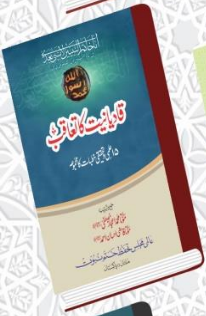

www.amtkn.com, www.laulak.info, www.khatm-e-nubuwwat.info,
www.khatm-e-nubuwwat.com, ameer@khatm-e-nubuwwat.com